سیرتِ مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علامہ عبدُ المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

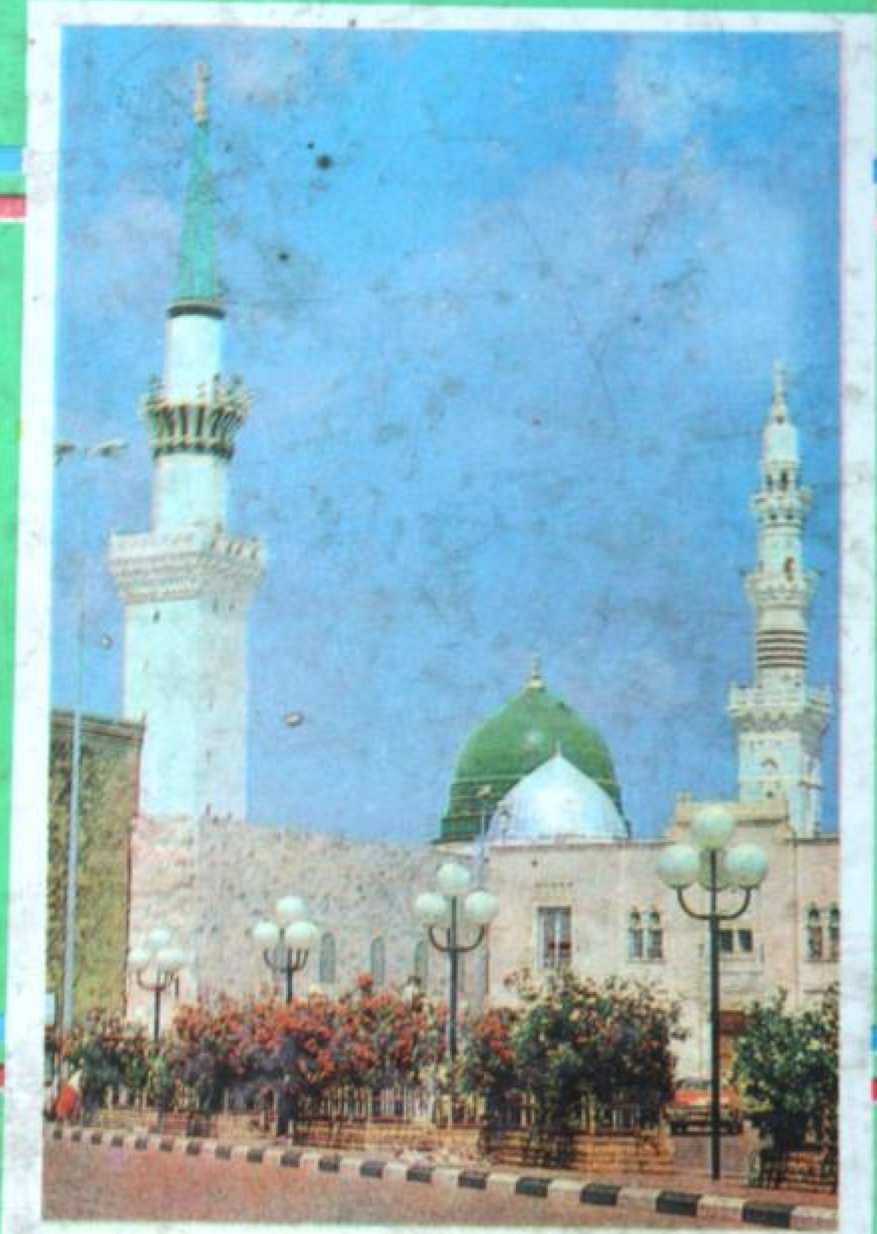

رومی پبلیکیشنز ○ لاہور

سیرتِ مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علامہ الحاج عبد المصطفیٰ اعظمی مجددی مدظلہ

رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور

نام کتاب	سیرت مصطفےٰ
مصنف	علامہ عبد المصطفےٰ اعظمی مجددی مدظلہ
محرک	ڈاکٹر منیر احمد
مصحح	محمد عالم مختار حق
کتابت	محمد نعیم ۔ حضرت کیلیانوالہ
ناشر	رومی پبلیکیشنز لاہور
مطبع	گنج شکر پرنٹرز لاہور
قیمت	-/۷۵ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لاّ الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین ابد الآبدین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
شرف انتساب	۲۱
عرض مولف	۲۲
مختصر کیوں	
سببِ تالیف	۲۴
ہجوم موانع	
ملتجیانہ گزارش	۲۶
شکریہ و دُعا	
مقدمۃ الکتاب	۲۸
چند مصنفینِ سیرت	۲۹
سیرت کیا ہے؟	۳۱
ملکِ عرب	۳۲
حجاز	
مکہ مکرمہ	۳۳
مدینہ منورہ	۳۴
خاتم النبیین عرب میں کیوں	
عرب کی سیاسی پوزیشن	۳۵

عنوان	صفحہ
عرب کی اخلاقی حالت	۳۵
حضرت ابراہیمؑ کی اولاد	۳۶
اولاد حضرت اسماعیل	
سیرت النبی پڑھنے کا طریقہ	۳۷
حضور تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی۔	
پہلا باب — خاندانی حالات	
نسب نامہ	۴۱
خاندانی شرافت	۴۲
قریش	۴۳
ہاشم	
عبدالمطلب	۴۴
اصحابِ فیل کا واقعہ	۴۵
حضرت عبداللہ	۴۸
حضورؐ کے والدین کا ایمان	۵۰

عنوان	صفحہ
برکاتِ نبوت کا ظہور	۵۵
دوسرا باب — بچپن	
ولادتِ باسعادت	۵۹
مولد النبی	۶۰
دودھ پینے کا زمانہ	۶۱
شقِ صدر	۶۵
شقِ صدر کتنی بار ہوا؟	۶۶
اُمِّ ایمن	
بچپن کی ادائیں	۶۷
حضرت آمنہ کی وفات	
ابوطالب کے پاس	۶۸
آپ کی دُعا سے بارش	
اُمّی لقب	۶۹
سفرِ شام اور بحیرا	۷۱
تیسرا باب — اعلانِ نبوت سے پہلے کے کارنامے	
جنگِ فجار	۷۲
حلف الفضول	
ملکِ شام کا دوسرا سفر	۷۵
نکاح	۷۶
کعبہ کی تعمیر	۷۹

عنوان	صفحہ
کعبہ کتنی بار تعمیر کیا گیا	۸۱
مخصوص احباب	۸۲
موحدینِ عرب سے تعلقات	۸۳
کاروباری مشاغل	۸۵
غیر معمولی کردار	۸۶
چوتھا باب — اعلانِ نبوت سے بیعتِ عقبہ تک	
غارِ حرا	۸۹
پہلی وحی	
دعوتِ اسلام کے تین دور	۹۲
پہلا دور	
دوسرا دور	۹۳
تیسرا دور	
رحمتِ عالم پر ظلم و ستم	۹۴
چند شریر کفار	۹۶
مسلمانوں پر مظالم	
کفار کا وفد بارگاہِ رسالت میں	۱۰۰
قریش کا وفد ابوطالب کے پاس	۱۰۲
ہجرت حبشہ ۵ھ نبوی	۱۰۳
نجاشی بادشاہ	
کفار کا سفیر نجاشی کے دربار میں	۱۰۴

عنوان	صفحہ
حضرت ابوبکر اور ابن دغنہ	١٠٧
حضرت حمزہ مسلمان ہو گئے	١٠٨
حضرت عمر کا اسلام	١١٠
شعب ابی طالب سنہ نبوی	١١٣
غم کا سال سنہ نبوی	١١٥
ابو طالب کا خاتمہ	١١٦
حضرت بی بی خدیجہ کی وفات	
طائف وغیرہ کا سفر	١١٧
قبائل میں تبلیغ اسلام	١٢٠
پانچواں باب	١٢٢
مدینہ میں آفتاب رسالت کی تجلیاں	
مدینہ میں اسلام کیونکر پھیلا؟	١٢٣
بیعت عقبہ اولیٰ	١٢٤
بیعت عقبہ ثانیہ	
ہجرت مدینہ	
کفار کانفرنس	١٢٦
ہجرت رسول کا واقعہ	١٢٧
کاشانہ نبوت کا محاصرہ	١٢٩
سو اونٹ کا انعام	١٣٠
ام معبد کی بکری	١٣٥
سراقہ کا گھوڑا	

عنوان	صفحہ
بریدہ اسلمی کا جھنڈا	١٣٧
حضرت زبیر کے قیمتی کپڑے	
شہنشاہ رسالت مدینہ میں	١٣٨
حضور تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی	١٤٠
چھٹا باب	
رحمت عالم کی مدنی زندگی	١٤١
ہجرت کا پہلا سال سنہ ١ھ	
مسجد قبا	
مسجد الجمعہ	١٤٢
ابو ایوب انصاری کا مکان	١٤٤
حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام	١٤٥
حضور کے اہل و عیال مدینہ میں	
مسجد نبوی کی تعمیر	١٤٦
ازواج مطہرات کے مکانات	١٤٧
مہاجرین کے گھر	١٤٨
حضرت عائشہ کی رخصتی	
اذان کی ابتداء	١٤٩
انصار و مہاجرین بھائی بھائی	
یہودیوں سے معاہدہ	١٥٢
مدینہ کے لیے دعا	١٥٣
حضرت سلمان فارسی مسلمان ہو گئے	

عنوان	صفحہ
نمازوں کی رکعتوں میں اضافہ	۱۵۴
تین جاں نثاروں کی وفات	
ساتواں باب	۱۵۷
ہجرت کا دوسرا سال ۲ھ	
قبلہ کی تبدیلی	
لڑائیوں کا سلسلہ	۱۵۹
غزوہ وسریہ کا فرق	۱۶۳
غزوات وسرایا	۱۶۴
سریہ حمزہ	
سریہ عبیدہ بن الحارث	۱۶۵
سریہ سعد بن ابی وقاص	
غزوۂ ابوا	۱۶۶
غزوہ بواط	
غزوہ سفوان	
غزوہ ذی العشیرہ	۱۶۷
سریہ عبداللہ بن جحش	
جنگِ بدر	۱۶۹
جنگ بدر کا سبب	
مدینہ سے روانگی	۱۷۰
ننھا سپاہی	۱۷۱
ابوسفیان کی چالاکی	۱۷۲
کفار قریش کا جوش	

عنوان	صفحہ
ابوسفیان بچ کر نکل گیا	۱۷۳
کفار میں اختلاف	
کفار قریش بدر میں	۱۷۴
تاجدار دوعالم بدر کے میدان میں	
سرور کائنات کی شب بیداری	۱۷۵
کون کب؟ اور کہاں مرے گا؟	
لڑائی ٹلتے ٹلتے پھر ٹھن گئی	۱۷۶
مجاہدین کی صف آرائی	۱۷۷
شکم مبارک کا بوسہ	
عہد کی پابندی	۱۷۸
دونوں لشکر آمنے سامنے	۱۷۹
دعائے نبوی	
لڑائی کس طرح شروع ہوئی؟	۱۸۰
حضرت عمیر کا شوق شہادت	۱۸۱
کفار کا سپہ سالار مارا گیا	
حضرت زبیر کی تاریخی برچھی	۱۸۳
ابوجہل ذلت کے ساتھ مارا گیا	
ابوالبختری کا قتل	۱۸۵
امیہ کی ہلاکت	۱۸۶
فرشتوں کی فوج	
کفار نے ہتھیار ڈال دیے	
شہدائے بدر	۱۸۷

عنوان	صفحہ
بدر کا گڑھا	۱۸۷
کفار کی لاشوں سے خطاب	۱۸۸
ضروری تنبیہ	
مدینہ کو واپسی	۱۸۹
مجاہدین بدر کا استقبال	
قیدیوں کے ساتھ سلوک	۱۹۰
اسیرانِ جنگ کا انجام	۱۹۱
حضرت عباس کا فدیہ	
حضرت زینب کا ہار	۱۹۲
مقتولینِ بدر کا ماتم	۱۹۳
عمیر اور صفوان کی سازش	۱۹۵
مجاہدین بدر کے فضائل	۱۹۶
ابولہب کی عبرت ناک موت	
غزوۂ بنی قینقاع	
غزوۂ سویق	۱۹۷
حضرت فاطمہ کی شادی	۱۹۸
۲ھ کے متفرق واقعات	۱۹۹
آٹھواں باب **ہجرت کا تیسرا سال ۳ھ**	۲۰۰
جنگ احد	
جنگ احد کا سبب	
مدینہ پر چڑھائی	۲۰۲

عنوان	صفحہ
مسلمانوں کی تیاری اور جوش	۲۰۲
حضور نے یہود کی امداد کو ٹھکرا دیا	۲۰۳
بچوں کا جوشِ جہاد	۲۰۴
تاجدارِ دو عالم میدانِ جنگ میں	
جنگ کی ابتداء	۲۰۶
ابودجانہ کی خوش نصیبی	۲۰۷
حضرت حمزہ کی شہادت	۲۰۹
حضرت حنظلہ کی شہادت	
ناگہاں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا	۲۱۱
حضرت مصعب بن عمیر شہید	۲۱۲
زیاد بن سکن کی شجاعت	۲۱۴
کھجور کھاتے کھاتے جنت میں	
لنگڑاتے ہوئے بہشت میں	۲۱۵
تاجدارِ دو عالم زخمی	۲۱۶
صحابہ کا جوشِ جاں نثاری	۲۱۷
ابوسفیان کا نعرہ اور اس کا جواب	۲۲۰
ہند جگر خوار	۲۲۱
سعد بن ربیع کی وصیت	
خواتین اسلام کے کارنامے	
ام عمارہ کی جاں نثاری	۲۲۲
حضرت صفیہ کا حوصلہ	۲۲۳
ایک انصاری عورت کا صبر	

عنوان	صفحہ
شہداء کرام	۲۲۴
قبور شہداء کی زیارت	
حیاتِ شہداء	۲۲۵
کعب بن اشرف کا قتل	
غزوہ غطفان	۲۲۶
۳ھ کے واقعاتِ متفرقہ	۲۲۷
نواں باب **ہجرت کا چوتھا سال ۴ھ**	۲۲۹
سریہ ابو سلمہ	
سریہ عبداللہ بن انیس	
حادثہ رجیع	۲۳۰
حضرت خبیب کی قبر	۲۳۲
حضرت زید کی شہادت	۲۳۳
واقعہ بیر معونہ	۲۳۴
غزوہ بنو نضیر	۲۳۵
بدر صغریٰ	۲۳۹
۴ھ کے متفرق واقعات	۲۴۰
دسواں باب **ہجرت کا پانچواں سال ۵ھ**	۲۴۲
غزوہ ذات الرقاع	
غزوہ دومۃ الجندل	۲۴۳
غزوہ مریسیع	۲۴۳
منافقین کی شرارت	۲۴۴
حضرت جویریہ سے نکاح	۲۴۶
واقعہ افک	۲۴۷
آیت تیمم کا نزول	۲۵۴
جنگِ خندق	۲۵۵
جنگ خندق کا سبب	
مسلمانوں کی تیاری	۲۵۶
ایک عجیب چٹان	۲۵۸
حضرت جابر کی دعوت	۲۵۹
بابرکت کھجوریں	۲۶۰
اسلامی افواج کی مورچہ بندی	
کفار کا حملہ	
بنو قریظہ کی غداری	۲۶۲
انصار کی ایمانی شجاعت	۲۶۳
عمرو بن عبدود مارا گیا	۲۶۴
نوفل کی لاش	۲۶۶
حضرت زبیر کو خطاب ملا۔	۲۶۸
حضرت سعد بن معاذ شہید	
حضرت صفیہ کی بہادری	۲۷۰
کفار کیسے بھاگے؟	
غزوہ بنی قریظہ	۲۷۲

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۵ھ کے متفرق واقعات	۲۷۴	غزوہ ذات القرد	۳۰۲
گیارہواں باب ہجرت کا چھٹا سال ۶ھ		جنگِ خیبر	۳۰۳
	۲۷۵	جنگ خیبر کا سبب	
بیعۃ الرضوان	۲۷۶	مسلمان خیبر چلے	۳۰۴
صلح حدیبیہ کیونکر ہوئی	۲۷۸	یہودیوں کی تیاری	۳۰۵
حضرت ابوجندل کا معاملہ	۲۸۳	محمود بن مسلمہ شہید ہوگئے	۳۰۶
فتح مبین	۲۸۶	اسود راعی کی شہادت	
مظلومینِ مکہ	۲۸۷	اسلامی لشکر کا ہیڈ کوارٹر	۳۰۷
حضرت ابوبصیر کا کارنامہ		حضرت علی اور مرحب کی جنگ	۳۰۹
سلاطین کے نام دعوتِ اسلام	۲۸۹	خیبر کا انتظام	۳۱۱
نامۂ مبارک اور قیصر	۲۹۰	حضرت صفیہ کا نکاح	۳۱۲
خسرو پرویز کی بد دماغی	۲۹۵	حضور کو زہر دیا گیا	۳۱۳
نجاشی کا کردار		حضرت جعفر حبشہ سے آگئے	۳۱۴
شاہِ مصر کا برتاؤ	۲۹۶	خیبر میں اعلان مسائل	
بادشاہ یمامہ کا جواب		وادی القریٰ کی جنگ	۳۱۵
حارث غسانی کا گھمنڈ	۲۹۷	فدک کی صلح	
سریۂ نجد	۲۹۸	عمرۃ القضاء	۳۱۶
ابورافع قتل کر دیا گیا	۲۹۹	حضرت حمزہ کی صاحبزادی	۳۱۸
۶ھ کی بعض لڑائیاں	۳۰۰	حضرت میمونہ کا نکاح	۳۱۹
باہواں باب ہجرت کا ساتواں سال ۷ھ	۳۰۲	تیرہواں باب ہجرت کا آٹھواں سال ۸ھ	۳۲۰

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
جنگِ موتہ	۳۲۰	شہنشاہ رسالت کا دربار عام	۳۴۷
اس جنگ کا سبب		کفارِ مکہ سے خطاب	۳۴۸
معرکہ آرائی کا منظر	۳۲۲	دوسرا خطبہ	۳۵۱
نگاہِ نبوت کا معجزہ	۳۲۳	انصار کو فراقِ رسول کا ڈر	۳۵۲
سریۃ الخبط	۳۲۵	کعبہ کی چھت پر اذان	
ایک عجیب الخلقت مچھلی	۳۲۶	بیتِ اسلام	۳۵۳
فتحِ مکہ	۳۲۶	بت پرستی کا خاتمہ	۳۵۶
کفارِ قریش کی عہد شکنی	۳۲۷	چند ناقابلِ معافی مجرمین	
تاجدارِ دو عالم سے استعانت	۳۲۹	مکہ سے فرار ہو جانے والے	۳۵۷
حضور کی امن پسندی	۳۳۰	مکہ کا انتظام	۳۵۹
ابوسفیان کی کوشش	۳۳۱	جنگِ حنین	۳۶۰
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط	۳۳۲	جنگِ اوطاس	
مکہ پر حملہ			
	۳۳۵	طائف کا محاصرہ	۳۶۵
حضرت عباس وغیرہ سے ملاقات		طائف کی مسجد	۳۶۶
میلوں تک آگ ہی آگ	۳۳۸	جنگِ طائف میں بت شکنی	۳۶۷
قریش کے جاسوس		مالِ غنیمت میں تقسیم	۳۶۸
ابوسفیان کا اسلام	۳۳۹	انصاریوں سے خطاب	
لشکرِ اسلام کا جاہ و جلال	۳۴۰	قیدیوں کی رہائی	۳۷۰
فاتح مکہ کا پہلا فرمان	۳۴۲	غیب داں رسول	۳۷۱
تاجدارِ دو عالم کا مکہ میں داخلہ	۳۴۴	عمرۂ جعرانہ	۳۷۳
مکہ میں حضور کی قیامگاہ	۳۴۵	۸ھ کے متفرق واقعات	
بیت اللہ میں داخلہ	۳۴۶		

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
چودھواں باب **ہجرت کا نواں سال** **۹ھ**	۳۷۶	وفود العرب	۴۰۱
		استقبالِ وفود	۴۰۳
		وفدِ ثقیف	
آیت تخییر و ایلاء		وفدِ کندہ	۴۰۴
ایک غلط فہمی کا ازالہ	۳۸۱	وفدِ بنی اشعر	۴۰۵
عاملوں کا تقرر	۳۸۲	وفدِ بنی اسد	
بنی تمیم کا وفد	۳۸۳	وفدِ بنی فزارہ	۴۰۶
حاتم طائی کی بیٹی اور بیٹا مسلمان	۳۸۶	وفدِ بنی مرہ	
غزوۂ تبوک	۳۸۷	وفدِ بنی البکاء	۴۰۷
غزوۂ تبوک کا سبب		وفدِ بنی کنانہ	
فہرست چندہ دہندگان	۳۸۸	وفدِ بنی بلال	۴۰۸
فوج کی تیاری	۳۹۰	وفدِ ضماد بن ثعلبہ	
تبوک کو روانگی	۳۹۱	وفدِ بلی	۴۱۰
راستہ میں چند معجزات	۳۹۲	وفدِ تجیب	۴۱۱
ہوا اڑا لے گئی	۳۹۳	وفدِ مزینہ	۴۱۲
گم شدہ اونٹنی کہاں ہے	۳۹۴	وفدِ دوس	
تبوک کا چشمہ		وفدِ بنی عبس	۴۱۴
رومی لشکر ڈر گیا		وفدِ دارم	
ذوالبجادین کی قبر	۳۹۶	وفدِ غامد	۴۱۵
مسجدِ ضرار	۳۹۸	وفدِ نجران	
صدیق اکبر امیر الحج	۴۰۰		
۹ھ کے واقعاتِ متفرقہ			

⁂ ⁂

عنوان	صفحہ
پندرھواں باب **ہجرت کا دسواں سال ۱۰ھ** **حجۃ الوداع**	۴۱۷
شہنشاہِ کونین کا تخت شاہی	۴۲۱
موئے مبارک	۴۲۲
ساقی کوثر چاہِ زمزم پر	
غدیر خم کا خطبہ	۴۲۳
روافض کا ایک شبہ	۴۲۴
سولھواں باب **ہجرت کا گیارھواں سال ۱۱ھ**	۴۲۵
جیش اُسامہ	
وفات اقدس	۴۲۷
حضور کو اپنی وفات کا علم	۴۲۸
علالت کی ابتداء	۴۲۹
وفات کا اثر	۴۳۲
تجہیز و تکفین	۴۳۵
نماز جنازہ	
قبر انور	
حضور کا ترکہ	۴۳۶
زمین	۴۳۷
سواری کے جانور	۴۳۸
ہتھیار	۴۳۹

عنوان	صفحہ
ظروف و مختلف سامان	
تبرکاتِ نبوت	۴۴۰
سترھواں باب **شمائل و خصائل**	۴۴۲
حلیہ مقدسہ	۴۴۳
جسم اطہر	
جسم انور کا سایہ نہ تھا	۴۴۵
مکھی، مچھر، جوؤں سے محفوظ	۴۴۶
مہر نبوت	
قد مبارک	۴۴۷
سرِ اقدس	
مقدس بال	
رُخِ انور	۴۴۸
محراب ابرو	۴۵۰
نورانی آنکھ	
بینی مبارک	۴۵۱
مقدس پیشانی	۴۵۲
گوش مبارک	
دہن شریف	۴۵۳
زبانِ اقدس	
لعابِ دہن	۴۵۴
آواز مبارک	۴۵۵

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
پُرنور گردن	۴۵۵	سرورِ کائنات کی عبادات	۴۶۶
دستِ رحمت		نماز	۴۶۷
شکم و سینہ	۴۵۶	روزہ	۴۶۸
پائے اقدس	۴۵۷	زکوٰۃ	۴۶۹
لباس		حج	
عمامہ مبارک		ذکرِ الٰہی	
چادر	۴۵۸	اٹھارہواں باب **اخلاقِ نبوت**	۴۷۱
کملی			
نعلین اقدس		حضور کی عقل	۴۷۲
پسندیدہ رنگ		حلم وعفو	
انگوٹھی	۴۵۹	تواضع	۴۷۶
خوشبو		حُسنِ معاشرت	۴۷۸
سُرمہ		حیاء	۴۸۰
سواری		وعدہ کی پابندی	۴۸۱
نفاست پسندی		عدل	۴۸۲
مرغوب غذائیں		وقار	۴۸۳
روزمرہ کے معمولات	۴۶۱	زاہدانہ زندگی	۴۸۴
سوناجاگنا	۴۶۲	شجاعت	۴۸۵
رفتار		طاقت	۴۸۶
کلام	۴۶۳	رکانہ پہلوان سے کشتی	
دربارِ نبوت		یزید بن رکانہ سے مقابلہ	
تاجدارِ دو عالم کے خطبات	۴۶۴	ابوالاسود سے زور آزمائی	۴۸۷

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ
سخاوت	۴۸۷
اسماء مبارکہ	۴۸۹
آپ کی کنیت	۴۹۱
طب نبوی	
پیغمبری دعائیں	۴۹۷
ہر بلا سے نجات	۴۹۸
سوتے وقت کی دعا	
رات میں جاگے تو کیا پڑھے ؟	۴۹۹
گھر سے نکلتے وقت کی دعا	
بازار میں داخل ہو تو کیا پڑھے ؟	
دعا سفر	۵۰۰
سفر سے آنے کی دعا	
منزل پر اس دعا کا ورد کرے	
بے چینی کے وقت کی دعا	
کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر کیا پڑھے	
کسی کو رخصت کرنے کی دعا	۵۰۱
کھانا کھا کر کیا پڑھے ؟	
آندھی کے وقت کی دعا	
بجلی گرجنے کی دعا	
کسی قوم سے ڈرے تو کیا پڑھے ؟	۵۰۲
قرض ادا ہونے کی دعا	
جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت	۵۰۲
ضروری تنبیہ	۵۰۳
مرغ کی آواز سن کر دعا	
گدھا بولے تو کیا پڑھے	
جنت کا خزانہ	۵۰۴
بہشت کا ٹکٹ	
سید الاستغفار	
جماع کی دعا	۵۰۵
شفاء امراض کے لیے	
مصیبت پر نعم البدل ملنے کی دعا	
انیسواں باب **متعلقین رسالت** **ازواج مطہرات**	۵۰۷
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا	۵۱۰
حضرت سودہ رضی اللہ عنہا	۵۱۲
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۵۱۴
حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا	۵۱۷
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا	۵۱۸
حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا	۵۲۱
حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا	۵۲۴
حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا	۵۲۶
حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا	۵۲۷

عنوان	صفحہ
حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا	۵۲۹
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا	۵۳۲
مقدس باندیاں	۵۳۴
حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا	۵۳۵
حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا	۵۳۵
حضرت نفیسہ رضی اللہ عنہا	۵۳۶
چوتھی باندی صاحبہ رضی اللہ عنہا	
اولادِ کرام	۵۳۶
حضرت قاسم رضی اللہ عنہ	
حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ	
حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ	
حضرت زینب رضی اللہ عنہا	۵۳۹
حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا	۵۴۲
حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا	۵۴۳
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا	۵۴۵
چچاؤں کی تعداد	۵۴۶
پھوپھیاں	۵۴۷
خدامِ خاص	
خصوصی محافظین	۵۵۰
کاتبینِ وحی	

عنوان	صفحہ
دربارِ نبوت کے شعراء	۵۵۱
خصوصی موذنین	۵۵۲
بیسواں باب **معجزاتِ نبوت**	۵۵۳
معجزہ کیا ہے	۵۵۴
معجزہ کی چار قسمیں	
انبیاء سابقین اور خاتم النبیین کے معجزات	۵۵۶
معجزاتِ کثیرہ میں سے چند	۵۵۸
آسمانی معجزات	۵۵۹
چاند دو ٹکڑے ہو گیا	
ایک غلط فہمی کا ازالہ	۵۶۰
ایک سوال وجواب	۵۶۱
سُورج پلٹ آیا	۵۶۴
سُورج ٹھہر گیا	۵۶۷
معراج شریف	۵۶۸
معراج کب ہوئی	۵۶۹
معراج کتنی بار اور کیسے ہوئی؟	
دیدارِ الٰہی	
مختصر تذکرۂ معراج	۵۷۱
سفرِ معراج کی سواریاں	

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
سفر معراج کی منزلیں	۵۷۴	سفیہ اور لڑکوں کی حکومت	
بادل کٹ گیا		ترکوں سے جنگ	۵۹۰
ایک ضروری تبصرہ	۵۷۵	ہندوستان میں مجاہدین	۵۹۱
قرآنِ مجید	۵۷۶	کون کہاں مرے گا	۵۹۲
علمِ غیب		حضرت فاطمہ کی وفات کب ہوگی	
	۵۷۸	خود اپنی وفات کی اطلاع	۵۹۳
غالب مغلوب ہوگا	۵۷۹	حضرت عمر و حضرت عثمان شہید ہوں گے	۵۹۴
ہجرت کے بعد قریش کی تباہی		حضرت عمار کو شہادت ملے گی	
مسلمان ایک دن شہنشاہ ہوں گے	۵۸۰	حضرت عثمان کا امتحان	۵۹۵
فتح مکہ کی پیش گوئی	۵۸۱	حضرت علی کی شہادت	
جنگ بدر میں فتح کا اعلان	۵۸۲	حضرت سعد کے لیے خوشخبری	۵۹۶
یہودی مغلوب ہوں گے	۵۸۳	حجاز کی آگ	
عہد نبوی کے بعد کی لڑائیاں	۵۸۴	فتنوں کے علمبردار	۵۹۸
احادیث میں غیب کی خبریں	۵۸۵	قیامت تک کے واقعات	
اسلامی فتوحات کی پیش گوئیاں		ضروری انتباہ	
قیصر و کسریٰ کی بربادی		**عالم جمادات کے معجزات**	۵۹۹
یمن، شام، عراق فتح ہوں گے	۵۸۶		
فتح مصر کی بشارت	۵۸۷	چٹان کا بکھر جانا	
بیت المقدس کی فتح		اشارہ سے بتوں کا گر جانا	۶۰۰
خوفناک راستے پُرامن ہو جائیں گے	۵۸۸	پہاڑوں کا سلام کرنا	
فاتح خیبر کون ہوگا؟	۵۸۹	پہاڑ کا ہلنا	
تیس برس خلافت پھر بادشاہی		مٹھی بھر خاک کا شاہکار	۶۰۱

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

تبصرہ ۶۰۱

عالمِ نباتات کے معجزات ۶۰۲

خوشہ درخت سے اتر پڑا

درخت چل کر آیا

امتباہ ۶۰۳

چھڑی روشن ہو گئی ۶۰۴

لکڑی کی تلوار ۶۰۵

رونے والا ستون

عالمِ حیوانات کے معجزات ۶۰۷

جانوروں کا سجدہ کرنا

اونٹ کی فریاد ۶۰۸

بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا ۶۰۹

تبلیغ اسلام کرنے والا بھیڑیا

اعلان ایمان کرنے والی گوہ ۶۱۰

امتباہ ۶۱۲

عالمِ انسانیت کے معجزات ۶۱۳

تھوڑی چیز زیادہ ہو گئی

اُمِ سلیم کی روٹیاں

حضرت جابر کی کھجوریں ۶۱۴

حضرت ابوہریرہ کی تھیلی

اُمِ مالک کا کپّہ ۶۱۵

بابرکت پیالہ ۶۱۶

تھوڑا توشہ عظیم برکت

برکت والی کلیجی

ابوہریرہ اور ایک پیالہ دودھ ۶۱۷

شفاء امراض

آشوبِ چشم سے شفا ۶۱۸

سانپ کا زہر اُتر گیا ۶۱۹

ٹوٹی ہوئی ٹانگ درست ہو گئی

تلوار کا زخم اچھا ہو گیا

اندھا بینا ہو گیا

گونگا بولنے لگا ۶۲۰

حضرت قتادہ کی آنکھ

فائدہ ۶۲۱

تسے میں کالا پلا گرا

جنون اچھا ہو گیا ۶۲۲

جلا ہوا بچہ اچھا ہو گیا

مرضِ نسیان دور ہو گیا ۶۲۳

مقبولیتِ دُعا

قریش پر قحط کا عذاب

سردارانِ قریش کی ہلاکت ۶۲۴

عنوان	صفحہ
مدینہ کی آب و ہوا اچھی ہوگئی	
اُم حرام کے لیے دُعا شہادت	۶۲۵
ستر برس کا جوان	
برکت اولاد کی دُعا	۶۲۶
حضرت جریر کے حق میں دُعا	۶۲۷
قبیلہ دوس کا اسلام	
ایک متکبر کا انجام	
مردے زندہ ہو گئے	۶۲۸
لڑکی قبر سے نکل آئی	
پکی ہوئی بکری زندہ ہوگئی	
عالمِ جنّات کے معجزات	۶۲۹
جن نے اسلام کی ترغیب دلائی	
جنوں کا سلام و پیغام	۶۳۰
جن سانپ کی شکل میں	
عناصر اربعہ کے معجزات	۶۳۱
انگشت مبارک کی نہریں	
زمین نے لاش کو ٹھکرا دیا	۶۳۲
جنگ خندق کی آندھی	
آگ جلا نہ سکی	۶۳۳
ایک ضروری انتباہ	۶۳۵

عنوان	صفحہ
چند خصائص کبریٰ	۶۳۶
اکیسواں باب	۶۳۹
اُمت پر حضور کے حقوق	۶۴۰
ایمان بالرسول	۶۴۱
اتباع سنتِ رسول	
صدیق اکبر کی آخری تمنا	۶۴۲
ابوہریرہ اور بھنی ہوئی بکری	
حضرت عباس کا پرنالہ	۶۴۳
اطاعتِ رسول	
سونے کی انگوٹھی پھینک دی	۶۴۴
محبتِ رسول	
ایک بڑھیا کا جذبۂ محبت	۶۴۵
حضرت ثمامہ کا اعلانِ محبت	۶۴۶
بستر موت پر رسول کا عشق	
حضرت علی اور محبتِ رسول	۶۴۷
حضرت عبداللہ بن عمر کا عشقِ رسول	
کدو سے محبت	
سوتے وقت رسول کی یاد	۶۴۸
محبتِ رسول کی نشانیاں	
تعظیمِ رسول	۶۴۹
حضور کی توہین کرنے والا کافر ہے	

عنوان	صفحہ
سر پر چڑیاں	٦٥١
حضرت عمرو بن عاص کے تین دور	
بڑا کون ؟	٦٥٢
حضرت براء کا ادب	
آثارِ شریفہ کی تعظیم	
مشک کا منہ کاٹ لیا	٦٥٥
مدح رسول	
درود شریف	٦٥٧
قبر انور کی زیارت	
ضروری تنبیہ	٦٥٩
ابن تیمیہ کا فتویٰ	٦٦٠
حدیث لا تشد الرحال	٦٦١
رسول کا وسیلہ	٦٦٢
ولادت سے قبل توسل	
ظاہری حیات میں توسل	٦٦٣

عنوان	صفحہ
دعاء نبوی میں وسیلہ	٦٦٤
وفات اقدس کے بعد توسل	٦٦٥
بارش کے لیے استغاثہ	
فتح کے لیے آپ کا وسیلہ	
حضرت عمر کی دعا میں وسیلہ	٦٦٦
حضور نے اسی دینار عطا فرمائے	٦٦٧
قبر انور سے روٹی ملی۔	
امام طبرانی کو کیسے کھانا ملا ؟	
ایک ظالم پر فالج گرا	٦٦٨
امام اعظم کا استغاثہ	
ہدیۂ سلام	٦٧٠
قطعۂ تاریخ تصنیف	٦٧١
قطعہ سالِ طباعت	٦٧٢
دُعاء	٦٧٤

۷۸۶
۹۲

شرفِ انتساب

*

حضور شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عظمت میں ایک ناکارہ امتی

کا

نذرانۂ عقیدت

یا رسول اللہ! بہ درگاہت پناہ آوردہ ام
ہمچو کاہے عاجزم، کوہِ گناہ آوردہ ام

خاک بوسِ نعلین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عبد المصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

عرضِ مؤلف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

الحمد للہ! خداوند قدوس جل جلالہٗ کا بے شمار شکر ہے کہ میری ایک بہت ہی دیرینہ، اور بہت بڑی قلبی تمنا پوری ہو گئی۔ کہ بہت سے موانع کے باوجود حضور اقدس شہنشاہِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کے اہم عنوانوں پر یہ چند اوراق لکھنے کی مجھے سعادت نصیب ہو گئی۔ فالحمد للّٰہ علی احسانہ۔

یہ کتاب اگرچہ اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت ہی مختصر ہے لیکن بحمدہٖ تعالیٰ سیرتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ضروری مضامین کی ایک حد تک جامع ہے جس کو میں چمنستانِ سیرت کے گلہائے رنگارنگ کا ایک مقدس اور حسین گلدستہ بنا کر "سیرۃ المصطفٰے" کے نام سے ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی روحانی مسرت حاصل کر رہا ہوں۔

مختصر کیوں؟ پہلے خیال تھا کہ سیرتِ مقدسہ کے تمام عنوانوں پر کئی جلدوں میں ایک مبسوط و مفصل کتاب تحریر کروں۔ مگر بچند وجوہ مجھے اپنے اس خیال سے رجوع کرنا پڑا۔

اوّلاً یہ کہ مجھ سے پہلے ہر زمانے میں اور ہر زبان میں ہزاروں خوش نصیبوں کو حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت پر کتابیں لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک ہزاروں، لاکھوں خوش بخت مسلمان اس

سعادت سے سرفراز ہوتے رہیں گے۔ بہت سے خوش قسمت مصنفین ہزاروں صفحات پر کئی کئی جلدوں میں بڑی بڑی ضخیم کتابیں اسی مضمون پر لکھ کر سعادت کونین سے سرفراز اور دولتِ دارین سے مالامال ہو گئے۔ اور اس میں شک نہیں کہ ان بزرگانِ دین نے اپنی ان ضخیم کتابوں میں سیرتِ نبویہ کے تمام اہم عنوانوں پر سیر حاصل تفاصیل فراہم کی ہیں لیکن پھر بھی ان میں سے کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہم نے شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کے تمام گوشوں کو مکمل کر کے اس کے تمام جزئیات کا احاطہ کر لیا ہے کیونکہ سیرتِ نبویہ کا ہر عنوان وہ بحرِ ناپیدا کنار ہے کہ اس کو پار کر لینا بڑے بڑے اہل علم کے لیے اتنا ہی دشوار ہے جتنا کہ آسمان کے چاند و ستاروں کو توڑ کر اپنے دامن میں رکھ لینا۔

اب ظاہر ہے کہ جو کام علم و عمل کے ان سر بلند پہاڑوں سے نہ ہو سکا بھلا مجھ جیسے ناکارہ انسان سے اس کام کے انجام پا جانے کا کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے؟ اس لیے مجھے اسی میں اپنی خیریت نظر آئی کہ صرف چند اوراق کی ایک کتاب سیرتِ نبویہ کے موضوع پر لکھ کر مصنفین سیرت کی مقدس فہرست میں اپنا نام لکھوا لوں۔ اور ان بزرگوں کی صفِ نعال میں جگہ پا لینے کی سعادت حاصل کر لوں۔

ثانیاً یہ کہ انسانی مصروفیات کے اس دور میں جب کہ مسلمانوں کو اپنی ضروریات زندگی سے بالکل ہی فرصت نہیں مل رہی ہے۔ اور علمی تحقیقات سے ان کی ہمتیں کوتاہ، اور دلچسپیاں ناپید ہو چکی ہیں۔ اور ذہن و حافظہ کی قوتیں بھی کافی حد تک ماؤف و کمزور ہو چکی ہیں۔ آج کل کے مسلمانوں سے یہ امید فضول نظر آئی کہ وہ طویل و مفصل اور موٹی موٹی کتابوں کو پڑھ کر اس کے مضامین کو اپنے ذہن و حافظہ میں محفوظ رکھ سکیں گے۔ لہٰذا اس حال و ماحول کا لحاظ کرتے ہوئے میرے خیال میں یہی مناسب معلوم ہوا کہ سیرتِ نبویہ کے موضوع پر ایک اتنی مختصر اور جامع کتاب لکھ دی جائے جس کو مسلم طبقہ اپنے قلیل ترین اوقات فرصت میں صرف چند نشستوں کے اندر پڑھ ڈالے اور اس کو اپنے ذہن و حافظہ میں محفوظ رکھے۔

ثالثاً یہ کہ میرے نزدیک اس موضوع پر مبسوط و مفصل کتاب کی تدوین و تالیف تو بہت ہی آسان کام ہے۔ مگر اس کی طباعت و اشاعت کا انتظام کرنا غریب طبقہ علما کے لیے اتنا ہی مشکل کام ہے جتنا کہ ہمالیہ کی بلند چوٹیوں کو سر کر لینا۔ کیونکہ مسلمانانِ اہلِ سنت کا مالدار طبقہ لغو اور فضول کاموں میں تو لاکھوں کی دولت اڑا دینے کو اپنے لیے اتنا ہی آسان سمجھتا ہے جتنا کہ اپنی ناک پر سے مکھی اڑا دینے کو۔ لیکن کسی دینی و مذہبی کتاب کی طباعت۔ یا اس کی خریداری میں اس کے لیے ایک نیا پیسہ لگا دینا اتنا ہی دشوار اور کٹھن کام ہے جتنا کہ اپنی کھال کو اتار کر پامال کر دینا۔ یہ وہ تلخ حقیقت ہے کہ جس کی تلخی سے بار بار تجربات کے کام و دہن بگڑ چکے ہیں۔ لہٰذا ان تجربات کی بنا پر میں نے یہی بہتر سمجھا کہ میں بس اتنی ہی ضخیم کتاب لکھوں جس کی طباعت و اشاعت کے اخراجات کا سارا بار میں خود ہی اٹھا سکوں۔ اور مجھے کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

سببِ تالیف اولاً تو خود ایک مدت دراز سے یہ نیک تمنا میرے دل کی گہرائیوں میں موجزن رہتی تھی کہ میں اپنے قلم سے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ، اور آپ کی مقدس زندگی پر کوئی کتاب لکھ کر ان بزرگانِ ملت کا کفش بردار بن جاؤں جنہوں نے سیرتِ نبویہ کی تصنیف و تالیف میں اپنی عمروں کا سرمایہ صرف کر کے ایسی تجارتِ آخرت کی کہ اس کے نفع میں انہیں "رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ" کی دولتِ دارین کا خزانہ مل گیا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش ہو گئے۔)

پھر مزید برآں میری تصنیفات کے قدر دانوں نے بھی بار بار تقاضا کیا کہ سیرتِ مبارکہ کے مقدس موضوع پر بھی کچھ نہ کچھ آپ ضرور لکھ دیں۔ اور ان کرم فرماؤں کا یہ مخلصانہ اصرار اس حد تک میرے سر پہ سوار ہو گیا کہ میں اس سے انکار و فرار کی تاب نہ لا سکا۔

پھر "سمندِ ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا" کہ اغیار نے بار بار یہ طعنہ مارا کہ علماء اہلِ سنت محبتِ رسول کا دعویٰ تو کرتے ہیں۔ مگر اردو زبان میں سیرتِ نبویہ کے موضوع پر ان لوگوں

نے بہت ہی کم لکھا۔ برخلاف اس کے ملک کی دوسری جماعتوں کے قلم کاروں نے اس موضوع پر اس قدر زیادہ لکھا کہ اُردو کتابوں کی مارکیٹ میں سیرت کی بہت سی کتابیں مل رہی ہیں جو سب انہی لوگوں کے زورِ قلم کی رہینِ منت ہیں۔

یہ ہیں وہ اسباب و محرکات جن سے متاثر ہو کر اپنی نا اہلی اور علمی سرمایہ سے افلاس کے باوجود مجھے قلم اٹھانا پڑا۔ اور کثرتِ کار و ہجوم و افکار کے محشرستان میں اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود چند اوراق کا یہ مجموعہ پیش کرنا پڑا۔

اس کتاب کو میں نے حتی الامکان اپنی طاقت بھر جاذبِ قلب و نظر اور جامع ہونے کے ساتھ مختصر بنانے کی کوشش کی ہے۔ اب یہ فیصلہ ناظرین کرام کی نگاہ نقد و نظر کا دست نگر ہے کہ میں اپنی کوششوں میں کسی حد تک کامیاب ہوا یا نہیں؟

ہجوم موانع

یکم جمادی الاخری ۱۳۹۵ھ کا دن میری تاریخ زندگی میں یادگار رہے گا کیونکہ استخارہ کے بعد اسی تاریخ کو میں نے اس کتاب کی "بسم اللہ" تحریر کی۔ مگر خدا کی شان کہ ابھی چند ہی صفحات لکھنے پایا تھا کہ بالکل ہی ناگہاں ریاحی درد گردہ کا اتنا شدید دورہ پڑا کہ میں اپنی زندگی سے مایوس ہونے لگا۔ اور ٹانڈہ سے مکان جا کر مسلسل ایک ماہ تک صاحبِ فراش رہا۔ پھر رمضان ۱۳۹۵ھ میں مرض سے افاقہ ہوا تو نقاہت ہی کے عالم میں بحالتِ روزہ اس کام کو شروع کیا۔ اور الحمد للہ! کہ اس کی برکت سے روز بروز صحت و طاقت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور کام آگے بڑھتا رہا۔ مگر پھر ۳ر شوال ۱۳۹۵ھ کو اچانک آشوبِ چشم کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ اور پھر کام بند ہو گیا۔ ایک ماہ کے بعد لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا تو جاڑوں کا چھوٹا دن، دونوں وقت کا مدرسہ، خطوط کے جوابات، احباب سے ملاقاتیں، ان مشاغل کی وجہ سے تصنیف و تالیف کے لیے دن بھر قلم پکڑنے کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ مجبوراً سردیوں کی راتوں میں لحاف اوڑھ کر لکھنا پڑا۔ پھر بڑی مشکل یہ درپیش تھی کہ ٹانڈہ میں ضروری کتابوں کا ملنا دشوار تھا۔ اور مدرسہ کی مصروفیات کے باعث ملک کی کسی لائبریری میں نہیں جا سکتا تھا۔ مجبوراً انہی چند کتابوں کی مدد سے جو اپنے پاس تھیں کام چلانا پڑا۔ جن کے

حوالے جابجا اس کتاب میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے!

پھر اواخر صفر ۱۳۹۶ھ میں ناگہانی طور پر یہ حادثہ گزرا کہ میری پیاری جوان بیٹی عارفہ خاتون مرحومہ مرض سرسام میں مبتلا ہو گئی اور ۲۷ صفر ۱۳۹۶ھ کو وفات پا گئی۔ اس صدمہ جانکاہ نے میرے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ پھر ربیع الاول ۱۳۹۶ھ میں جلسوں کا ایسا تانتا بندھا کہ ایک ماہ میں تقریباً بارہ جلسوں میں تقریریں کرنا پڑیں۔ اور بحالت سفر اس کا موقع ہی نہیں تھا۔ کہ کچھ لکھ سکتا۔ غرض روز بروز نامساعد حالات نے قدم قدم پر مجھے قلم اٹھانے سے روکا۔ مگر بحمدہٖ تعالیٰ ان طوفانوں کے تلاطم میں بھی میرے عزم و استقامت کی کشتی نہیں ڈگمگائی۔ اور میں فرصت کے اوقات میں چلتے پھرتے چند سطریں لکھتا ہی رہا۔ خداوند قدوس علیم و خبیر ہے کہ ان ہوش رُبا حالات میں اس کتاب کا صرف چودہ ماہ کی قلیل مُدت میں مکمل ہو جانا میں اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

ملتجیانہ گزارش :۔

جن پریشان کن حالات میں اس کتاب کی ترتیب و تالیف ہوئی ہے وہ آپ کے سامنے ہیں۔ اس لیے اگر ناظرینِ کرام کو اس میں کوئی کمی یا خامی نظر آئے، تو میں بہت ہی شکر گزار ہوں گا کہ وہ میری اصلاح فرما کر مجھے اپنا ممنونِ احسان بنائیں اور اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد از راہ کرم ایک کارڈ لکھ کر مجھے اپنے تاثرات سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اڈیشنوں میں خامیوں کی تکمیل اور آپ کے حکموں کی تعمیل کر کے تلافی مافات کر سکوں۔

شکریہ و دعا آخر میں اپنے شاگرد رشید و عزیز سعید مولوی محمد ظہیر عالم صاحب آسی قادری نیپالی سلمہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں

کہ انھوں نے اس کتاب کا املا تحریر کرنے اور حوالوں کو تلاش کرنے میں نہایت ہی اخلاص کے ساتھ میری مدد کی۔ اسی طرح اپنے دوسرے تلمیذ با تمیز اخی فی اللہ مولوی محمد نعیم اللہ صاحب مجددی فیضی سلمہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار ہوں کہ وہ میری دوسری تصنیفات کی طرح اس کتاب کی کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح، اور اس کی طباعت و اشاعت کی جدوجہد میں میرے شریک کار رہے۔ مولیٰ تعالیٰ ان دونوں عزیزوں کو نعمتِ کونین سے سرفراز اور دولتِ دارین سے مالامال فرمائے۔ اور میری اس تالیف کو مقبول فرما کر اس کو قبول فی الارض کی کرامتوں سے نوازے۔ اور اس کو امتِ مسلمہ کے لیے ذریعۂ رشد و ہدایت اور مجھ گنہگار کے لیے زادِ آخرت و سامانِ مغفرت بنائے۔

امین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ الطیبین واصحابہ المکرمین وعلی من تبعھم الی یوم الدین برحمتہ وھو ارحم الراحمین۔

عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ
یکم شعبان ۱۳۹۶ھ ٹانڈہ

مقدمۃ الکتاب

سیرتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا موضوع اس قدر دل کش، ایمان افروز اور روح پرور عنوان ہے کہ عاشقانِ رسول کیلیے اس چمنستان کی گل چینی، ایمانی قلب و روح کے لیے فرح و سرور کی ایسی "بہشتِ خلد" ہے کہ جنۃ الفردوس کی ہزاروں رعنائیاں اس کے ایک ایک پھول سے رنگ و بو کی بھیک مانگنے کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار تصور کرتی ہیں۔ اسی لیے اُن حق پرست علماء ربانیین نے جن کے مقدس سینوں میں محبتِ رسول کے ہزاروں پھول کھلے ہوئے ہیں اس ایمانی عنوان اور نورانی موضوع پر اپنی زندگی کی آخری سانس تک قلم چلاتے چلاتے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ چنانچہ آج ہر زبان میں سیرتِ نبویہ کی کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہے کہ دنیا میں کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کی سوانح حیات کے بارے میں اس کا لاکھواں بلکہ کروڑواں حصہ بھی عالم وجود میں نہ آسکا۔

وہ عاشقانِ رسول جو سیرت نویسی کی بدولت آسمان عزت و عظمت میں ستاروں کی طرح چمکتے اور چمنستانِ شہرت میں پھولوں کی طرح مہکتے ہیں ان خوش نصیب عالموں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ ان کا حصر و شمار ہماری طاقت و اقتدار سے باہر ہے مثال کے طور پر ہم یہاں اُن چند مشہور علماءِ سیرت کے مقدس ناموں کا ان کے سنہ وفات کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ جو بارگاہِ الٰہی میں ذاکرِ رسول ہونے کی حیثیت سے اس قدر مقبول ہیں کہ اگر ایام قحط میں نمازِ استسقاء کے بعد ان بزرگوں کے ناموں کا وسیلہ پکڑ کر خدا سے دعا مانگی جائے تو فوراً ہی بارانِ رحمت کا نزول ہو جائے اور اگر

مجالس میں ان سعید روحوں کا تذکرہ چھیڑ دیا جائے تو رحمت کے فرشتے اپنے مقدس بازوؤں اور پروں کو پھیلا کر ان محفلوں کا شامیانہ بنا دیں۔

چند مصنفینِ سیرت

خلفاء راشدین بلکہ خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبد العزیز اموی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے کچھ قبل تک چونکہ حدیثوں کا لکھنا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا تاکہ قرآن و حدیث میں خلط ملط نہ ہونے پائے۔ اس لیے سیرتِ نبویہ کے موضوع پر حضرات صحابۂ کرام کی کوئی تصنیف عالم وجود میں نہ آسکی۔ مگر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب احادیث نبویہ کی کتابت کا عام طور پر چرچا ہوا تو دور تابعین میں "محدثین" کے ساتھ ساتھ سیرتِ نبویہ کے مصنفین کا بھی ایک طبقہ پیدا ہو گیا۔

حضرات صحابۂ کرام سیرت نبویہ کے موضوع پر کتابیں تو تصنیف نہ کر سکے۔ مگر وہ اپنی یادداشت سے زبانی طور پر اپنی مجالس، اپنی درسگاہوں، اپنے خطبات میں احادیث احکام کے ساتھ ساتھ سیرت نبویہ کے مضامین بھی بیان کرتے رہتے تھے۔ اسی لیے احادیث کی طرح مضامین سیرت کی روایتوں کا سرچشمہ بھی صحابہ کرام ہی کی مقدس شخصیتیں ہیں۔

بہر حال دور تابعین سے گیارہویں صدی تک چند معتمد محدثین و مصنفین سیرت کے اسمائے گرامی ملاحظہ فرمائیے۔ گیارہویں صدی کے بعد والے مصنفین کے ناموں کو ہم نے اس فہرست میں اس لیے جگہ نہیں دی کہ یہ لوگ درحقیقت اگلے مصنفین ہی کے خوشہ چین و فیض یافتہ ہیں۔

۱۔ حضرت عروہ بن زبیر تابعی (متوفی ۹۲ھ)

۲۔ حضرت عامر بن شراحیل امام شعبی (متوفی ۱۰۴ھ)

۳۔ حضرت ابان بن امیر المومنین حضرت عثمان (متوفی ۱۰۵ھ)

۴۔ حضرت وہب بن مُنبہ یمنی (متوفی ۱۱۰ھ)

۵۔ حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ (متوفی ۱۲۰ھ)

۶۔ حضرت شرجبیل بن سعد (متوفی ۱۲۳ھ)
۷۔ حضرت محمد بن شہاب زہری (متوفی ۱۲۴ھ)
۸۔ حضرت اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سدی (متوفی ۱۲۷ھ)
۹۔ حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن حزم (متوفی ۱۳۵ھ)
۱۰۔ حضرت موسیٰ بن عقبہ (صاحب المغازی) (متوفی ۱۴۱ھ)
۱۱۔ حضرت معمر بن راشد (متوفی ۱۵۰ھ)
۱۲۔ حضرت محمد بن اسحٰق (صاحب المغازی) (متوفی ۱۵۰ھ)
۱۳۔ حضرت زیاد بکائی (متوفی ۱۸۳ھ)
۱۴۔ حضرت محمد بن عمر واقدی (صاحب المغازی) (متوفی ۲۰۷ھ)
۱۵۔ حضرت محمد بن سعد (صاحب الطبقات) (متوفی ۲۳۰ھ)
۱۶۔ حضرت ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری (مصنف بخاری شریف) (متوفی ۲۵۶ھ)
۱۷۔ حضرت مسلم بن حجاج قشیری (مصنف مسلم شریف) (متوفی ۲۶۱ھ)
۱۸۔ حضرت ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ (متوفی ۲۶۷ھ)
۱۹۔ حضرت ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی صاحب السنن (متوفی ۲۷۵ھ)
۲۰۔ حضرت ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) (مصنف جامع ترمذی)
۲۱۔ حضرت ابوعبداللہ محمد یزید بن ماجہ قزوینی (متوفی ۲۷۳ھ) (صاحب السنن)
۲۲۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) (مصنف سنن نسائی)
۲۳۔ حضرت محمد بن جریر طبری (صاحب التاریخ) (متوفی ۳۱۰ھ)
۲۴۔ حضرت حافظ عبدالغنی بن سعید امام النسب (متوفی ۳۳۲ھ)
۲۵۔ حضرت ابونعیم احمد بن عبداللہ (صاحب الحلیہ) (متوفی ۴۳۰ھ)
۲۶۔ حضرت شیخ الاسلام ابوعمر حافظ ابن عبدالبر (متوفی ۴۶۳ھ)
۲۷۔ حضرت ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ)
۲۸۔ حضرت علامہ قاضی عیاض (صاحب الشفاء) (متوفی ۵۴۴ھ)

۲۹۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی (صاحب الروض الانف) (متوفی ۵۸۱ھ)

۳۰۔ حضرت علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی (صاحب شرف المصطفےٰ) (متوفی ۵۹۷ھ)

۳۱۔ حضرت احمد بن محمد ابوبکر قسطلانی (متوفی ۹۲۳ھ) (صاحب مواہب لدنیہ)

۳۲۔ حضرت امام شرف الدین عبدالمومن دمیاطی (متوفی ۷۰۵ھ) (صاحب سیرت دمیاطی)

۳۳۔ حضرت ابن سیدالناس بصری (صاحب عیون الاثر) (متوفی ۷۳۴ھ)

۳۴۔ حضرت حافظ علاء الدین مغلطائی (صاحب الاشارۃ الی سیرۃ المصطفےٰ) (متوفی ۷۶۲ھ)

۳۵۔ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) (شارح بخاری)

۳۶۔ حضرت علامہ بدرالدین محمود عینی (شارح بخاری) (متوفی ۸۵۵ھ)

۳۷۔ حضرت ابوالحسن علی بن عبداللہ بن احمد سمہودی (صاحب وفاء الوفا) (متوفی ۹۱۱ھ)

۳۸۔ حضرت محمد بن یوسف صالحی (صاحب السیرۃ الشامیہ) (متوفی ۹۴۲ھ)

۳۹۔ حضرت علی بن برہان الدین (صاحب السیرۃ الحلبیہ) (متوفی ۱۰۴۴ھ)

۴۰۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (صاحب مدارج النبوۃ) (متوفی ۱۰۵۲ھ)

سیرۃ کیا ہے؟

قدمائے محدثین و فقہاء "مغازی و سیر" کے عنوان کے تحت میں فقط غزوات اور اس کے متعلقات کو بیان کیا کرتے تھے مگر سیرتِ نبویہ کے مصنفین نے اس عنوان کو اس قدر وسعت دے دی کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے وفات اقدس تک کے تمام مراحلِ حیات، آپ کی ذات و صفات، آپ کے دن رات، اور تمام وہ چیزیں جن کو آپ کی ذات والا صفات سے تعلقات ہوں۔ خواہ وہ انسانی زندگی کے معاملات ہوں یا نبوت کے معجزات ہوں ان سب کو "کتاب سیرت" ہی کے ابواب و فصول اور مسائل شمار کرنے لگے۔

چنانچہ اعلانِ نبوت سے پہلے اور بعد کے تمام واقعات کا شانۂ نبوت سے جبل حراء کے غار تک، اور جبل حراء کے غار سے جبلِ ثور کے غار تک، اور حرم کعبہ سے

طائف کے بازار تک، اور مکہ کی چراگاہوں سے ملک شام کی تجارت گاہوں تک اور ازواج مطہرات کے حجروں کی خلوت گاہوں سے لے کر اسلامی غزوات کی رزم گاہوں تک، آپ کی حیاتِ مقدسہ کے ہر ہر لمحہ میں آپ کی مقدس سیرت کا آفتاب عالم تاب جلوہ گر ہے۔

اسی طرح خلفاء راشدین ہوں یا دوسرے صحابہ کرام، ازواج مطہرات ہوں یا آپ کی اولادِ عظام، ان سب کی کتابِ زندگی کے اوراق پر سیرتِ نبوت کے نقش و نگار پھولوں کی طرح مہکتے، موتیوں کی طرح چمکتے، اور ستاروں کی طرح جگمگاتے ہیں۔ اور یہ تمام مضامین سیرتِ نبویہ کے "شجرۃ الخلد" ہی کی شاخیں، پتیاں، پھول اور پھل ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

ملکِ عرب

یہ براعظم ایشیاء کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ چونکہ اس ملک کے تین طرف سے سمندر نے اور چوتھی طرف سے دریائے فرات نے جزیرہ کی طرح گھیر رکھا ہے۔ اس لیے اس ملک کو "جزیرۃ العرب" بھی کہتے ہیں۔ اس کے شمال میں شام و عراق، مغرب میں بحر احمر (بحیرۂ قلزم) جو کہ مکہ معظمہ سے بجانب مغرب تقریباً ستر کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور جنوب میں بحر ہند اور مشرق میں خلیج عمان و خلیج فارس ہیں۔

اس ملک میں قابلِ زراعت زمینیں کم ہیں اور اس کا کثیر حصہ پہاڑوں اور ریگستانی صحراؤں پر مشتمل ہے۔ (تاریخ دول العرب والاسلام ج ۱ ص۳)

علماء جغرافیہ نے زمینوں کے طبعی ساخت کے لحاظ سے اس ملک کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) حجاز (۲) یمن (۳) حضرموت (۴) مہرہ (۵) عمان (۶) بحرین (۷) نجد (۸) احقاف۔ (تاریخ دول العرب والاسلام ج ۱ ص۳)

حجاز

یہ ملک کے مغربی حصہ میں بحر احمر (بحیرۂ قلزم) کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ حجاز سے ملے ہوئے ساحل سمندر کو جو نشیب میں واقع ہے

"تہامہ" یا غور (پست زمین) کہتے۔ اور حجاز سے مشرق کی جانب جو ملک کا حصہ ہے وہ "نجد" (بلند زمین) کہلاتا ہے "حجاز" چونکہ "تہامہ" اور "نجد" کے درمیان حاجز اور حائل ہے۔ اسی لیے ملک کے اس حصہ کو "حجاز" کہنے لگے۔

(دول العرب والاسلام ج ۱ ص ۲)

حجاز کے مندرجہ ذیل مقامات تاریخ اسلام میں بہت زیادہ مشہور ہیں۔
مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ۔ بدر۔ اُحد۔ خیبر۔ فدک۔ حنین۔ طائف۔ تبوک۔ غدیر خم وغیرہ۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا شہر "مدین" تبوک کے محاذ میں بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے۔ مقام "حجر" میں جو وادی القریٰ ہے وہاں اب تک عذاب سے قوم ثمود کی اُلٹ پلٹ کر دی جانے والی بستیوں کے آثار پائے جاتے ہیں۔ "طائف" حجاز میں سب سے زیادہ سرد اور سرسبز مقام ہے اور یہاں کے میوے بہت مشہور ہیں۔

مکہ مکرمہ

حجاز کا یہ مشہور شہر مشرق میں "جبل ابو قبیس" اور مغرب میں "جبل قیقعان" دو بڑے بڑے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے اور اس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں، اور ریتیلے میدانوں کا سلسلہ دُور دُور تک چلا گیا ہے۔ اسی شہر میں حضور شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

اس شہر اور اس کے اطراف میں مندرج ذیل مشہور مقامات واقع ہیں۔
کعبہ معظمہ۔ صفا مروہ۔ منیٰ۔ مزدلفہ۔ عرفات۔ غار حرا۔ غار ثور۔ جبل تنعیم جعرانہ وغیرہ۔

مکہ مکرمہ کی بندرگاہ اور ہوائی اڈا "جدہ" ہے جو تقریباً چھپن ۵۶ کیلو میٹر سے کچھ زائد کے فاصلہ پر بحیرۂ قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔
مکہ مکرمہ میں ہر سال ذوالحجہ کے مہینے میں تمام دُنیا کے لاکھوں مسلمان بحری

ہوائی اور خشکی کے راستوں سے حج کے لیے آتے ہیں۔

مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے تقریباً تین سو بیس کیلومیٹر کے فاصلہ پر مدینہ منورہ ہے جہاں مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دس برس تک مقیم رہ کر اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے اور اسی شہر میں آپ کا مزار مقدس ہے۔ جو مسجد نبوی کے اندر "گنبد خضرا" کے نام سے مشہور ہے۔

مدینہ منورہ سے تقریباً ساڑھے چار کیلومیٹر جانب شمال کو "اُحد" کا پہاڑ ہے جہاں حق و باطل کی مشہور لڑائی "جنگ اُحد" لڑی گئی۔ اسی پہاڑ کے دامن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے جو جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔

مدینہ منورہ سے تقریباً پانچ کیلومیٹر کی دوری پر "مسجد قبا" ہے۔ یہی وہ مقدس مقام ہے جہاں ہجرت کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ اور اپنے دست مبارک سے اس مسجد کو تعمیر فرمایا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی۔ مدینہ منورہ کی بندرگاہ "ینبع" ہے جو مدینہ منورہ سے ایک سو سترہ کیلومیٹر کے فاصلہ پر بحیرہ قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔

خاتم النبیین عرب میں کیوں؟ اگر ہم ملک عرب کو کرۂ زمین کے نقشہ پر دیکھیں۔ تو اس کے محل وقوع سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملک عرب کو ایشیا۔ یورپ اور افریقہ تین براعظموں کے وسط میں جگہ دی ہے اس سے بخوبی یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ اگر تمام دنیا کی ہدایت کے واسطے ایک واحد مرکز قائم کرنے کے لیے ہم کسی جگہ کا انتخاب کرنا چاہیں تو ملک عرب ہی اس کے لیے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب مقام ہے خصوصاً حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پر نظر

کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب افریقہ اور یورپ، اور ایشیا کی تین بڑی بڑی سلطنتوں کا تعلق ملک عرب سے تھا۔ تو ظاہر ہے کہ ملک عرب سے اٹھنے والی آواز کو ان بااعظموں میں پہنچائے جانے کے ذرائع بخوبی موجود تھے۔ غالباً یہی وہ حکمت الٰہیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو ملک عرب میں پیدا فرمایا، اور ان کو اقوامِ عالم کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

عرب کی سیاسی پوزیشن

حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے وقت ملک عرب کی سیاسی حالت کا یہ حال تھا کہ جنوبی حصہ پر سلطنتِ حبشہ کا اور مشرقی حصہ پر سلطنت فارس کا قبضہ تھا۔ اور شمالی ٹکڑا سلطنتِ روم کی مشرقی شاخ سلطنت قسطنطنیہ کے زیر اثر تھا۔ اندرونِ ملک بزعم خود ملک عرب آزاد تھا لیکن اس پر قبضہ کرنے کے لیے ہر ایک سلطنت کوشش میں لگی ہوئی تھی اور درحقیقت ان سلطنتوں کی باہمی رقابتوں ہی کے طفیل میں ملک عرب آزادی کی نعمت سے بہرہ ور تھا۔

عرب کی اخلاقی حالت

عرب کی اخلاقی حالت نہایت ہی ابتر بلکہ بد سے بدتر تھی جہالت نے ان میں بت پرستی کو جنم دیا، اور بت پرستی کی لعنت نے ان کے انسانی دل و دماغ پر تالے ہو کر ان کو توہم پرست بنا دیا تھا۔ وہ مظاہر فطرت کی ہر چیز پتھر۔ درخت۔ چاند۔ سورج پہاڑ، دریا وغیرہ کو اپنا معبود سمجھنے لگ گئے تھے۔ اور خود ساختہ مٹی اور پتھر کی مورتوں کی عبادت کرتے تھے۔ عقائد کی خرابی کے ساتھ ساتھ ان کے اعمال و افعال بے حد بگڑے ہوئے تھے۔ قتل۔ رہزنی۔ جوا۔ شراب نوشی۔ حرام کاری، عورتوں کا اغواء۔ لڑکیوں کو زندہ در گور کرنا، عیاشی، فحش گوئی۔ غرض کون سا ایسا گندہ اور گھناؤنا عمل تھا جو ان کی سرشت میں شامل نہ رہا ہو۔ چھوٹے بڑے سب کے سب گناہوں کے پتلے اور پاپ کے پہاڑ بنے ہوئے تھے۔

حضرت ابراہیم کی اولاد

بانی کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک فرزند کا نام نامی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہے جو حضرت بی بی ہاجرہ کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اور ان کی والدہ حضرت بی بی ہاجرہ کو مکہ مکرمہ میں لاکر آباد کیا اور عرب کی زمین ان کو عطا فرمائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند کا نام نامی حضرت اسحٰق علیہ السلام ہے جو حضرت بی بی سارہ کے مقدس شکم سے تولد ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ملک شام عطا فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی حضرت قطورہ کے پیٹ سے جو اولاد "مدین" وغیرہ ہوئے ان کو آپ نے یمن کا علاقہ عطا فرمایا۔

اولاد حضرت اسمٰعیل

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے اور ان کی اولاد میں خداوند قدوس نے اس قدر برکت عطا فرمائی کہ وہ بہت جلد تمام عرب میں پھیل گئے۔ یہاں تک کہ مغرب میں مصر کے قریب تک ان کی آبادیاں جا پہنچیں۔ اور جنوب کی طرف ان کے خیمے یمن تک پہنچ گئے۔ اور شمال کی طرف ان کی بستیاں ملک شام سے جا ملیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ایک فرزند جن کا نام "قیدار" تھا۔ بہت ہی نامور ہوئے اور ان کی اولاد خاص مکہ میں آباد رہی اور یہ لوگ اپنے باپ کی طرح ہمیشہ کعبہ معظمہ کی خدمت کرتے رہے جس کو دنیا میں توحید کی سب سے پہلی درس گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

انہی قیدار کی اولاد میں "عدنان" نامی نہایت اولوالعزم شخص پیدا ہوئے اور "عدنان" کی اولاد میں چند پشتوں کے بعد "قصی" بہت ہی جاہ و جلال والے شخص پیدا ہوئے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں مشترکہ حکومت کی بنیاد پر ۴۴۰ء میں ایک سلطنت قائم کی۔ اور ایک قومی مجلس (پارلیمنٹ) بنائی جو

"دارالندوہ" کے نام سے مشہور ہے اور اپنا ایک قومی جھنڈا بنایا جس کو "لواء" کہتے تھے اور مندرج ذیل چار عہدے قائم کیے۔ جن کی ذمہ داری چار قبیلوں کو سونپ دی۔

(۱) رفادۃ (۲) سقایۃ

(۳) حجابۃ (۴) قیادۃ

"قصی" کے بعد ان کے فرزند "عبد مناف" اپنے باپ کے جانشین ہوئے پھر ان کے فرزند "ہاشم" پھر ان کے فرزند "عبدالمطلب" یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے جانشین ہوتے رہے۔ انہی عبدالمطلب کے فرزند حضرت عبداللہ ہیں۔ جن کے فرزند ارجمند ہمارے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کی مقدس سیرتِ پاک لکھنے کا خداوند عالم نے اپنے فضل سے ہم کو شرف عطا فرمایا ہے۔

سیرۃ النبی پڑھنے کا طریقہ

اس کتاب کا مطالعہ آپ اس طرح نہ کریں جس طرح عام طور پر لوگ ناولوں یا قصہ کہانیوں، یا تاریخی کتابوں کو نہایت ہی لاپروائی کے ساتھ پاکی ناپاکی ہر حالت میں پڑھتے رہتے ہیں۔ اور نہایت ہی بے توجہی کے ساتھ پڑھ کر ادھر ادھر ڈال دیا کرتے ہیں بلکہ آپ اس جذبۂ عقیدت اور والہانہ جوشِ محبت کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کریں کہ یہ شہنشاہِ دارین اور محبوب رب المشرقین والمغربین کی حیاتِ طیبہ، اور اُن کی سیرت مقدسہ کا ذکر جمیل ہے۔ جو ہماری ایمانی عقیدتوں کا مرکز اور ہماری اسلامی زندگی کا محور ہے۔ یہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ان قابلِ احترام اداؤں کا بیان ہے جن پر کائناتِ عالم کی تمام عظمتیں قربان ہیں لہٰذا اس کے مطالعہ کے وقت آپ کو ادب واحترام کا پیکر بن کر، اور تعظیم و توقیر کے جذباتِ صادقہ سے اپنے قلب و دماغ کو منور کر کے اس تصور کے ساتھ اس کی ایک ایک سطر کو پڑھنا چاہیے کہ اس کا ایک ایک لفظ میرے لیے

حسنات و برکات کا خزانہ ہے اور گویا میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دربار میں حاضر ہوں اور آپ کی ان پیاری پیاری اداؤں کو دیکھ رہا ہوں اور آپ کے فیض صحبت سے انوار حاصل کر رہا ہوں حضرت ابو ابراہیم تجیبی علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :

ہر مومن پر واجب ہے کہ جب وہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا اس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے تو وہ پُرسکون ہو کر نیاز مندی و عاجزی کا اظہار کرے، اور اپنے قلب میں آپ کی عظمت اور ہیبت و جلال کا ایسا ہی تاثر پیدا کرے جیسا کہ آپ کے روبرو حاضر ہونے کی صورت میں آپ کے جلال و ہیبت سے متاثر ہوتا۔

(شفاء ج ۲ ص۳۲)

اور حضرت قاضی علامہ عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ :

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اقدس کے بعد بھی ہر امتی پر آپ کی اتنی ہی تعظیم و توقیر لازم ہے جتنی کہ آپ کی ظاہری حیات میں تھی، چنانچہ خلیفۂ بغداد ابو جعفر منصور عباسی جب مسجد نبوی میں آ کر زور زور سے بولنے لگا۔ تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو یہ کہہ کر ڈانٹ دیا کہ اے امیر المومنین! یہاں بلند آواز سے گفتگو نہ کیجیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے حبیب کے دربار کا یہ ادب سکھایا ہے کہ لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ یعنی نبی کے دربار میں اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو۔ وَاِنَّ حُرْمَتَہٗ مَیِّتًا کَحُرْمَتِہٖ حَیًّا اور آپ کی وفاتِ اقدس کے بعد بھی ہر امتی پر آپ کی اتنی ہی تعظیم واجب ہے جتنی کہ آپ کی ظاہری حیات میں تھی ، یہ سن کر خلیفہ لرزہ بر اندام ہو کر نرم پڑ گیا۔

(شفاء شریف ج ۲ ص۲۲ و ص۳۲)

بہرحال سیرت مقدسہ کی کتابوں کو پڑھتے وقت ادب واحترام لازم ہے اور بہتر یہ ہے کہ جب پڑھنا شروع کرے تو درود شریف پڑھ کر کتاب شروع کرے اور جب تک دلجمعی باقی رہے پڑھتا رہے اور جب ذرا بھی اکتاہٹ محسوس کرے تو پڑھنا بند کر دے۔ اور بے توجہی کے ساتھ ہرگز ہرگز نہ پڑھے۔ واللہ تعالیٰ ھو الموفق والمعین وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین

٭

حضورِ تاجدارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم

کی

مکّی زندگی

محمد وہ کتابِ کون کا طغرائے پیشانی
محمد وہ حریمِ قدس کا شمعِ شبستانی
مبشر جس کی بعثت کا ظہورِ عیسیٰ مریم
مصدق جس کی عظمت کا لبِ موسیٰ عمرانی

(علیہم الصلوٰۃ والسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ سَرْمَدًا ہ صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِکَ الْمُصْطَفٰی ہ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَبَدًا ہ

حَسْبِیْ رَبِّیْ جَلَّ اللّٰہ   نُوْرِ مُحَمَّد صَلَّی اللّٰہ

لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہ   چل میرے خامہ "بِسْمِ اللّٰہ"

پہلا باب

خاندانی حالات

نسب نامہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف والد ماجد کی طرف سے یہ ہے حضرت محمد[1] صلی اللہ علیہ وسلم۔ بن عبداللہ[2]۔ بن عبدالمطلب[3] بن ہاشم[4]۔ بن عبد مناف[5]۔ بن قصی[6]۔ بن کلاب[7]۔ بن مرہ[8]۔ بن کعب[9]۔ بن لوی[10]۔ بن غالب[11] بن فہر[12]۔ بن مالک[13]۔ بن نضر[14]۔ بن کنانہ[15]۔ بن خزیمہ[16]۔ بن مدرکہ[17]۔ بن الیاس[18]۔ بن مضر[19]۔ بن نزار[20]۔ بن معد[21]۔ بن عدنان[22]۔ (بخاری ج ۱ باب مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضور کا شجرۂ نسب یہ ہے۔

حضرت محمد[1] صلی اللہ علیہ وسلم۔ بن آمنہ[2]۔ بنت وہب[3]۔ بن عبد مناف[4]۔ بن زہرہ[5] بن کلاب[6]۔ بن مرہ[7]۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کا نسب نامہ "کلاب بن مرہ" پر مل جاتا ہے اور آگے چل کر دونوں سلسلے ایک ہو جاتے ہیں "عدنان" تک آپ کا نسب نامہ صحیح سندوں کے ساتھ باتفاق مورخین ثابت ہے اس کے بعد

ناموں میں بہت کچھ اختلاف ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اپنا نسب نامہ بیان فرماتے تھے تو " عدنان " ہی تک ذکر فرماتے تھے

(کرمانی بحوالہ حاشیہ بخاری ج ا صد ۵۴۳)

مگر اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ " عدنان " حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں ۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرزند ارجمند ہیں ۔

خاندانی شرافت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان و نسب نجابت و شرافت میں تمام دنیا کے خاندانوں سے اشرف و اعلیٰ ہے اور یہ وہ حقیقت ہے کہ آپ کے بدترین دشمن کفار مکہ بھی کبھی اس کا انکار نہ کر سکے ۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان نے جب وہ کفر کی حالت میں تھے ۔ بادشاہ روم ہرقل کے بھرے دربار میں اس حقیقت کا اقرار کیا کہ " ھو فینا ذو نسب " یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم " عالی خاندان " ہیں ۔ (بخاری ج ا صد ۴)

حالانکہ اس وقت وہ آپ کے بدترین دشمن تھے ۔ اور چاہتے تھے کہ اگر ذرا بھی کوئی گنجائش ملے تو آپ کی ذات پاک پر کوئی عیب لگا کر بادشاہ روم کی نظروں سے آپ کا وقار گرا دیں ۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے " کنانہ " کو برگزیدہ بنایا ۔ اور " کنانہ " میں سے " قریش " کو چنا ۔ اور " قریش " میں سے " بنی ہاشم " کو منتخب فرمایا ۔ اور " بنی ہاشم " میں سے مجھ کو چن لیا ۔ (مشکوٰۃ فضائل سید المرسلین)

بہر حال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ؎

لَہُ النَّسَبُ الْعَالِیْ فَلَیْسَ کَمِثْلِہٖ

حَسِیْبٌ نَسِیْبٌ مُنْعِمٌ مُتَکَرِّمٗ

یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ کوئی بھی حسب و نسب والا ، اور نعمت و بزرگی والا آپ کے مثل نہیں ہے ۔

قریش

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانِ نبوت میں سبھی حضرات اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے بڑے نامی گرامی ہیں۔ مگر چند ہستیاں ایسی ہیں جو آسمانِ فضل و کمال پر چاند تارے بن کر چمکے۔ ان باکمالوں میں سے "فہر بن مالک" بھی ہیں ان کا لقب "قریش" ہے اور ان کی اولاد "قریشی" یا "قریش" کہلاتی ہے!

"فہر بن مالک" "قریش" اس لیے کہلاتے ہیں کہ "قریش" ایک سمندری جانور کا نام ہے جو بہت ہی طاقتور ہوتا ہے۔ اور سمندری جانوروں کو کھا ڈالتا ہے یہ تمام جانوروں پر ہمیشہ غالب ہی رہتا ہے۔ کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔ چونکہ "فہر بن مالک" اپنی شجاعت اور خداداد طاقت کی بنا پر تمام قبائل عرب پر غالب تھے۔ اس لیے تمام اہل عرب ان کو "قریش" کے لقب سے پکارنے لگے۔ چنانچہ اس بارے میں "شمرخ بن عمرو حمیری" کا شعر بہت مشہور ہے کہ ؎

وَقُرَيْشٌ هِيَ الَّتِيْ تَسْكُنُ الْبَحْرَ
بِهَا سُمِّيَتْ قُرَيْشٌ قُرَيْشًا

یعنی "قریش" ایک جانور ہے جو سمندر میں رہتا ہے۔ اسی کے نام پر قبیلہ قریش کا نام "قریش" رکھ دیا گیا۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۷۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ دونوں کا سلسلۂ نسب "فہر بن مالک" سے ملتا ہے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ماں باپ دونوں کی طرف سے "قریشی" ہیں۔

ہاشم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا "ہاشم" بڑی شان و شوکت کے مالک تھے۔ ان کا اصلی نام "عمرو" تھا انتہائی بہادر، بے حد سخی، اور اعلیٰ درجے کے مہمان نواز تھے۔ ایک سال عرب میں بہت سخت قحط پڑ گیا۔ اور لوگ دانے دانے کو محتاج ہو گئے تو یہ ملکِ شام سے خشک روٹیاں خرید کر حج کے دنوں میں مکہ پہنچے اور روٹیوں کا چورہ کر کے اونٹ کے گوشت کے شوربے میں ثرید بنا کر تمام

حاجیوں کو خوب پیٹ بھر کر کھلایا۔ اُس دن سے لوگ ان کو "ہاشم" (روٹیوں کا چورہ کرنے والا) کہنے لگے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۸)

چونکہ یہ "عبد مناف" کے سب لڑکوں میں بڑے اور باصلاحیت تھے۔ اس لیے عبد مناف کے بعد کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین ہوئے۔ بہت حسین و خوبصورت اور وجیہ تھے۔ جب سن شعور کو پہنچے تو ان کی شادی مدینہ میں قبیلہ خزرج کے ایک سردار عمرو کی صاحبزادی سے ہوئی۔ جن کا نام "سلمیٰ" تھا اور ان کے صاحبزادے "عبد المطلب" مدینہ ہی میں پیدا ہوئے۔ چونکہ ہاشم "پچیس سال کی عمر پاکر ملکِ شام کے راستہ میں بمقام "غزہ" انتقال کر گئے۔ اس لیے عبد المطلب مدینہ ہی میں اپنے نانا کے گھر پلے بڑھے۔ اور جب سات یا آٹھ سال کے ہو گئے تو مکہ آکر اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہنے لگے۔

عبد المطلب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا "عبد المطلب" کا اصلی نام "شیبہ" ہے۔ یہ بڑے ہی نیک نفس اور عابد و زاہد تھے۔ "غار حرا" میں کھانا پانی ساتھ لے کر جاتے۔ اور کئی کئی دنوں تک لگاتار خدا کی عبادت میں مصروف رہتے۔ رمضان شریف کے مہینے میں اکثر غارِ حرا میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ اور خدا کے دھیان میں گوشہ نشین رہا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ نبوت ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ اور ان کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ اہلِ عرب خصوصاً قریش کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ مکہ والوں پر جب کوئی مصیبت آتی یا قحط پڑ جاتا تو لوگ عبد المطلب کو ساتھ لے کر پہاڑ پر چڑھ جاتے اور بارگاہِ خداوندی میں ان کو وسیلہ بنا کر دعا مانگتے تھے تو دعا مقبول ہو جاتی تھی۔ یہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے لوگوں کو بڑی سختی کے ساتھ روکتے تھے اور چور کا ہاتھ کاٹ ڈالتے تھے۔ اپنے دستر خوان سے پرندوں کو بھی کھلایا کرتے تھے اس لیے ان کا لقب "مطعم الطیر" (پرندوں کو کھلانے والا) ہے۔ شراب اور زنا کو حرام جانتے تھے اور عقیدہ کے لحاظ سے "موحد" تھے "زمزم شریف" کا کنواں جو بالکل پٹ گیا تھا

آپ ہی نے اس کو نئے سرے سے کھدوا کر درست کیا۔ اور لوگوں کو آبِ زمزم سے سیراب کیا۔ آپ بھی کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین ہوئے۔ اصحاب فیل کا واقعہ آپ ہی کے وقت میں پیش آیا۔ ایک سو بیس برس کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۷۲)

اصحاب فیل کا واقعہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے صرف پچپن دن پہلے یمن کا بادشاہ "ابرہہ" ہاتھیوں کی فوج لے کر کعبہ ڈھانے کے لیے مکہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ "ابرہہ" نے یمن کے دارالسلطنت "صنعاء" میں ایک بہت ہی شاندار اور عالیشان "گرجا گھر" بنایا۔ اور یہ کوشش کرنے لگا کہ عرب کے لوگ بجائے خانہ کعبہ کے یمن آکر اس گرجا گھر کا حج کیا کریں۔ جب مکہ والوں کو یہ معلوم ہوا تو قبیلہ "کنانہ" کا ایک شخص غیظ و غضب میں جل بھن کر یمن گیا۔ اور وہاں کے گرجا گھر میں پاخانہ پھر کر اس کو نجاست سے لت پت کر دیا۔ جب ابرہہ نے یہ واقعہ سنا تو وہ طیش میں آپے سے باہر ہو گیا اور خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لیے ہاتھیوں کی فوج لے کر مکہ پر حملہ کر دیا اور اس کی فوج کے اگلے دستہ نے مکہ والوں کے تمام اونٹوں اور دوسرے مویشیوں کو چھین لیا۔ اس میں دو سو یا چار سو اونٹ عبدالمطلب کے بھی تھے۔

(زرقانی ج ۱ ص ۸۵)

عبدالمطلب کو اس واقعہ سے بڑا رنج پہنچا۔ چنانچہ آپ اس معاملہ میں گفتگو کرنے کے لیے اس کے لشکر میں تشریف لے گئے۔ جب ابرہہ کو معلوم ہوا کہ قریش کا سردار اس سے ملاقات کرنے کے لیے آیا ہے تو اس نے آپ کو اپنے خیمہ میں بلا لیا اور جب عبدالمطلب کو دیکھا کہ ایک بلند قامت، رعب دار اور نہایت ہی حسین و جمیل آدمی ہیں جن کی پیشانی پر نورِ نبوت کا جاہ و جلال چمک رہا ہے تو صورت دیکھتے ہی ابرہہ مرعوب ہو گیا۔ اور بے اختیار تختِ شاہی سے اتر کر آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اور اپنے برابر بٹھا کر دریافت کیا کہ کہیے، سردارِ قریش! یہاں آپ کی

تشریف آوری کا کیا مقصد ہے؟ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ ہمارے اونٹ اور بکریاں وغیرہ جو آپ کے لشکر کے سپاہی ہانک لائے ہیں، آپ ان سب جانوروں کو ہمارے سپرد کر دیجیے۔ یہ سن کر ابرہہ نے کہا کہ اے سردار قریش! میں تو یہ سمجھتا تھا کہ آپ بہت ہی حوصلہ مند اور شاندار آدمی ہیں، مگر آپ نے مجھ سے اپنے اونٹوں کا سوال کر کے میری نظروں میں اپنا وقار کم کر دیا۔ اونٹ اور بکری کی حقیقت ہی کیا ہے؟ میں تو آپ کے کعبہ کو توڑ پھوڑ کر برباد کرنے کے لیے آیا ہوں، آپ نے اس کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی۔ عبدالمطلب نے کہا کہ مجھے تو اپنے اونٹوں سے مطلب ہے کعبہ میرا گھر نہیں ہے بلکہ وہ خدا کا گھر ہے۔ وہ خود اپنے گھر کو بچائے گا۔ مجھے کعبہ کی ذرا بھی فکر نہیں ہے یہ سن کر ابرہہ اپنے فرعونی لہجہ میں کہنے لگا کہ اے سردار مکہ! سن لیجیے۔ میں کعبہ کو ڈھا کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا، اور روئے زمین سے اس کا نام و نشان مٹا دوں گا۔ کیونکہ مکہ والوں نے میرے گرجا گھر کی بڑی بے حرمتی کی ہے اس لیے میں اس کا انتقام لینے کے لیے کعبہ کو مسمار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ عبدالمطلب نے فرمایا کہ پھر آپ جانیں اور خدا جانے۔ میں آپ سے سفارش کرنے والا کون؟ اس گفتگو کے بعد ابرہہ نے تمام جانوروں کو واپس کر دینے کا حکم دے دیا۔ اور عبدالمطلب تمام اونٹوں اور بکریوں کو ساتھ لے کر اپنے گھر چلے آئے اور مکہ والوں سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اپنے مال مویشیوں کو لے کر مکہ سے باہر نکل جاؤ۔ اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر اور دروں میں چھپ کر پناہ لو۔ مکہ والوں سے یہ کہہ کر پھر خود اپنے خاندان کے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ میں گئے اور دروازہ کا حلقہ پکڑ کر انتہائی بے قراری اور گریہ وزاری کے ساتھ دربار باری میں اس طرح دعا مانگنے لگے کہ ؎

لَاهُمَّ اِنَّ الْمَرْءَ یَمْنَعُ رَحْلَہٗ فَامْنَعْ رِحَالَكْ

وَانْصُرْ عَلٰی اٰلِ الصَّلِیْبِ وَعَابِدِیْہِ الْیَوْمَ اٰلَكْ

اے اللہ! بے شک ہر شخص اپنے اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے۔ لہٰذا تو بھی اپنے

گھر کی حفاظت فرما۔ اور صلیب والوں، اور صلیب کے پجاریوں (عیسائیوں) کے مقابلہ میں اپنے اطاعت شعاروں کی مدد فرما۔ عبدالمطلب نے یہ دعا مانگی اور اپنے خاندان والوں کو ساتھ لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اور خدا کی قدرت کا جلوہ دیکھنے لگے۔ ابرہہ جب صبح کو کعبہ ڈھانے کے لیے اپنے لشکر جرار، اور ہاتھیوں کی قطار کے ساتھ آگے بڑھا اور مقام "مغمس" میں پہنچا تو خود اس کا ہاتھی جس کا نام "محمود" تھا ایک دم بیٹھ گیا۔ ہر چند مارا، اور بار بار للکارا مگر ہاتھی نہیں اُٹھا۔ اسی حال میں قہر الٰہی ابابیلوں کی شکل میں نمودار ہوا۔ اور ننھے ننھے پرندے جھنڈ کے جھنڈ جن کی چونچ اور پنجوں میں تین تین کنکریاں تھیں، سمندر کی جانب سے حرم کعبہ کی طرف آنے لگے۔ ابابیلوں کے ان دل بادل لشکروں نے ابرہہ کی فوجوں پر اس زور شور سے سنگ باری شروع کر دی کہ آن کی آن میں ابرہہ کے لشکر، اور اس کے ہاتھیوں کے پرخچے اڑ گئے۔ ابابیلوں کی سنگ باری خداوند قہار و جبار کے قہر و غضب کی ایسی مار تھی کہ جب کوئی کنکری کسی فیل سوار کے سر پر پڑتی تھی۔ تو وہ اس آدمی کے بدن کو چھیدتی ہوئی ہاتھی کے بدن سے پار ہو جاتی تھی۔ ابرہہ کی فوج کا ایک آدمی بھی زندہ نہیں بچا۔ اور سب کے سب ابرہہ اور اس کے ہاتھیوں سمیت اس طرح ہلاک و برباد ہو گئے کہ ان کے جسموں کی بوٹیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر بکھر گئیں۔ چنانچہ قرآن مجید کی "سورۂ فیل" میں خداوند قدوس نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝

یعنی (اے محبوب) کیا آپ نے نہ دیکھا کہ آپ کے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کر ڈالا؟ کیا ان کے داؤں کو تباہی میں نہ ڈالا؟ اور ان پر پرندوں کی ٹکڑیاں بھیجیں تاکہ انہیں کنکر کے پتھروں سے ماریں، تو انہیں چبائے ہوئے بھس جیسا بنا ڈالا۔

جب ابرہہ اور اس کے لشکروں کا یہ انجام ہوا تو عبدالمطلب پہاڑ سے نیچے اترے اور خدا کا شکر ادا کیا۔ ان کی اس کرامت کا دور دور تک چرچا ہو گیا۔ اور تمام اہلِ عرب ان کو ایک خدا رسیدہ بزرگ کی حیثیت سے قابلِ احترام سمجھنے لگے۔

حضرت عبداللہؓ

یہ ہمارے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد ہیں۔ یہ عبدالمطلب کے تمام بیٹوں میں سب سے زیادہ باپ کے لاڈلے اور پیارے تھے۔ چونکہ ان کی پیشانی میں نورِ محمدی اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر تھا اس لیے حسن و خوبی کے پیکر، اور جمالِ صورت و کمالِ سیرت کے آئینہ دار، اور عفت و پارسائی میں یکتائے روزگار تھے۔ قبیلۂ قریش کی تمام حسین عورتیں ان کے حسن و جمال پر فریفتہ، اور ان سے شادی کی خواستگار تھیں۔ مگر عبدالمطلب ان کے لیے ایک ایسی عورت کی تلاش میں تھے جو حسن و جمال کے ساتھ ساتھ حسب و نسب کی شرافت اور عفت و پارسائی میں بھی ممتاز ہو عجیب اتفاق کہ ایک دن عبداللہ شکار کے لیے جنگل میں تشریف لے گئے تھے۔ ملک شام کے یہودی چند علامتوں سے پہچان گئے تھے کہ نبی آخر الزماں کے والد ماجد یہی ہیں۔ چنانچہ ان یہودیوں نے حضرت عبداللہ کو بارہا قتل کر ڈالنے کی کوشش کی۔ اس مرتبہ بھی یہودیوں کی ایک بہت بڑی جماعت مسلح ہو کر اس نیت سے جنگل میں گئی کہ عبداللہ کو تنہائی میں دھوکہ سے قتل کر دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت نے اس مرتبہ بھی اپنے فضل و کرم سے بچا لیا۔ عالمِ غیب سے چند ایسے سوار ناگہاں نمودار ہوئے۔ جو اس دنیا کے مردوں سے کوئی مشابہت ہی نہیں رکھتے تھے۔ ان سواروں نے آکر یہودیوں کو مار بھگایا اور عبداللہ کو بحفاظت ان کے مکان تک پہنچا دیا "وہب بن مناف" بھی اس دن جنگل میں تھے۔ اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا۔ اس لیے ان کو عبداللہ سے بے انتہا محبت و عقیدت پیدا ہو گئی۔ اور گھر آکر یہ عزم کر لیا کہ میں اپنی نورِ نظر "آمنہ" کی شادی عبداللہ ہی سے کروں گا۔ چنانچہ اپنی اس دلی تمنا کو اپنے چند دوستوں کے ذریعہ انہوں

نے عبدالمطلب تک پہنچا دیا۔ خدا کی شان کہ عبدالمطلب اپنے نور نظر عبداللہ کے لیے جیسی دلہن کی تلاش میں تھے۔ وہ ساری خوبیاں "حضرت آمنہ" بنت وہب میں موجود تھیں۔ عبدالمطلب نے اس رشتہ کو خوشی خوشی منظور کر لیا۔ چنانچہ چوبیس سال کی عمر میں حضرت عبداللہ کا حضرت بی بی آمنہ سے نکاح ہو گیا۔ اور نور محمدی حضرت عبداللہ سے منتقل ہو کر حضرت بی بی آمنہ کے شکم اطہر میں جلوہ گر ہو گیا اور جب حمل شریف کو دو مہینے پورے ہو گئے تو عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو کھجوریں لینے کے لیے مدینہ بھیجا یا تجارت کے لیے ملک شام روانہ کیا۔ وہاں سے واپس لوٹتے ہوئے مدینہ میں اپنے والد کے ننہال "بنو عدی بن نجار" میں ایک ماہ بیمار رہ کر پچیس برس کی عمر میں وفات پا گئے اور وہیں "دار نابغہ" میں مدفون ہوئے۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۱۰۱ و مدارج جلد ۲ ص ۱۴)

قافلہ والوں نے جب مکہ واپس لوٹ کر عبدالمطلب کو حضرت عبداللہ کی بیماری کا حال سنایا تو انہوں نے خبر گیری کے لیے اپنے سب سے بڑے لڑکے "حارث" کو مدینہ بھیجا۔ ان کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی حضرت عبداللہ راہی ملک بقا ہو چکے تھے۔ حارث نے مکہ واپس آ کر جب وفات کی خبر سنائی تو سارا گھر ماتم کدہ بن گیا۔ اور بنو ہاشم کے ہر گھر میں ماتم برپا ہو گیا۔ خود حضرت آمنہ نے اپنے مرحوم شوہر کا ایسا پُر درد مرثیہ کہا ہے کہ جس کو سن کر آج بھی دل درد سے بھر جاتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ کی وفات پر فرشتوں نے غمگین ہو کر بڑی حسرت کے ساتھ یہ کہا کہ الٰہی! تیرا نبی یتیم ہو گیا۔ حضرت حق نے فرمایا کیا ہوا؟ میں اس کا حامی و حافظ ہوں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۴)

حضرت عبداللہ کا ترکہ ایک لونڈی "ام ایمن" جس کا نام "برکہ" تھا، کچھ اونٹ کچھ بکریاں تھیں۔ یہ سب ترکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا۔ "ام ایمن" بچپن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ کھلاتیں، کپڑا پہناتیں، پرورش کی پوری ضروریات مہیا کرتیں۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر "ام ایمن"

کی دل جوئی فرماتے رہے اپنے محبوب و متبنیٰ غلام حضرت زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ اور ان کے شکم سے حضرت اُسامہ پیدا ہوئے۔ (عامہ کتب سیر)

حضورؐ کے والدین کا ایمان

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ دونوں مومن ہیں یا نہیں؟ بعض علماء ان دونوں کو مومن نہیں مانتے۔ اور بعض علماء نے اس مسئلہ میں توقف کیا اور فرمایا کہ ان دونوں کو مومن یا کافر کہنے سے زبان کو روکنا چاہیے اور اس کا علم خدا کے سپرد کر دینا چاہیے۔ مگر اہل سنت کے علماء محققین مثلاً امام جلال الدین سیوطی و علامہ ابن حجر ہیثمی و امام قرطبی و حافظ الشام ابن ناصر الدین و حافظ شمس الدین دمشقی، و قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی و شیخ عبد الحق محدث دہلوی و صاحب الاکلیل مولانا عبد الحق مہاجر مدنی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا یہی عقیدہ اور قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ دونوں یقیناً بلاشبہ مومن ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ۔

> حضور کے والدین کو مومن نہ ماننا یہ علماء متقدمین کا مسلک ہے لیکن علماء متاخرین نے تحقیق کے ساتھ اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے کہ حضور کے والدین، بلکہ حضور کے تمام آباء و اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب کے سب "مومن" ہیں۔

اور ان حضرات کے ایمان کو ثابت کرنے میں علماء متاخرین کے تین طریقے ہیں۔ اول یہ کہ حضور کے والدین اور آباء و اجداد سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے، لہٰذا "مومن" ہوئے۔ دوم یہ کہ یہ تمام حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان نبوت سے پہلے ہی ایسے زمانے میں وفات پا گئے جو زمانہ "فترت"

کہلاتا ہے۔ اور ان لوگوں تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوتِ ایمان پہنچی ہی نہیں۔ لہٰذا ہرگز ہرگز ان حضرات کو کافر نہیں کہا جاسکتا، بلکہ ان لوگوں کو مومن ہی کہا جائے گا۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو زندہ فرما کر ان کی قبروں سے اٹھایا اور ان لوگوں نے کلمہ پڑھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کی۔

اور حضور کے والدین کو زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ بذاتِ خود ضعیف ہے۔ مگر اس کی سندیں اس قدر کثیر ہیں کہ یہ حدیث "صحیح" اور "حسن" کے درجے کو پہنچ گئی ہے۔

اور یہ وہ علم ہے جو علماء متقدمین پر پوشیدہ رہ گیا جس کو حق تعالیٰ نے علماء متاخرین پر منکشف فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرمالیتا ہے۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں چند رسائل تصنیف کیے ہیں اور اس مسئلہ کو دلیلوں سے ثابت کیا ہے اور مخالفین کے شبہات کا جواب دیا ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج اول ص ۷۱۸)

اسی طرح خاتمۃ المفسرین حضرت شیخ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ۔
امام قرطبی نے اپنی کتاب "تذکرہ" میں تحریر فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب "حجۃ الوداع" میں ہم لوگوں کو ساتھ لے کر چلے۔ اور "حجون" کی گھاٹی پر گزرے۔ تو رنج و غم میں ڈوبے ہوئے رونے لگے اور حضور کو روتا دیکھ کر میں بھی رونے لگی۔ پھر حضور اپنی اونٹنی سے اتر پڑے اور کچھ دیر کے بعد میرے پاس واپس تشریف لائے تو خوش خوش مسکراتے ہوئے تشریف لائے۔ میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، کیا بات ہے؟ کہ آپ رنج و غم میں ڈوبے ہوئے اونٹنی سے اترے۔ اور واپس لوٹے تو شاداں و فرحاں مسکراتے ہوئے تشریف فرما ہوئے تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی والدہ حضرت آمنہ کی قبر کے زیارت کے لیے

گیا تھا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ ان کو زندہ فرمادے تو خداوند تعالےٰ نے ان کو زندہ فرمادیا اور وہ ایمان لائیں۔

اور "الاشباہ والنظائر" میں ہے کہ ہر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مر گیا ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے۔ کیونکہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زندہ فرمایا۔ اور یہ دونوں ایمان لائے۔

یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ماں باپ کی قبروں کے پاس روئے۔ اور ایک خشک درخت زمین میں بو دیا۔ اور فرمایا کہ اگر یہ درخت ہرا ہو گیا تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ ان دونوں کا ایمان لانا ممکن ہے۔ چنانچہ وہ درخت ہرا ہو گیا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دُعا کی برکت سے وہ دونوں اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اسلام لائے۔ اور پھر اپنی اپنی قبروں میں تشریف لے گئے۔

اور ان دونوں کا زندہ ہونا، اور ایمان لانا، نہ عقلاً محال ہے نہ شرعاً کیونکہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کے مقتول نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتایا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے بھی چند مردے زندہ ہوئے جب یہ سب باتیں ثابت ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ ہو کر ایمان لانے میں بھلا کونسی چیز مانع ہوسکتی ہے؟ اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ "میں نے اپنی والدہ کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی" یہ حدیث حضور کے والدین کے زندہ ہو کر ایمان لانے سے بہت پہلے کی ہے۔ کیونکہ حضور کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان لانا یہ "حجۃ الوداع" کے موقع پر ہوا ہے (جو حضور کے وصال سے چند ہی ماہ پہلے کا واقعہ ہے) اور حضور کے مراتب و درجات ہمیشہ بڑھتے ہی رہے تو ہوسکتا ہے کہ پہلے حضور کو خداوند تعالیٰ نے یہ شرف نہیں عطا فرمایا تھا کہ آپ کے والدین مسلمان ہوں۔ مگر بعد میں اس فضل و شرف سے بھی آپ کو سرفراز فرمادیا کہ آپ کے والدین کو صاحبِ ایمان بنادیا اور قاضی امام ابوبکر ابن العربی مالکی سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد جہنم میں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص ملعون ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (احزاب)

(یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا آخرت میں ملعون کرے گا)

حافظ شمس الدین دمشقی علیہ الرحمۃ نے اس مسئلہ کو اپنے نعتیہ اشعار میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

حَبَا اللّٰہُ النَّبِیَّ مَزِیْدَ فَضْلٍ
عَلٰی فَضْلٍ وَکَانَ بِہٖ رَؤُوْفًا

اللہ تعالیٰ نے نبی کو فضل بالائے فضل سے بھی بڑھ کر فضیلت عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ ان پر بہت مہربان ہے۔

فَاَحْیَا اُمَّہٗ وَکَذَا اَبَاہُ
لِاِیْمَانٍ بِہٖ فَضْلًا لَطِیْفًا

کیونکہ خداوند تعالیٰ نے حضور کے ماں باپ کو حضور پر ایمان لانے کے لیے اپنے فضلِ لطیف سے زندہ فرمادیا۔

فَسَلِّمْ فَالْقَدِیْمُ بِہٖ قَدِیْرٌ
وَاِنْ کَانَ الْحَدِیْثُ بِہٖ ضَعِیْفًا

تو تم اس بات کو مان لو کیونکہ خداوند قدیم اس بات پر قادر ہے اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(انتہی ملتقطاً تفسیر روح البیان ج ا ص ۲۱۷ تا ۲۱۸)

صاحب الاکلیل حضرت علامہ شیخ عبدالحق مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا کہ۔

علامہ ابن حجر ہیتمی نے مشکوٰۃ کی شرح میں فرمایا ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں ایمان لائے۔ اور پھر وفات پا گئے"۔ یہ حدیث صحیح ہے اور جن محدثین نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے ان میں سے امام قرطبی، اور شام کے حافظ الحدیث ابن ناصر الدین بھی ہیں اور اس میں طعن کرنا بے محل اور بے جا ہے۔ کیونکہ کرامات اور خصوصیات کی شان ہی یہ ہے کہ وہ قواعد اور عادات کے خلاف ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا موت کے بعد اُٹھ کر ایمان لانا۔ یہ ایمان ان کے لیے نافع ہے حالانکہ دوسروں کے لیے یہ ایمان مفید نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور کے والدین کو نسبتِ رسول کی وجہ سے جو کمال حاصل ہے وہ دوسروں کے لیے نہیں ہے اور حضور کی حدیث لیت شعری ما فعل ابوای (کاش مجھے خبر ہوتی کہ میرے والدین کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا) کے بارے میں امام سیوطی نے "در منثور" میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث مرسل اور ضعیف الاسناد ہے۔

(اکلیل علی مدارک التنزیل ج ۲ ص۱)

بہرکیف مندرجہ بالا اقتباسات جو معتبر کتابوں سے لیے گئے ہیں ان کو پڑھ لینے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عقیدت اور ایمانی محبت کا یہی تقاضا ہے کہ حضور کے والدین اور تمام آباء و اجداد بلکہ تمام رشتہ داروں کے ساتھ ادب و احترام کا التزام رکھا جائے۔ بجز ان رشتہ داروں کے جن کا کافر اور جہنمی ہونا قرآن و حدیث سے یقینی طور پر ثابت ہے جیسے "ابولہب" اور اُس کی بیوی "حمالۃ الحطب"۔ باقی تمام قرابت والوں کا ادب ملحوظ خاطر رکھنا لازم ہے کیونکہ جن لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبتِ قرابت حاصل ہے ان کی بے ادبی و گستاخی یقیناً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایذا رسانی کا باعث ہوگا اور آپ قرآن کا فرمان پڑھ چکے کہ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں۔

اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قبلہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک محققانہ رسالہ بھی ہے جس کا نام "شمول الاسلام لاباء الکرام" ہے۔ جس میں آپ نے نہایت ہی مفصل و مدلل طور پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباء و اجداد موحد و مسلم ہیں۔

(واللہ تعالیٰ اعلم)

برکاتِ نبوّت کا ظہور

جس طرح سورج نکلنے سے پہلے ستاروں کی روپوشی، صبح صادق کی سفیدی، شفق کی سرخی سورج نکلنے کی خوشخبری دینے لگتی ہیں۔ اسی طرح جب آفتابِ رسالت کے طلوع کا زمانہ قریب آ گیا۔ تو اطرافِ عالم میں بہت سے ایسے عجیب عجیب واقعات اور خوارقِ عادات بطور علامات کے ظاہر ہونے لگے۔ جو ساری کائنات کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر یہ بشارت دینے لگے کہ اب رسالت کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہونے والا ہے۔

چنانچہ اصحاب فیل کی ہلاکت کا واقعہ۔ ناگہاں بارانِ رحمت سے سرزمین عرب کا سرسبز و شاداب ہو جانا۔ اور برسوں کی خشک سالی دفع ہو کر پورے ملک میں خوشحالی کا دور دورہ ہو جانا۔ بتوں کا منہ کے بل گر پڑنا۔ فارس کے مجوسیوں کی ایک ہزار سال سے جلائی ہوئی آگ کا ایک لمحہ میں بجھ جانا۔ کسریٰ کے محل کا زلزلہ۔ اور اس کے چودہ کنگوروں کا منہدم ہو جانا۔ "ہمدان" اور "قم" کے درمیان چھ میل لمبے چھ میل چوڑے "بحیرۂ ساوہ" کا یکایک بالکل خشک ہو جانا۔ شام اور کوفہ کے درمیان وادی "سماوہ" کی خشک ندی کا اچانک جاری ہو جانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے بدن سے ایک ایسے نور کا نکلنا جس سے "بصریٰ" کے محل روشن ہو گئے۔ یہ سب

واقعات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں جو حضور علیہ الصلوات والتسلیمات کی تشریف آوری سے پہلے ہی "مبشرات" بن کر عالم کائنات کو یہ خوشخبری دینے لگے کہ ؎

مبارک ہو وہ شہ پردے سے باہر آنے والا ہے
گدائی کو زمانہ جس کے در پر آنے والا ہے

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے قبل اعلانِ نبوت جو خلافِ عادت اور عقل کو حیرت میں ڈالنے والے واقعات صادر ہوتے ہیں ان کو شریعت کی اصطلاح میں "ارھاص" کہتے ہیں اور اعلان نبوت کے بعد انہی کو "معجزہ" کہا جاتا ہے۔ اس لیے مذکورہ بالا تمام واقعات "ارھاص" ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کرنے سے قبل ظاہر ہوئے۔ جن کو ہم نے "برکاتِ نبوت" کے عنوان سے بیان کیا ہے۔ اس قسم کے واقعات جو "ارہاص" کہلاتے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے چند کا ذکر ہو چکا ہے چند دوسرے واقعات بھی پڑھ لیجیے۔

۱۔ محدث ابو نعیم نے اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ جس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ نبوت حضرت عبداللہ کی پشت اقدس سے حضرت آمنہ کے بطن مقدس میں منتقل ہوا۔ روئے زمین کے تمام چوپایوں، خصوصاً قریش کے جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا فرمائی۔ اور انہوں نے بزبان فصیح اعلان کیا کہ آج اللہ کا وہ مقدس رسول شکم مادر میں جلوہ گر ہو گیا۔ جس کے سر پر تمام دنیا کی امامت کا تاج ہے۔ اور جو سارے عالم کو روشن کرنے والا چراغ ہے۔ مشرق کے جانوروں نے مغرب کے جانوروں کو بشارت دی۔ اسی طرح سمندروں اور دریاؤں کے جانوروں نے ایک دوسرے کو یہ خوشخبری سنائی کہ حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا وقت قریب آگیا۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۱۰۱)

۲۔ خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ نے فرمایا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی بدلی آئی جس میں روشنی کے ساتھ گھوڑوں کے ہنہنانے، اور پرندوں کے اڑنے کی آواز تھی۔ اور کچھ انسانوں کی بولیاں بھی سنائی دیتی تھیں۔ پھر ایک دم حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے سامنے سے غیب ہو گئے اور میں نے سنا کہ ایک اعلان کرنے والا اعلان کر رہا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مشرق و مغرب میں گشت کراؤ اور ان کو سمندروں کی بھی سیر کراؤ تاکہ تمام کائنات کو ان کا نام۔ ان کا حلیہ۔ ان کی صفت معلوم ہو جائے اور ان کو تمام جاندار مخلوق یعنی جن و انس، ملائکہ اور چرندوں و پرندوں کے سامنے پیش کرو۔ اور انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی صورت، حضرت شیث علیہ السلام کی معرفت، حضرت نوح علیہ السلام کی شجاعت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان، حضرت اسحٰق علیہ السلام کی رضا، حضرت صالح علیہ السلام کی فصاحت، حضرت لوط علیہ السلام کی حکمت، حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شدت، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یونس علیہ السلام کی طاعت، حضرت یوشع علیہ السلام کا جہاد۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز، حضرت دانیال علیہ السلام کی محبت۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا وقار، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عصمت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد عطا کر کے انکو تمام پیغمبروں کے کمالات اور اخلاق حسنہ سے مزین کر دو۔ اس کے بعد وہ بادل چھٹ گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ ریشم کے سبز کپڑے میں لپٹے ہوئے ہیں۔ اور اس کپڑے سے پانی ٹپک رہا ہے اور کوئی منادی اعلان کر رہا ہے کہ واہ، وا! کیا خوب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام دنیا پر قبضہ دے دیا گیا۔ اور کائنات عالم کی کوئی چیز باقی نہ رہی جو ان کے قبضۂ اقتدار و غلبۂ اطاعت میں نہ ہو۔ اب میں نے چہرۂ انور کو دیکھا تو چودھویں کے چاند کی

طرح چمک رہا تھا اور بدن سے پاکیزہ مشک کی خوشبو آرہی تھی، پھر تین شخص نظر آئے۔ ایک کے ہاتھ میں چاندی کا لوٹا، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت تیسرے کے ہاتھ میں ایک چمک دار انگوٹھی تھی۔ انگوٹھی کو سات مرتبہ دھو کر اس نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت لگا دی۔ پھر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر اٹھایا۔ اور ایک لمحہ کے بعد مجھے سپرد کر دیا۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص۱۱۳ تا ص۱۱۵)

دوسرا باب

بچپن

ولادت باسعادت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ مگر قول مشہور یہی ہے کہ واقعہ "اصحاب فیل" سے پچپن دن کے بعد ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ولادت باسعادت کی تاریخ ہے۔ اہل مکہ کا بھی اسی پر عملدرآمد ہے کہ وہ لوگ بارہویں ربیع الاول ہی کو کاشانۂ نبوت کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ اور وہاں میلاد شریف کی محفلیں منعقد کرتے ہیں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ صہ ۱۴)

تاریخ عالم میں یہ وہ نرالا اور عظمت والا دن ہے کہ اسی روز عالم ہستی کے ایجاد کا باعث، گردش لیل و نہار کا مطلوب، خلق آدم کا رمز، کشتی نوح کی حفاظت کا راز، بانی کعبہ کی دعا، ابن مریم کی بشارت کا ظہور ہوا۔ کائنات وجود کے الجھے ہوئے گیسوؤں کو سنوارنے والا، تمام جہان کے بگڑے نظاموں کو سدھارنے والا یعنی ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ماویٰ، ضعیفوں کا ملجا
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

سند الاصفیاء، اشرف الانبیاء، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم عالم وجود میں رونق افروز ہوئے اور پاکیزہ بدن، ناف بریدہ، ختنہ کیے ہوئے خوشبو میں بسے ہوئے بحالت سجدہ، مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین میں اپنے والد ماجد کے مکان کے اندر پیدا ہوئے۔ باپ کہاں تھے جو بلائے جاتے اور اپنے نونہال کو دیکھ کر نہال

ہوتے ۔ وہ تو پہلے ہی وفات پا چکے تھے ۔ دادا بلائے گئے جو اس وقت طوافِ کعبہ میں مشغول تھے ۔ یہ خوشخبری سُن کر دادا "عبدالمطلب" خوش خوش حرم کعبہ سے اپنے گھر آئے اور والہانہ جوشِ محبت میں اپنے پوتے کو کلیجے سے لگا لیا ۔ پھر کعبہ میں لے جا کر خیر و برکت کی دعا مانگی ۔ اور "محمد" نام رکھا ۔ آپ کے چچا ابو لہب کی لونڈی "ثویبہ" خوشی میں دوڑتی ہوئی گئی ۔ اور "ابولہب" کو بھتیجا پیدا ہونے کی خوشخبری دی تو اُس نے اس خوشی میں شہادت کی انگلی کے اشارہ سے "ثویبہ" کو آزاد کر دیا ۔ جس کا ثمرہ ابولہب کو یہ ملا ۔ کہ اس کی موت کے بعد اُس کے گھر والوں نے اس کو خواب میں دیکھا اور حال پوچھا ۔ تو اُس نے اپنی انگلی اُٹھا کر یہ کہا کہ ۔

> تم لوگوں سے جدا ہونے کے بعد مجھے کچھ (کھانے پینے) کو نہیں ملا بجز اس کے کہ "ثویبہ" کو آزاد کرنے کے سبب سے اس انگلی کے ذریعہ کچھ پانی پلا دیا جاتا ہوں ۔ (بخاری ج ۲ باب وامہاتکم التی ارضعنکم)

اس موقع پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے ایک بہت ہی فکر انگیز اور بصیرت افروز بات تحریر فرمائی ہے جو اہلِ محبت کے لیے نہایت ہی لذت بخش ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ ۔

> اس جگہ میلاد کرنے والوں کے لیے ایک سند ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شبِ ولادت میں خوشی مناتے ہیں اور اپنا مال خرچ کرتے ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ جب ابولہب کو جو کافر تھا ۔ اور اس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی مناتے ، اور باندی کا دودھ خرچ کرنے پر جزا دی گئی تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار ہو کر خوشی مناتا ہے ۔ اور اپنا مال خرچ کرتا ہے ۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۹)

مولدُ النبی جس مقدس مکان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی ۔ تاریخ اسلام میں اُس مقام کا نام "مولد النبی" (نبی کی

پیدائش کی جگہ) ہے۔ یہ بہت ہی متبرک مقام ہے۔ سلاطین اسلام نے اس مبارک یادگار پر بہت ہی شاندار عمارت بنا دی تھی۔ جہاں اہل حرمین شریفین اور تمام دنیا سے آنے والے مسلمان دن رات محفل میلاد شریف منعقد کرتے اور صلوٰۃ و سلام پڑھتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "فیوض الحرمین" میں تحریر فرمایا ہے کہ میں ایک مرتبہ اس محفل میلاد شریف میں حاضر ہوا۔ جو مکہ مکرمہ میں بارہویں ربیع الاول کو "مولد النبی" میں منعقد ہوئی تھی۔ جس وقت ولادت کا ذکر پڑھا جا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ یکبارگی اُس مجلس سے کچھ انوار بلند ہوئے۔ میں نے ان انوار پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ رحمتِ الٰہی، اور ان فرشتوں کے انوار تھے جو ایسی محفلوں میں حاضر ہوا کرتے ہیں

(فیوض الحرمین)

جب حجاز پر نجدی حکومت کا تسلط ہوا تو مقابر جنۃ المعلی و جنۃ البقیع کے گنبدوں کے ساتھ ساتھ نجدی حکومت نے اُس مقدس یادگار کو بھی توڑ پھوڑ کر مسمار کر دیا اور برسوں یہ مبارک مقام ویران پڑا رہا۔ مگر میں جب جون ۱۹۵۹ء میں اس مرکز خیر و برکت کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ تو میں نے اس جگہ ایک چھوٹی سی بلڈنگ دیکھی جو مقفل تھی۔ بعض عربوں نے بتایا کہ اب اس بلڈنگ میں ایک مختصر سی لائبریری اور ایک چھوٹا سا مکتب ہے۔ اب اس جگہ نہ میلاد شریف ہو سکتا ہے نہ صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی اجازت ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بلڈنگ سے کچھ دور کھڑے ہو کر چپکے چپکے صلوٰۃ و سلام پڑھا۔ اور مجھ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ میں کچھ دیر تک روتا رہا۔

دودھ پینے کا زمانہ

سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولہب کی لونڈی "حضرت ثویبہ" کا دودھ نوش فرمایا پھر اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے دودھ سے سیراب ہوتے رہے۔ پھر حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ اور اپنے قبیلہ میں رکھ کر آپ کو دودھ پلاتی رہیں

اور انہیں کے پاس آپ کے دودھ پینے کا زمانہ گزرا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۸)

شرفاء عرب کی عادت تھی کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لیے گرد و نواح دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے دیہات کی صاف ستھری آب و ہوا میں بچوں کی تندرستی اور جسمانی صحت بھی اچھی ہو جاتی تھی۔ اور وہ خالص اور فصیح عربی زبان بھی سیکھ جاتے تھے۔ کیونکہ شہر کی زبان باہر کے آدمیوں کے میل جول سے خالص اور فصیح و بلیغ زبان نہیں رہا کرتی۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں ''بنی سعد'' کی عورتوں کے ہمراہ دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ کو چلی۔ اس سال عرب میں بہت سخت کال پڑا ہوا تھا میری گود میں ایک بچہ تھا، مگر فقر و فاقہ کی وجہ سے میری چھاتیوں میں اتنا دودھ نہ تھا جو اس کو کافی ہو سکے۔ رات بھر وہ بچہ بھوک سے تڑپتا، اور روتا بلبلاتا رہتا تھا۔ اور ہم اس کی دلجوئی اور دلداری کے لیے تمام رات بیٹھ کر گزارتے تھے۔ ایک اونٹنی بھی ہمارے پاس تھی۔ مگر اس کے بھی دودھ نہ تھا۔ مکہ مکرمہ کے سفر میں جس خچر پر میں سوار تھی وہ بھی اس قدر لاغر تھا کہ قافلہ والوں کے ساتھ نہ چل سکتا تھا میرے ہمراہی بھی اس سے تنگ آچکے تھے۔ بڑی بڑی مشکلوں سے یہ سفر طے ہوا جب یہ قافلہ مکہ مکرمہ پہنچا تو جو عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتی اور یہ سنتی کہ یہ یتیم ہیں تو کوئی عورت آپ کو لینے کے لیے تیار نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ بچے کے یتیم ہونے کے سبب سے زیادہ انعام و اکرام ملنے کی امید نہیں تھی۔ ادھر حضرت حلیمہ سعدیہ کی قسمت کا ستارہ ثریا سے زیادہ بلند، اور چاند سے زیادہ روشن تھا ان کے دودھ کی کمی ان کے لیے رحمت کی زیادتی کا باعث بن گئی۔ کیونکہ دودھ کم دیکھ کر کسی نے ان کو اپنا بچہ دینا گوارا نہ کیا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ نے اپنے شوہر حارث بن عبد العزیٰ سے کہا کہ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں خالی ہاتھ واپس جاؤں اس سے تو بہتر یہی ہے کہ میں اس یتیم ہی کو لے چلوں، شوہر نے اس کو منظور کر لیا۔ اور حضرت حلیمہ اس دُرِّ یتیم کو لے کر آئیں جس سے صرف حضرت حلیمہ اور حضرت آمنہ ہی

کے گھر میں نہیں۔ بلکہ کائناتِ عالم کے مشرق و مغرب میں اُجالا ہونے والا تھا۔ یہ خداوند قدوس کا فضل عظیم ہی تھا کہ حضرت حلیمہ کی سوئی ہوئی قسمت بیدار ہوگئی۔ اور سرورِ کائنات ان کی آغوش میں آگئے۔ اپنے خیمہ میں لاکر جب دودھ پلانے بیٹھیں تو بارانِ رحمت کی طرح برکاتِ نبوت کا ظہور شروع ہوگیا۔ خدا کی شان دیکھیے کہ حضرت حلیمہ کے مبارک پستان میں اس قدر دودھ اترا کہ رحمت عالم نے بھی اور ان کے رضاعی بھائی نے بھی خوب شکم سیر ہوکر دودھ پیا۔ اور دونوں آرام سے سو گئے۔ ادھر اونٹنی کو دیکھا تو اس کے تھن دودھ سے بھر گئے تھے۔ حضرت حلیمہ کے شوہر نے اس کا دودھ دوہا۔ اور میاں بیوی دونوں نے خوب سیر ہوکر دودھ پیا۔ اور دونوں شکم سیر ہوکر رات بھر سکھ اور چین کی نیند سوئے۔

حضرت حلیمہ کا شوہر حضور رحمت عالم کی یہ برکتیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور کہنے لگا کہ حلیمہ! تم بڑا ہی مبارک بچہ لائی ہو۔ حضرت حلیمہ نے کہا کہ واقعی مجھے بھی یہی اُمید ہے کہ یہ نہایت ہی بابرکت بچہ ہے اور خدا کی رحمت بن کر ہم کو ملا ہے اور مجھے یہی توقع ہے کہ اب ہمارا گھر خیر و برکت سے بھر جائے گا۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد ہم رحمتِ عالم کو اپنی گود میں لے کر مکہ مکرمہ سے اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہوئے۔ تو میرا وہی خچر اب اس قدر تیز چلنے لگا کہ کسی کی سواری اس کی گرد کو نہیں پہنچتی تھی۔ قافلہ کی عورتیں حیران ہوکر مجھ سے کہنے لگیں کہ اے حلیمہ! کیا یہ وہی خچر ہے؟ جس پر تم سوار ہوکر آئی تھیں۔ یا کوئی دوسرا تیز رفتار خچر تم نے خرید لیا ہے؟ الغرض ہم اپنے گھر پہنچے۔ وہاں سخت قحط پڑا ہوا تھا۔ تمام جانوروں کے تھن میں دودھ خشک ہوچکے تھے۔ لیکن میرے گھر میں قدم رکھتے ہی میری بکریوں کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ اب روزانہ میری بکریاں جب چراگاہ سے گھر واپس آتیں تو ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوتے حالانکہ پوری بستی میں اور کسی کو اپنے جانوروں کا ایک قطرہ دودھ نہیں ملتا تھا۔ میرے قبیلہ والوں نے اپنے چرواہوں سے کہا کہ تم لوگ بھی اپنے جانوروں کو اسی جگہ چراؤ جہاں حلیمہ کے جانور

چرتے ہیں۔ چنانچہ سب لوگ اسی چراگاہ میں اپنے مویشی چرانے لگے۔ جہاں میری بکریاں چرتی تھیں۔ مگر یہاں تو چراگاہ اور جنگل کا کوئی عمل دخل ہی نہیں تھا یہ تو رحمت عالم کے برکات نبوت کا فیض تھا۔ جس کو میں اور میرے شوہر کے سوا میری قوم کا کوئی شخص نہیں سمجھ سکتا تھا۔

الغرض اسی طرح ہر دم ہر قدم پر ہم برابر آپ کی برکتوں کا مشاہدہ کرتے رہے یہاں تک کہ دو سال پورے ہو گئے۔ اور میں نے آپ کا دودھ چھڑا دیا۔ آپ کی تندرستی اور نشو و نما کا حال دوسرے بچوں سے اتنا اچھا تھا کہ دو سال میں آپ خوب اچھے بڑے معلوم ہونے لگے۔ اب ہم دستور کے مطابق رحمت عالم کو ان کی والدہ کے پاس لائے۔ اور انہوں نے حسب توفیق ہم کو انعام و اکرام سے نوازا۔

گو قاعدہ کے مطابق اب ہمیں رحمت عالم کو اپنے پاس رکھنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ مگر آپ کی برکات نبوت کی وجہ سے ایک لمحہ کے لیے بھی ہم کو آپ کی جدائی گوارا نہیں تھی۔ عجیب اتفاق کہ اس سال مکہ معظمہ میں وبائی بیماری پھیلی ہوئی تھی چنانچہ ہم نے اس وبائی بیماری کا بہانہ کر کے حضرت بی بی آمنہ کو رضامند کر لیا۔ اور پھر ہم رحمتِ عالم کو واپس اپنے گھر لائے۔ اور پھر ہمارا مکان رحمتوں اور برکتوں کی کان بن گیا۔ اور آپ ہمارے پاس نہایت خوش و خرم ہو کر رہنے لگے۔ گھر سے باہر نکلتے اور دوسرے لڑکوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے، مگر خود ہمیشہ ہر قسم کے کھیل کود سے علیحدہ رہتے۔

ایک روز مجھ سے کہنے لگے کہ اماجان! میرے دوسرے بھائی بہن دن بھر نظر نہیں آتے۔ یہ لوگ ہمیشہ صبح کو اٹھ کر روزانہ کہاں چلے جاتے ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ لوگ بکریاں چرانے چلے جاتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا مادر مہربان! آپ مجھے بھی میرے بھائی بہنوں کے ساتھ بھیجا کیجیے۔ چنانچہ آپ کے اصرار سے مجبور ہو کر آپ کو حضرت حلیمہ نے اپنے بچوں کے ساتھ چراگاہ جانے کی اجازت دے دی۔ اور آپ روزانہ جہاں حضرت حلیمہ کی بکریاں چرتی تھیں تشریف لے جاتے رہے اور بکریاں

چراگاہوں میں لے جا کر ان کی دیکھ بھال کرنا جو تمام انبیاء اور رسولوں کی سنت ہے۔ آپ نے اپنے عمل سے بچپن ہی میں اپنی ایک خصلت نبوت کا اظہار فرما دیا۔

شق صدر

ایک دن آپ چراگاہ میں تھے کہ ایک دم حضرت حلیمہ کے ایک فرزند "ضمرہ" دوڑتے اور ہانپتے کانپتے ہوئے اپنے گھر پر آئے اور اپنی ماں حضرت بی بی حلیمہ سے کہا کہ اماں جان! بڑا غضب ہو گیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تین آدمیوں نے جو بہت ہی سفید لباس پہنے ہوئے تھے چت لٹا کر ان کا شکم پھاڑ ڈالا ہے اور میں اسی حال میں ان کو چھوڑ کر بھاگا ہوا آیا ہوں۔ یہ سن کر حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں بدحواس ہو کر گھبرائے ہوئے دوڑ کر جنگل میں پہنچے تو یہ دیکھا کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ مگر خوف و ہراس سے چہرہ زرد اور اداس ہے۔ حضرت حلیمہ نے انتہائی مشفقانہ لہجے میں پیار سے چمکار کر پوچھا کہ بیٹا! کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تین شخص جن کے کپڑے بہت ہی سفید اور صاف ستھرے تھے میرے پاس آئے۔ اور مجھ کو چت لٹا کر میرا شکم چاک کر کے اس میں سے کوئی چیز نکال کر باہر پھینک دی اور پھر کوئی چیز میرے شکم میں ڈال کر شگاف کو سی دیا لیکن مجھے ذرہ برابر بھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۱)

یہ واقعہ سن کر حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں بے حد گھبرائے اور شوہر نے کہا کہ حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ ان کے اوپر شاید کچھ آسیب کا اثر ہے۔ لہٰذا بہت جلد تم ان کو ان کے گھر والوں کے پاس چھوڑ آؤ۔ اس کے بعد حضرت حلیمہ آپ کو لے کر مکہ مکرمہ آئیں۔ کیونکہ انہیں اس واقعہ سے یہ خوف پیدا ہو گیا تھا کہ شاید اب ہم کما حقہٗ ان کی حفاظت نہ کر سکیں گے۔ حضرت حلیمہ نے جب مکہ معظمہ پہنچ کر آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ حلیمہ! تم تو بڑی خواہش اور چاہ کے ساتھ میرے بچے کو اپنے گھر لے گئی تھیں۔ پھر اس قدر جلد واپس لے آنے کی وجہ کیا ہے؟ جب حضرت حلیمہ نے شکم چاک کرنے کا واقعہ بیان کیا۔ اور آسیب کا شبہہ ظاہر کیا تو حضرت بی بی آمنہ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم میرے نور نظر پر ہرگز ہرگز کبھی

بھی کسی جن یا شیطان کا عمل دخل نہیں ہو سکتا۔ میرے بیٹے کی بڑی شان ہے۔ پھر ایام حمل اور وقتِ ولادت کے حیرت انگیز واقعات سنا کر حضرت حلیمہ کو مطمئن کر دیا اور حضرت حلیمہ آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کر کے اپنے گاؤں میں واپس چلی آئیں۔ اور آپ اپنی والدہ ماجدہ کی آغوشِ تربیت میں پرورش پانے لگے۔

شقِ صدر کتنی بار ہوا؟

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ "الم نشرح" کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ چار مرتبہ آپ کا مقدس سینہ چاک کیا گیا۔ اور اس میں نور و حکمت کا خزینہ بھرا گیا۔ پہلی مرتبہ جب آپ حضرت حلیمہ کے گھر تھے۔ جس کا ذکر ہو چکا۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان وسوسوں اور خیالات سے محفوظ رہیں جن میں بچے مبتلا ہو کر کھیل کود، اور شرارتوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں دوسری بار دس برس کی عمر میں ہوا۔ تاکہ جوانی کی پر آشوب شہوتوں کے خطرات سے آپ بے خوف ہو جائیں۔ تیسری بار غارِ حرا میں شقِ صدر ہوا۔ اور آپ کے قلب میں نورِ سکینہ بھر دیا گیا تاکہ آپ وحی الٰہی کے عظیم اور گراں بار بوجھ کو برداشت کر سکیں چوتھی مرتبہ شبِ معراج میں آپ کا مبارک سینہ چاک کر کے نور و حکمت کے خزانوں سے معمور کیا گیا۔ تاکہ آپ کے قلبِ مبارک میں اتنی وسعت اور صلاحیت پیدا ہو جائے کہ آپ دیدارِ الٰہی کی تجلیوں، اور کلامِ ربانی کی ہیبتوں اور عظمتوں کے متحمل ہو سکیں۔

اُمِّ ایمن

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ کے گھر سے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ اور اپنی والدہ محترمہ کے پاس رہنے لگے۔ تو حضرت "ام ایمن"، جو آپ کے والد ماجد کی باندی تھیں آپ کی خاطر داری اور خدمت گزاری میں دن رات جی جان سے مصروف رہنے لگیں۔ ام ایمن کا نام "برکت" ہے۔ یہ آپ کو آپ کے والد سے میراث میں ملی تھیں۔ یہی آپ کو کھانا کھلاتی تھیں۔ کپڑے پہناتی تھیں آپ کے کپڑے دھویا کرتی تھیں۔ آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت

زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا۔ جن سے حضرت اُسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ (رضی اللہ عنہم)

بچپن کی ادائیں

حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ آپ کا گہوارہ یعنی جھولا فرشتوں کے ہلانے سے ہلتا تھا اور آپ بچپن میں چاند کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ فرماتے تھے تو چاند آپ کی انگلی کے اشاروں پر حرکت کرتا تھا۔ جب آپ کی زبان کھلی تو سب سے اوّل جو کلام آپ کی زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا اللہ اکبر! اللہ اکبر الحمد للہ رب العالمین وسبحان اللہ بکرۃ واصیلاً بچوں کی عادت کے مطابق کبھی بھی آپ نے کپڑوں میں بول و براز نہیں فرمایا۔ بلکہ ہمیشہ ایک معین وقت پر رفع حاجت فرماتے۔ اگر کبھی آپ کی شرمگاہ کھل جاتی تو آپ رو رو کر فریاد کرتے۔ اور جب تک شرمگاہ نہ چھپ جاتی آپ کو چین اور قرار نہیں آتا تھا اور اگر شرمگاہ چھپانے میں مجھ سے کچھ تاخیر ہو جاتی تو غیب سے کوئی آپ کی شرمگاہ چھپا دیتا۔ جب آپ اپنے پاؤں پر چلنے کے قابل ہوئے تو باہر نکل کر بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے۔ مگر خود کھیل کود میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ لڑکے آپ کو کھیلنے کے لیے بلاتے تو آپ فرماتے کہ میں کھیلنے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہوں۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص۲۱)

حضرت آمنہ کی وفات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف جب چھ برس کی ہوگئی تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آپ کے دادا کے ننہیال بنو عدی بن نجار میں رشتہ داروں کی ملاقات یا اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کی باندی ام ایمن بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں وہاں سے واپسی پر "ابواء" نامی گاؤں میں حضرت بی بی آمنہ کی وفات ہوگئی اور وہ وہیں مدفون ہوئیں۔ والد ماجد کا سایہ تو ولادت سے پہلے ہی اٹھ چکا تھا اب والدہ ماجدہ کی آغوش شفقت کا خاتمہ بھی ہوگیا۔ لیکن حضرت بی بی آمنہ کا یہ دُرِّ یتیم

جس آغوشِ رحمت میں پرورش پاکر پروان چڑھنے والا ہے وہ ان سب ظاہری اسبابِ تربیت سے بے نیاز ہے۔

حضرت بی بی آمنہ کی وفات کے بعد حضرت اُمِ ایمن آپ کو مکہ مکرمہ لائیں اور آپ کے دادا عبدالمطلب کے سپرد کیا اور دادا نے آپ کو اپنے آغوش تربیت میں انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ پرورش کیا اور حضرت اُمِ ایمن آپ کی خدمت کرتی رہیں۔ جب آپ کی عمر شریف آٹھ برس کی ہوگئی۔ تو آپ کے دادا عبدالمطلب کا بھی انتقال ہوگیا۔

ابوطالب کے پاس

عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کو اپنی آغوشِ تربیت میں لے لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیک خصلتوں اور دل لبھا دینے والی بچپن کی پیاری پیاری اداؤں نے ابوطالب کو آپ کا ایسا گرویدہ بنا دیا کہ مکان کے اندر اور باہر ہر وقت آپ کو اپنے ساتھ ہی رکھتے۔ اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے۔ اپنے پاس ہی آپ کا بستر بچھاتے اور ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔

ابوطالب کا بیان ہے کہ میں نے کبھی بھی نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت بھی کوئی جھوٹ بولے ہوں۔ یا کبھی کسی کو دھوکہ دیا ہو۔ یا کبھی کسی کو کوئی ایذا پہنچائی ہو۔ یا بیہودہ لڑکوں کے پاس کھیلنے کے لیے گئے ہوں، یا کبھی کوئی خلاف تہذیب بات کی ہو۔ ہمیشہ انتہائی خوش اخلاق، نیک اطوار، نرم گفتار بلند کردار اور اعلیٰ درجہ کے پارسا اور پرہیزگار رہے۔

آپ کی دُعا سے بارش

ایک مرتبہ ملکِ عرب میں انتہائی خوفناک قحط پڑ گیا۔ اہلِ مکہ نے بتوں سے فریاد کرنے کا ارادہ کیا، مگر ایک حسین و جمیل بوڑھے نے مکہ والوں سے کہا کہ اے اہلِ مکہ ہمارے اندر ابوطالب موجود ہیں۔ جو بانیٔ کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اور کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین بھی ہیں۔ ہمیں ان کے پاس چل کر

دعا کی درخواست کرنی چاہیے۔ چنانچہ سردارانِ عرب ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فریاد کرنے لگے کہ اے ابوطالب! قحط کی آگ نے سارے عرب کو جھلس کر رکھ دیا ہے۔ جانور گھاس پانی کے لیے ترس رہے ہیں اور انسان دانہ پانی نہ ملنے سے تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہے ہیں۔ قافلوں کی آمد و رفت بند ہو چکی ہے۔ اور ہر طرف بربادی و ویرانی کا دور دورہ ہے۔ آپ بارش کے لیے دُعا کیجیے۔ اہلِ عرب کی فریاد سُن کر ابوطالب کا دل بھر آیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر حرم کعبہ میں گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوارِ کعبہ سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا اور دُعا مانگنے میں مشغول ہو گئے۔ درمیان دعا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک کو آسمان کی طرف اٹھا دیا ایک دم چاروں طرف سے بدلیاں نمودار ہوئیں۔ اور فوراً ہی اس زور کا بارانِ رحمت برسا کہ عرب کی زمین سیراب ہو گئی۔ جنگلوں اور میدانوں میں ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ چٹیل میدانوں کی زمینیں سرسبز و شاداب ہو گئیں۔ قحط دفع ہو گیا۔ اور کال کٹ گیا اور سارا عرب خوش حال اور نہال ہو گیا۔

چنانچہ ابوطالب نے اپنے اُس طویل قصیدہ میں جس کو انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں نظم کیا ہے اس واقعہ کو ایک شعر میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ ؎

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

یعنی وہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے گورے رنگ والے ہیں کہ ان کے رُخِ انور کے ذریعہ بدلی سے بارش طلب کی جاتی ہے وہ یتیموں کا ٹھکانا اور بیواؤں کے نگہبان ہیں۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۱۹۰)

اُمّی لقب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب "اُمّی" ہے۔ اس لفظ کے دو معنی ہیں یا تو یہ "اُم القریٰ" کی طرف نسبت ہے۔ "اُم القریٰ"

مکہ مکرمہ کا لقب ہے۔ لہٰذا "اُمی" کے معنی مکہ مکرمہ کے رہنے والے یا "اُمی" کے یہ معنی ہیں کہ آپ نے دنیا میں کسی انسان سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ہی عظیم الشان معجزہ ہے کہ دنیا میں کسی نے بھی آپ کو نہیں پڑھایا لکھایا۔ مگر خداوند قدوس نے آپ کو اس قدر علم عطا فرمایا کہ آپ کا سینہ اولین و آخرین کے علوم و معارف کا خزینہ بن گیا۔ اور آپ پر ایسی کتاب نازل ہوئی جس کی شان تبیاناً لکل شیٔ (ہر ہر چیز کا روشن بیان) ہے حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

نگارِ من کہ بہ مکتب نرفت و خط ننوشت

بغمزۂ سبق آموز صد مدرس شد

یعنی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نہ کبھی مکتب میں گئے، نہ لکھنا سیکھا، مگر اپنے چشم و ابرو کے اشارہ سے سیکڑوں مدرسوں کو سبق پڑھا دیا۔

ظاہر ہے کہ جس کا استاد اور تعلیم دینے والا خلاق عالم جل جلالہٗ ہو بھلا اس کو کسی اور استاد سے تعلیم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہوگی؟ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ ؎

ایسا اُمی کس لیے منتِ کشِ استاد ہو؟

کیا کفایت اس کو اقرأ ربک الاکرم نہیں

آپ کے امی لقب ہونے کا حقیقی راز کیا ہے؟ اس کو تو خداوند علام الغیوب کے سوا اور کون بتا سکتا ہے؟ لیکن بظاہر اس میں چند حکمتیں اور فوائد معلوم ہوتے ہیں۔

اوّل۔ یہ کہ تمام دنیا کو علم و حکمت سکھانے والے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اور آپ کا استاد صرف خداوند عالم ہی ہو۔ کوئی انسان آپ کا استاد نہ ہو، تاکہ کبھی کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پیغمبر تو میرا پڑھایا ہوا شاگرد ہے۔

دوم۔ یہ کہ کوئی شخص کبھی یہ خیال نہ کر سکے کہ فلاں آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استاد تھا تو شاید وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم والا ہوگا۔

سوم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی یہ وہم بھی نہ کر سکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ پڑھے لکھے آدمی تھے اس لیے انہوں نے خود ہی قرآن کی آیتوں کو اپنی طرف سے بنا کر پیش کیا ہے۔ اور قرآن انہیں کا بنایا ہوا کلام ہے۔

چہارم۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری دنیا کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں تو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پہلی اور پرانی کتابوں کو دیکھ دیکھ کر اس قسم کی انمول اور انقلاب آفریں تعلیمات دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

پنجم۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی استاد ہوتا تو آپ کو اس کی تعظیم کرنی پڑتی۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خالقِ کائنات نے اس لیے پیدا فرمایا تھا۔ کہ سارا عالم آپ کی تعظیم کرے۔ اس لیے حضرت حق جل شانہٗ نے اس کو گوارا نہیں فرمایا کہ میرا محبوب کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرے۔ اور کوئی اس کا استاد ہو۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

سفرِ شام اور بحیری

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف بارہ برس کی ہوئی تو اس وقت ابو طالب نے تجارت کی غرض سے ملکِ شام کا سفر کیا۔ ابو طالب کو چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت ہی والہانہ محبت تھی اس لیے وہ آپ کو بھی اس سفر میں اپنے ہمراہ لے گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت سے قبل تین بار تجارتی سفر فرمایا۔ دو مرتبہ ملک شام گئے، اور ایک بار یمن تشریف لے گئے۔ یہ ملک شام کا پہلا سفر ہے۔ اس سفر کے دوران "بصریٰ" میں "بحیریٰ" راہب (عیسائی سادھو) کے پاس آپ کا قیام ہوا۔ اس نے توراۃ وانجیل میں بیان کی ہوئی نبی آخر الزمان کی نشانیوں سے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اور بہت عقیدت اور احترام کے ساتھ اس نے آپ کے قافلہ والوں کی دعوت کی۔ اور ابو طالب سے کہا کہ یہ سارے جہان کے سردار اور رب العالمین کے رسول ہیں۔ جن کو خدا نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ شجر و حجر ان کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور ابر ان پر سایہ کرتا ہے اور ان

کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔ اس لیے تمہارے اور ان کے حق میں یہی بہتر ہو گا۔ کہ اب تم ان کو لے کر آگے نہ جاؤ۔ اور اپنا مال تجارت یہیں فروخت کر کے بہت جلد مکہ چلے جاؤ۔ کیونکہ ملک شام میں یہودی لوگ ان کے بہت بڑے دشمن ہیں۔ وہاں پہنچتے ہی وہ لوگ ان کو شہید کر ڈالیں گے۔ بحیرای راہب کے کہنے پر ابو طالب کو خطرہ محسوس ہونے لگا۔ چنانچہ انہوں نے وہیں اپنی تجارت کا مال فروخت کر دیا۔ اور بہت جلد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ بحیری راہب نے چلتے وقت انتہائی عقیدت کے ساتھ آپ کو سفر کا کچھ توشہ بھی دیا۔

(ترمذی ج ۲ باب ماجاء فی بدء نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

تیسرا باب

اعلانِ نبوّت سے پہلے کے کارنامے

جنگِ فجار اسلام سے پہلے عربوں میں لڑائیوں کا ایک طویل سلسلہ جاری تھا۔ انہی لڑائیوں میں سے ایک مشہور لڑائی "جنگِ فجار" کے نام سے مشہور ہے۔ عرب کے لوگ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کے ان چار مہینوں کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اور ان مہینوں میں لڑائی کرنے کو گناہ جانتے تھے، یہاں تک کہ عام طور پر ان مہینوں میں لوگ تلواروں کو نیام میں رکھ دیتے اور نیزوں کی برچھیاں اتار لیتے تھے۔ مگر اس کے باوجود کبھی کبھی کچھ ایسے ہنگامی حالات درپیش ہو گئے کہ مجبوراً ان مہینوں میں بھی لڑائیاں کرنی پڑیں۔ تو ان لڑائیوں کو اہلِ عرب "حروب فجار" (گناہ کی لڑائیاں) کہتے تھے۔ سب سے آخری جنگ فجار جو قریش اور "قیس" کے قبیلوں کے درمیان ہوئی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف بیس برس کی تھی، چونکہ قریش اس جنگ میں حق پر تھے۔ اس لیے ابو طالب وغیرہ اپنے چچاؤں کے ساتھ آپ نے بھی اس جنگ میں شرکت فرمائی۔ مگر کسی پر ہتھیار نہیں اٹھایا۔ صرف اتنا ہی کیا کہ اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے رہے۔ اس لڑائی میں پہلے "قیس" پھر قریش غالب آئے اور آخر کار صلح پر اس لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص۱۸۶)

حلف الفضول روز روز کی لڑائیوں سے عرب کے سیکڑوں گھرانے برباد ہو گئے تھے۔ ہر طرف بدامنی اور آئے دن کی لوٹ مار سے ملک کا امن و امان غارت ہو چکا تھا۔ کوئی شخص اپنی جان و مال کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ نہ دن کو چین، نہ رات کو آرام، اس وحشت ناک صورتِ حال سے تنگ آ کر کچھ صلح پسند

لوگوں نے جنگ فجار کے خاتمہ کے بعد ایک اصلاحی تحریک چلائی۔ چنانچہ بنو ہاشم بنو زہرہ، بنو اسد وغیرہ قبائل قریش کے بڑے بڑے سرداران عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبد المطلب نے یہ تجویز پیش کی کہ موجودہ حالات کو سدھارنے کے لیے کوئی معاہدہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ خاندانِ قریش کے سرداروں نے "بقائے باہم" کے اصول پر "جیو اور جینے دو" کے قسم کا ایک معاہدہ کیا۔ اور حلف اٹھا کر عہد کیا۔ کہ ہم لوگ۔

۱۔ ملک سے بے امنی دور کریں گے۔
۲۔ مسافروں کی حفاظت کریں گے۔
۳۔ غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔
۴۔ مظلوم کی حمایت کریں گے۔
۵۔ کسی ظالم یا غاصب کو مکہ میں نہیں رہنے دیں گے۔

اس معاہدہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے اور آپ کو یہ معاہدہ اس قدر عزیز تھا کہ اعلانِ نبوت کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدہ سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر اس معاہدہ کے بدلے میں کوئی مجھے سُرخ رنگ کے اونٹ بھی دیتا تو مجھے اتنی خوشی نہیں ہوتی۔ اور آج اسلام میں بھی اگر کوئی مظلوم "یا اٰل حلف الفضول" کہہ کر مجھے مدد کے لیے پکارے۔ تو میں اس کی مدد کے لیے تیار ہوں۔

اس تاریخی معاہدہ کو "حلف الفضول" اس لیے کہتے ہیں کہ قریش کے اس معاہدہ سے بہت پہلے مکہ میں قبیلہ "جرہم" کے سرداروں کے درمیان بھی بالکل ایسا ہی ایک معاہدہ ہوا تھا۔ اور چونکہ قبیلہ جرہم کے وہ لوگ جو اس معاہدہ کے محرک تھے۔ ان سب لوگوں کا نام "فضل" تھا یعنی فضل بن حارث اور فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ اس لیے اس معاہدہ کا نام "حلف الفضول" رکھ دیا گیا۔ یعنی ان چند آدمیوں کا معاہدہ جن کے نام "فضل" تھے۔

(سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۳۴)

ملکِ شام کا دوسرا سفر

جب آپ کی عمر شریف تقریباً پچیس سال کی ہوئی تو آپ کی امانت وصداقت کا چرچا دور دور تک پہنچ چکا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ کی ایک بہت ہی مالدار عورت تھیں۔ ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ اُن کو ضرورت تھی کہ کوئی امانت دار آدمی مل جائے تو اُس کے ساتھ اپنی تجارت کا مال وسامان ملک شام بھیجیں۔ چنانچہ ان کی نظر انتخاب نے اس کام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا۔ اور کہلا بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر ملک شام جائیں جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں۔ آپ کی امانت ودیانت داری کی بنا پر میں آپ کو اس کا دوگنا دوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔ اور تجارت کا مال وسامان لے کر ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ایک معتمد غلام "میسرہ" کو بھی آپ کے ساتھ روانہ کر دیا تاکہ وہ آپ کی خدمت کرتا رہے۔ جب آپ ملک شام کے مشہور شہر "بصریٰ" کے بازار میں پہنچے تو وہاں "نسطورا" راہب کی خانقاہ کے قریب میں ٹھہرے۔ "نسطورا" میسرہ کو بہت پہلے سے جانتا پہچانتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت دیکھتے ہی "نسطورا" میسرہ کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ اے میسرہ! یہ کون شخص ہیں جو اس درخت کے نیچے اتر پڑے ہیں۔ میسرہ نے جواب دیا کہ یہ مکہ کے رہنے والے ہیں۔ اور خاندان بنو ہاشم کے چشم وچراغ ہیں ان کا نام نامی "محمد" اور لقب "امین" ہے۔ نسطورا نے کہا کہ سوائے نبی کے اس درخت کے نیچے آج تک کبھی کوئی نہیں اترا۔ اس لیے مجھے یقین کامل ہے کہ "نبی آخر الزماں" یہی ہیں۔ کیونکہ آخری نبی کی تمام نشانیاں جو میں نے توریت وانجیل میں پڑھی ہیں وہ سب میں ان میں دیکھ رہا ہوں۔ کاش میں اُس وقت زندہ رہتا جب یہ اپنی نبوت کا اعلان کریں گے تو میں ان کی بھرپور مدد کرتا۔ اور پوری جاں نثاری کے ساتھ ان کی خدمت گزاری میں اپنی تمام عمر گزار دیتا۔ اے میسرہ! میں تم کو نصیحت اور وصیت کرتا ہوں کہ خبردار! ایک لمحہ کے لیے بھی تم ان سے جدا نہ ہونا۔ اور انتہائی خلوص و

عقیدت کے ساتھ ان کی خدمت کرتے رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو "خاتم النبیین" ہونے کا شرف عطا فرمایا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بصریٰ کے بازار میں بہت جلد تجارت کا مال فروخت کر کے مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ واپسی میں جب آپ کا قافلہ شہر مکہ میں داخل ہونے لگا تو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک بالا خانے پر بیٹھی ہوئی قافلہ کی آمد کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ جب ان کی نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑی تو انہیں ایسا نظر آیا کہ دو فرشتے آپ کے سر پر دھوپ سے سایہ کیے ہوئے ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قلب پر اس نورانی منظر کا ایک خاص اثر ہوا۔ اور وہ فرطِ عقیدت سے انتہائی والہانہ محبت کے ساتھ یہ حسین جلوہ دیکھتی رہیں۔ پھر اپنے غلام میسرہ سے انہوں نے کئی دن کے بعد اس کا ذکر کیا۔ تو میسرہ نے بتایا کہ میں تو پورے سفر میں یہی منظر دیکھتا رہا ہوں۔ اور اس کے علاوہ میں نے بہت سی عجیب و غریب باتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ پھر میسرہ نے نسطورا راہب کی گفتگو، اور اس کی عقیدت و محبت کا تذکرہ بھی کیا۔ یہ سن کر حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آپ سے بے پناہ قلبی تعلق، اور بے حد عقیدت و محبت ہو گئی اور یہاں تک ان کا دل جھک گیا کہ انہیں آپ سے نکاح کی رغبت ہو گئی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص۲۷)

نکاح

حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا مال و دولت کے ساتھ انتہائی شریف اور عفت مآب خاتون تھیں۔ اہلِ مکہ ان کی پاک دامنی اور پارسائی کی وجہ سے ان کو طاہرہ (پاکباز) کہا کرتے تھے۔ ان کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی پہلے ان کا نکاح ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوا تھا۔ اور ان سے دو لڑکے "ہند بن ابو ہالہ" اور "ہالہ بن ابو ہالہ" پیدا ہو چکے تھے۔ پھر ابو ہالہ کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دوسرا نکاح "عتیق بن عائذ مخزومی" سے کیا۔ ان سے بھی دو اولاد ہوئی۔ ایک لڑکا "عبد اللہ بن عتیق"، اور ایک لڑکی "ہند بنت عتیق"۔ حضرت خدیجہ کے دوسرے شوہر "عتیق" کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ بڑے بڑے سردارانِ قریش

ان کے ساتھ عقد نکاح کے خواہش مند تھے۔ لیکن انہوں نے سب پیغاموں کو ٹھکرا دیا۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ اخلاق و عادات کو دیکھ کر، اور آپ کے حیرت انگیز حالات کو سن کر یہاں تک ان کا دل آپ کی طرف مائل ہوگیا کہ خود بخود ان کے قلب میں آپ سے نکاح کی رغبت پیدا ہوگئی۔ کہاں تو بڑے بڑے مالداروں اور شہر مکہ کے سرداروں کے پیغاموں کو رد کرچکی تھیں۔ اور یہ طے کرچکی تھیں کہ اب چالیس برس کی عمر میں تیسرا نکاح نہیں کروں گی۔ اور کہاں خود ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ کو بلایا۔ جو ان کے بھائی عوام بن خویلد کی بیوی تھیں۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ذاتی حالات کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں پھر "نفیسہ" بنت اُمیہ کے ذریعہ خود ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ مشہور امام سیرت محمد بن اسحٰق نے لکھا ہے کہ اس رشتہ کو پسند کرنے کی جو وجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہے وہ خود ان کے الفاظ میں یہ ہے۔ اِنِّیْ قَدْ رَغِبْتُ فِیْکَ لِحُسْنِ خُلُقِکَ وَصِدْقِ حَدِیْثِکَ۔ یعنی میں نے آپ کے اچھے اخلاق اور آپ کی سچائی کی وجہ سے آپ کو پسند کیا۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۰۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشتہ کو اپنے چچا ابو طالب اور خاندان کے دوسرے بڑے بوڑھوں کے سامنے پیش فرمایا۔ بھلا حضرت خدیجہ جیسی پاک دامن شریف، عقلمند اور مالدار عورت سے شادی کرنے کو کون نہ کہتا؟ سارے خاندان والوں نے نہایت خوشی کے ساتھ اس رشتہ کو منظور کر لیا۔ اور نکاح کی تاریخ مقرر ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابو طالب وغیرہ اپنے چچاؤں اور خاندان کے دوسرے افراد اور شرفاء بنی ہاشم و سرداران مضر کو اپنی برات میں لے کر حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور نکاح ہوا۔ اس نکاح کے وقت ابو طالب نے نہایت ہی فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ اس خطبہ سے بہت اچھی طرح اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے آپ کے خاندانی بڑے

بوڑھوں کا آپ کے تعلق کیسا خیال تھا۔ اور آپ کے اخلاق و عادات نے ان لوگوں پر کیسا اثر ڈالا تھا۔ ابوطالب کے اس خطبہ کا ترجمہ یہ ہے۔

تمام تعریفیں اُس خدا کے لیے ہیں جس نے ہم لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل، اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں بنایا اور ہم کو معد اور مضر کے خاندان میں پیدا فرمایا۔ اور اپنے گھر (کعبہ) کا نگہبان اور اپنے حرم کا منتظم بنایا۔ اور ہم کو علم و حکمت والا گھر، اور امن والا حرم عطا فرمایا۔ اور ہم کو لوگوں پر حاکم بنایا۔

یہ میرے بھائی کا فرزند محمد بن عبداللہ ہے۔ یہ ایک ایسا جوان ہے کہ قریش کے جس شخص کا بھی اس کے ساتھ موازنہ کیا جائے یہ اُس سے ہر شان میں بڑھا ہوا ہی رہے گا۔ ہاں مال اس کے پاس کم ہے لیکن مال تو ایک ڈھلتی ہوئی چھاؤں، اور ادل بدل ہونے والی چیز ہے۔ اَمّا بعد میرا بھتیجا مُحَمَّد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ شخص ہے جس کے ساتھ میری قرابت اور قربت و محبت کو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کرتا ہے۔ اور میرے مال میں سے بیس اونٹ مہر مقرر کرتا ہے۔ اور اس کا مستقبل بہت ہی تابناک، عظیم الشان اور جلیل القدر ہے۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۰۱)

جب ابوطالب اپنا یہ ولولہ انگیز خطبہ ختم کر چکے تو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے بھی کھڑے ہو کر ایک شاندار خطبہ پڑھا جس کا مضمون یہ ہے۔

خدا ہی کے لیے حمد ہے جس نے ہم کو ایسا ہی بنایا۔ جیسا کہ اے ابوطالب! آپ نے ذکر کیا۔ اور ہمیں وہ تمام فضیلتیں عطا فرمائی ہیں جن کو آپ نے شمار کیا بلاشبہ ہم لوگ عرب کے پیشوا اور سردار ہیں اور آپ لوگ بھی تمام فضائل کے اہل ہیں۔ کوئی قبیلہ آپ لوگوں کے فضائل کا انکار نہیں کر سکتا۔ اور کوئی شخص آپ لوگوں کے فخر و شرف کو رد نہیں کر سکتا اور بے شک ہم لوگوں نے نہایت ہی رغبت کے ساتھ آپ لوگوں کے ساتھ ملنے اور رشتہ میں شامل ہونے کو پسند کیا۔ لہٰذا اے قریش! تم گواہ رہو کہ خدیجہ بنت خویلد کو میں

نے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زوجیت میں دیا چار سو مثقال مہر کے بدلے۔

غرض حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا نکاح ہو گیا اور حضور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خانۂ معیشت ازدواجی زندگی کے ساتھ آباد ہو گیا۔

حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا تقریباً ۲۵ برس تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں رہیں۔ اور ان کی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دوسرا نکاح نہیں فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرزند حضرت ابراہیم کے سوا باقی آپ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کے بطن سے پیدا ہوئی۔ جن کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ساری دولت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر قربان کر دی اور اپنی تمام عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غمگساری اور خدمت میں نثار کر دی جن کی تفصیل آئندہ صفحات میں تحریر کی جائے گی۔

کعبہ کی تعمیر

آپ کی راست بازی، اور امانت و دیانت کی بدولت خداوند عالم نے آپ کو اس قدر مقبولِ خلائق بنا دیا۔ اور عقلِ سلیم اور بے مثال دانائی کا ایسا عظیم جوہر عطا فرما دیا۔ کہ کم عمری میں آپ نے عرب کے بڑے بڑے سرداروں کے جھگڑوں کا ایسا لاجواب فیصلہ فرما دیا کہ بڑے بڑے دانشوروں اور سرداروں نے اس فیصلہ کی عظمت کے آگے سر جھکا دیا۔ اور سب نے بالاتفاق آپ کو اپنا حکم اور سردارِ اعظم تسلیم کر لیا۔ چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ تعمیر کعبہ کے وقت پیش آیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ کی عمر پینتیس ۳۵ برس کی ہوئی تو زوردار بارش سے حرم کعبہ میں ایسا عظیم سیلاب آگیا کہ کعبہ کی عمارت بالکل ہی منہدم ہو گئی۔ حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا بنایا ہوا کعبہ بہت پرانا ہو چکا تھا۔ عمالقہ، قبیلۂ جرہم اور قصی وغیرہ اپنے اپنے وقتوں میں اس کعبہ کی تعمیر و مرمت کرتے رہے تھے۔ مگر چونکہ عمارت نشیب میں تھی۔ اس لیے پہاڑیوں سے برساتی پانی کے بہاؤ کا زوردار دھارا وادیٔ مکہ میں ہو کر گزرتا تھا اور اکثر حرم کعبہ میں

سیلاب آجاتا تھا۔ کعبہ کی حفاظت کے لیے بالائی حصہ میں قریش نے کئی بند بھی بنائے تھے مگر وہ بند بار بار ٹوٹ جاتے تھے۔ اس لیے قریش نے یہ طے کیا کہ عمارت کو ڈھا کر پھر سے کعبہ کی ایک مضبوط عمارت بنائی جائے۔ جس کا دروازہ بلند ہو اور چھت بھی ہو۔ چنانچہ قریش نے مل جل کر تعمیر کا کام شروع کر دیا اس تعمیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے اور سردارانِ قریش کے دوش بدوش پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے مختلف قبیلوں نے تعمیر کے لیے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لیے۔ جب عمارت "حجر اسود" تک پہنچ گئی تو قبائل میں سخت جھگڑا اکھڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ ہم ہی "حجر اسود" کو اٹھا کر دیوار میں نصب کریں۔ تاکہ ہمارے قبیلہ کے لیے یہ فخر و اعزاز کا باعث بن جائے۔ اس کشمکش میں چار دن گزر گئے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ تلواریں نکل آئیں بنو عبد الدار اور بنو عدی کے قبیلوں نے تو اس پر جان کی بازی لگا دی۔ اور زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنی قسموں کو مضبوط کرنے کے لیے ایک پیالہ میں خون بھر کر اپنی انگلیاں اس میں ڈبو کر چاٹ لیں۔ پانچویں دن حرم کعبہ میں تمام قبائل عرب جمع ہوئے۔ اور اس جھگڑے کو طے کرنے کے لیے ایک بڑے بوڑھے شخص نے یہ تجویز پیش کی، کہ کل جو شخص صبح سویرے سب سے پہلے حرمِ کعبہ میں داخل ہو اُس کو پنچ مان لیا جائے۔ وہ جو فیصلہ کر دے سب اُس کو تسلیم کر لیں۔ چنانچہ سب نے یہ بات مان لی۔ خدا کی شان کہ صبح کو جو شخص حرمِ کعبہ میں داخل ہوا وہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی سب پکار اٹھے کہ واللہ یہ "امین" ہیں لہٰذا ہم سب ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ آپ نے اس جھگڑے کا اس طرح تصفیہ فرمایا کہ پہلے آپ نے یہ حکم دیا کہ جس جس قبیلہ کے لوگ حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کے مدعی ہیں ان کا ایک ایک سردار چن لیا جائے۔ چنانچہ ہر قبیلہ والوں نے اپنا اپنا سردار چن لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کو بچھا کر حجر اسود کو اس پر رکھا۔ اور سرداروں کو حکم دیا کہ سب لوگ اس چادر کو تھام کر مقدس پتھر کو اُٹھائیں۔

چنانچہ سب سرداروں نے چادر کو اٹھایا اور جب حجر اسود اپنے مقام تک پہنچ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبرک ہاتھوں سے اس مقدس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس طرح ایک ایسی خونریز لڑائی ٹل گئی جس کے نتیجہ میں نہ معلوم کتنا خون خرابہ ہوتا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۶ تا ۱۹۷)

خانہ کعبہ کی عمارت بن گئی۔ لیکن تعمیر کے لیے جو سامان جمع کیا گیا تھا وہ کم پڑ گیا اس لیے ایک طرف کا کچھ حصہ باہر چھوڑ کر نئی بنیاد قائم کر کے چھوٹا سا کعبہ بنا لیا گیا کعبہ معظمہ کا یہی حصہ جس کو قریش نے عمارت سے باہر چھوڑ دیا "حطیم" کہلاتا ہے جس میں کعبہ معظمہ کی چھت کا پرنالہ گرتا ہے۔

کعبہ کتنی بار تعمیر کیا گیا؟

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تاریخ مکہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ "خانہ کعبہ" دس مرتبہ تعمیر کیا گیا۔

۱۔ سب سے پہلے فرشتوں نے ٹھیک "بیت المعمور" کے سامنے زمین پر خانہ کعبہ کو بنایا۔

۲۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر فرمائی۔

۳۔ اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے فرزندوں نے اس عمارت کو بنایا۔

۴۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اس مقدس گھر کو تعمیر کیا۔ جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے۔

۵۔ قوم عمالقہ کی عمارت۔

۶۔ اس کے بعد قبیلہ جرہم نے اس کی عمارت بنائی۔

۷۔ قریش کے مورثِ اعلیٰ "قصی بن کلاب" کی تعمیر۔

۸۔ قریش کی تعمیر جس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی اور قریش کے ساتھ خود بھی اپنے دوش مبارک پر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔

۹۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تجویز کردہ نقشہ کے مطابق تعمیر کیا۔ یعنی حطیم کی زمین کو کعبہ میں داخل کر دیا۔ اور دروازہ سطح زمین کے برابر نیچا رکھا۔ اور ایک دروازہ مشرق کی جانب اور ایک دروازہ مغرب کی سمت بنا دیا۔

۱۰۔ عبدالملک بن مروان اُموی کے ظالم گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اور ان کے بنائے ہوئے کعبہ کو ڈھا دیا۔ اور پھر زمانہ جاہلیت کے نقشہ کے مطابق کعبہ بنا دیا۔ جو آج تک موجود ہے۔

لیکن حضرت علامہ حلبی علیہ الرحمۃ نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ نئے سرے سے کعبہ کی تعمیر جدید صرف تین ہی مرتبہ ہوئی ہے۔

۱۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعمیر۔

۲۔ زمانۂ جاہلیت میں قریش کی عمارت۔ اور ان دونوں تعمیروں میں دو ہزار سات سو پینتیس (۲۷۳۵) برس کا فاصلہ ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر جو قریش کی تعمیر کے بیاسی سال بعد ہوئی۔

حضرات ملائکہ اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے فرزندوں کی تعمیرات کے بارے میں علامہ حلبی نے فرمایا کہ یہ صحیح روایتوں سے ثابت ہی نہیں ہے۔ باقی تعمیروں کے بارے میں انہوں نے لکھا کہ یہ عمارت میں معمولی ترمیم، یا ٹوٹ پھوٹ کی مرمت تھی۔ تعمیر جدید نہیں تھی واللہ تعالیٰ اعلم۔

(حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۲۱۵ باب فضل مکہ)

مخصوص احباب

اعلانِ نبوت سے قبل جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص احباب ورفقاء تھے وہ سب نہایت ہی بلند اخلاق، عالی مرتبہ، ہوشمند اور باوقار لوگ تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مقرب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ جو برسوں آپ کے ساتھ وطن اور سفر میں رہے۔

اور تجارت نیز دوسرے کاروباری معاملات میں ہمیشہ آپ کے شریک کار و رازدار رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ جو قریش کے نہایت ہی معزز رئیس تھے، اور جن کا ایک خصوصی شرف یہ ہے کہ ان کی ولادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی تھی۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص احباب میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے۔ حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ جو زمانہ جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ یہ بھی احباب خاص میں سے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد یہ اپنے گاؤں سے مکہ آئے تو کفار قریش کی زبانی یہ پروپیگنڈہ سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجنون ہو گئے ہیں۔ پھر یہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں تشریف لے جا رہے ہیں اور آپ کے پیچھے لڑکوں کا ایک غول ہے جو شور مچا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو کچھ شبہ پیدا ہوا، اور پرانی دوستی کی بنا پر ان کو انتہائی رنج و قلق ہوا۔ چنانچہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں طبیب ہوں اور جنون کا علاج کر سکتا ہوں۔ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد چند جملے ارشاد فرمائے، جن کا حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ فوراً ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

(مشکوٰۃ باب علامات النبوۃ ص۵۲۵ و مسلم ج۱ ص۲۸۵ کتاب الجمعہ)

حضرت قیس بن سائب مخزومی رضی اللہ عنہ تجارت کے کاروبار میں آپ کے شریک کار رہا کرتے تھے، اور آپ کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اپنے تجارتی شرکا کے ساتھ ہمیشہ نہایت ہی صاف ستھرا رہتا تھا۔ اور کبھی کوئی جھگڑا پیش نہیں آتا تھا۔ (استیعاب ج۲ ص۵۳۶)

موحدین عرب سے تعلقات

عرب میں اگرچہ ہر طرف شرک پھیل گیا تھا اور گھر گھر میں بت پرستی کا چرچا تھا۔ مگر اس ماحول میں بھی کچھ ایسے لوگ تھے جو توحید کے پرستار، اور شرک و بت پرستی

سے بیزار تھے ، انہی خوش نصیبوں میں زید بن عمرو بن نفیل ہیں ۔ یہ علی الاعلان شرک و بت پرستی سے انکار ، اور جاہلیت کی مشرکانہ رسموں سے نفرت کا اظہار کرتے تھے یہ حضرت عمر کے چچازاد بھائی ہیں شرک و بت پرستی کے خلاف اعلان مذمت کی بنا پر ان کا چچا "خطاب بن نفیل" ان کو بہت زیادہ تکلیفیں دیا کرتا تھا یہاں تک کہ ان کو مکہ سے شہر بدر کر دیا تھا ۔ اور ان کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیتا تھا ۔ مگر یہ ہزاروں ایذاؤں کے باوجود عقیدۂ توحید پر پہاڑ کی طرح ڈٹے ہوئے تھے ۔ چنانچہ آپ کے دو شعر بہت مشہور ہیں جن کو یہ مشرکین کے میلوں اور مجمعوں میں بہ آواز بلند سنایا کرتے تھے کہ

أَرَبًّا وَاحِدًا أَمْ أَلْفَ رَبٍّ ۔۔۔ أَدِيْنُ إِذَا تُقُسِّمَتِ الْأُمُوْرُ
تَرَكْتُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى جَمِيْعًا ۔۔۔ كَذَالِكَ يَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِيْرُ

یعنی کیا میں ایک رب کی اطاعت کروں ۔ یا ایک ہزار رب کی ؟ جب کہ لوگوں کے دینی معاملات تقسیم ہو چکے ہیں ۔ میں نے تو لات وعزیٰ کو چھوڑ دیا ہے ۔ اور ہر بصیرت والا ایسا ہی کرے گا (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۲۶)

یہ مشرکین کے دین سے متنفر ہو کر دین برحق کی تلاش میں ملک شام چلے گئے تھے ۔ وہاں ایک یہودی عالم سے ملے ۔ پھر ایک نصرانی پادری سے ملاقات کی ۔ اور جب آپ نے یہودی و نصرانی دین کو قبول نہیں کیا تو ان دونوں نے "دینِ حنیف" کی طرف آپ کی رہنمائی کی جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا دین تھا اور ان دونوں نے یہ بھی بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے ، نہ نصرانی اور وہ ایک خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے ۔ یہ سن کر زید بن عمرو بن نفیل ملک شام سے مکہ واپس آگئے ۔ اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر مکہ میں بہ آواز بلند یہ کہا کرتے تھے کہ اے لوگو ! گواہ رہو کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہوں ۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۲۵)

اعلانِ نبوت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زید بن عمرو بن نفیل کو بڑا خاص تعلق تھا ۔ اور کبھی کبھی ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ

بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ ایک مرتبہ وحی نازل ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقام "بلدح" کی ترائی میں زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دستر خوان پر کھانا پیش کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے سے انکار کر دیا۔ تو زید بن عمرو بن نفیل کہنے لگے کہ میں بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا۔ میں صرف وہی ذبیحہ کھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر قریش کے ذبیحوں کی برائی بیان کرنے لگے اور قریش کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آسمان سے پانی برسایا۔ اور زمین سے گھاس اگائی۔ پھر اے قریش! تم بکری کو اللہ کے غیر (بتوں) کے نام پر ذبح کرتے ہو؟

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کہتی ہیں کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا کہ وہ خانہ کعبہ سے ٹیک لگائے ہوئے کہتے تھے کہ اے جماعت قریش! خدا کی قسم! میرے سوا تم میں سے کوئی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر نہیں ہے۔ (بخاری ج ۱ باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل صہ ۵۴۰)

کاروباری مشاغل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل خاندانی پیشہ تجارت تھا۔ اور چونکہ آپ بچپن ہی میں ابوطالب کے ساتھ کئی بار تجارتی سفر فرما چکے تھے۔ جس سے آپ کو تجارتی لین دین کا کافی تجربہ بھی حاصل ہو چکا تھا۔ اس لیے ذریعہ معاش کے لیے آپ نے تجارت کا پیشہ اختیار فرمایا۔ اور تجارت کی غرض سے شام و بصریٰ اور یمن کا سفر فرمایا۔ اور ایسی راستبازی اور امانت و دیانت کے ساتھ آپ نے تجارتی کاروبار کیا۔ کہ آپ کے شرکاء کار اور تمام اہل بازار آپ کو "امین" کے لقب سے پکارنے لگے۔

ایک کامیاب تاجر کے لیے امانت، سچائی، وعدہ کی پابندی، خوش اخلاقی تجارت کی جان ہیں۔ ان خصوصیات میں مکہ کے تاجر امین نے جو تاریخی شاہکار پیش کیا ہے۔ اس کی مثال تاریخ عالم میں نادر روزگار ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء

صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نزول وحی، اور اعلان نبوت سے پہلے میں نے آپ سے کچھ خرید و فروخت کا معاملہ کیا۔ کچھ رقم میں نے ادا کر دی، کچھ باقی رہ گئی تھی۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں ابھی ابھی آکر باقی رقم بھی ادا کر دوں گا۔ اتفاق سے تین دن تک مجھے اپنا وعدہ یاد نہیں آیا۔ تیسرے دن جب میں اُس جگہ پہنچا جہاں میں نے آنے کا وعدہ کیا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ منتظر پایا۔ مگر میری اس وعدہ خلافی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتھے پر اک ذرا بل نہیں آیا۔ بس صرف اتنا ہی فرمایا کہ تم کہاں تھے؟ میں اس مقام پر تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ صہ ۳۳۴ باب فی العدۃ (مجتبائی)

اسی طرح ایک صحابی حضرت سائب رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور لوگوں نے اُن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے "خلقِ عظیم" کا تذکرہ کرنا شروع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تم لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ اعلانِ نبوت سے پہلے آپ میرے شریک تجارت تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ معاملہ اتنا صاف اور ستھرا رکھا کہ کبھی بھی کوئی تکرار یا تو تو، میں میں، کی نوبت نہیں آئی۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ صہ ۳۱۷ باب کراہیۃ المراد (مجتبائی)

غیر معمولی کردار

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ طفولیت ختم ہوا اور جوانی کا زمانہ آیا تو بچپن کی طرح آپ کی جوانی بھی عام لوگوں سے نرالی تھی۔ آپ کا شباب مجسم حیاء اور چال چلن عصمت و وقار کا کامل نمونہ تھا۔ اعلانِ نبوت سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی بہترین اخلاق و عادات کا خزانہ تھی۔ سچائی، دیانتداری، وفاداری، عہد کی پابندی، بزرگوں کی عظمت، چھوٹوں پر شفقت، رشتہ داروں سے محبت، رحم و سخاوت، قوم کی خدمت، دوستوں سے ہمدردی، عزیزوں کی غمخواری، غریبوں اور مفلسوں کی خبر گیری، دشمنوں کے ساتھ نیک برتاؤ، مخلوق خدا کی خیر خواہی، غرض تمام نیک خصلتوں، اور اچھی اچھی باتوں میں آپ اتنی بلند منزل پر پہنچے ہوئے تھے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے انسانوں کیلیے

وہاں تک رسائی تو کیا؟ اس کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

کم بولنا، فضول باتوں سے نفرت کرنا، خندہ پیشانی اور خوش روئی کے ساتھ دوستوں اور دشمنوں سے ملنا۔ ہر معاملہ میں سادگی اور صفائی کے ساتھ بات کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص شیوہ تھا۔ حرص، طمع، دغا، فریب، جھوٹ، شراب خوری، بدکاری، ناچ گانا، لوٹ مار، چوری، فحش گوئی، عشقبازی، یہ تمام بری عادتیں اور مذموم خصلتیں جو زمانۂ جاہلیت میں گویا ہر بچے کے خمیر میں ہوتی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ان تمام عیوب و نقائص سے پاک صاف رہی۔ آپ کی راست بازی اور امانت و دیانت کا پورے عرب میں شہرہ تھا اور مکہ کے ہر چھوٹے بڑے کے دلوں میں آپ کے برگزیدہ اخلاق کا اعتبار، اور سب کی نظروں میں آپ کا ایک خاص وقار تھا۔

بچپن سے تقریباً چالیس برس کی عمر شریف ہوگئی۔ لیکن زمانۂ جاہلیت کے ماحول میں رہنے کے باوجود تمام مشرکانہ رسوم، اور جاہلانہ اطوار سے ہمیشہ آپ کا دامنِ عصمت پاک ہی رہا۔ مکہ شرک و بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ خود خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا ہوتی تھی، آپ کے خاندان والے ہی کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی بھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا

غرض نزولِ وحی اور اعلان نبوت سے پہلے بھی آپ کی مقدس زندگی، اخلاق حسنہ، اور محاسن افعال کا مجسمہ، اور تمام عیوب و نقائص سے پاک و صاف رہی۔ چنانچہ اعلانِ نبوت کے بعد آپ کے دشمنوں نے انتہائی کوشش کی کہ کوئی ادنیٰ سا عیب، یا ذراسی خلافِ تہذیب کوئی بات آپ کی زندگی کے کسی دور میں بھی مل جائے تو اس کو اچھال کر آپ کے وقار پر حملہ کر کے لوگوں کی نگاہوں میں آپ کو ذلیل و خوار کر دیں۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ ہزاروں دشمن سوچتے سوچتے تھک گئے لیکن کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں مل سکا جس سے وہ آپ پر انگشت نمائی کر سکیں۔ لہٰذا ہر انسان اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہے کہ بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار انسانیت

کا ایک ایسا محیر العقول اور غیر معمولی کردار ہے۔ جو نبی کے سوا کسی دوسرے کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلانِ نبوت کے بعد سعید روحیں آپ کا کلمہ پڑھ کر تن من دھن کے ساتھ اس طرح آپ پر قربان ہونے لگیں کہ ان کی جانثاریوں کو دیکھ کر شمع کے پروانوں نے جاں نثاری کا سبق سیکھا۔ اور حقیقت شناس لوگ فرطِ عقیدت سے آپ کے حُسنِ صداقت پر اپنی عقلوں کو قربان کر کے آپ کے بتائے ہوئے اسلامی راستہ پر عاشقانہ اداؤں کے ساتھ زبان حال سے یہ کہتے ہوئے چل پڑے کہ ؎

چلو وادیِ عشق میں پا برہنہ!
یہ جنگل وہ ہے جس میں کانٹا نہیں ہے

چوتھا باب

اعلانِ نبوّت سے بیعتِ عقبہ تک

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کا چالیسواں سال شروع ہوا تو ناگہاں آپ کی ذاتِ اقدس میں ایک نیا انقلاب رونما ہوگیا۔ کہ ایک دم آپ خلوت پسند ہو گئے۔ اور اکیلے تنہائی میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کرنے کا ذوق و شوق پیدا ہوگیا۔ آپ اکثر اوقات غور و فکر میں پائے جاتے تھے۔ اور آپ کا بیشتر وقت مناظرِ قدرت کے مشاہدہ، اور کائناتِ فطرت کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ دن رات خالقِ کائنات کی ذات و صفات کے تصور میں مستغرق اور اپنی قوم کے بگڑے ہوئے حالات کے سدھار، اور اس کی تدبیروں کے سوچ بچار میں مصروف رہنے لگے۔ اور ان دنوں میں ایک نئی بات یہ بھی ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھے اچھے خواب نظر آنے لگے۔ اور آپ کا ہر خواب اتنا سچا ہوتا کہ خواب میں جو کچھ دیکھتے اس کی تعبیر صبح صادق کی طرح روشن ہو کر ظاہر ہو جایا کرتی تھی۔ (بخاری ج ۱ ص۲)

غارِ حراء مکہ مکرمہ سے تقریباً تین میل کی دوری پر "جبلِ حراء" نامی پہاڑ کے اوپر ایک غار (کھوہ) ہے۔ جس کو "غارِ حرا" کہتے ہیں آپ اکثر کئی کئی دنوں کا کھانا پانی ساتھ لے کر اس غار کے پُرسکون ماحول کے اندر خدا کی عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے جب کھانا پانی ختم ہو جاتا تو کبھی خود گھر پر آکر لے جاتے اور کبھی حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کھانا پانی غار میں پہنچا دیا کرتی تھیں۔ آج بھی یہ نورانی غار اپنی اصلی حالت میں موجود اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

پہلی وحی ایک دن آپ "غارِ حراء" کے اندر عبادت میں مشغول تھے کہ بالکل اچانک غار میں آپ کے پاس ایک فرشتہ ظاہر ہوا۔ (یہ حضرت

جبریل علیہ السلام تھے جو ہمیشہ خدا کا پیغام اس کے رسولوں تک پہنچاتے رہے ہیں)
فرشتے نے ایک دم کہا کہ "پڑھیئے" آپ نے فرمایا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔
فرشتہ نے آپ کو پکڑا اور نہایت گرم جوشی کے ساتھ آپ سے زوردار معانقہ کیا
پھر چھوڑ کر کہا کہ "پڑھیئے" آپ نے پھر فرمایا کہ "میں پڑھنے والا نہیں ہوں" فرشتہ
نے دوسری مرتبہ پھر آپ کو اپنے سینے سے چمٹایا۔ اور چھوڑ کر کہا کہ "پڑھیئے" آپ
نے پھر وہی فرمایا کہ "میں پڑھنے والا نہیں ہوں" تیسری مرتبہ پھر فرشتہ نے
آپ کو بہت زور کے ساتھ اپنے سینے سے لگا کر چھوڑا۔ اور کہا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ
رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ
الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۙ یہی سب سے پہلے
وحی تھی جو آپ پر نازل ہوئی۔ ان آیتوں کو یاد کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
اپنے گھر تشریف لائے۔ مگر اس واقعہ سے جو بالکل ناگہانی طور پر آپ کو پیش آیا۔ اس
سے آپ کے قلب مبارک پر لرزہ طاری تھا۔ آپ نے گھر والوں سے فرمایا کہ مجھے
کملی اڑھاؤ۔ مجھے کملی اڑھاؤ۔ جب آپ کا خوف دور ہوا۔ اور کچھ سکون ہوا تو آپ
نے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے غار میں پیش آنے والا واقعہ بیان کیا۔
اور فرمایا کہ "مجھے اپنی جان کا ڈر ہے" یہ سن کر حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا
نے کہا کہ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ آپ کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ خدا کی قسم اللہ تعالےٰ
کبھی بھی آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ آپ تو رشتہ داروں کے ساتھ بہترین سلوک
کرتے ہیں۔ دوسروں کا بار خود اٹھاتے ہیں۔ خود کما کما کر مفلسوں اور محتاجوں کو عطا
فرماتے ہیں۔ مسافروں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اور حق و انصاف کی خاطر سب
کی مصیبتوں اور مشکلات میں کام آتے ہیں۔

○ اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچا زاد بھائی "ورقہ بن نوفل"
کے پاس لے گئیں۔ ورقہ اُن لوگوں میں سے تھے جو "موحد" تھے اور اہل مکہ کے
شرک و بت پرستی سے بیزار ہو کر "نصرانی" ہو گئے تھے اور انجیل کا عبرانی زبان سے

عربی میں ترجمہ کیا کرتے تھے۔ بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ بھائی جان! آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیئے۔ ورقہ بن نوفل نے کہا کہ بتائیے۔ آپ نے کیا دیکھا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا کا پورا واقعہ بیان فرمایا۔ یہ سُن کر ورقہ بن نوفل نے کہا کہ یہ تو وہی فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔ پھر ورقہ بن نوفل کہنے لگے کہ کاش! میں آپ کے اعلانِ نبوت کے زمانے میں تندرست جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے باہر نکالے گی۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (تعجب سے) فرمایا کہ کیا مکہ والے مجھے مکہ سے نکال دیں گے تو ورقہ نے کہا کہ جی ہاں۔ جو شخص بھی آپ کی طرح نبوت لے کر آیا۔ لوگ اُس کے ساتھ دشمنی پر کمر بستہ ہو گئے۔

اس کے بعد کچھ دنوں تک وحی اُترنے کا سلسلہ بند ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے انتظار میں مضطرب اور بے قرار رہنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں گھر سے باہر تشریف لے جا رہے تھے کہ کسی نے "یا محمد" کہہ کر پکارا۔ آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ تو یہ نظر آیا کہ وہی فرشتہ (حضرت جبرئیل علیہ السلام) جو غار میں آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ کے قلب مبارک میں ایک خوف کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اور آپ مکان پر آ کر لیٹ گئے۔ اور گھر والوں سے فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھاؤ۔ مجھے کمبل اڑھاؤ۔ چنانچہ آپ کمبل اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ ناگہاں آپ پر سورہ "مدثر" کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اور رب تعالیٰ کا فرمان اُتر پڑا کہ یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ یعنی اے بالاپوش اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ۔ پھر ڈر سناؤ۔ اور اپنے رب ہی کی بڑائی بولو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور بتوں سے دُور رہو۔ (بخاری ج ۱ ص ۳)

ان آیات کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند قدوس نے دعوت اسلام کے منصب پر مامور فرما دیا۔ اور آپ خداوند تعالیٰ کے حکم کے مطابق دعوتِ حق اور تبلیغ اسلام کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔

دعوتِ اسلام کے لیے تین دور

پہلا دور تین برس تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی پوشیدہ طور پر نہایت رازداری کے ساتھ تبلیغِ اسلام کا فرض ادا فرماتے رہے۔ اور اس درمیان میں عورتوں میں سب سے پہلے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا، اور آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت و تبلیغ سے حضرت عثمان، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم بھی جلد ہی دامنِ اسلام میں آ گئے۔ پھر چند دنوں کے بعد حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد، حضرت ارقم بن ارقم، حضرت عثمان بن مظعون، اور ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہ، اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر کچھ مدت کے بعد حضرت ابوذر غفاری و حضرت صہیب رومی، حضرت عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی بیوی فاطمہ بنت الخطاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن رضی اللہ عنہم نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اور حضورؐ کی چچی حضرت ام الفضل حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بیوی، اور حضرت اسماء بنت ابوبکر بھی مسلمان ہو گئیں۔ ان کے علاوہ دوسرے بہت سے مردوں اور عورتوں نے بھی اسلام لانے کا شرف حاصل کر لیا۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۴۶)

واضح رہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والے جو "سابقین اولین" کے لقب سے سرفراز ہیں۔ ان خوش نصیبوں کی فہرست پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ سب سے پہلے دامنِ اسلام میں آنے والے وہی لوگ ہیں جو فطرۃً نیک طبع اور پہلے ہی سے دینِ حق کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اور کفار مکہ کے شرک و بت پرستی اور مشرکانہ رسوم جاہلیت سے متنفر اور بیزار تھے۔ چنانچہ نبیٔ برحق کے دامن میں دینِ حق کی تجلی دیکھتے ہی یہ نیک بخت لوگ پروانوں کی طرح شمع نبوت پر نثار ہونے لگے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

دُوسرا دور تین برس کی اس خفیہ دعوتِ اسلام میں مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہو گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ "شعراء" کی آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ۙ نازل فرمائی۔ اور خداوند تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اے محبوب! آپ اپنے قریبی خاندان والوں کو خدا سے ڈرائیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن کوہِ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر "یامعشر قریش" کہہ کر قبیلۂ قریش کو پکارا۔ جب سب قریش جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر میں تم لوگوں سے یہ کہہ دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر چھپا ہوا ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے۔ تو کیا تم لوگ میری بات کا یقین کر لو گے؟ تو سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہاں۔ ہاں۔ ہم یقیناً آپ کی بات کا یقین کر لیں گے۔ کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا اور امین ہی پایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ میں تم لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرا رہا ہوں۔ اور اگر تم لوگ ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذابِ الٰہی اتر پڑے گا۔ یہ سن کر تمام قریش جن میں آپ کا چچا ابولہب بھی تھا۔ سخت ناراض ہو کر سب کے سب چلے گئے۔ اور حضور کی شان میں اول فول بکنے لگے۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۰۲ وعامہ تفاسیر)

تیسرا دور اب وہ وقت آ گیا کہ اعلانِ نبوت کے چوتھے سال سورہ حجر کی آیت "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" نازل فرمائی اور حضرت

حق جل شانہٗ نے یہ حکم فرمایا کہ اے محبوب! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اُس کو علی الاعلان بیان فرمائیے۔ چنانچہ اس کے بعد آپ علانیہ طور پر دین اسلام کی تبلیغ فرمانے لگے۔ اور شرک و بت پرستی کی کھلم کھلا برائی بیان فرمانے لگے۔ اور تمام قریش، بلکہ تمام اہل مکہ بلکہ پورا عرب آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ایذا رسانیوں کا ایک طولانی سلسلہ شروع ہو گیا۔

رحمتِ عالم پر ظلم و ستم

کفار مکہ خاندانِ بنو ہاشم کے انتقام اور لڑائی بھڑک اٹھنے کے خوف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل تو نہیں کر سکے۔ لیکن طرح طرح کی تکلیفوں، اور ایذا رسانیوں سے آپ پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑنے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاہن ساحر، شاعر، مجنون ہونے کا ہر کوچہ و بازار میں زور دار پروپیگنڈہ کرنے لگے آپ کے پیچھے شریر لڑکوں کا غول لگا دیا۔ جو راستوں میں آپ پر پھبتیاں کستے، گالیاں دیتے، اور یہ دیوانہ ہے۔ یہ دیوانہ ہے کا شور مچا مچا کر آپ کے اوپر پتھر پھینکتے۔ کبھی کفار مکہ آپ کے راستوں میں کانٹے بچھاتے، کبھی آپ کے جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے۔ کبھی آپ کو دھکا دیتے۔ کبھی آپ کی مقدس اور نازک گردن میں چادر کا پھندہ ڈال کر گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک دم سنگدل کافر عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر کا پھندہ ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ چنانچہ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے قرار ہو کر دوڑ پڑے۔ اور عقبہ بن ابی معیط کو دھکا دے کر دفع کیا۔ اور یہ کہا کہ کیا تم لوگ ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ "میرا رب اللہ ہے۔" اس دھکم دھکا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کفار کو مارا بھی اور کفار کی مار بھی کھائی۔ (زرقانی ج ۱ ص ۲۵۲ و بخاری ج ۱ ص ۵۴۴)

کفار آپ کے معجزات اور روحانی تاثیرات و تصرفات کو دیکھ کر آپ کو سب

سے بڑا جادوگر کہتے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو
کفار قرآن اور قرآن کو لانے والے (جبرئیل) اور قرآن کو نازل فرمانے والے
(اللہ تعالیٰ) کو اور آپ کو گالیاں دیتے۔ اور گلی کوچوں میں پہرہ بٹھا دیتے کہ قرآن
کی آواز کسی کے کان میں نہ پڑنے پائے اور تالیاں پیٹ پیٹ کر اور سیٹیاں بجابجا
کر اس قدر شور وغل مچاتے کہ قرآن کی آواز کسی کو سنائی نہیں دیتی تھی۔ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم جب کہیں کسی عام مجمع میں، یا کفار کے میلوں میں قرآن پڑھ کر سناتے، یا
دعوتِ ایمان کا وعظ فرماتے تو آپ کا چچا ابو لہب آپ کے پیچھے چلا چلا کر کہتا جاتا تھا
کہ اے لوگو! یہ میرا بھتیجا جھوٹا ہے۔ یہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ تم لوگ اس کی کوئی بات
نہ سنو۔ (معاذ اللہ)

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم "ذوالمجاز" کے بازار میں دعوتِ اسلام کا وعظ
فرمانے کے لیے تشریف لے گئے اور لوگوں کو کلمۂ حق کی دعوت دی تو ابو جہل آپ پر دھول
اڑاتا جاتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اے لوگو! اس کے فریب میں مت آنا۔ یہ چاہتا ہے کہ
تم لوگ لات و عزیٰ کی عبادت چھوڑ دو۔ (مسند امام احمد ج ۴ وغیرہ)

اسی طرح ایک مرتبہ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے
عین حالتِ نماز میں ابو جہل نے کہا۔ کہ کوئی ہے؟ جو آل فلاں کے ذبح کیے ہوئے
اونٹ کی اوجھڑی لا کر سجدہ کی حالت میں ان کے کندھوں پر رکھ دے۔ یہ سن کر عقبہ
بن ابی معیط کافر اٹھا۔ اور اس اوجھڑی کو لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک
پر رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے۔ دیر تک اوجھڑی کندھے اور گردن
پر پڑی رہی۔ اور کفار ٹھٹھا مار مار کر ہنستے رہے اور مارے ہنسی کے ایک دوسرے
پر گر گر پڑتے رہے۔ آخر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا جو ان دنوں ابھی کمسن لڑکی تھی
آئیں۔ اور ان کافروں کو برا بھلا کہتے ہوئے اس اوجھڑی کو آپ کے دوش مبارک
سے ہٹا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک پر کفار قریش کی اس شرارت
سے انتہائی صدمہ گزرا۔ اور نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ یہ دعا مانگی کہ "اللّٰھُمَّ

عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ" یعنی اے اللہ! تو قریش کو اپنی گرفت میں پکڑ لے پھر ابوجہل، عقبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عمارہ بن ولید کا نام لے کر دعا مانگی کہ الٰہی! تو ان لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! میں نے ان سب کافروں کو جنگ بدر کے دن دیکھا کہ ان کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی ہیں۔ پھر ان سب کفار کی لاشوں کو نہایت ذلت کے ساتھ گھسیٹ کر بدر کے ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان گڑھے والوں پر خدا کی لعنت ہے (بخاری ج ۱ ص ۷۴ باب المراۃ تطرح الخ)

چند شریر کفار

جو کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی، اور ایذا رسانی میں بہت زیادہ سرگرم تھے۔ ان میں سے چند شریروں کے نام یہ ہیں۔

ابولہب[۱]۔ ابوجہل[۲]۔ اسود[۳] بن عبد یغوث۔ حارث[۴] بن قیس بن عدی۔ ولید[۵] بن مغیرہ۔ امیہ[۶] بن خلف۔ ابی[۷] بن خلف۔ ابوقیس[۸] بن فاکہہ۔ عاص[۹] بن وائل۔ نضر[۱۰] بن حارث منبہ[۱۱] بن الحجاج۔ زہیر[۱۲] بن ابی امیہ۔ سائب[۱۳] بن صیفی۔ عدی[۱۴] بن حمرا۔ اسود[۱۵] بن عبدالاسد عاص[۱۶] بن سعید بن العاص۔ عاص[۱۷] بن ہاشم۔ عقبہ[۱۸] بن ابی معیط۔ حکم[۱۹] بن ابی العاص۔ یہ سب کے سب حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی تھے۔ اور ان میں سے اکثر بہت ہی مالدار، اور صاحب اقتدار تھے۔ اور دن رات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں مصروف کار رہتے تھے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

مسلمانوں پر مظالم

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ غریب مسلمانوں پر بھی کفار مکہ نے ایسے ایسے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے کہ مکہ کی زمین بلبلا اٹھی۔ یہ آسان تھا کہ کفار مکہ ان مسلمانوں کو دم زدن میں قتل کر ڈالتے۔ مگر اس سے ان کافروں کے جوش انتقام کا نشہ نہیں اتر سکتا تھا کیونکہ کفار اس بات میں اپنی شان سمجھتے تھے کہ ان مسلمانوں کو اتنا ستائیں کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر پھر شرک و بت پرستی کرنے لگیں۔ اس لئے قتل کر دینے کی بجائے کفار مکہ مسلمانوں کو طرح طرح کی سزاؤں اور ایذا رسانیوں کے ساتھ ستاتے تھے۔ مگر خدا کی قسم! شراب

توحید کے ان مستوں نے اپنے استقلال و استقامت کا وہ منظر پیش کر دیا کہ پہاڑوں کی چوٹیاں سر اٹھا اٹھا کر حیرت کے ساتھ ان بلاکشانِ اسلام کے جذبۂ استقامت کا نظارہ کرتی رہیں۔ سنگدل، بے رحم اور درندہ صفت کافروں نے ان غریب و بیکس مسلمانوں پر جبر و اکراہ اور ظلم و ستم کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ مگر ایک مسلمان کے پائے استقامت میں بھی ذرہ برابر تزلزل نہیں پیدا ہوا۔ اور ایک مسلمان کا بچہ بھی اسلام سے منہ پھیر کر کافر و مرتد نہیں ہوا۔

کفار مکہ نے ان غربا مسلمین پر جور و جفاکاری کے بے پناہ اندوہناک مظالم ڈھائے۔ اور ایسے ایسے روح فرسا اور جان سوز عذابوں میں مبتلا کیا۔ کہ اگر ان مسلمانوں کی جگہ پہاڑ بھی ہوتا تو شاید ڈگمگانے لگتا۔ صحرائے عرب کی تیز دھوپ میں جب کہ وہاں کی ریت کے ذرات تنور کی طرح گرم ہو جاتے۔ ان مسلمانوں کی پشت کو کوڑوں کی مار سے زخمی کر کے اس جلتی ہوئی ریت پر پیٹھ کے بل لٹاتے اور سینوں پر اتنا بھاری پتھر رکھ دیتے کہ وہ کروٹ نہ بدلنے پائیں لوہے کو آگ میں گرم کر کے اس سے ان مسلمان کے جسموں کو داغتے۔ پانی میں اس قدر ڈبکیاں دیتے کہ ان کا دم گھٹنے لگتا۔ چٹائیوں میں ان مسلمانوں کو لپیٹ کر ان کی ناکوں میں دھواں دیتے جس سے سانس لینا مشکل ہو جاتا اور وہ کرب و بے چینی سے بدحواس ہو جاتے۔ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ یہ اس زمانے میں اسلام لائے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں مقیم تھے اور صرف چند ہی آدمی مسلمان ہوئے تھے قریش نے ان کو بے حد ستایا۔ یہاں تک کہ کوئلے کے انگاروں پر ان کو چت لٹایا۔ اور ایک شخص ان کے سینے پر پاؤں رکھ کر کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ ان کی پیٹھ کی چربی اور رطوبت سے کوئلے بجھ گئے۔ برسوں کے بعد جب حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کیا تو اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی۔ پوری پیٹھ پر سفید سفید داغ دھبے پڑے ہوئے تھے۔ اس عبرت ناک منظر کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل بھر آیا اور وہ رو پڑے۔

(طبقات ابن سعد ج ۳ تذکرہ خباب)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو امیہ بن خلف کافر کے غلام تھے۔ ان کی گردن میں رسی باندھ کر کوچہ و بازار میں ان کو گھسیٹا جاتا تھا۔ ان کی پیٹھ پر لاٹھیاں برسائی جاتی تھیں اور ٹھیک دوپہر کے وقت تیز دھوپ میں گرم گرم ریت پر ان کو لٹا کر اتنا بھاری پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا تھا کہ ان کی زبان باہر نکل آتی تھی۔ اُمیہ کافر کہتا تھا کہ اسلام سے باز آجاؤ۔ ورنہ اسی طرح گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گے۔ مگر اس حال میں بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر بل نہیں آتا تھا۔ بلکہ زور زور سے "اَحَد، اَحَد" کا نعرہ لگاتے تھے اور بلند آواز سے کہتے تھے کہ خدا ایک ہے۔ خدا ایک ہے۔

(سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۱۷ تا ص ۳۱۸)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو گرم گرم بالو پر چت لٹا کر کفار قریش اس قدر مارتے تھے کہ یہ بے ہوش ہو جاتے تھے۔ ان کی والدہ حضرت بی بی سُمیہ رضی اللہ عنہا کو اسلام لانے کی بنا پر ابو جہل نے ان کی ناف کے نیچے ایسا نیزہ مارا کہ یہ شہید ہو گئیں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ بھی کفار کی مار کھاتے کھاتے شہید ہو گئے۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو کفارِ مکہ اس قدر طرح طرح کی اذیت دیتے اور ایسی ایسی مار دھاڑ کرتے کہ یہ گھنٹوں بے ہوش رہتے۔ جب یہ ہجرت کرنے لگے تو کفار مکہ نے کہا کہ تم اپنا سارا مال و سامان یہاں چھوڑ کر مدینہ جا سکتے ہو۔ آپ خوشی خوشی دنیا کی دولت پر لات مار کر اپنی متاعِ ایمان کو ساتھ لے کر مدینہ چلے گئے۔

حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ صفوان بن اُمیہ کافر کے غلام تھے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے تھے۔ جب صفوان کو ان کے اسلام کا پتا چلا تو اس نے ان کے گلے میں رسی کا پھندہ ڈال کر ان کو گھسیٹا۔ اور گرم جلتی ہوئی زمین پر ان کو چت لٹا کر سینے پر وزنی پتھر رکھ دیا جب ان کو کفار گھسیٹ کر لے جا رہے تھے راستہ میں بالتفاق سے ایک گبریلا نظر پڑا۔ امیہ کافر نے طعنہ مارتے ہوئے کہا کہ "دیکھ تیرا خدا یہی تو نہیں ہے"۔ حضرت ابو فکیہہ نے فرمایا کہ اے کافر کے بچے! خاموش

میرا اور تیرا خدا اللہ ہے"۔ یہ سن کر امیہ کافر غضب ناک ہوگیا، اور اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ اور لوگوں نے سمجھا کہ ان کا دم نکل گیا۔

اسی طرح حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس قدر مارا جاتا تھا کہ ان کے جسم کی بوٹی بوٹی دردمند ہو جاتی تھی۔

حضرت بی بی لبینہ رضی اللہ عنہا جو لونڈی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کفر کی حالت میں تھے اس غریب لونڈی کو اس قدر مارتے تھے کہ مارتے مارتے تھک جاتے تھے۔ مگر حضرت لبینہ رضی اللہ عنہا اُف نہیں کرتی تھیں، بلکہ نہایت جرأت واستقلال کے ساتھ کہتی تھیں کہ اے عمر! اگر تم خدا کے سچے رسول پر ایمان نہیں لاؤ گے تو خدا تم سے ضرور اس کا انتقام لے گا۔

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی باندی تھیں۔ یہ مسلمان ہوگئیں۔ تو ان کو اس قدر کافروں نے مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں، مگر خداوند تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے پھر ان کی آنکھوں میں روشنی عطا فرمادی۔ تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جادو کا اثر ہے۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۷۰)

اسی طرح حضرت بی بی "نہدیہ" اور حضرت بی بی ام عبیس رضی اللہ عنہما بھی باندیاں تھیں۔ اسلام لانے کے بعد کفار مکہ نے ان دونوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دے کر بے پناہ اذیتیں دیں۔ مگر یہ اللہ والیاں صبر و شکر کے ساتھ ان بڑی بڑی مصیبتوں کو جھیلتی رہیں۔ مگر اسلام سے ان کے قدم نہیں ڈگمگائے۔

حضرت یار غار مصطفےٰ ابوبکر صدیق باصفا رضی اللہ عنہ نے کس کس طرح اسلام پر اپنی دولت نثار کی؟ اس کی ایک جھلک یہ ہے کہ آپ نے ان غریب دبے کس مسلمانوں میں سے اکثر کی جان بچائی۔ آپ نے حضرت بلال و عامر بن فہیرہ و ابوفکیہہ و لبینہ و زنیرہ و نہدیہ و ام عبیس رضی اللہ عنہم ان تمام غلاموں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر خریدا۔ اور سب کو آزاد کر دیا۔ اور ان مظلوموں کو کافروں کی ایذاؤں سے بچا لیا۔

(زرقانی علی المواہب و سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۱۹)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جب دامن اسلام میں آئے تو مکہ میں ایک مسافر کی حیثیت سے کئی دن تک حرم کعبہ میں رہے۔ یہ روزانہ زور زور سے چلا چلا کر اپنے اسلام کا اعلان کرتے تھے اور روزانہ کفارِ قریش ان کو اس قدر مارتے تھے کہ یہ لہولہان ہو جاتے تھے۔ اور ان دنوں میں آب زمزم کے سوا ان کو کچھ بھی کھانے پینے کو نہیں ملا۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۴۴ باب اسلام ابی ذر)

واضح رہے کہ کفار مکہ کا یہ سلوک صرف غریبوں اور غلاموں ہی تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ اسلام لانے کے جرم میں بڑے بڑے مالداروں اور رئیسوں کو بھی ان ظالموں نے نہیں بخشا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو شہر مکہ کے ایک متمول اور ممتاز معززین میں سے تھے۔ مگر ان کو بھی حرم کعبہ میں کفارِ قریش نے اس قدر مارا کہ ان کا سر خون سے لت پت ہو گیا۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو نہایت مالدار اور صاحبِ اقتدار تھے۔ جب یہ مسلمان ہوئے تو غیروں نے نہیں بلکہ خود ان کے چچا نے ان کو رسیوں میں جکڑ کر خوب خوب مارا۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بڑے رعب اور دبدبہ کے آدمی تھے۔ مگر انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے جس سے ان کا دم گھٹنے لگتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کتنے جاہ و اعزاز والے رئیس تھے مگر جب ان کے اسلام کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتا چلا تو ان کو رسی میں باندھ کر مارا۔ اور ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن حضرت بی بی فاطمہ بنت الخطاب کو بھی اس زور سے تھپڑ مارا کہ ان کے کان کے آویزے گر پڑے اور چہرے پر خون بہہ نکلا۔

کفار کا وفد بارگاہِ رسالت میں

ایک مرتبہ سردارانِ قریش حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے یہ سوچنے لگے کہ آخر اتنی تکالیف اور سختیاں برداشت کرنے کے باوجود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی تبلیغ کیوں

بند نہیں کرتے؟ آخر ان کا مقصد کیا ہے؟ ممکن ہے یہ عزت و جاہ، یا سرداری و دولت کے خواہاں ہوں۔ چنانچہ سبھوں نے عتبہ بن ربیعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ کہ تم کسی طرح ان کا دلی مقصد معلوم کرو۔ چنانچہ عتبہ تنہائی میں آپ سے ملا۔ اور کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آخر اس دعوتِ اسلام سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ کیا آپ مکہ کی سرداری چاہتے ہیں؟ یا عزت و دولت کے خواہاں ہیں؟ یا کسی بڑے گھرانے میں شادی کے خواہش مند ہیں؟ آپ کے دل میں جو تمنا ہو کھلے دل کے ساتھ کہہ دیجیے۔ میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ اگر آپ دعوتِ اسلام سے باز آجائیں، تو پورا مکہ آپ کے زیر فرمان ہو جائے گا۔ اور آپ کی ہر خواہش اور تمنا پوری کر دی جائے گی۔ عتبہ کی یہ ساحرانہ تقریر سُن کر حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔ جن کو سُن کر عتبہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس کے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال خوفِ ذوالجلال سے لرزنے اور کانپنے لگا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں آپ کو رشتہ داری کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ بس کیجیے۔ میرا دل اس کلام کی عظمت سے پھٹا جا رہا ہے۔ عتبہ بارگاہِ رسالت سے واپس ہوا مگر اس کے دل کی دنیا میں ایک نیا انقلاب رونما ہو چکا تھا۔ عتبہ ایک بڑا ہی ساحرالبیان خطیب اور انتہائی فصیح و بلیغ آدمی تھا۔ اس نے واپس لوٹ کر سردارانِ قریش سے کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ جادو ہے نہ کہانت نہ شاعری، بلکہ وہ کوئی اور ہی چیز ہے۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ تم لوگ اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہو کر سارے عرب پر غالب ہو گئے تو اس میں ہم قریشیوں ہی کی عزت بڑھے گی۔ ورنہ سارا عرب ان کو خود ہی فنا کر دے گا مگر قریش کے سرکش کافروں نے عتبہ کا یہ مخلصانہ اور مدبرانہ مشورہ نہیں مانا۔ بلکہ اپنی مخالفت اور ایذا رسانیوں میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔

(زرقانی علی المواہب ج ا صـ۲۵۸ و سیرت ابن ہشام ج ا صـ۲۹۴)

قریش کا وفد ابوطالب کے پاس

کفار قریش میں کچھ لوگ صلح پسند بھی تھے وہ چاہتے تھے کہ بات چیت کے ذریعہ صلح و صفائی کے ساتھ معاملہ طے ہو جائے۔ چنانچہ قریش کے چند معزز رؤسا ابوطالب کے پاس آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام اور بت پرستی کے خلاف تقریروں کی شکایت کی۔ ابوطالب نے نہایت نرمی کے ساتھ ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے فرمان "فاصدع بما تؤمر" کی تعمیل کرتے ہوئے علی الاعلان شرک و بت پرستی کی مذمت اور دعوتِ توحید کا وعظ فرماتے ہی رہے۔ اس لیے قریش کا غصہ پھر بھڑک اٹھا۔ چنانچہ تمام سردارانِ قریش یعنی عتبہ و شیبہ، و ابوسفیان و عاص بن ہشام و ابوجہل و ولید بن مغیرہ و عاص بن وائل وغیرہ وغیرہ سب ایک ساتھ مل کر ابوطالب کے پاس آئے اور یہ کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے اس لیے یا تو آپ درمیان میں سے ہٹ جائیں۔ اور اپنے بھتیجا کو ہمارے سپرد کر دیں یا پھر آپ بھی کھل کر ان کے ساتھ میدان میں نکل پڑیں۔ تاکہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے ابوطالب نے قریش کا تیور دیکھ کر سمجھ لیا کہ اب بہت ہی خطرناک اور نازک گھڑی سر پر آن پڑی ہے۔ ظاہر ہے کہ اب قریش برداشت نہیں کر سکتے۔ اور میں اکیلا تمام قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی مخلصانہ اور شفقانہ لہجے میں سمجھایا کہ میرے پیارے بھتیجے! اپنے بوڑھے چچا کی سفید داڑھی پر رحم کرو۔ اور بڑھاپے میں مجھ پر اتنا بوجھ مت ڈالو کہ میں اٹھا نہ سکوں۔ اب تک تو قریش کا بچہ بچہ میرا احترام کرتا تھا مگر آج قریش کے سرداروں کا لب ولہجہ اور ان کا تیور اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ اب وہ مجھ پر اور تم پر تلوار اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تم کچھ دنوں کے لیے دعوتِ اسلام موقوف کر دو۔ اب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری معین و مددگار جو کچھ بھی تھے وہ صرف اکیلے ابوطالب ہی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب ان کے قدم بھی اکھڑ رہے ہیں

چچا کی گفتگو سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھرائی ہوئی مگر جذبات سے بھری ہوئی آواز میں فرمایا کہ چچا جان! خدا کی قسم۔ اگر قریش میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لاکر دے دیں۔ تب بھی میں اپنے اس فرض سے باز نہ آؤں گا۔ یا تو خدا اس کام کو پورا فرما دے گا۔ یا میں خود دین اسلام پر نثار ہو جاؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ جذباتی تقریر سن کر ابو طالب کا دل پسیج گیا۔ اور وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی ہاشمی رگوں کے خون کا قطرہ قطرہ بھتیجے کی محبت میں گرم ہو کر کھولنے لگا۔ اور انتہائی جوش میں آکر کہہ دیا کہ جان عم! جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ (سیرت ابن ہشام ج ا ص ۲۶۶ وغیرہ)

ہجرت حبشہ ۵ نبوی

کفار مکہ نے جب اپنے ظلم و ستم سے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ تو حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو "حبشہ" جا کر پناہ لینے کا حکم دیا۔

نجاشی "حبشہ کا بادشاہ جس کا نام "اصحمہ" اور لقب "نجاشی" تھا عیسائی دین کا پابند تھا مگر بہت ہی انصاف پسند اور رحم دل تھا۔ اور توراۃ و انجیل وغیرہ آسمانی کتابوں کا بہت ہی ماہر عالم تھا۔

اعلان نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ ان مہاجرین کرام کے مقدس نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں۔

۲۔ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا کے ساتھ

۳۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ

۴۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ۔

۵۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔

۶۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ۔

۷۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

۸۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ۔

۹۔ حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم یا حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہما

۱۰۔ حضرت سہیل بن بیضا رضی اللہ عنہ۔

۱۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۷۰)

کفار مکہ کو جب ان لوگوں کی ہجرت کا پتا چلا تو ان ظالموں نے ان لوگوں کی گرفتاری کے لیے ان کا تعاقب کیا۔ لیکن یہ لوگ کشتی پر سوار ہو کر روانہ ہو چکے تھے۔ اس لیے کفار ناکام واپس لوٹے۔ یہ مہاجرین کا قافلہ حبشہ کی سرزمین میں اتر کر امن و امان کے ساتھ خدا کی عبادت میں مصروف ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد ناگہاں یہ خبر پھیل گئی کہ کفار مکہ مسلمان ہو گئے۔ یہ خبر سن کر چند لوگ حبشہ سے مکہ لوٹ آئے۔ مگر یہاں آکر پتا چلا کہ یہ خبر غلط تھی۔ چنانچہ بعض لوگ تو پھر حبشہ چلے گئے مگر کچھ لوگ مکہ میں روپوش ہو کر رہنے لگے۔ لیکن کفار مکہ نے ان لوگوں کو ڈھونڈ نکالا۔ اور ان لوگوں پر پہلے سے بھی زیادہ ظلم ڈھانے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر لوگوں کو حبشہ چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ حبشہ سے واپس آنے والے، اور ان کے ساتھ دوسرے مظلوم مسلمان کل تراسی ۸۳ مرد، اور اٹھارہ عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۸۷)

کفار کا سفیر نجاشی کے دربار میں

تمام مہاجرین نہایت امن و سکون کے ساتھ حبشہ میں رہنے لگے۔ مگر کفار مکہ کو کب گوارا ہو سکتا تھا کہ فرزندانِ توحید کہیں امن و چین کے ساتھ رہ سکیں۔ ان ظالموں نے کچھ تحائف کے ساتھ "عمرو بن العاص" اور "عمارہ بن ولید" کو بادشاہ حبشہ کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ ان دونوں نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر

تحفوں کا نذرانہ پیش کیا۔ اور بادشاہ کو سجدہ کرکے یہ فریاد کرنے لگے کہ اے بادشاہ! ہمارے کچھ مجرم مکہ سے بھاگ کر آپ کے ملک میں پناہ گزین ہو گئے ہیں۔ آپ ہمارے ان مجرموں کو ہمارے حوالہ کر دیجئے۔ یہ سُن کر نجاشی بادشاہ نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے نمائندہ بن کر گفتگو کے لیے آگے بڑھے اور دربار کے آداب کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا۔ بلکہ صرف سلام کرکے کھڑے ہو گئے۔ درباریوں نے ٹوکا۔ تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے میں بادشاہ کو سجدہ نہیں کر سکتا۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ صفحہ ۲۸۸)

اس کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے دربار شاہی میں اس طرح تقریر شروع فرمائی کہ۔

"اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ شرک و بت پرستی کرتے تھے لوٹ مار، چوری، ڈکیتی، ظلم و ستم اور طرح طرح کی بدکاریوں اور بداعمالیوں میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری قوم میں ایک شخص کو اپنا رسول بنا کر بھیجا جس کے حسب و نسب اور صدق و دیانت کو ہم پہلے سے جانتے تھے اُس رسول نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک دیا۔ اور صرف ایک خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا۔ اور ہر قسم کے ظلم و ستم اور تمام برائیوں اور بدکاریوں سے ہم کو منع کیا ہم اس رسول پر ایمان لائے اور شرک و بت پرستی چھوڑ کر تمام بُرے کاموں سے تائب ہو گئے۔ بس یہی ہمارا گناہ ہے جس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی۔ اور ان لوگوں نے ہمیں اتنا ستایا کہ ہم اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر آپ کی سلطنت کے زیر سایہ پُرامن زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اب یہ لوگ ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم پھر اسی پرانی گمراہی میں واپس لوٹ جائیں۔"

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر سے نجاشی بادشاہ بے حد متاثر ہوا۔ یہ دیکھ کر کفار مکہ کے سفیر عمرو بن العاص نے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی پھینک دیا۔ اور کہا کہ اے بادشاہ! یہ مسلمان لوگ آپ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کچھ دوسرا ہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ جو آپ کے عقیدہ کے بالکل ہی خلاف ہے۔ یہ سن کر نجاشی بادشاہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا۔ تو آپ نے سورۂ مریم کی تلاوت فرمائی۔ کلام ربانی کی تاثیر سے نجاشی بادشاہ کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ اس پر رقت طاری ہو گئی اور اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہی بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اُس کے رسول ہیں جو کنواری مریم کے شکم مبارک سے بغیر باپ کے خدا کی قدرت کا نشان بن کر پیدا ہوئے۔ نجاشی بادشاہ نے بڑے غور سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر کو سنا۔ اور یہ کہا کہ بلاشبہ انجیل اور قرآن دونوں ایک ہی آفتاب ہدایت کے دو نور ہیں۔ اور یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اُس کے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے وہی رسول ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں دی ہے اور اگر میں دستورِ سلطنت کے مطابق تخت شاہی پر رہنے کا پابند نہ ہوتا، تو میں خود مکہ جا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں سیدھی کرتا۔ اور ان کے قدم دھوتا۔ بادشاہ کی تقریر سُن کر اس کے درباری جو کٹر قسم کے عیسائی تھے، ناراض و برہم ہو گئے۔ مگر نجاشی بادشاہ نے جوش ایمانی میں سب کو ڈانٹ پھٹکار کر خاموش کر دیا۔ اور کفار مکہ کے تحفوں کو واپس لوٹا کر عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید کو دربار سے نکلوا دیا۔ اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ تم لوگ میری سلطنت میں جہاں چاہو امن و سکون کے ساتھ آرام و چین کی زندگی بسر کرو۔ کوئی تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ (زرقانی ج ۱ ص ۲۸۸)

واضح رہے کہ نجاشی بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس کے انتقال پر حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ حالانکہ نجاشی بادشاہ کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا۔ اور وہ حبشہ ہی میں مدفون بھی ہوئے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

حضرت ابوبکر اور ابن دغنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ مگر جب آپ مقام "برک الغماد" میں پہنچے۔ تو قبیلہ قارہ کا سردار "مالک بن دغنہ" راستے میں ملا۔ اور دریافت کیا کہ کیوں ہمارے ابوبکر! کہاں چلے؟ آپ نے اہل مکہ کے مظالم کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ اب میں اپنے وطن مکہ کو چھوڑ کر خدا کی لمبی چوڑی زمین میں پھرتا رہوں گا اور خدا کی عبادت کرتا رہوں گا۔ ابن دغنہ نے کہا کہ اے ابوبکر! آپ جیسا آدمی نہ شہر سے نکل سکتا ہے۔ نہ نکالا جا سکتا ہے۔ آپ دوسروں کا بار اٹھاتے ہیں مہمانانِ حرم کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ خود کما کما کر مفلسوں اور محتاجوں کی مالی امداد کرتے ہیں حق کے کاموں میں سب کی امداد و اعانت کرتے ہیں۔ آپ میرے ساتھ مکہ واپس چلیے میں آپ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ ابن دغنہ آپ کو زبردستی مکہ واپس لایا۔ اور تمام کفار مکہ سے کہہ دیا کہ میں نے ابوبکر کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ لہٰذا خبردار! کوئی ان کو نہ ستائے کفار مکہ نے کہا کہ ہم کو اس شرط پر منظور ہے کہ ابوبکر اپنے گھر کے اندر چھپ کر قرآن پڑھیں تاکہ ہماری عورتوں اور بچوں کے کان میں قرآن کی آواز نہ پہنچے۔ ابن دغنہ نے کفار کی شرط کو منظور کر لیا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چند دنوں تک اپنے گھر کے اندر قرآن پڑھتے رہے۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جذبۂ اسلامی اور جوش ایمانی نے یہ گوارا نہیں کیا کہ معبودانِ باطل لات و عزیٰ کی عبادت تو علی الاعلان ہو۔ اور معبودِ برحق اللہ تعالیٰ کی عبادت گھر کے اندر چھپ کر کی جائے۔ چنانچہ آپ نے گھر کے باہر اپنے صحن میں ایک مسجد بنائی اور اس مسجد میں علی الاعلان نمازوں میں بلند آواز سے قرآن پڑھنے لگے اور کفار مکہ کی عورتیں اور بچے بھیڑ لگا کر قرآن سننے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر کفار مکہ نے ابن دغنہ کو مکہ بلایا۔ اور شکایت کی کہ ابوبکر گھر کے باہر قرآن پڑھتے ہیں۔ جس کو

سننے کے لیے ان کے گرد ہماری عورتوں اور بچوں کا میلہ لگ جاتا ہے۔ اس سے ہم کو بڑی تکلیف ہوتی ہے لہٰذا تم ان سے کہہ دو کہ یا تو وہ گھر میں قرآن پڑھیں۔ ورنہ تم اپنی پناہ کی ذمہ داری سے دست بردار ہوجاؤ۔ چنانچہ ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابوبکر! آپ گھر کے اندر چھپ کر قرآن پڑھیں۔ ورنہ میں اپنی پناہ سے کنارہ کش ہو جاؤں گا اس کے بعد کفار مکہ آپ کو ستائیں گے تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں گا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابن دغنہ! تم اپنی پناہ کی ذمہ داری سے الگ ہو جاؤ مجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ کافی ہے اور میں اس کی مرضی پر راضی برضا ہوں۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۵۲ باب جوار ابی بکر الصدیق)

حضرت حمزہ مسلمان ہو گئے

اعلانِ نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دو ایسی ہستیاں دامنِ اسلام میں آگئیں۔ جن سے اسلام اور مسلمانوں کے جاہ و جلال، اور ان کے عزت و اقبال کا پرچم بہت ہی سربلند ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں میں حضرت حمزہ کو آپ سے بڑی والہانہ محبت تھی۔ اور وہ صرف دو تین سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں زیادہ تھے۔ اور چونکہ انہوں نے بھی حضرت ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بہت ہی طاقتور اور بہادر تھے اور شکار کے بہت ہی شوقین تھے۔ روزانہ صبح سویرے تیر کمان لے کر گھر سے نکل جاتے اور شام کو شکار سے واپس لوٹ کر حرم میں جاتے۔ خانہ کعبہ کا طواف کرتے۔ اور قریش کے سرداروں کی مجلس میں کچھ دیر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن حسبِ معمول شکار سے واپس لوٹے تو ابن جدعان کی لونڈی اور خود ان کی بہن حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بتایا کہ آج ابوجہل نے کس کس طرح تمہارے بھتیجے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کی ہے۔ یہ ماجرا سن کر مارے غصہ کے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا خون کھولنے لگا۔ ایک دم تیر کمان لیے ہوئے مسجد حرام میں پہنچ گئے۔ اور اپنی کمان سے ابوجہل کے سر پر

اس زور سے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اور کہا کہ تو میرے بھتیجے کو گالیاں دیتا ہے؟
تجھے خبر نہیں کہ میں بھی اُسی کے دین پر ہوں۔ یہ دیکھ کر قبیلۂ بنی مخزوم کے کچھ لوگ
ابوجہل کی مدد کے لیے کھڑے ہو گئے تو ابوجہل نے یہ سوچ کر کہ کہیں بنو ہاشم سے
جنگ نہ چھڑ جائے۔ یہ کہا کہ اے بنی مخزوم! آپ لوگ حمزہ کو چھوڑ دیجیے۔ واقعی آج
میں نے ان کے بھتیجے کو بہت ہی خراب قسم کی گالیاں دی تھیں۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴ و زرقانی ج ۱ ص ۲۵۶)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہو جانے کے بعد زور زور سے ان اشعار کو
پڑھنا شروع کر دیا۔

حَمِدْتُ اللهَ حِيْنَ هَدٰى فُؤَادِيْ
اِلَى الْاِسْلَامِ وَالدِّيْنِ الْحَنِيْفِ

میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس وقت کہ اس نے میرے دل کو اسلام اور
دین حنیف کی طرف ہدایت دی۔

اِذَا تُلِيَتْ رَسَائِلُهٗ عَلَيْنَا!
تَحَدَّرَ دَمْعُ ذِي اللُّبِّ الْحَصِيْفِ

جب احکام اسلام کی ہمارے سامنے تلاوت کی جاتی ہے۔ تو باکمال عقل
والوں کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

وَاَحْمَدُ مُصْطَفًى فِيْنَا مُطَاعٌ
فَلَا تَغْشَوْهُ بِالْقَوْلِ الْعَنِيْفِ

اور خدا کے برگزیدہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مقتدیٰ ہیں تو (اے کافرو)
اپنی باطل بکواس سے ان پر غلبہ مت حاصل کرو۔

فَلَا وَاللهِ نُسْلِمُهٗ لِقَوْمٍ!
وَلَمَّا نَقْضِ فِيْهِمْ بِالسُّيُوْفِ

تو خدا کی قسم ہم انہیں قوم کفار کے سپرد نہیں کریں گے حالانکہ ابھی تک ہم نے

ان کافروں کے ساتھ تلواروں سے فیصلہ نہیں کیا ہے۔ (زرقانی ج ۱ ص ۲۵۶)

حضرت عمر کا اسلام

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد تیسرے ہی دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے، آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے واقعات میں بہت سی روایات ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ آپ ایک دن غصہ میں بھرے ہوئے ننگی تلوار لے کر اس ارادہ سے چلے کہ آج میں اسی تلوار سے پیغمبر اسلام کا خاتمہ کر دوں گا۔ اتفاق سے راستہ میں حضرت نعیم بن عبداللہ قریشی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ یہ مسلمان ہو چکے تھے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام کی خبر نہیں تھی۔ حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں؟ اے عمر! اس دوپہر کی گرمی میں ننگی تلوار لے کر کہاں چلے؟ کہنے لگے کہ آج بانئ اسلام کا فیصلہ کرنے کے لیے گھر سے نکل پڑا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن "فاطمہ بنت الخطاب" اور تمہارے بہنوئی "سعید بن زید" بھی تو مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ بہن کے گھر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ گھر کے اندر چند مسلمان چھپ کر قرآن پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر سب لوگ ڈر گئے۔ اور قرآن کے اوراق چھوڑ کر ادھر ادھر چھپ گئے۔ بہن نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ چلا کر بولے۔ کہ اے اپنی جان کی دشمن کیا تو بھی مسلمان ہو گئی ہے؟ پھر اپنے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ پر جھپٹے، اور ان کی داڑھی پکڑ کر ان کو زمین پر پٹخ دیا اور سینے پر سوار ہو کر مارنے لگے۔ ان کی بہن فاطمہ اپنے شوہر کو بچانے کے لیے دوڑ پڑیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایسا طمانچہ مارا کہ ان کے کانوں کے جھومر ٹوٹ کر گر پڑے۔ اور ان کا چہرہ خون سے لہولہان ہو گیا۔ بہن نے صاف صاف کہہ دیا کہ عمر! سن لو۔ تم سے جو ہو سکے کر لو۔ مگر اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہن کا خون آلودہ چہرہ دیکھا اور ان کا عزم و استقامت سے بھرا ہوا یہ جملہ سنا۔

تو اُن پر رقت طاری ہو گئی۔ اور ایک دم دل نرم پڑ گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑے رہے۔ پھر کہا کہ اچھا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے۔ مجھے بھی دکھاؤ۔ بہن نے قرآن کے اوراق کو سامنے رکھ دیا۔ اٹھا کر دیکھا تو اس آیت پر نظر پڑی کہ سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ اس آیت کا ایک ایک لفظ صداقت کی تاثیر کا تیر بن کر دل کی گہرائی میں پیوست ہوتا چلا گیا۔ اور جسم کا ایک ایک بال لرزہ براندام ہونے لگا۔ جب اس آیت پر پہنچے کہ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (حدید) تو بالکل ہی بے قابو ہو گئے اور بے اختیار پکار اٹھے کہ "اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ"۔ یہ وہ وقت تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں مقیم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہن کے گھر سے نکلے اور سیدھے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے تو دروازہ بند پایا۔ کنڈی بجائی۔ اندر کے لوگوں نے دروازہ کی جھری سے جھانک کر دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لیے کھڑے تھے۔ لوگ گھبرا گئے۔ اور کسی میں دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ مگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے فرمایا کہ دروازہ کھول دو۔ اور اندر آنے دو۔ اگر نیک نیتی کے ساتھ آیا ہے تو اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ ورنہ اسی کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دی جائے گی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آگے بڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بازو پکڑا۔ اور فرمایا کہ اے خطاب کے بیٹے تو مسلمان ہو جا آخر تو کب تک مجھ سے لڑتا رہے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بآواز بلند کلمہ پڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مارے خوشی کے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا اور تمام حاضرین نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! یہ چھپ چھپ کر خدا کی عبادت کرنے کے کیا معنی؟ اٹھیے ہم کعبہ میں چل کر علی الاعلان خدا کی عبادت کریں گے اور خدا کی قسم میں کفر کی حالت میں جن جن مجلسوں میں بیٹھ کر اسلام کی مخالفت کرتا رہا ہوں۔ میں اب ان تمام مجالس

میں اپنے اسلام کا اعلان کروں گا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی جماعت کو لے کر دو قطاروں میں روانہ ہوئے۔ ایک صف کے آگے آگے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ چل رہے تھے اور دوسری صف کے آگے آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ اس شان سے مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ اور نماز ادا کی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حرم کعبہ میں مشرکین کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ یہ سنتے ہی ہر طرف سے کفار دوڑ پڑے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مارنے لگے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں سے لڑنے لگے۔ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ماموں ابو جہل آ گیا۔ اُس نے پوچھا کہ یہ ہنگامہ کیسا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے ہیں اس لیے لوگ برہم ہو کر ان پر حملہ آور ہو گئے ہیں۔ یہ سُن کر ابو جہل نے حطیم کعبہ میں کھڑے ہو کر اپنی آستین سے اشارہ کر کے اعلان کر دیا۔ کہ میں نے اپنے بھانجے عمر کو پناہ دی۔ ابو جہل کا یہ اعلان سُن کر سب لوگ ہٹ گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اسلام لانے کے بعد میں ہمیشہ کفار کو مارتا اور اُن کی مار کھاتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب فرما دیا۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۷۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا ایک سبب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں کفر کی حالت میں قریش کے بتوں کے پاس حاضر تھا۔ اتنے میں ایک شخص گائے کا ایک بچھڑا لے کر آیا۔ اور اس کو بتوں کے نام پر ذبح کیا۔ پھر بڑے زور سے چیخ مار کر کسی نے یہ کہا کہ " یَا جَلِیْحُ اَمْرٌ نَجِیْحٌ رَجُلٌ فَصِیْحٌ یَقُوْلُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ " یہ آواز سُن کر سب لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن میں نے یہ عزم کر لیا کہ میں اس آواز دینے والے کی تحقیق کیے بغیر ہرگز ہرگز یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔ اس کے بعد پھر یہی آواز آئی کہ یَا جَلِیْحُ اَمْرٌ نَجِیْحٌ رَجُلٌ فَصِیْحٌ یَقُوْلُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی اے کھلی ہوئی دشمنی کرنے والے! ایک کامیابی کی چیز ہے کہ ایک فصاحت والا آدمی " لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ " کہہ رہا ہے حالانکہ بتوں کے اس پاس

میرے سوا دوسرا کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کے فوراً ہی بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا۔ اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے حد متاثر تھے۔ اس لیے ان کے اسلام لانے کے اسباب میں اس واقعہ کو بھی کچھ نہ کچھ ضرور دخل ہے۔

(بخاری ج ۱ صـ۵۴۶ و زرقانی ج ۱ صـ۲۷۱ باب اسلام عمر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کفار مکہ نے بہت زیادہ ستایا۔ تو عاص بن وائل سہمی نے بھی آپ کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ جو زمانۂ جاہلیت میں آپ کا حلیف تھا اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفار کی مار دھاڑ سے بچ گئے۔ (بخاری باب اسلام عمر ج ۱ صـ۵۴۵)

شعب ابی طالب ۷ نبوی

اعلان نبوت کے ساتویں سال ۷ نبوی میں کفار مکہ نے جب دیکھا کہ روز بروز مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور حضرت حمزہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسے بہادرانِ قریش بھی دامن اسلام میں آ گئے تو غیظ و غضب میں یہ لوگ آپے سے باہر ہو گئے اور تمام سردارانِ قریش اور مکہ کے دوسرے کفار نے یہ سکیم بنائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے اور ان لوگوں کو کسی تنگ و تاریک جگہ میں محصور کر کے ان کا دانہ پانی بند کر دیا جائے تاکہ یہ لوگ مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جائیں۔ چنانچہ اس خوفناک تجویز کے مطابق تمام قبائل قریش نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ جب تک بنی ہاشم کے خاندان والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے ہمارے حوالہ نہ کر دیں۔

۱۔ کوئی شخص بنو ہاشم کے خاندان سے شادی بیاہ نہ کرے۔

۲۔ کوئی شخص ان لوگوں کے ہاتھ کسی قسم کے سامان کی خرید و فروخت نہ کرے۔

۳۔ کوئی شخص ان لوگوں سے میل جول، سلام و کلام اور ملاقات و بات نہ کرے۔

۴۔ کوئی شخص ان لوگوں کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ جانے دے۔ منصور بن عکرمہ نے اس معاہدہ کو لکھا اور تمام سردارانِ قریش نے اس پر دستخط کر کے اس دستاویز کو کعبہ کے اندر آویزاں کر دیا۔ ابو طالب مجبوراً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

اور دوسرے تمام خاندان والوں کو لے کر پہاڑ کی اس گھاٹی میں جس کا نام "شعب ابی طالب" تھا پناہ گزین ہوئے۔ ابولہب کے سوا خاندانِ بنو ہاشم کے کافروں نے بھی خاندانی حمیت و پاسداری کی بنا پر اس معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور سب کے سب پہاڑ کے اس تنگ و تاریک درہ میں محصور ہو کر قیدیوں کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور یہ تین برس کا زمانہ اتنا سخت اور کٹھن گزرا کہ بنو ہاشم درختوں کے پتے، اور سوکھے چمڑے پکا پکا کر کھاتے تھے۔ اور ان کے بچے بھوک پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر دن رات رویا کرتے تھے۔ سنگدل اور ظالم کافروں نے ہر طرف پہرہ بٹھا دیا تھا کہ کہیں سے بھی گھاٹی کے اندر دانہ پانی نہ جانے پائے۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۷۸)

مسلسل تین سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندانِ بنو ہاشم ان ہوش ربا مصائب کو جھیلتے رہے۔ یہاں تک کہ خود قریش کے کچھ رحم دلوں کو بنو ہاشم کی ان مصیبتوں پر رحم آ گیا۔ اور ان لوگوں نے اس ظالمانہ معاہدہ کو توڑنے کی تحریک اٹھائی۔ چنانچہ ہشام بن عمرو عامری، زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود وغیرہ یہ سب مل کر ایک ساتھ حرمِ کعبہ میں گئے۔ اور زہیر نے جو عبدالمطلب کے نواسے تھے۔ کفارِ قریش کو مخاطب کر کے اپنی پُرجوش تقریر میں یہ کہا کہ اے لوگو! یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کہ ہم لوگ تو آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور خاندانِ بنو ہاشم کے بچے بھوک پیاس سے بے قرار ہو کر بلبلا رہے ہیں۔ خدا کی قسم! جب تک اس وحشیانہ معاہدہ کی دستاویز پھاڑ کر پاؤں سے نہ روند دی جائے گی میں ہرگز ہرگز چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ تقریر سن کر ابوجہل نے تڑپ کر کہا کہ خبردار! ہرگز ہرگز تم اس معاہدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ زمعہ نے ابوجہل کو للکارا۔ اور اس زور سے ڈانٹا کہ ابوجہل کی بولتی بند ہو گئی۔ اسی طرح مطعم بن عدی اور ہشام بن عمرو نے بھی خم ٹھونک کر ابوجہل کو جھڑک دیا اور ابوالبختری نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ اے ابوجہل اس ظالمانہ معاہدہ سے نہ ہم پہلے راضی تھے اور نہ اب ہم اس کے پابند ہیں۔

اسی مجمع میں ایک طرف ابو طالب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے لوگو! میرے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ اس معاہدہ کی دستاویز کو کیڑوں نے کھا ڈالا ہے۔ اور صرف جہاں جہاں خدا کا نام لکھا ہوا تھا اس کو کیڑوں نے چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ اس دستاویز کو نکال کر دیکھو اگر واقعی اس کو کیڑوں نے کھا لیا ہے۔ جب تو اس کو چاک کر کے پھینک دو۔ اور اگر میرے بھتیجے کا کہنا غلط ثابت ہوا تو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ یہ سن کر مطعم بن عدی کعبہ کے اندر گیا اور دستاویز کو اُتار لایا۔ اور سب لوگوں نے اس کو دیکھا تو واقعی بجز اللہ تعالیٰ کے نام کے پوری دستاویز کو کیڑوں نے کھا لیا تھا۔ مطعم بن عدی نے سب کے سامنے اس دستاویز کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ اور پھر قریش کے چند بہادر باوجودیکہ یہ سب کے سب اس وقت کفر کی حالت میں تھے۔ ہتھیار لے کر گھاٹی میں پہنچے اور خاندان بنو ہاشم کے ایک ایک آدمی کو وہاں سے نکال لائے اور ان کو ان کے مکانوں میں آباد کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۰ نبوی کا ہے۔ منصور بن عکرمہ جس نے اس دستاویز کو لکھا تھا اس پر یہ قہر الٰہی ٹوٹ پڑا کہ اس کا ہاتھ شل ہو کر سوکھ گیا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۶ وغیرہ)

غم کا سال ۱۰ نبوی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم "شعب ابی طالب" سے نکل کر اپنے گھر میں تشریف لائے اور چند ہی روز کفار قریش کے ظلم و ستم سے کچھ امان ملی تھی کہ ابو طالب بیمار ہو گئے اور گھاٹی سے باہر آنے کے آٹھ مہینے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

ابو طالب کی وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک بہت ہی جان گداز اور روح فرسا حادثہ تھا۔ کیونکہ بچپن سے جس طرح پیار و محبت کے ساتھ ابو طالب نے آپ کی پرورش کی تھی۔ اور زندگی کے ہر موڑ پر جس جاں نثاری کے ساتھ آپ کی نصرت و دستگیری کی۔ اور آپ کے دشمنوں کے مقابل سینہ سپر ہو کر جس طرح آلام و مصائب کا مقابلہ کیا۔ اس کو بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح بھول سکتے تھے۔

ابوطالب کا خاتمہ

جب ابوطالب مرض الموت میں مبتلا ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے چچا! آپ کلمہ پڑھ لیجیے۔ یہ وہ کلمہ ہے کہ اس کے سبب سے میں خدا کے دربار میں آپ کی مغفرت کے لیے اصرار کروں گا۔ اس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ ابوطالب کے پاس موجود تھے۔ ان دونوں نے ابوطالب سے کہا کہ اے ابوطالب! کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے روگردانی کریں گے؟ اور یہ دونوں برابر ابوطالب سے گفتگو کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ابوطالب نے کلمہ نہیں پڑھا۔ بلکہ ان کی زندگی کا آخری قول یہ رہا کہ "میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں"۔ یہ کہا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا۔ اور آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے لیے اُس وقت تک دعا مغفرت کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے منع نہ فرمائے گا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہو گئی کہ۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

یعنی نبی اور مومنین کے لیے یہ جائز ہی نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ جب انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ مشرکین جہنمی ہیں۔ (بخاری ج ا ص ۵۴۸ باب قصہ ابی طالب)

حضرت بی بی خدیجہ کی وفات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر ابھی ابوطالب کے انتقال کا زخم تازہ ہی تھا کہ ابوطالب کی وفات کے تین دن یا پانچ دن کے بعد حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ مکہ میں ابوطالب کے بعد سب سے زیادہ جس ہستی نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت میں اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کیا۔ وہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذات گرامی تھی۔ جس وقت دنیا میں کوئی آپ کا مخلص مشیر اور غمخوار نہیں تھا۔ حضرت بی بی خدیجہ ہی تھیں کہ ہر پریشانی

کے موقع پر پوری جانثاری کے ساتھ آپ کی غمخواری اور دلداری کرتی رہتی تھیں اس لیے ابوطالب اور حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہما دونوں کی وفات سے آپ کے مددگار اور غمگسار دونوں ہی دنیا سے اٹھ گئے جس سے آپ کے قلب نازک پر اتنا عظیم صدمہ گزرا کہ آپ نے اس سال کا نام "عام الحزن" (غم کا سال) رکھ دیا۔

حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رمضان سنہ ۱۰ نبوی میں وفات پائی۔ بوقت وفات پینسٹھ برس کی عمر تھی۔ مقام حجون (قبرستان جنت المعلیٰ) میں مدفون ہوئیں۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس ان کی قبر میں اترے۔ اور اپنے مقدس ہاتھوں سے ان کی لاشِ مبارک کو زمین کے سپرد فرمایا۔

(زرقانی ج ۱ ص ۲۹۶)

طائف وغیرہ کا سفر

مکہ والوں کے عناد اور سرکشی کو دیکھتے ہوئے جب حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوسی نظر آئی۔ تو آپ نے تبلیغ اسلام کے لیے مکہ کے قرب وجوار کی بستیوں کا رخ کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے "طائف" کا بھی سفر فرمایا۔ اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ طائف میں بڑے بڑے امراء اور مالدار لوگ رہتے تھے۔ ان رئیسوں میں "عمیر" کا خاندان تمام قبائل کا سردار شمار کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ تین بھائی تھے۔ عبدیالیل۔ مسعود۔ حبیب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں کے پاس تشریف لے گئے۔ اور اسلام کی دعوت دی۔ ان تینوں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ انتہائی بیہودہ اور گستاخانہ جواب دیا۔ ان بدنصیبوں نے اسی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ طائف کے شریر غنڈوں کو ابھار دیا کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برا سلوک کریں۔ چنانچہ لچوں لفنگوں کا یہ شریر گروہ ہر طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑا۔ اور یہ شرارتوں کے مجسمے آپ پر پتھر برسانے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کے مقدس پاؤں زخموں سے لہولہان ہو گئے۔

اور آپ کے موزے اور نعلین مبارک خون سے بھر گئے جب آپ زخموں سے بے تاب ہو کر بیٹھ جاتے۔ تو یہ ظالم انتہائی بے دردی کے ساتھ آپ کا بازو پکڑ کر اٹھاتے۔ اور جب آپ چلنے لگتے تو پھر آپ پر پتھروں کی بارش کرتے اور ساتھ ساتھ طعنہ زنی کرتے گالیاں دیتے۔ تالیاں بجاتے۔ ہنسی اڑاتے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ دوڑ دوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آنے والے پتھروں کو اپنے بدن پر لیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ بھی خون میں نہا گئے۔ اور زخموں سے نڈھال ہو کر بے قابو ہو گئے۔ یہاں تک کہ آخر آپ نے انگور کے ایک باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ مکہ کے ایک مشہور کافر عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال دیکھ کر عتبہ بن ربیعہ اور اس کے بھائی شیبہ بن ربیعہ کو آپ پر رحم آگیا۔ اور کافر ہوتے کے باوجود خاندانی حمیت نے جوش مارا۔ چنانچہ ان دونوں کافروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے باغ میں ٹھہرایا۔ اور اپنے نصرانی غلام "عداس" کے ہاتھ سے آپ کی خدمت میں انگور کا ایک خوشہ بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر خوشہ کو ہاتھ لگایا۔ تو عداس تعجب سے کہنے لگا کہ اس اطراف کے لوگ تو یہ کلمہ نہیں بولا کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارا وطن کہاں ہے؟ عداس نے کہا کہ میں "شہر نینویٰ" کا رہنے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ حضرت یونس بن متی کا شہر ہے۔ وہ بھی میری طرح خدا کے پیغمبر تھے۔ یہ سن کر عداس آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور فوراً ہی آپ کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۰۰)

اسی سفر میں جب آپ مقام "نخلہ" میں تشریف فرما ہوئے اور رات کو نماز تہجد میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے تو "نصیبین" کے جنوں کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور قرآن سن کر یہ سب جن مسلمان ہو گئے۔ پھر ان جنوں نے لوٹ کر اپنی قوم کو بتایا تو مکہ مکرمہ میں جنوں کی جماعت نے فوج در فوج آکر اسلام قبول کیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورہ جن کی ابتدائی آیتوں میں خداوند عالم نے اس واقعہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ (زرقانی ج ۱ ص ۳۰۲)

مقام نخلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دنوں تک قیام فرمایا پھر آپ مقام حراءؔ میں تشریف لائے اور قریش کے ایک ممتاز سردار مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ کیا تم مجھے اپنی پناہ میں لے سکتے ہو؟ عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص اُن سے حمایت اور پناہ طلب کرتا۔ تو وہ اگرچہ کتنا ہی بڑا دشمن کیوں نہ ہو۔ وہ پناہ دینے سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ مطعم بن عدی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ اور اُس نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ تم لوگ ہتھیار لگا کر حرم میں جاؤ۔ اور مطعم بن عدی خود گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ مکہ لایا اور حرم کعبہ میں اپنے ساتھ لے کر گیا۔ اور مجمع عام میں اعلان کر دیا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دیا۔ اور کعبہ کا طواف کر کے حرم میں نماز ادا کی اور مطعم بن عدی اور اس کے بیٹوں نے تلواروں کے سائے میں آپ کو آپ کے دولت خانہ تک پہنچا دیا۔

(زرقانی ج ۱ ص ۳۰۶)

اس سفر کے مدتوں بعد ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کیا جنگ اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ پر گزرا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں۔ اے عائشہ! وہ دن میرے لیے جنگ اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت تھا۔ جب میں نے طائف میں وہاں کے ایک سردار "عبد یا لیل" کو اسلام کی دعوت دی۔ اُس نے دعوت اسلام کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اور اہلِ طائف نے مجھ پر پتھراؤ کیا۔ میں اس رنج و غم میں سر جھکائے چلتا رہا یہاں تک کہ مقام "قرن الثعالب" میں پہنچ کر میرے ہوش و حواس بجا ہوئے۔ وہاں پہنچ کر جب میں نے سر اٹھایا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بدلی مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے اس بادل میں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول اور ان کا جواب سن لیا۔ اور اب آپ کی خدمت میں پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے تا کہ وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے کہ پہاڑوں کا فرشتہ مجھے سلام کر کے عرض کرنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول اور انہوں نے آپ کو جو جواب دیا ہے وہ سب کچھ سن لیا ہے اور مجھ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں۔ اور میں آپ کا حکم بجا لاؤں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں "اخشبین" (ابو قبیس اور قعیقعان) دونوں پہاڑوں کو ان کفار پر الٹ دوں تو میں الٹ دیتا ہوں۔ یہ سن کر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے اپنے ایسے بندوں کو پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں گے۔ اور شرک نہیں کریں گے۔

(بخاری باب ذکر الملئکہ ج ۱ ص ۴۵۸ و زرقانی ج ۱ ص ۲۹۷)

قبائل میں تبلیغ اسلام

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ حج کے زمانے میں جب کہ دور دور کے عربی قبائل مکہ میں جمع ہوتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام قبائل میں دورہ فرما کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ اسی طرح عرب میں جابجا بہت سے میلے لگتے تھے، جن میں دور دراز کے قبائل عرب جمع ہوتے تھے۔ ان میلوں میں بھی آپ تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ چنانچہ عکاظ، مجنہ، ذوالمجاز کے بڑے بڑے میلوں میں آپ نے قبائل عرب کے سامنے دعوت اسلام پیش فرمائی۔ عرب کے قبائل بنو عامر، محارب فزارہ، غسان، مرہ، سلیم، عبس، نضر، کندہ، کلب، عذرہ، حضارمہ وغیرہ ان سب مشہور قبائل کے سامنے آپ نے اسلام پیش فرمایا، مگر آپ کا چچا ابولہب ہر جگہ آپ کے ساتھ ساتھ جاتا۔ اور جب آپ کسی قبیلہ کے سامنے وعظ فرماتے تو ابولہب چلا چلا کر یہ کہتا کہ "یہ دین سے پھر گیا ہے" "یہ جھوٹ کہتا ہے"۔

(زرقانی ج ۱ ص ۳۰۹)

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپ تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اس قبیلہ کا سردار "مفروق"

آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اُس نے کہا کہ اے قریشی برادر! آپ لوگوں کے سامنے کونسا دین پیش کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ خدا ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں پھر آپ نے سورۂ انعام کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔ یہ سب لوگ آپ کی تقریر اور قرآنی آیتوں کی تاثیر سے انتہائی متاثر ہوئے۔ لیکن یہ کہا کہ ہم اپنے اس خاندانی دین کو بھلا ایک دم کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ جس پر ہم برسہابرس سے کاربند ہیں۔ اس کے علاوہ ہم ملک فارس کے بادشاہ کسریٰ کے زیر اثر اور رعیت ہیں۔ اور ہم یہ معاہدہ کر چکے ہیں کہ ہم بادشاہ کسریٰ کے سوا کسی اور کے زیر اثر نہیں رہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی صاف گوئی کی تعریف فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ خیر، خدا اپنے دین کا حامی و ناصر، اور معین و مددگار ہے۔

(روض الانف بحوالہ سیرۃ النبی)

پانچواں باب

مدینہ میں آفتاب رسالت کی تجلّیاں

"مدینہ منورہ" کا پرانا نام "یثرب" ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر میں سکونت فرمائی تو اس کا نام "مدینۃ النبی" (نبی کا شہر) پڑ گیا۔ پھر یہ نام مختصر ہو کر "مدینہ" مشہور ہو گیا۔ تاریخی حیثیت سے یہ بہت پرانا شہر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلانِ نبوت فرمایا۔ تو اس شہر میں عرب کے دو قبیلے "اوس" اور "خزرج" اور کچھ "یہودی" آباد تھے۔ اوس و خزرج کفار مکہ کی طرح "بت پرست" اور یہودی "اہل کتاب" تھے۔ اوس و خزرج پہلے تو بڑے اتفاق و اتحاد کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے، مگر پھر عربوں کی فطرت کے مطابق ان دونوں قبیلوں میں لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ یہاں تک کہ آخری لڑائی جو تاریخ عرب میں "جنگ بعاث" کے نام سے مشہور ہے۔ اس قدر ہولناک اور خونریز ہوئی کہ اس لڑائی میں اوس و خزرج کے تقریباً تمام نامور بہادر لڑ بھڑ کر کٹ مر گئے۔ اور یہ دونوں قبیلے بے حد کمزور ہو گئے۔ یہودی اگرچہ تعداد میں بہت کم تھے۔ مگر چونکہ وہ تعلیم یافتہ تھے اس لیے اوس و خزرج ہمیشہ یہودیوں کی علمی برتری سے مرعوب اور ان کے زیر اثر رہتے تھے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیم و تربیت کی بدولت اوس و خزرج کے تمام پرانے اختلافات ختم ہو گئے اور یہ دونوں قبیلے شیر و شکر کی طرح مل جل کر رہنے لگے۔ اور چونکہ ان لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کی اپنے تن من دھن سے بے پناہ امداد و نصرت کی۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خوش بختوں کو "انصار" کے معزز لقب سے سرفراز فرما دیا۔ اور قرآن کریم

نے بھی ان جاں نثارانِ اسلام کی نصرتِ رسول وامداد مسلمین پر ان خوش نصیبوں کی مدح و ثنا کا جا بجا خطبہ پڑھا۔ اور از روئے شریعت انصار کی محبت، اور ان کی جناب میں حسن عقیدت تمام امت مسلمہ کے لیے لازم الایمان اور واجب العمل قرار پائی۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

مدینہ میں اسلام کیونکر پھیلا

انصار گو بت پرست تھے مگر یہودیوں کے میل جول سے اتنا جانتے تھے کہ نبی آخرالزماں کا ظہور ہونے والا ہے۔ اور مدینہ کے یہودی اکثر انصار کے دونوں قبیلوں اوس و خزرج کو دھمکیاں بھی دیا کرتے تھے کہ نبی آخرالزماں کے ظہور کے وقت ہم ان کے لشکر میں شامل ہو کر تم بت پرستوں کو دنیا سے نیست و نابود کر ڈالیں گے اس لیے نبی آخرالزماں کی تشریف آوری کا یہود اور انصار دونوں کو انتظار تھا۔

سالہ نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے مطابق حج میں آنے والے قبائل کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے منیٰ کے میدان میں تشریف لے گئے۔ اور قرآن مجید کی آیتیں سُنا سُنا کر لوگوں کے سامنے اسلام پیش فرمانے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں عقبہ (گھاٹی) کے پاس جہاں آج "مسجد العقبہ" ہے تشریف فرما تھے کہ قبیلۂ خزرج کے چھ آدمی آپ کے پاس آ گئے۔ آپ نے ان لوگوں سے ان کا نام و نسب پوچھا۔ پھر قرآن کی چند آیتیں سنا کر ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جس سے یہ لوگ بے حد متاثر ہو گئے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر واپسی میں یہ کہنے لگے کہ یہودی جس نبی آخرالزماں کی خوشخبری دیتے رہے ہیں۔ یقیناً وہ نبی یہی ہیں۔ لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودی ہم سے پہلے اسلام کی دعوت قبول کر لیں، یہ کہہ کر سب ایک ساتھ مسلمان ہو گئے۔ اور مدینہ جا کر اپنے اہل خاندان اور رشتہ داروں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ ان چھ خوش نصیبوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) حضرت ابوالہیثم بن تیہان۔ (۲) حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ (۳) حضرت عوف بن حارث (۴) حضرت رافع بن مالک (۵) حضرت قطبہ بن عامر بن حدیدہ (۶) حضرت جابر بن عبداللہ بن ریاب

(رضی اللہ عنہم اجمعین) (مدارج النبوۃ ج ۲ ص۵۱ و زرقانی ج ۱ ص۲۱۰)

بیعت عقبہ اولیٰ

دوسرے سال ۱۲ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ کے بارہ اشخاص منیٰ کی اسی گھاٹی میں چھپ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوئے۔ تاریخ اسلام میں اس بیعت کا نام "بیعت عقبہ اولیٰ" ہے

ساتھ ہی ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست بھی کی کہ احکام اسلام کی تعلیم کے لیے کوئی معلم بھی ان لوگوں کے ساتھ کر دیا جائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا۔ وہ مدینہ میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر ٹھہرے اور انصار کے ایک ایک گھر میں جا جا کر اسلام کی تبلیغ کرنے لگے اور روزانہ ایک دو نئے آدمی آغوش اسلام میں آنے لگے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔

قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بہت ہی بہادر اور بااثر شخص تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے جب ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو انہوں نے پہلے تو اسلام سے نفرت و بیزاری ظاہر کی۔ مگر جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ان کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ تو ایک دم ان کا دل پسیج گیا۔ اور اس قدر متاثر ہوئے کہ سعادت ایمان سے سرفراز ہو گئے۔ ان کے مسلمان ہوتے ہی ان کا قبیلہ "اوس" بھی دامن اسلام میں آگیا۔

اسی سال بقول مشہور ماہ رجب کی ستائیسویں رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت بیداری "معراج جسمانی" ہوئی۔ اور اسی سفر معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں جس کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ تعالیٰ معجزات کے باب میں آئے گا۔

بیعت عقبہ ثانیہ

اس کے ایک سال بعد ۱۳ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ کے تقریباً بہتر اشخاص نے منیٰ کی اسی گھاٹی میں

اپنے بت پرست ساتھیوں سے چھپ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ اور یہ عہد کیا کہ ہم لوگ آپ کی اور اسلام کی حفاظت کے لیے اپنی جان قربان کر دیں گے۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے مدینہ والوں سے کہا کہ دیکھو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان بنی ہاشم میں ہر طرح محترم اور باعزت ہیں ہم لوگوں نے دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے۔ اب تم لوگ ان کو اپنے وطن میں لے جانے کے خواہشمند ہو۔ تو سن لو۔ اگر مرتے دم تک تم لوگ ان کا ساتھ دے سکو۔ تو بہتر ہے ورنہ ابھی سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ یہ سُن کر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ طیش میں آ کر کہنے لگے کہ "ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں" حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ حضرت ابو الہیثم رضی اللہ عنہ نے بات کاٹتے ہوئے یہ کہا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگوں کے یہودیوں سے پرانے تعلقات ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ہمارے مسلمان ہو جانے کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرمائے تو آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر اپنے وطن مکہ چلے جائیں یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ تم لوگ اطمینان رکھو کہ "تمہارا خون میرا خون ہے" اور یقین کرو "میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو تمہارا دشمن میرا دشمن۔ اور تمہارا دوست میرا دوست ہے۔"

(زرقانی علی المواہب ج ا ص۳۱۷ و سیرت ابن ہشام ج ۴ ص۴۴۱ تا ۴۴۲)

جب انصار یہ بیعت کر رہے تھے تو حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے یا حضرت عباس بن نضلہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے بھائیو! تمہیں یہ بھی خبر ہے؟ کہ تم لوگ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ خوب سمجھ لو کہ یہ عرب و عجم کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ انصار نے طیش میں آ کر نہایت ہی پُر جوش لہجے میں کہا کہ ہاں۔ ہاں ہم لوگ اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔ بیعت ہو جانے کے بعد آپ نے اس جماعت میں سے بارہ آدمیوں کو نقیب (سردار) مقرر فرمایا۔ ان میں نو آدمی قبیلہ خزرج کے اور تین اشخاص قبیلۂ اوس کے تھے جن کے

مبارک نام یہ ہیں۔

(۱) ابوامامہ اسعد بن زرارہ (۲) سعد بن ربیع (۳) عبداللہ بن رواحہ (۴) رافع بن مالک (۵) براء بن معرور (۶) عبداللہ بن عمرو (۷) سعد بن عبادہ (۸) منذر بن عمر (۹) عبادہ بن ثابت۔ یہ نو آدمی قبیلہ خزرج کے ہیں (۱۰) اُسید بن حضیر (۱۱) سعد بن خیثمہ (۱۲) ابوالہیثم بن تیہان۔ یہ تین شخص قبیلہ اوس کے ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین)

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۱۸)

اس کے بعد یہ تمام حضرات اپنے اپنے ڈیروں پر چلے گئے۔ صبح کے وقت جب قریش کو اس کی اطلاع پہنچی۔ تو وہ آگ بگولا ہو گئے۔ اور ان لوگوں نے ڈانٹ کر مدینہ والوں سے پوچھا کہ کیا تم لوگوں نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت کی ہے؟ انصار کے کچھ ساتھیوں نے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے، اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ یہ سن کر قریش واپس چلے گئے مگر جب تفتیش و تحقیقات کے بعد کچھ انصار کی بیعت کا حال معلوم ہوا۔ تو قریش غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گئے۔ اور بیعت کرنے والوں کی گرفتاری کے لیے تعاقب کیا۔ مگر قریش حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کو نہیں پکڑ سکے۔ قریش حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ مکہ لائے اور ان کو قید کر دیا۔ مگر جب جبیر بن مطعم، اور حارث بن حرب بن امیہ کو پتہ چلا۔ تو ان دونوں نے قریش کو سمجھایا کہ خدا کے لیے سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہ) کو فوراً چھوڑ دو۔ ورنہ تمہاری ملکِ شام کی تجارت خطرہ میں پڑ جائے گی۔ یہ سن کر قریش نے حضرت سعد بن عبادہ کو قید سے رہا کر دیا۔ اور وہ بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۴۹ تا ۴۵۰)

ہجرتِ مدینہ

مدینہ منورہ میں جب اسلام اور مسلمانوں کو ایک پناہ گاہ مل گئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو عام اجازت دے دی کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔ چنانچہ

سب سے پہلے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے لوگ بھی مدینہ روانہ ہونے لگے۔ جب کفار قریش کو پتہ چلا تو انہوں نے روک ٹوک شروع کر دی۔ مگر چھپ چھپ کر لوگوں نے ہجرت کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ بہت سے صحابہ کرام مدینہ منورہ چلے گئے۔ صرف وہی حضرات مکہ میں رہ گئے جو یا تو کافروں کی قید میں تھے یا اپنی مفلسی کی وجہ سے مجبور تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ ابھی تک خدا کی طرف سے ہجرت کا حکم نہیں ملا تھا۔ اس لیے آپ مکہ ہی میں مقیم رہے اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو بھی آپ نے روک لیا تھا۔ لہٰذا یہ دونوں شمع نبوت کے پروانے بھی آپ ہی کے ساتھ مکہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

کفار کانفرنس

جب مکہ کے کافروں نے یہ دیکھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے مددگار مکہ سے باہر مدینہ میں بھی ہو گئے۔ اور مدینہ جانے والے مسلمانوں کو انصار نے اپنی پناہ میں لے لیا ہے تو کفار مکہ کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی مدینہ چلے جائیں اور وہاں سے اپنے حامیوں کی فوج لے کر مکہ پر چڑھائی نہ کر دیں۔ چنانچہ اس خطرہ کا دروازہ بند کرنے کے لیے کفار مکہ نے اپنے دارالندوہ (پنچائت گھر) میں ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد کی۔ اور یہ کفار مکہ کا ایسا زبردست نمائندہ اجتماع تھا کہ مکہ کا کوئی بھی ایسا دانشور اور بااثر شخص نہ تھا جو اس کانفرنس میں شریک نہ ہوا ہو۔ خصوصیت کے ساتھ ابو سفیان، ابوجہل، عتبہ، جبیر بن مطعم۔ نضر بن حارث۔ ابوالبختری زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ تمام سرداران قریش اس مجلس میں موجود تھے۔ شیطان لعین بھی کمبل اوڑھے ایک بزرگ شیخ کی صورت میں آ گیا۔ قریش کے سرداروں نے نام و نسب پوچھا تو بولا کہ میں "شیخ نجد" ہوں۔ اس لیے اس کانفرنس میں آ گیا ہوں کہ میں تمہارے معاملہ میں اپنی رائے بھی پیش کر دوں۔ یہ سن کر قریش کے سرداروں نے ابلیس کو بھی اپنی کانفرنس میں شریک کر لیا۔ اور کانفرنس

کی کارروائی شروع ہوگئی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ پیش ہوا تو ابوالبختری نے یہ رائے دی کہ ان کو کسی کوٹھری میں بند کر کے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دو اور ایک سوراخ سے کھانا پانی ان کو دے دیا کرو۔ یہ شیخ نجدی (شیطان) نے کہا کہ یہ رائے اچھی نہیں ہے۔ خدا کی قسم اگر تم لوگوں نے ان کو کسی مکان میں قید کر دیا۔ تو یقیناً ان کے جان نثار اصحاب کو اس کی خبر لگ جائے گی۔ اور وہ اپنی جان پر کھیل کر ان کو قید سے چھڑا لیں گے۔

ابوالاسود ربیعہ بن عمرو عامری نے یہ مشورہ دیا کہ ان کو مکہ سے نکال دو۔ تاکہ یہ کسی دوسرے شہر میں جا کر رہیں۔ اس طرح ہم کو ان کے قرآن پڑھنے اور ان کی تبلیغ اسلام سے نجات مل جائے گی۔ یہ سن کر شیخ نجدی نے بگڑ کر کہا کہ تمہاری اس رائے پر لعنت۔ کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام میں کتنی مٹھاس اور تاثیر و دل کشی ہے؟ خدا کی قسم! اگر تم لوگ ان کو شہر بدر کر کے چھوڑ دو گے تو یہ پورے ملکِ عرب میں لوگوں کو قرآن سنا سنا کر تمام قبائل عرب کو اپنا تابع فرمان بنا لیں گے اور پھر اپنے ساتھ ایک عظیم لشکر کو لے کر تم پر ایسی یلغار کر دیں گے کہ تم ان کے مقابلہ سے عاجز و لاچار ہو جاؤ گے۔ اور پھر بجز اس کے کہ تم ان کے غلام بن کر رہو کچھ بنائے نہ بنے گی۔ اس لیے ان کو جلا وطن کرنے کی تو بات ہی مت کرو۔

ابوجہل بولا کہ صاحبو! میرے ذہن میں ایک رائے ہے جو اب تک کسی کو نہیں سوجھی یہ سن کر سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ اور سب نے بڑے اشتیاق کے ساتھ پوچھا کہ کہیے۔ وہ کیا ہے؟ تو ابوجہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک مشہور بہادر تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہو۔ اور سب یکبارگی حملہ کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر ڈالیں۔ اس تدبیر سے خون کرنے کا جرم تمام قبیلوں کے سر پر رہے گا ظاہر ہے کہ خاندان بنو ہاشم اس خون کا بدلہ لینے کے لیے تمام قبیلوں سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھ سکتے۔ لہٰذا یقیناً وہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ اور ہم لوگ مل جل کر آسانی کے ساتھ خون بہا کی رقم ادا کر دیں گے۔ ابوجہل کی یہ خونی تجویز سن کر شیخ نجدی مارے

خوشی کے اچھل پڑا اور کہا کہ بے شک یہ تدبیر بالکل درست ہے۔ اس کے سوا اور کوئی تجویز قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ تمام شرکاء کانفرنس نے اتفاق رائے سے اس تجویز کو پاس کر دیا۔ اور مجلس شوریٰ برخاست ہو گئی۔ اور ہر شخص یہ خوفناک عزم لے کر اپنے اپنے گھر چلا گیا۔ خداوند قدوس نے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ؕ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ۝

(اے محبوب یاد کیجیے) جس وقت کفار آپ کے بارے میں خفیہ تدبیر کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا شہر بدر کر دیں، یہ لوگ خفیہ تدبیر کر رہے تھے اور اللہ خفیہ تدبیر کر رہا تھا۔ اور اللہ کی پوشیدہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کیا تھی؟ اگلے صفحہ پر اس کا جلوہ دیکھیے کہ کس طرح اس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی اور کفار کی ساری اسکیم کو کس طرح اس قادر وقیوم نے تہس نہس فرما دیا۔ (ابن ہشام)

ہجرتِ رسول کا واقعہ

جب کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر اتفاق کر کے کانفرنس ختم کر چکے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے تو حضرت جبرئیل امین علیہ السلام رب العالمین کا حکم لے کر نازل ہو گئے کہ اے محبوب! آج رات کو آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جائیں۔ چنانچہ عین دوپہر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ سب گھر والوں کو ہٹا دو کچھ مشورہ کرنا ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان یہاں آپ کی اہلیہ (حضرت عائشہ) کے سوا اور کوئی نہیں ہے (اس وقت حضرت عائشہ سے حضور کی شادی ہو چکی تھی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو بکر! اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت

کی اجازت فرمادی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ مجھے بھی ہمراہی کا شرف عطا فرمائیے۔ آپ نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چار مہینے سے دو اونٹنیاں ببول کی پتی کھلا کھلا کر تیار کی تھیں کہ ہجرت کے وقت یہ سواری کے کام آئیں گی۔ عرض کیا کہ یارسول اللہ! ان میں سے ایک اونٹنی آپ قبول فرمالیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قبول ہے۔ مگر میں اس کی قیمت دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بادلِ ناخواستہ فرمانِ رسالت سے مجبور ہو کر اس کو قبول کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو اس وقت بہت کم عمر تھیں۔ لیکن ان کی بڑی بہن حضرت بی بی اسماء رضی اللہ عنہا نے سامانِ سفر درست کیا اور توشہ دان میں کھانا رکھ کر اپنی کمر کے پٹکے کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کیے۔ ایک سے توشہ دان کو باندھا اور دوسرے سے مشک کا منہ باندھا۔ یہ وہ قابلِ فخر شرف ہے جس کی بنا پر ان کو "ذات النطاقین" (دو پٹکے والی) کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کافر کو جس کا نام "عبداللہ بن اریقط" تھا جو راستوں کا ماہر تھا۔ راہ نمائی کے لیے اجرت پر نوکر رکھا۔ اور ان دونوں اونٹنیوں کو اس کے سپرد کر کے فرمایا کہ تین راتوں کے بعد وہ ان دونوں اونٹنیوں کو لے کر "غار ثور" کے پاس آجائے۔ یہ سارا انتظام کر لینے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان پر تشریف لائے۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۵۳ تا ۵۵۴ باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

کاشانۂ نبوت کا محاصرہ

کفار مکہ نے اپنے پروگرام کے مطابق کاشانۂ نبوت کو گھیر لیا اور انتظار کرنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سو جائیں تو ان پر قاتلانہ حملہ کیا جائے۔ اس وقت گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ کفار مکہ اگرچہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن تھے۔ مگر اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و دیانت

پر کفار کو اس قدر اعتماد تھا کہ وہ اپنے قیمتی مال و سامان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امانت رکھتے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی بہت سی امانتیں کا شانۂ نبوت میں تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم میری سبز رنگ کی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو رہو۔ اور میرے چلے جانے کے بعد تم قریش کی تمام امانتیں ان کے مالکوں کو سونپ کر مدینہ چلے آنا۔

یہ بڑا ہی خوفناک اور بڑے سخت خطرہ کا موقع تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے کہ تم قریش کی ساری امانتیں لوٹا کر مدینہ چلے آنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یقین کامل تھا کہ میں زندہ رہوں گا اور مدینہ پہنچوں گا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر جو آج کانٹوں کا بچھونا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے پھولوں کی سیج بن گیا۔ اور آپ بستر پر صبح تک آرام کے ساتھ میٹھی میٹھی نیند سوتے رہے۔ اپنے اسی کارنامے پر فخر کرتے ہوئے شیر خدا نے اپنے اشعار میں فرمایا کہ۔

وَقَیْتُ بِنَفْسِیْ خَیْرَ مَنْ وَطِئَ الثَّرٰی
وَمَنْ طَافَ بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ وَبِالْحِجْرِ

میں نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اُس ذات گرامی کی حفاظت کی جو زمین پر چلنے والوں اور خانہ کعبہ و حطیم کا طواف کرنے والوں میں سب سے زیادہ بہتر اور بلند مرتبہ ہیں۔

رَسُوْلُ اِلٰہٍ خَافَ اَنْ یَّمْکُرُوْا بِہٖ
فَنَجَّاہُ ذُوالطَّوْلِ الْاِلٰہُ مِنَ الْمَکْرِ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ تھا کہ کفار مکہ ان کے ساتھ خفیہ چال چل جائیں گے مگر خداوند مہربان نے ان کو کافروں کی خفیہ تدبیر سے بچا لیا۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۲۲)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بستر نبوت پر جانِ ولایت کو سلا کر ایک مٹھی خاک ہاتھ میں لی۔ اور سورہ یٰس کی ابتدائی آیتوں کو تلاوت فرماتے ہوئے نبوت خانہ سے باہر تشریف لائے۔ اور محاصرہ کرنے والے کافروں کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے مجمع سے صاف نکل گئے۔ نہ کسی کو نظر آئے۔ نہ کسی کو کچھ خبر ہوئی۔ ایک دوسرا شخص جو اس مجمع میں موجود نہ تھا۔ اس نے ان لوگوں کو خبر دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو یہاں سے نکل گئے اور چلتے وقت تمہارے سروں پر خاک ڈال گئے ہیں۔ چنانچہ ان کور بختوں نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا تو واقعی ان کے سروں پر خاک اور دھول پڑی ہوئی تھی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۷)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ سے نکل کر مقام "حزورہ" کے پاس کھڑے ہو گئے اور بڑی حسرت کے ساتھ "کعبہ" کو دیکھا اور فرمایا کہ اے شہر مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ پیارا ہے۔ اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت پذیر نہ ہوتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی قرارداد ہو چکی تھی۔ وہ بھی اسی جگہ آ گئے اور اس خیال سے کہ کفار مکہ ہمارے قدموں کے نشان سے ہمارا راستہ پہچان کر ہمارا پیچھا نہ کریں۔ پھر یہ بھی دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے نازک زخمی ہو گئے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کر لیا۔ اور اس طرح خاردار جھاڑیوں اور نوک دار پتھروں والی پہاڑیوں کو روندتے ہوئے اسی رات "غار ثور" پہنچے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۸)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خود غار میں داخل ہوئے اور اچھی طرح غار کی صفائی کی۔ اور اپنے بدن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک سوراخ کو اپنی ایڑی سے بند کر رکھا تھا۔ سوراخ کے اندر سے ایک سانپ نے بار بار یارِ غار کے پاؤں میں کاٹا۔ مگر حضرت صدیق جاں نثار نے اس خیال سے

پاؤں نہیں ہٹایا کہ رحمت عالم کے خواب راحت میں خلل نہ پڑ جائے مگر درد کی شدت سے یار غار کے آنسوؤں کی دھار کے چند قطرات سرور کائنات کے رخسار پر نثار ہو گئے جس سے رحمت عالم بیدار ہو گئے اور اپنے یار غار کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ پوچھا ابوبکر! کیا ہوا؟ عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ جس سے فوراً ہی سارا درد جاتا رہا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تین رات اس غار میں رونق افروز رہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جوان فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روزانہ رات کو غار کے منہ پر سوتے اور صبح سویرے ہی مکہ چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا تدبیریں کر رہے ہیں؟ جو کچھ خبر ملتی شام کو آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کچھ رات گئے چراگاہ سے بکریاں لے کر غار کے پاس آجاتے۔ اور ان بکریوں کا دودھ دونوں عالم کے تاجدار اور ان کے یار غار پی لیتے تھے۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۲۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو غار ثور میں تشریف فرما ہو گئے۔ ادھر کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کرنے والے کفار جب صبح کو مکان میں داخل ہوئے تو بستر نبوت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے ظالموں نے تھوڑی دیر آپ سے پوچھ گچھ کر کے آپ کو چھوڑ دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش و جستجو میں مکہ اور اطراف و جوانب کا چپہ چپہ چھان مارا۔ یہاں تک کہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور تک پہنچ گئے۔ مگر غار کے منہ پر اس وقت خداوندی حفاظت کا پہرہ لگا ہوا تھا۔ یعنی غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا۔ اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر کفار قریش آپس میں کہنے لگے کہ اس غار میں کوئی انسان موجود ہوتا تو نہ مکڑی جالا تنتی نہ کبوتری یہاں انڈے دیتی۔ کفار کی آہٹ پا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کچھ گھبرائے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اب ہمارے دشمن اس قدر قریب آگئے ہیں۔ کہ اگر وہ اپنے قدموں پر

نظر ڈالیں گے تو ہم کو دیکھ لیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ مت گھبراؤ۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قلب پر سکون و اطمینان کا ایسا سکینہ اتار دیا کہ وہ بالکل ہی بے خوف ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہی وہ جاں نثاریاں ہیں جن کو دربار نبوت کے مشہور شاعر حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

وَثَانِي اثْنَيْنِ فِي الْغَارِ الْمُنِيفِ وَقَدْ

طَافَ الْعَدُوُّ بِهٖ اِذْ صَاعَدَ الْجَبَلَا

اور دو میں کے دوسرے (ابوبکر) جب کہ پہاڑ پر چڑھ کر بلند مرتبہ غار میں اس حال میں تھے کہ دشمن ان کے اردگرد چکر لگا رہا تھا۔

وَكَانَ حِبَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَدْ عَلِمُوْا

مِنَ الْخَلَائِقِ لَمْ يَعْدِلْ بِهٖ بَدَلَا

اور وہ (ابوبکر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے۔ تمام مخلوق اس بات کو جانتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھی ان کے برابر نہیں ٹھہرایا ہے۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۳۷)

بہر حال چوتھے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم یکم ربیع الاول دوشنبہ کے دن غار ثور سے باہر تشریف لائے۔ عبداللہ بن اریقط جس کو رہنمائی کے لیے کرایہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوکر رکھ لیا تھا وہ قرارداد کے مطابق دو اونٹنیاں لے کر غار ثور پر حاضر تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور ایک اونٹنی پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بیٹھے اور عبداللہ بن اریقط آگے آگے پیدل چلنے لگا اور عام راستہ سے ہٹ کر ساحل سمندر کے غیر معروف راستوں سے سفر شروع کر دیا۔

سو اونٹ کا انعام

ادھر اہل مکہ نے اشتہار دے دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک سو اونٹ انعام ملے گا۔ اس گراں قدر انعام کے لالچ میں بہت سے لالچی لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش شروع کر دی۔ اور کچھ لوگ تو منزلوں دور تک تعاقب میں گئے۔

اُمِّ معبد کی بکری

دوسرے روز مقام قدید میں ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کے مکان پر آپ کا گزر ہوا۔ ام معبد ایک ضعیفہ عورت تھی جو اپنے خیمہ کے صحن میں بیٹھی رہا کرتی تھی۔ اور مسافروں کو کھانا پانی دیا کرتی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے کچھ کھانا خریدنے کا قصد کیا۔ مگر اس کے پاس کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اس کے خیمہ کے ایک جانب ایک بہت ہی لاغر بکری ہے۔ دریافت فرمایا کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ ام معبد نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اس کا دودھ دوہ لوں۔ ام معبد نے اجازت دے دی اور آپ نے "بسم اللہ" پڑھ کر جو اس کے تھن کو ہاتھ لگایا تو اس کا تھن دودھ سے بھر گیا۔ اور اتنا دودھ نکلا کہ سب لوگ سیراب ہو گئے اور ام معبد کے تمام برتن دودھ سے بھر گئے۔ یہ معجزہ دیکھ کر ام معبد اور ان کے خاوند دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۱)

روایت ہے کہ ام معبد کی یہ بکری ۱۸ھ تک زندہ رہی۔ اور برابر دودھ دیتی رہی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب "عام الرمادہ" کا سخت قحط پڑا کہ تمام جانوروں کے تھنوں کا دودھ خشک ہو گیا۔ اس وقت بھی یہ بکری صبح و شام برابر دودھ دیتی رہی۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۴۶)

سراقہ کا گھوڑا

جب ام معبد کے گھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے روانہ ہوئے تو مکہ کا ایک مشہور شہسوار سراقہ بن مالک بن جعشم تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر تعاقب کرتا نظر آیا۔ قریب پہنچ کر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر

اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ مگر سو اونٹوں کا انعام کوئی معمولی چیز نہ تھی۔ انعام کے لالچ نے اُسے دوبارہ اُبھارا اور وہ حملہ کی نیت سے آگے بڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے پتھریلی زمین میں اس کے گھوڑے کا پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ یہ معجزہ دیکھ کر خوف و دہشت سے کانپنے لگا۔ اور امان امان پکارنے لگا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل رحم و کرم کا سمندر تھا۔ سراقہ کی لاچاری اور گریہ زاری پر آپ کا دریائے رحمت جوش میں آگیا۔ دعا فرما دی تو زمین نے اس کے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد سراقہ نے عرض کیا کہ مجھ کو امن کا پروانہ لکھ دیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے سراقہ کے لیے امن کی تحریر لکھ دی۔ سراقہ نے اس تحریر کو اپنے ترکش میں رکھ لیا۔ اور واپس لوٹ گیا۔ راستہ میں جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کرتا تو سراقہ اس کو یہ کہہ کر لوٹا دیتے کہ میں نے بڑی دور تک بہت زیادہ تلاش کیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف نہیں ہیں۔ واپس لوٹتے ہوئے سراقہ نے کچھ سامان سفر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور نذرانہ کے پیش کیا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا۔

(بخاری باب ہجرۃ النبی ج ۱ ص ۵۵۴ و زرقانی ج ۱ ص ۳۴۶ و مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۲)

سراقہ اس وقت تو مسلمان نہیں ہوئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ نبوت اور اسلام کی صداقت کا سکہ ان کے دل پر بیٹھ گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ اور جنگِ طائف و حنین سے فارغ ہو کر "جعرانہ" میں پڑاؤ کیا۔ تو سراقہ اسی پروانہ امن کو لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو گئے۔ اور اپنے قبیلہ کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۵ و مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۲)

واضح رہے کہ یہ وہی سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علم غیب سے غیب کی خبر دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اے سراقہ! تیرا کیا حال ہو گا جب تجھ کو ملک فارس کے بادشاہ کسریٰ کے دونوں کنگن پہنائے

جائیں گے؟ اس ارشاد کے برسوں بعد جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایران فتح ہوا۔ اور کسریٰ کے کنگن دربارِ خلافت میں لائے گئے تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تصدیق و تحقیق کے لیے وہ کنگن حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو پہنا دیے اور فرمایا کہ اے سراقہ! یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد ہے جس نے ان کنگنوں کو بادشاہ فارس کسریٰ سے چھین کر سراقہ بدوی کو پہنا دیا۔ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے ۲۴ھ میں وفات پائی جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تخت خلافت پر رونق افروز تھے۔

(زرقانی علی المواہب ج ا صـ۲۳۶ و صـ۲۴۸)

بریدہ اسلمی کا جھنڈا

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو "بریدہ اسلمی" قبیلۂ بنی سہم کے ستر سواروں کو ساتھ لے کر اس لالچ میں آپ کی گرفتاری کے لیے آئے کہ قریش سے ایک سو اونٹ انعام مل جائے گا۔ مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے اور پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں۔ اور خدا کا رسول ہوں۔ جمال و جلال نبوت کا ان کے قلب پر ایسا اثر ہوا کہ فوراً ہی کلمہ شہادت پڑھ کر دامنِ اسلام میں آ گئے اور کمال عقیدت سے یہ درخواست پیش کی۔ کہ یا رسول اللہ! میری تمنا ہے کہ مدینہ میں حضور کا داخلہ ایک جھنڈے کے ساتھ ہونا چاہیے یہ کہا اور اپنا عمامہ سر سے اتار کر اپنے نیزہ پر باندھ لیا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علمبردار بن کر مدینہ تک آگے آگے چلتے رہے۔ پھر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ مدینہ میں کہاں اتریں گے تاجدار دو عالم نے ارشاد فرمایا کہ میری اونٹنی خدا کی طرف سے مامور ہے۔ یہ جہاں بیٹھ جائے گی۔ وہی میری قیام گاہ ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ صـ۶۲)

حضرت زبیر کے بیش قیمت کپڑے

اس سفر میں حسن اتفاق سے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

کے بیٹے ہیں۔ یہ ملک شام سے تجارت کا سامان لے کر آرہے تھے۔ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چند نفیس کپڑے بطور نذرانہ کے پیش کیے۔ جن کو تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبول فرما لیے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۳)

شہنشاہ رسالت مدینہ میں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کی خبر چونکہ مدینہ میں پہلے سے پہنچ چکی تھی۔ اور عورتوں بچوں تک کی زبانوں پر آپ کی تشریف آوری کا چرچا تھا۔ اس لیے اہلِ مدینہ آپ کے دیدار کے لیے انتہائی مشتاق و بے قرار تھے۔ روزانہ صبح سے نکل نکل کر شہر کے باہر سراپا انتظار بن کر استقبال کے لیے تیار رہتے تھے اور جب دھوپ تیز ہو جاتی تو حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاتے۔ ایک دن اپنے معمول کے مطابق اہل مدینہ آپ کی راہ دیکھ کر واپس جا چکے تھے کہ ناگہاں ایک یہودی نے اپنے قلعہ سے دیکھا کہ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری مدینہ کے قریب آن پہنچی ہے۔ اس نے بہ آواز بلند پکارا کہ اے مدینہ والو! لو تم جس کا روزانہ انتظار کرتے تھے وہ کاروان رحمت آگیا۔ یہ سن کر تمام انصار بدن پر ہتھیار سجا کر، اور وجد و شادمانی سے بے قرار ہو کر دونوں عالم کے تاجدار کا استقبال کرنے کے لیے اپنے گھروں سے نکل پڑے اور نعرہ تکبیر کی آوازوں سے تمام شہر گونج اٹھا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۳ وغیرہ)

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جہاں آج "مسجد قبا" بنی ہوئی ہے، ۱۲ ربیع الاول کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوئے اور قبیلہ عمرو بن عوف کے خاندان میں حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف فرما ہوئے۔ اہلِ خاندان نے اس فخر و شرف پر کہ دونوں عالم کے میزبان ان کے مہمان بنے اللہ اکبر کا پر جوش نعرہ مارا۔ چاروں طرف سے انصار جوش مسرت میں آتے اور بارگاہ رسالت میں صلاۃ و سلام کا نذرانہ عقیدت پیش کرتے۔ اکثر صحابہ کرام جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے

پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے وہ لوگ بھی اس مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حکم نبوی کے مطابق قریش کی امانتیں واپس لوٹا کر تیسرے دن مکہ سے چل پڑے تھے۔ وہ بھی مدینہ آ گئے اور اسی مکان میں قیام فرمایا۔ اور حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان والے ان تمام مقدس مہمانوں کی مہمان نوازی میں دن رات مصروف رہنے لگے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۳ و بخاری ج ۱ ص ۵۶)

اللہ اکبر! عمرو بن عوف کے خاندان میں حضرت سید الانبیاء و سید الاولیاء اور صالحین صحابہ کے نورانی اجتماع سے ایسا سماں بندھ گیا ہو گا کہ غالباً چاند، سورج، اور ستارے حیرت کے ساتھ اس مجمع کو دیکھ کر زبانِ حال سے کہتے ہوں گے کہ یہ فیصلہ مشکل ہے کہ آج انجمنِ آسمان زیادہ روشن ہے یا حضرت کلثوم بن ہدم کا مکان؟ اور شاید خاندان عمرو بن عوف کا بچہ بچہ جوشِ مسرت سے مسکرا مسکرا کر زبانِ حال سے یہ نغمہ گاتا ہو گا کہ ؎

ان کے قدم پہ میں نثار، جن کے قدوم ناز نے
اُجڑے ہوئے دیار کو رشک چمن بنا دیا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی آپ پڑھ چکے۔ اب ہم آپ کی "مدنی زندگی" پر سلسلہ وار واقعات تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ آپ بھی اس کے مطالعہ سے آنکھوں میں نور، اور دل میں سرور کی دولت حاصل کریں۔

عبد المصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ
۲۸ شعبان ۱۳۹۵ھ
گھوسی (بحالت علالت)

حضور تاجدارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم

کی

مدنی زندگی

تعالیٰ اللہ ذاتِ مصطفٰے کا حسن لاثانی

کہ یکجا جمع ہیں جس میں تمام اوصاف امکانی

دعائے یونسی، خلق خلیلی، صبر ایوبی

جلال موسوی، زہدِ مسیحی، حسن کنعانی

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

چھٹا باب

ہجرت کا پہلا سال

سنہ ۱ھ

مسجد قُبَاء "قبا" میں سب سے پہلا کام ایک مسجد کی تعمیر تھی۔ اس مقصد کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کی ایک زمین کو پسند فرمایا جہاں خاندانِ عمرو بن عوف کی کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ اسی جگہ آپ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ یہی وہ مسجد ہے جو آج بھی "مسجد قباء" کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس کی شان میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۚ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ (توبہ)

یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیزگاری پر رکھی ہوئی ہے۔ وہ اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جن کو پاکی بہت پسند ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

اس مبارک مسجد کی تعمیر میں صحابہ کرام کے ساتھ ساتھ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہ نفس نفیس اپنے دست مبارک سے اتنے بڑے بڑے پتھر اٹھاتے تھے کہ ان کے بوجھ سے جسم نازک خم ہو جاتا تھا۔ اور اگر آپ کے جاں نثار اصحاب میں سے کوئی عرض کرتا کہ یا رسول اللہ! آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہو جائیں۔ آپ چھوڑ دیجیے۔ ہم اٹھائیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دلجوئی کے لیے چھوڑ دیتے مگر پھر اسی

وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔ اور خود ہی اس کو لا کر عمارت میں لگاتے اور تعمیری کام میں جوش و ولولہ پیدا کرنے کے لیے صحابہ کرام کے ساتھ آواز ملا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے کہ

اَفْلَحَ مَنْ یُّعَالِجُ الْمَسْجِدَا	وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے
وَیَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قَائِمًا وَّ قَاعِدًا	اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے اور
وَلَا یَبِیْتُ اللَّیْلَ عَنْہُ رَاقِدًا	سوتے ہوئے رات نہیں گزارتا۔

(وفاء الوفاء ج ۱ صفحہ ۱۸۰)

مسجد الجمعہ چودہ یا چوبیس روز کے قیام میں مسجد قباء کی تعمیر فرما کر جمعہ کے دن آپ "قباء" سے شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں قبیلہ بنی سالم کی مسجد میں پہلا جمعہ آپ نے پڑھا یہی وہ مسجد ہے جو آج تک "مسجد الجمعہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اہل شہر کو خبر ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جذباتِ شوق میں مشتاقانہ استقبال کے لیے دوڑ پڑے۔ آپ کے دادا عبدالمطلب کے ننھیالی رشتہ دار "بنو النجار" ہتھیار لگائے "قباء" سے شہر تک دو رویہ صفیں باندھے مستانہ وار چل رہے تھے۔ آپ راستہ میں تمام قبائل کی محبت کا شکریہ ادا کرتے، اور سب کو خیر و برکت کی دعائیں دیتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ شہر قریب آ گیا تو اہل مدینہ کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئیں۔ اور یہ استقبالیہ اشعار پڑھنے لگیں کہ ؎

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا	مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا	مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ

ہم پر چاند طلوع ہو گیا وداع کی گھاٹیوں سے، ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک اللہ سے دعا مانگنے والے دعا مانگتے رہیں۔

اَیُّھَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا	جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ
اَنْتَ شَرَّفْتَ الْمَدِیْنَہ	مَرْحَبًا یَا خَیْرَ دَاعٍ

اے وہ ذات گرامی! جو ہمارے اندر مبعوث کیے گئے، آپ وہ دین لائے جو اطاعت کے قابل ہے آپ نے مدینہ کو مشرف فرما دیا، تو آپ کے لیے "خوش آمدید" ہے۔ اے بہترین دعوت دینے والے۔

فَلَبِسْنَا ثَوْبَ یَمَنٍ بَعْدَ تَلْفِیْقِ الرِّقَاعِ
فَعَلَیْكَ اللّٰهُ صَلّٰی مَا سَعٰی لِلّٰهِ سَاعٍ

تو ہم لوگوں نے یمنی کپڑے پہنے، حالانکہ اس سے پہلے پیوند جوڑ جوڑ کر کپڑے پہنا کرتے تھے۔ تو آپ پر اللہ تعالیٰ اُس وقت تک رحمتیں نازل فرمائے، جب تک اللہ کے لیے کوشش کرنے والے کوشش کرتے رہیں۔

مدینہ کی ننھی ننھی بچیاں جوشِ مسرت میں جھوم جھوم کر اور دف بجا بجا کر یہ گیت گاتی تھیں کہ ؎

نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِی النَّجَّارِ
یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِّنْ جَارٍ

ہم خاندان "بنو النجار" کی بچیاں ہیں، واہ کیا ہی خوب ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہو گئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچیوں کے جوش مسرت اور ان کی والہانہ محبت سے متاثر ہو کر پوچھا کہ اے بچیو! کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ تو بچیوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ "جی ہاں، جی ہاں" یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ "میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں"

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۵۹ و ۳۶۰)

چھوٹے چھوٹے لڑکے اور غلام جھنڈ کے جھنڈ مارے خوشی کے مدینہ کی گلیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کا نعرہ لگاتے ہوئے دوڑتے پھرتے تھے، صحابی رسول براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو فرحت و سرور، اور انوار و تجلیات حضور سرور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے کے دن ظاہر ہوئے نہ اس سے پہلے کبھی ظاہر ہوئے تھے نہ اس کے بعد۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۵)

ابوایوب انصاری کا مکان

تمام قبائل انصار جو راستہ میں تھے انتہائی جوش مسرت کے ساتھ اونٹنی کی مہار تھام کر عرض کرتے کہ یا رسول اللہ! آپ ہمارے گھروں کو شرفِ نزول بخشیں۔ مگر آپ ان سب محبین سے یہی فرماتے کہ میری اونٹنی کی مہار چھوڑ دو۔ جس جگہ خدا کو منظور ہوگا اسی جگہ میری اونٹنی بیٹھ جائے گی۔ چنانچہ جس جگہ آج مسجد نبوی شریف ہے۔ اس کے پاس حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان تھا۔ اسی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ آپ کی اجازت سے آپ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر میں لے گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کے مکان پر قیام فرمایا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اوپر کی منزل پیش کی۔ مگر آپ نے ملاقاتیوں کی آسانی کا لحاظ فرماتے ہوئے نیچے کی منزل کو پسند فرمایا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ دونوں وقت آپ کے لیے کھانا بھیجتے اور آپ کا بچا ہوا کھانا تبرک سمجھ کر میاں بیوی کھاتے۔ کھانے میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوتا حصولِ برکت کے لیے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی جگہ سے لقمہ اٹھاتے۔ اور اپنے ہر قول و فعل سے بے پناہ ادب و احترام، اور عقیدت و جاں نثاری کا مظاہرہ کرتے۔ ایک مرتبہ مکان کے اوپر کی منزل پر پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا۔ تو اس اندیشہ سے کہ کہیں پانی بہہ کر نیچے کی منزل میں نہ چلا جائے۔ اور حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ تکلیف نہ ہو جائے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے سارا پانی اپنے لحاف میں خشک کرلیا۔ گھر میں یہی ایک لحاف تھا جو گیلا ہو گیا۔ رات بھر میاں بیوی نے سردی کھائی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرہ برابر تکلیف پہنچ جائے۔ یہ گوارا نہیں کیا سات مہینے تک۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اسی شان کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل کیا جب مسجد نبوی اور اس کے آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان حجروں میں

اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۵۷ وغیرہ)

ہجرت کا پہلا سال قسم قسم کے بہت سے واقعات کو اپنے دامن میں لیے ہے مگر ان میں سے چند بڑے بڑے واقعات کو نہایت اختصار کے ساتھ ہم تحریر کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مدینہ میں یہودیوں کے سب سے بڑے عالم تھے، خود ان کا اپنا بیان ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لائے۔ اور لوگ جوق در جوق ان کی زیارت کے لیے ہر طرف سے آنے لگے تو میں بھی اسی وقت خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور جونہی میری نظر جمال نبوت پر پڑی۔ تو پہلی نظر میں میرے دل نے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔"

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعظ میں یہ ارشاد فرمایا کہ۔

اَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔	اے لوگو! اسلام کا چرچا کرو۔ اور کھانا کھلاؤ اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ اور راتوں کو جب لوگ سو رہے ہوں تو تم نماز پڑھو۔

حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نظر دیکھا اور آپ کے یہ چار بول میرے کان میں پڑے تو میں اس قدر متاثر ہو گیا کہ میرے دل کی دنیا ہی بدل گئی اور میں مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا دامن اسلام میں آجانا۔ یہ اتنا اہم واقعہ تھا کہ مدینہ کے یہودیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۶ و بخاری وغیرہ)

حضور کے اہل و عیال مدینہ میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ ابھی حضرت ابو ایوب انصاری

رضی اللہ عنہ کے مکان ہی میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہما کو پانچ سو درہم، اور دو اونٹ دے کر مکہ بھیجا تاکہ یہ دونوں صاحبان اپنے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال کو مدینہ لائیں۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات جاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما اور آپ کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت بی بی سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسامہ بن زید اور حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہما کو مدینہ لے آئے۔ آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نہ آسکیں۔ کیونکہ ان کے شوہر حضرت ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہ نے ان کو مکہ میں روک لیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ "حبشہ" میں تھیں۔ انہی لوگوں کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے سب گھر والوں کو ساتھ لے کر مکہ سے مدینہ آگئے ان میں حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ سب لوگ مدینہ آکر پہلے حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکان پر ٹھہرے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۷)

مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں مسلمان باجماعت نماز پڑھ سکیں۔ اس لیے مسجد کی تعمیر نہایت ضروری تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ کے قریب ہی "بنوالنجار" کا ایک باغ تھا۔ آپ نے مسجد تعمیر کرنے کے لیے اس باغ کو قیمت دے کر خریدنا چاہا۔ ان لوگوں نے یہ کہہ کر دو یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم خدا ہی سے اس کی قیمت (اجر و ثواب) لیں گے مفت میں زمین مسجد کی تعمیر کے لیے پیش کر دی۔ لیکن چونکہ یہ زمین اصل میں دو یتیموں کی تھی آپ نے ان دونوں یتیم بچوں کو بلا بھیجا۔ ان یتیم بچوں نے بھی زمین مسجد کے لیے نذر کرنی چاہی۔ مگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے آپ نے اس کی قیمت ادا فرما دی (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۸)

اس زمین میں چند درخت، کچھ کھنڈرات، اور کچھ مشرکوں کی قبریں تھیں۔ آپ نے درختوں کے کاٹنے اور مشرکین کی قبروں کو کھود کر پھینک دینے کا حکم دیا۔ پھر زمین کو ہموار کر کے خود

آپ نے اپنے دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی۔ اور کچی اینٹوں کی دیوار، اور کھجور کے ستونوں پر کھجور کی پتیوں سے چھت بنائی جو بارش میں ٹپکتی تھی۔ اس مسجد کی تعمیر میں صحابہ کرام کے ساتھ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور صحابہ کرام کو جوش دلانے کے لیے ان کے ساتھ آواز ملا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم رجز کا یہ شعر پڑھتے تھے کہ ؎

اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃ

فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ (بخاری ج ۱ ص ۶۱)

اے اللہ! بھلائی تو صرف آخرت ہی کی بھلائی ہے۔ لہٰذا اے اللہ! تو انصار و مہاجرین کو بخش دے اسی مسجد کا نام "مسجد نبوی" ہے۔ یہ مسجد ہر قسم کے دنیاوی تکلفات سے پاک اور اسلام کی سادگی کی سچی اور صحیح تصویر تھی، اس مسجد کی عمارت اول طول و عرض میں ساٹھ گز لمبی اور چوّن گز چوڑی تھی۔ اور اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف بنایا گیا تھا مگر جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو مسجد کے شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کیا گیا۔ اس کے بعد مختلف زمانوں میں مسجد نبوی کی تجدید و توسیع ہوتی رہی۔

مسجد کے ایک کنارے پر ایک چبوترہ تھا جس پر کھجور کی پتیوں سے چھت بنا دی گئی تھی۔ اسی چبوترہ کا نام "صفہ" ہے جو صحابہ گھر بار نہیں رکھتے تھے وہ اسی چبوترہ پر سوتے بیٹھتے تھے اور یہی لوگ "اصحاب صفہ" کہلاتے ہیں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۹ و بخاری)

ازواج مطہرات کے مکانات

مسجد نبوی کے متصل ہی آپ نے ازواج مطہرات کے لیے حجرے بھی بنوائے اس وقت تک حضرت بی بی سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نکاح میں تھیں اس لیے دو ہی مکان بنوائے جب دوسری ازواج مطہرات آتی گئیں تو دوسرے مکانات بنتے گئے۔ یہ مکانات بھی بہت ہی سادگی کے ساتھ بنائے گئے تھے۔ دس دس ہاتھ لمبے چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے کچی اینٹوں کی دیواریں، کھجور کی پتیوں کی چھت۔ وہ بھی اتنی نیچی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا، دروازوں میں کواڑ بھی نہ تھے کمبل یا ٹاٹ

کے پردے پڑے رہتے تھے۔ (طبقات ابن سعد وغیرہ)

اللہ اکبر! یہ ہے شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ کاشانۂ نبوت، جس کی آستانہ بوسی اور دربانی جبرئیل علیہ السلام کے لیے سرمایۂ سعادت اور باعثِ افتخار تھی۔

اللہ، اللہ، وہ شہنشاہ کونین جس کو خالقِ کائنات نے اپنا مہمان بنا کر عرشِ اعظم پر مسند نشین بنایا اور جس کے سر پر اپنی محبوبیت کا تاج پہنا کر زمین کے خزانوں کی کنجیاں جس کے ہاتھوں میں عطا فرما دیں اور جس کو کائناتِ عالم میں قسم قسم کے تصرفات کا مختار بنا دیا۔ جس کے زبان کا ہر فرمان کُن کی کنجی۔ جس کی نگاہ کرم کے ایک اشارہ نے ان لوگوں کو جنکے ہاتھوں میں اونٹوں کی مہار رہتی تھی۔ انہیں اقوام عالم کی قسمت کی لگام عطا فرما دی۔ اللہ اکبر! وہ تاجدارِ رسالت جو سلطانِ دارین، اور شہنشاہ کونین ہے اس کی حرم سرا کا یہ عالم؟ اے سورج! بول۔ اے چاند! بتا۔ تم دونوں نے اس زمین کے بے شمار چکر لگائے ہیں مگر کیا تمہاری آنکھوں نے ایسی سادگی کا کوئی منظر کبھی بھی۔ اور کہیں بھی دیکھا ہے؟

مہاجرین کے گھر

مہاجرین جو اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے۔ ان لوگوں کی سکونت کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے قرب و جوار ہی میں انتظام فرمایا۔ انصار نے بہت بڑی قربانی دی کہ نہایت فراخ دلی کے ساتھ اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے اپنے مکانات اور زمینیں دیں اور مکانوں کی تعمیرات میں ہر قسم کی امداد بہم پہنچائی۔ جس سے مہاجرین کی آبادکاری میں بڑی سہولت ہو گئی۔

سب سے پہلے جس انصاری نے اپنا مکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور ہبہ کے نذر کیا۔ اس خوش نصیب کا نام نامی حضرت حارثہ بن نعمان ہے، چنانچہ ازواج مطہرات کے مکانات حضرت حارثہ بن نعمان ہی کی زمین میں بنائے گئے (رضی اللہ عنہ)

حضرت عائشہ کی رخصتی

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح تو ہجرت سے قبل ہی مکہ میں

ہو چکا تھا۔ مگر ان کی رخصتی ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ میں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ دودھ سے لوگوں کی دعوتِ ولیمہ فرمائی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص۷۰)

اذان کی ابتداء

مسجد نبوی کی تعمیر تو مکمل ہو گئی۔ مگر لوگوں کو نمازوں کے وقت جمع کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ جس سے نماز باجماعت کا انتظام ہوتا۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ بعض نے نمازوں کے وقت آگ جلانے کا مشورہ دیا۔ بعض نے ناقوس بجانے کی رائے دی مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کے ان طریقوں کو پسند نہیں فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی۔ کہ ہر نماز کے وقت کسی آدمی کو بھیج دیا جائے جو پوری مسلم آبادی میں نماز کا اعلان کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ نمازوں کے وقت لوگوں کو پکار دیا کریں۔ چنانچہ وہ "الصلوٰۃ جامعۃ" کہہ کر پانچوں نمازوں کے وقت اعلان کرتے تھے۔ اسی درمیان میں ایک صحابی حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ اذانِ شرعی کے الفاظ کوئی سنا رہا ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کو بھی اسی قسم کے خواب نظر آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منجانب اللہ سمجھ کر قبول فرمایا۔ اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم بلال کو اذان کے کلمات سکھا دو۔ کیونکہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں۔ چنانچہ اسی دن سے شرعی اذان کا طریقہ جو آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا شروع ہو گیا۔ (زرقانی ج ۱ ص۳۷۶ و بخاری)

انصار و مہاجر بھائی بھائی

حضرات مہاجرین چونکہ انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں بالکل خالی ہاتھ اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر مدینہ آئے تھے اس لیے پردیس میں مفلسی کے ساتھ وحشت و بیگانگی اور اپنے اہل و عیال کی جدائی کا صدمہ محسوس کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ انصار نے ان مہاجرین کی مہمان نوازی اور دل جوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ لیکن مہاجرین دیر

تک دوسروں کے سہارے زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے، کیونکہ وہ لوگ ہمیشہ سے اپنے دست و بازو کی کمائی کھانے کے خوگر تھے، اس لیے ضرورت تھی کہ مہاجرین کی پریشانی کو دور کرنے اور ان کے لیے مستقل ذریعۂ معاش مہیا کرنے کے لیے کوئی انتظام کیا جائے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار و مہاجرین میں رشتۂ اخوت (بھائی چارہ) قائم کرکے ان کو بھائی بھائی بنا دیا جائے تاکہ مہاجرین کے دلوں سے اپنی تنہائی اور بے کسی کا احساس دور ہو جائے اور ایک دوسرے کے مددگار بن جانے سے مہاجرین کے ذریعۂ معاش کا مسئلہ بھی حل ہو جائے۔ چنانچہ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان میں انصار و مہاجرین کو جمع فرمایا۔ اس وقت تک مہاجرین کی تعداد پینتالیس یا پچاس تھی۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے انصار کو مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں۔ پھر مہاجرین و انصار میں سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے۔ کہ یہ "اور تم بھائی بھائی ہو" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرماتے ہی یہ رشتۂ اخوت بالکل حقیقی بھائی جیسا رشتہ بن گیا۔ چنانچہ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جاکر اپنے گھر کی ایک ایک چیز سامنے لاکر رکھ دی اور کہہ دیا کہ آپ ہمارے بھائی ہیں۔ اس لیے ان سب سامانوں میں آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔ حد ہو گئی کہ حضرت سعد بن ربیع انصاری جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مہاجر کے بھائی قرار پائے تھے۔ ان کی دو بیویاں تھیں۔ حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میری ایک بیوی جسے آپ پسند کریں، میں اس کو طلاق دے دوں۔ اور آپ اُس سے نکاح کرلیں۔

اللہ اکبر! اس میں شک نہیں کہ انصار کا یہ ایثار ایک ایسا بے مثال شاہکار ہے کہ اقوام عالم کی تاریخ میں اس کی مثال مشکل سے ہی ملے گی۔ مگر مہاجرین نے کیا طرز عمل اختیار کیا یہ بھی ایک قابل تقلید تاریخی کارنامہ ہے۔ حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کی اس مخلصانہ پیش کش کو سُن کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے

شکریہ کے ساتھ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ یہ سب مال و متاع اور اہل و عیال آپ کو مبارک فرمائے مجھے تو آپ صرف بازار کا راستہ بتا دیجیے۔ انہوں نے مدینہ کے مشہور بازار "قینقاع" کا راستہ بتا دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بازار گئے اور کچھ گھی، کچھ پنیر خرید کر شام تک بیچتے رہے۔ اسی طرح روزانہ وہ بازار جاتے رہے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ کافی مالدار ہو گئے۔ اور ان کے پاس اتنا سرمایہ جمع ہو گیا کہ انہوں نے شادی کر کے اپنا گھر بسا لیا۔ جب یہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے بیوی کو کتنا مہر دیا؟ عرض کیا کہ پانچ درہم برابر سونا۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں برکتیں عطا فرمائے۔ تم دعوتِ ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی ہو۔

(بخاری باب الولیمۃ ولو بشاۃ ص۷۷۷ ج ۲)

اور رفتہ رفتہ تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تجارت میں اتنی خیر و برکت اور ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول ہے کہ "میں مٹی کو چھو دیتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے" منقول ہے کہ ان کا سامان تجارت سات سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا۔ اور جس دن مدینہ میں ان کا تجارتی سامان پہنچتا تھا تو تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔ (اسد الغابہ ج ۳ ص۳۱۴)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی طرح دوسرے مہاجرین نے بھی دکانیں کھول لیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ "قینقاع" کے بازار میں کھجوروں کی تجارت کرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے۔ دوسرے مہاجرین نے بھی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی۔ غرض باوجودیکہ مہاجرین کے لیے انصار کا گھر مستقل مہمان خانہ تھا۔ مگر مہاجرین زیادہ دنوں تک انصار پر بوجھ نہیں بنے بلکہ اپنی محنت اور بے پناہ کوششوں سے بہت جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

مشہور مورخ اسلام حضرت علامہ ابن عبدالبر علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ یہ عقدِ مواخاۃ (بھائی چارہ کا معاہدہ) تو انصار و مہاجرین کے درمیان ہوا۔ اس کے علاوہ ایک خاص "عقدِ مواخاۃ" مہاجرین کے درمیان بھی ہوا۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک مہاجر کو دوسرے مہاجر کا بھائی بنا دیا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما، اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما، اور حضرت عثمان و حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان جب بھائی چارہ ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے اپنے صحابہ کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ لیکن مجھے آپ نے کسی کا بھائی نہیں بنایا۔ آخر میرا بھائی کون ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ یعنی تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۷۱)

یہودیوں سے معاہدہ

مدینہ میں انصار کے علاوہ بہت سے یہودی بھی آباد تھے۔ ان یہودیوں کے تین قبیلے بنو قینقاع۔ بنو نضیر قریظہ۔ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے اور نہایت مضبوط محلات اور مستحکم قلعے بنا کر رہتے تھے۔ ہجرت سے پہلے یہودیوں اور انصار میں ہمیشہ اختلاف رہتا تھا۔ اور وہ اختلاف اب بھی موجود تھا۔ اور انصار کے دونوں قبیلے اوس و خزرج بہت کمزور ہو چکے تھے۔ کیونکہ مشہور لڑائی "جنگ بعاث" میں ان دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے سردار اور نامور بہادر آپس میں لڑ لڑ کر قتل ہو چکے تھے اور یہودی ہمیشہ اس قسم کی تدبیروں اور شرارتوں میں لگے رہتے تھے کہ انصار کے یہ دونوں قبائل ہمیشہ ٹکراتے رہیں۔ اور کبھی بھی متحد نہ ہونے پائیں۔ ان وجوہات کی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں اور مسلمانوں کے آئندہ تعلقات کے بارے میں ایک معاہدہ کی ضرورت محسوس فرمائی۔ تاکہ دونوں فریق امن و سکون کے ساتھ رہیں۔ اور آپس میں کوئی تصادم اور ٹکراؤ نہ ہونے پائے۔ چنانچہ آپ نے انصار اور یہود کو بلا کر معاہدہ کی ایک دستاویز لکھوائی جس پر دونوں فریقوں کے دستخط ہو گئے۔

اس معاہدہ کی دفعات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ خون بہا (جان کے بدلے جو مال دیا جاتا ہے) اور فدیہ (قیدی کو چھڑانے کے بدلے جو رقم دی جاتی ہے) کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا اب بھی وہ قائم رہے گا۔

۲۔ یہودیوں کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی۔ ان کے مذہبی رسوم میں کوئی دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔

۳۔ یہودی اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

۴۔ یہودی یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

۵۔ اگر مدینہ پر کوئی حملہ ہو گا تو دونوں فریق مل کر حملہ آور کا مقابلہ کریں گے۔

۶۔ کوئی فریق قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دے گا۔

۷۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا فریق بھی اس مصالحت میں شامل ہو گا۔ لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ رہے گی۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۰۱ تا ۵۰۲)

مدینہ کے لیے دعا

چونکہ مدینہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی۔ یہاں طرح طرح کی وبائیں اور بیماریاں پھیلتی رہتی تھیں۔ اس لیے کثرت سے مہاجرین بیمار ہونے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ شدید لرزہ بخار میں مبتلا ہو کر بیمار ہو گئے۔ اور بخار کی شدت میں یہ حضرات اپنے وطن مکہ کو یاد کر کے کفار مکہ پر لعنت بھیجتے تھے۔ اور مکہ کی پہاڑیوں اور گھاسوں کے فراق میں اشعار پڑھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر یہ دعا فرمائی۔ کہ یا اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کی ایسی ہی محبت ڈال دے جیسی مکہ کی محبت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور مدینہ کی آب و ہوا کو صحت بخش بنا دے اور مدینہ کے صاع اور مُد (ناپ تول کے برتنوں) میں خیر و برکت عطا فرما اور مدینہ کے بخار کو "جحفہ" کی طرف منتقل فرما دے۔ (مدارج جلد ۲ ص ۷۰ و بخاری)

حضرت سلمان فارسی مسلمان ہو گئے

۱ ھ کے واقعات میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بہت اہم ہے۔ یہ فارس کے رہنے والے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد

بلکہ ان کے ملک کی پوری آبادی مجوسی (آتش پرست) تھی۔ یہ اپنے آبائی دین سے بیزار ہو کر دینِ حق کی تلاش میں اپنے وطن سے نکلے۔ مگر ڈاکوؤں نے ان کو گرفتار کر کے اپنا غلام بنا لیا۔ پھر ان کو بیچ ڈالا۔ چنانچہ یہ کئی بار بکتے رہے اور مختلف لوگوں کی غلامی میں رہے۔ اسی طرح یہ مدینہ پہنچے۔ کچھ دنوں تک عیسائی بن کر رہے اور یہودیوں سے بھی میل جول رکھتے رہے۔ اس طرح ان کو توریت و انجیل کی کافی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو پہلے دن تازہ کھجوروں کا ایک طباق خدمت اقدس میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ یہ "صدقہ" ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو ہمارے سامنے سے اٹھا کر فقراء و مساکین کو دے دو۔ کیونکہ میں صدقہ نہیں کھاتا۔ پھر دوسرے دن کھجوروں کا خوان لے کر پہنچے۔ اور یہ کہہ کر کہ یہ "ہدیہ ہے" سامنے رکھ دیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہاتھ بڑھانے کا اشارہ فرمایا اور خود بھی کھا لیا۔ اس درمیان میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان جو نظر ڈالی تو "مہر نبوت" کو دیکھ لیا۔ چونکہ یہ توراۃ و انجیل میں نبی آخر الزماں کی نشانیاں پڑھ چکے تھے اس لیے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔ (مدارج جلد ۲ صفحہ ۷۱ وغیرہ)

نمازوں کی رکعتوں میں اضافہ

اب تک فرض نمازوں میں صرف دو ہی رکعتیں تھیں۔ مگر ہجرت کے سال اول ہی میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ظہر و عصر و عشاء میں چار چار رکعتیں فرض ہو گئیں۔ لیکن سفر کی حالت میں اب بھی وہی دو رکعتیں قائم رہیں۔ اسی کو سفر کی حالت میں نمازوں میں "قصر" کہتے ہیں۔ (مدارج جلد ۲ صفحہ ۷۱)

تین جاں نثاروں کی وفات

اس سال حضرات صحابہ کرام میں سے تین نہایت ہی شاندار اور جاں نثار حضرات نے وفات پائی۔ جو درحقیقت اسلام کے سچے جاں نثار، اور بہت ہی بڑے معین و مددگار تھے۔

اوّل۔ حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ وہ خوش نصیب مدینہ کے رہنے والے انصاری ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر "قبا" میں تشریف لائے تو سب سے پہلے انہی کے مکان کو شرفِ نزول بخشا۔ اور بڑے بڑے مہاجرین صحابہ بھی انہی کے مکان میں ٹھہرے تھے، اور انہوں نے دونوں عالم کے میزبان کو اپنے گھر میں مہمان بنا کر ایسی میزبانی اور مہمان نوازی کی کہ قیامت تک تاریخ رسالت کے صفحات پر ان کا نام نامی ستاروں کی طرح چمکتا رہے گا۔

دوم۔ حضرت براء بن معرور انصاری رضی اللہ عنہ یہ وہ شخص ہیں کہ "بیعت عقبہ ثانیہ" میں سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور یہ اپنے قبیلہ "خزرج" کے نقیبوں میں تھے۔

سوم۔ حضرت اسعد بن زرارہ انصاری رضی اللہ عنہ یہ بیعتِ عقبہ اولیٰ اور بیعتِ عقبہ ثانیہ کی دونوں بیعتوں میں شامل رہے، اور یہ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مدینہ میں اسلام کا ڈنکا بجایا۔ اور ہر گھر میں اسلام کا پیغام پہنچایا۔

جب مذکورہ بالا تینوں معززین صحابہ نے وفات پائی تو منافقین اور یہودیوں نے اس کی خوشی منائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنہ دینا شروع کیا کہ اگر یہ پیغمبر ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو یہ صدمات کیوں پہنچاتا؟ خدا کی شان کہ ٹھیک اسی زمانے میں کفار کے دو بہت ہی بڑے بڑے سردار بھی مر کر مردار ہو گئے۔ ایک "عاص بن وائل سہمی" جو حضرت عمرو بن العاص صحابی رضی اللہ عنہ فاتح مصر کا باپ تھا۔ دوسرا "ولید بن مغیرہ" جو حضرت خالد سیف اللہ صحابی رضی اللہ عنہ کا باپ تھا۔

روایت ہے کہ "ولید بن مغیرہ" جان کنی کے وقت بہت زیادہ بے چین ہو کر تڑپنے اور بے قرار ہو کر رونے لگا اور فریاد کرنے لگا۔ تو ابوجہل نے پوچھا کہ چچا جان! آخر آپ کی بے قراری اور اس گریہ وزاری کی کیا وجہ ہے؟ تو "ولید بن مغیرہ" بولا کہ میرے بھتیجے! میں اس لیے اتنی بے قراری سے رو رہا ہوں کہ مجھے اب یہ ڈر ہے کہ میرے بعد مکہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین پھیل جائے گا۔ یہ سن کر ابوسفیان نے تسلی دی اور کہا کہ

چچا! آپ ہرگز ہرگز اس کا غم نہ کریں میں ضامن ہوتا ہوں کہ میں دینِ اسلام کو مکہ میں نہیں پھیلنے دوں گا۔ چنانچہ ابوسفیان اپنے اس عہد پر اس طرح قائم رہے کہ مکہ فتح ہونے تک وہ برابر اسلام کے خلاف جنگ کرتے رہے۔ مگر فتح مکہ کے دن ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا اور پھر ایسے صادق الاسلام بن گئے کہ اسلام کی نصرت و حمایت کے لیے زندگی بھر جہاد کرتے رہے اور انہی جہادوں میں کفار کے تیروں سے ان کی آنکھیں زخمی ہو گئیں۔ اور روشنی جاتی رہی۔ یہی وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہیں جن کے سپوت بیٹے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۳ وغیرہ)

اسی سال ۱ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ ہجرت کے بعد مہاجرین کے یہاں سب سے پہلا بچہ جو پیدا ہوا وہ یہی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی والدہ حضرت بی بی اسما حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ پیدا ہوتے ہی ان کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں بٹھا کر اور کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈال دی۔ اس طرح سب سے پہلی غذا جو ان کے شکم میں پہنچی وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی پیدائش سے مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی۔ اس لیے کہ مدینہ کے یہودی کہا کرتے تھے کہ ہم لوگوں نے مہاجرین پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہی نہیں ہوگا۔

(زرقانی ج ا ص ۳۶۰ و اکمال)

ساتواں باب

ہجرت کا دوسرا سال

۲ ھ

۱ ھ کی طرح ۲ ھ میں بھی بہت سے اہم واقعات وقوع پذیر ہوئے جن میں سے چند بڑے بڑے واقعات یہ ہیں:۔

قبلہ کی تبدیلی جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر ہجرت کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو خداوند تعالیٰ کا یہ حکم ہوا کہ آپ اپنی نمازوں میں "بیت المقدس" کو اپنا قبلہ بنائیں۔ چنانچہ آپ سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ مگر آپ کے دل کی تمنا یہی تھی کہ کعبہ ہی کو قبلہ بنایا جائے۔ چنانچہ آپ اکثر آسمان کی طرف چہرہ اٹھا اٹھا کر اس کے لیے وحی الٰہی کا انتظار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی آرزو پوری فرمانے کے لیے قرآن کی یہ آیت نازل فرما دی کہ۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (بقرہ)	ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا آسمان کی طرف منہ کرنا۔ تو ہم ضرور آپ کو پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں آپ کی خوشی ہے تو ابھی آپ پھیر دیجیے اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف۔

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبیلۂ بنی سلمہ کی مسجد میں نماز ظہر پڑھا رہے تھے کہ حالت نماز ہی میں یہ وحی نازل ہوئی اور نماز ہی میں آپ نے بیت المقدس سے

مڑکر خانہ کعبہ کی طرف اپنا چہرہ کرلیا۔ اور تمام مقتدیوں نے بھی آپ کی پیروی کی۔ اس مسجد کو جہاں یہ واقعہ پیش آیا "مسجد القبلتین" کہتے ہیں۔ اور آج بھی یہ تاریخی مسجد زیارت گاہ خواص و عوام ہے۔ جو شہر مدینہ سے تقریباً دو کیلو میٹر دور جانب شمال مغرب واقع ہے۔

اس قبلہ بدلنے کو "تحویل قبلہ" کہتے ہیں۔ تحویل قبلہ سے یہودیوں کو بڑی سخت تکلیف پہنچی جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے تو یہودی بہت خوش تھے۔ اور فخر کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہمارے ہی قبلہ کی طرف رُخ کر کے عبادت کرتے ہیں۔ مگر جب قبلہ بدل گیا تو یہودی اس قدر برہم اور ناراض ہو گئے کہ وہ یہ طعنہ دینے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چونکہ ہر بات میں ہم لوگوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے محض ہماری مخالفت میں قبلہ بدل دیا ہے۔ اسی طرح منافقین کا گروہ بھی طرح طرح کی نکتہ چینی اور قسم قسم کے اعتراضات کرنے لگا تو ان دونوں گروہوں کی زبان بندی اور دہن دوزی کے لیے خداوند کریم نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ ؕ

(بقرہ)

اب کہیں گے۔ بیوقوف لوگوں میں سے کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر وہ تھے آپ کہہ دیجیے کہ پورب پچھم سب اللہ ہی کا ہے۔ وہ جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے اور (اے محبوب) آپ پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لیے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے؟ اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور بلاشبہ یہ بڑی بھاری بات تھی۔ مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے دی ہے۔ (ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں)۔

پہلی آیت میں یہودیوں کے اعتراض کا جواب دیا گیا کہ خدا کی عبادت میں قبلہ کی کوئی خاص جہت ضروری نہیں ہے۔ اس کی عبادت کے لیے پورب، پچھم، اتر، دکھن، سب جہتیں برابر ہیں اللہ تعالیٰ جس جہت کو چاہے اپنے بندوں کے لیے قبلہ مقرر فرما دے۔ لہٰذا اس پر کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔ دوسری آیت میں منافقین کی زبان بندی کی گئی ہے جو تحویل قبلہ کے بعد ہر طرف یہ پروپیگنڈہ کرنے لگے تھے کہ پیغمبر اسلام تو اپنے دین کے بارے میں خود ہی متردد ہیں، کبھی بیت المقدس کو قبلہ مانتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ کعبہ قبلہ ہے۔ آیت میں تحویل قبلہ کی حکمت بتا دی گئی کہ منافقین جو محض نمائشی مسلمان بن کر نمازیں پڑھا کرتے تھے وہ قبلہ کے بدلتے ہی بدل گئے۔ اور اسلام سے منحرف ہو گئے۔ اس طرح ظاہر ہو گیا کہ کون صادق الایمان ہے؟ اور کون منافق؟ اور کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا ہے؟ اور کون دین سے پھر جانے والا؟ (عام کتب تفسیر و سیرت)

لڑائیوں کا سلسلہ

اب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے صرف یہ حکم تھا کہ دلائل اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہیں۔ اور مسلمانوں کو کفار کی ایذاؤں پر صبر کا حکم تھا۔ اسی لیے کافروں نے مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے مگر مسلمانوں نے انتقام کے لیے کبھی ہتھیار نہیں اٹھایا۔ بلکہ ہمیشہ صبر و تحمل کے ساتھ کفار کی ایذاؤں اور تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے لیکن ہجرت کے بعد جب سارا عرب اور یہودی ان مٹھی بھر مسلمانوں کے جانی دشمن ہو گئے۔ اور ان مسلمانوں کو فنا کے گھاٹ اتار دینے کا عزم کر لیا۔ تو خداوند قدوس نے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ جو لوگ تم سے جنگ کی ابتدا کریں اُن سے تم بھی لڑ سکتے ہو۔

چنانچہ ۱۲ صفر ۲ھ تاریخ اسلام میں وہ یادگار دن ہے جس میں خداوند کردگار نے مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی اجازت دی اور یہ آیت نازل فرمائی کہ۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ

جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ (مسلمان) مظلوم ہیں اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔

حضرت امام محمد بن شہاب زہری علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ جہاد کی اجازت کے بارے میں یہی وہ آیت ہے جو سب سے پہلے نازل ہوئی۔ مگر تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جہاد کے بارے میں سب سے پہلے جو آیت اتری وہ یہ ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ (بقرہ)

خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم لوگوں سے لڑتے ہیں۔

بہر حال ۲ھ میں مسلمانوں کو خداوند تعالیٰ نے کفار سے لڑنے کی اجازت دے دی۔ مگر ابتداء میں یہ اجازت مشروط تھی یعنی صرف انہیں کافروں سے جنگ کرنے کی اجازت تھی جو مسلمانوں پر حملہ کریں۔ مسلمانوں کو ابھی تک اس کی اجازت نہیں ملی تھی کہ وہ جنگ میں اپنی طرف سے پہل کریں لیکن حق واضح ہو جانے اور باطل ظاہر ہو جانے کے بعد چونکہ تبلیغ حق اور احکامِ الٰہی کی نشرواشاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی اس لیے تمام ان کفار سے جو عناد کے طور پر حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے جہاد کا حکم نازل ہو گیا خواہ وہ مسلمانوں سے لڑنے میں پہل کریں یا نہ کریں۔ کیونکہ حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد حق کو قبول کرنے کے لیے مجبور کرنا اور باطل کو جبراً ترک کرانا یہ عین حکمت اور بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح کے لیے انتہائی ضروری تھا۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ ہجرت کے بعد جتنی لڑائیاں بھی ہوئیں اگر پورے ماحول کو گہری نگاہ سے بغور دیکھا جائے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب لڑائیاں کفار کی طرف سے مسلمانوں کے سر پر مسلط کی گئیں اور غریب مسلمان بدرجہ مجبوری تلوار اٹھانے پر مجبور ہوئے۔ مثلاً مندرجہ ذیل چند واقعات پر ذرا تنقیدی نگاہ سے نظر ڈالیے۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر انتہائی بیکسی

کے عالم میں مدینہ چلے آئے تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ کفار مکہ اب اطمینان سے بیٹھ رہتے کہ ان کے دشمن یعنی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ان کے شہر سے نکل گئے۔ مگر ہوا یہ کہ ان کافروں کے غیظ و غضب کا پارہ اتنا چڑھ گیا کہ اب یہ لوگ اہلِ مدینہ کے بھی دشمن جان بن گئے۔ چنانچہ ہجرت کے چند روز بعد کفار مکہ نے رئیس انصار "عبداللہ بن ابی" کے پاس دھمکیوں سے بھرا ہوا ایک خط بھیجا۔ "عبداللہ بن ابی" وہ شخص ہے کہ واقعۂ ہجرت سے پہلے تمام مدینہ والوں نے اس کو اپنا بادشاہ مان کر اس کی تاج پوشی کی تیاری کر لی تھی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد یہ اسکیم ختم ہو گئی۔ چنانچہ اسی غم و غصہ میں عبداللہ بن ابی عمر بھر منافقوں کا سردار بن کر اسلام کی بیخ کنی کرتا رہا اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشوں میں مصروف رہا۔

(بخاری باب التسلیم فی مجلس فیہ اخلاط ج ۲ ص ۹۲۴)

بہر کیف کفار مکہ نے اس دشمنِ اسلام کے نام جو خط لکھا اس کا مضمون یہ ہے کہ:۔

تم نے ہمارے آدمی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر دو۔ یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کر دیں گے اور تمہارے تمام لڑنے والے جوانوں کو قتل کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۶۷ باب فی خبر النضیر)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ کے اس تہدید آمیز اور خوفناک خط کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے عبداللہ بن ابی سے ملاقات فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ "کیا تم اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو قتل کرو گے۔" چونکہ اکثر انصار دامنِ اسلام میں آ چکے تھے اس لیے عبداللہ بن ابی نے اس نکتہ کو سمجھ لیا۔ اور کفار مکہ کے حکم پر عمل نہیں کر سکا۔

۲۔ ٹھیک اسی زمانے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ عمرہ ادا کرنے کے لیے مدینہ سے مکہ گئے۔ اور پرانے تعلقات کی بنا پر "امیہ بن خلف" کے مکان پر قیام کیا۔ جب امیہ ٹھیک دوپہر کے وقت ان کو ساتھ لے کر طواف

کعبہ کے لیے گیا۔ تو اتفاق سے ابوجہل سامنے آگیا۔ اور ڈانٹ کر کہا کہ اے اُمیہ! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ اُمیہ نے کہا کہ یہ مدینہ کے رہنے والے "سعد بن معاذ" ہیں۔ یہ سُن کر ابوجہل نے تڑپ کر کہا کہ تم لوگوں نے بے دھرموں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ) کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔ خدا کی قسم اگر تم اُمیہ کے ساتھ میں نہ ہوتے تو بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی انتہائی جرات اور دلیری کے ساتھ یہ جواب دیا۔ کہ اگر تم لوگوں نے ہم کو کعبہ کی زیارت سے روکا۔ تو ہم تمہاری شام کی تجارت کا راستہ روک دیں گے۔ (بخاری کتاب المغازی ج ۲ ص ۵۶۳)

۳۔ کفار مکہ نے صرف انہی دھمکیوں پر بس نہیں کیا۔ بلکہ وہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے قتل عام کا منصوبہ بنانے لگے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے۔ اور صحابہ کرام آپ کا پہرہ دیا کرتے تھے۔ کفار مکہ نے سارے عرب پر اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے تمام قبائل میں یہ آگ بھڑکا دی تھی کہ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو دنیا سے نیست و نابود کرنا ضروری ہے۔

مذکورہ بالا تینوں وجوہات کی موجودگی میں ہر عاقل کو یہ کہنا ہی پڑے گا کہ ان حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حفاظت خود اختیاری کے لیے کچھ نہ کچھ تدبیر کرنی ضروری ہی تھی۔ تاکہ انصار و مہاجرین اور خود اپنی زندگی کی بقاء اور سلامتی کا سامان ہو جائے۔

چنانچہ کفار مکہ کے خطرناک ارادوں کا علم ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور صحابہ کی حفاظت خود اختیاری کے لیے دو تدبیروں پر عمل درآمد کا فیصلہ فرمایا۔

اوّل۔ یہ کہ کفار مکہ کی شامی تجارت جس پر ان کی زندگی کا دار و مدار ہے۔ اس میں رکاوٹ ڈال دی جائے۔ تاکہ وہ مدینہ پر حملہ کا خیال چھوڑ دیں اور صلح پر مجبور ہو جائیں۔

دوم۔ یہ کہ مدینہ کے اطراف میں جو قبائل آباد ہیں اُن سے امن و امان کا معاہدہ ہو جائے تاکہ کفار مکہ مدینہ پر حملہ کی نیت نہ کر سکیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہی سود تدبیروں کے پیش نظر صحابہ کرام کے چھوٹے چھوٹے لشکروں کو مدینہ کے اطراف میں، بھیجنا شروع کر دیا۔ اور بعض بعض لشکروں کے ساتھ خود بھی تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام کے یہ چھوٹے چھوٹے لشکر کبھی کفارِ مکہ کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لیے جاتے تھے اور کہیں بعض قبائل سے معاہدۂ امن و امان کرنے کے لیے روانہ ہوتے تھے۔ کہیں اس مقصد سے بھی جاتے تھے کہ کفارِ مکہ کی شامی تجارت کا راستہ بند ہو جائے۔ اسی سلسلہ میں کفارِ مکہ اور ان کے حلیفوں سے مسلمانوں کا ٹکراؤ شروع ہوا۔ اور چھوٹی بڑی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ انہی لڑائیوں کو تاریخ اسلام میں "غزوات و سرایا" کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

غزوہ و سریّہ کا فرق

یہاں مصنفین سیرت کی یہ اصطلاح یاد رکھنی ضروری ہے کہ وہ جنگی لشکر جس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے گئے۔ اس کو "غزوہ" کہتے ہیں۔ اور وہ لشکروں کی ٹولیاں جن میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام شامل نہیں ہوئے ان کو "سریّہ" کہتے ہیں۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص۷۳ وغیرہ)

"غزوات" یعنی جن جن لشکروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہوئے ان کی تعداد میں مورخین کا اختلاف ہے۔ "مواہب لدنیہ" میں ہے کہ "غزوات" کی تعداد "ستائیس" ہے اور روضۃ الاحباب میں یہ لکھا ہے کہ "غزوات" کی تعداد ایک قول کی بنا پر "اکیس" اور بعض کے نزدیک "چوبیس" ہے اور بعض نے کہا کہ "پچیس" اور بعض نے لکھا "چھبیس" ہے۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص۳۸۸)

مگر حضرت امام بخاری نے حضرت زید بن ارقم صحابی رضی اللہ عنہ سے جو روایت تحریر کی ہے۔ اس میں غزوات کی کل تعداد "انیس" بتائی گئی ہے اور ان میں سے جن نو غزوات میں جنگ بھی ہوئی وہ یہ ہیں۔

جنگِ بدر[1] ۔ جنگِ اُحد[2] ۔ جنگِ احزاب[3] ۔ جنگِ بنو قریظہ[4] جنگِ بنو المصطلق[5] جنگِ خیبر[6] ۔ فتحِ مکہ[7] ۔ جنگِ حنین[8] ۔ جنگِ طائف[9] ۔

"سرایا" یعنی جن لشکروں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لے گئے ان کی تعداد بعض مورخین کے نزدیک "سینتالیس" اور بعض کے نزدیک "چھپن" ہے۔

امام بخاری نے محمد بن اسحٰق سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلا غزوہ "ابواء" اور سب سے آخری غزوہ "تبوک" ہے اور سب سے پہلا "سریہ" جو مدینہ سے جنگ کے لیے روانہ ہوا وہ "سریہ حمزہ" ہے۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

غزوات و سرایا

ہجرت کے بعد کا تقریباً کل زمانہ "غزوات و سرایا" کے اہتمام و انتظام میں گزرا۔ اس لیے کہ اگر "غزوات" کی کم سے کم تعداد جو روایات میں آئی ہے یعنی "انیس" اور "سرایا" کی کم سے کم تعداد جو روائیوں میں ہے یعنی "سینتالیس" شمار کر لی جائے تو نو سال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوٹی بڑی "چھیاسٹھ" لڑائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لہٰذا "غزوات و سرایا" کا عنوان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کا بہت ہی عظیم الشان حصہ ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ ان تمام غزوات و سرایا، اور ان کے وجوہ و اسباب کا پورا پورا حال اسلامی تاریخوں میں مذکور و محفوظ ہے۔ مگر یہ اتنا لمبا چوڑا مضمون ہے کہ ہماری اس کتاب کا تنگ دامن ان تمام مضامین کو سمیٹنے سے بالکل ہی قاصر ہے۔ لیکن بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر ہم بالکل ہی ان مضامین کو چھوڑ دیں تو یقیناً "سیرت رسول" کا مضمون بالکل ہی ناقص اور نامکمل رہ جائے گا۔ اس لیے مختصر طور پر چند مشہور غزوات و سرایا کا بیان ذکر کر دینا نہایت ضروری ہے تاکہ سیرت مقدسہ کا یہ اہم باب بھی ناظرین کے لیے نظر افروز ہو جائے۔

سریۂ حمزہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد جب جہاد کی آیت نازل ہو گئی تو سب سے پہلے جو ایک چھوٹا سا لشکر کفار کے مقابلہ کے لیے روانہ فرمایا۔ اس کا نام "سریۂ حمزہ" ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا،

اور اس جھنڈے کے نیچے صرف ۳۰ مہاجرین کو ایک لشکرِ کفار کے مقابلہ کے لیے بھیجا، جو تین سو کی تعداد میں تھے اور ابو جہل ان کا سپہ سالار تھا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ "سیف البحر" تک پہنچے۔ اور دونوں طرف سے جنگ کے لیے صف بندی بھی ہو گئی۔ لیکن ایک شخص مجدی بن عمرو جہنی جو دونوں فریق کا حلیف تھا بیچ میں پڑ کر لڑائی موقوف کرا دی۔ (مدارج جلد ۲ صفحہ ۷۸ و زرقانی ج ۱ ص ۳۹۱)

سریۂ عبیدہ بن الحارث

اسی سال ساٹھ یا اسی مہاجرین کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن الحارث کو سفید جھنڈے کے ساتھ امیر بنا کر "رابغ" کی طرف روانہ فرمایا۔ اس سریہ کے علمبردار حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جب یہ لشکر "ثنیۃ المرہ" کے مقام پر پہنچا تو ابو سفیان اور ابو جہل کے لڑکے عکرمہ کی کمان میں دو سو کفار قریش جمع تھے دونوں لشکروں کا سامنا ہوا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کفار پر تیر پھینکا۔ یہ سب سے پہلا تیر تھا جو مسلمانوں کی طرف سے کفارِ مکہ پر چلایا گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کل آٹھ تیر پھینکے اور ہر تیر نشانہ پر ٹھیک بیٹھا۔ کفار ان تیروں کی مار سے گھبرا کر فرار ہو گئے۔ اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

(مدارج جلد ۲ صفحہ ۷۸ و زرقانی ج ۱ ص ۳۹۲)

سریۂ سعد بن ابی وقاص

اسی سال ماہ ذوالقعدہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقصد سے بھیجا تا کہ یہ لوگ کفار قریش کے ایک لشکر کا راستہ روکیں۔ اس سریہ کا جھنڈا بھی سفید رنگ کا تھا اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اس لشکر کے علمبردار تھے۔ یہ لشکر راتوں رات سفر کرتے ہوئے جب پانچویں دن مقام "خرار" پر پہنچا۔ تو پتہ چلا کہ مکہ کے کفار ایک دن پہلے ہی فرار ہو چکے ہیں۔ اس لیے کسی تصادم کی نوبت ہی نہیں آئی۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۹۲)

غزوۂ ابواء

اس غزوہ کو "غزوہ ودان" بھی کہتے ہیں۔ یہ سب سے پہلا غزوہ ہے یعنی پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے ارادہ سے ماہ صفر ۲ھ میں ساٹھ مہاجرین کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ سے باہر نکلے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دیا۔ اور مقام "ابواء" تک کفار کا پیچھا کرتے ہوئے تشریف لے گئے۔ مگر کفار مکہ فرار کر چکے تھے۔ اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی "ابواء" مدینہ سے اسی میل دور ایک گاؤں ہے۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا مزار ہے۔ یہاں چند دن ٹھہر کر قبیلہ بنو ضمرہ کے سردار "مخشی بن عمرو ضمری" سے امداد باہمی کا ایک تحریری معاہدہ کیا۔ اور مدینہ واپس تشریف لائے۔ اس غزوہ میں پندرہ دن آپ مدینہ سے باہر رہے۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۹۳)

غزوۂ بواط

ہجرت کے تیرھویں مہینے ۲ھ میں مدینہ پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حاکم بنا کر دو سو مہاجرین کو ساتھ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کی نیت سے روانہ ہوئے۔ اس غزوہ کا جھنڈا بھی سفید تھا اور علمبردار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ اس غزوہ کا مقصد کفار مکہ کے ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکنا تھا۔ اس قافلہ کا سالار "امیہ بن خلف جمحی" تھا اور اس قافلہ میں ایک سو قریشی کفار اور ڈھائی ہزار اونٹ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قافلہ کی تلاش میں مقام "بواط" تک تشریف لے گئے۔ مگر کفار قریش کا کہیں سامنا نہیں ہوا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی جنگ کے مدینہ واپس تشریف لائے۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۹۳)

غزوہ سفوان

اسی سال "کرز بن جابر فہری" نے مدینہ کی چراگاہ میں ڈاکہ ڈالا اور کچھ اونٹوں کو ہانک کر لے گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنا کر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علمبردار بنا کر صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ وادی سفوان تک اس ڈاکو کا تعاقب کیا۔ مگر وہ

اس قدر تیزی کے ساتھ بھاگا کہ ہاتھ نہیں آیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے۔ وادی سفوان "بدر" کے قریب ہے۔ اسی لیے بعض مورخین نے اس غزوہ کا نام "غزوہ بدر اولیٰ" رکھا ہے۔ اس لیے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ غزوہ سفوان اور غزوہ بدر اولیٰ دونوں ایک ہی غزوہ کے دو نام ہیں۔

(مدارج جلد ۲ ص ۷۹)

غزوۂ ذی العُشیرہ

اسی ۲ھ میں کفار قریش کا ایک قافلہ مال تجارت لے کر مکہ سے شام جا رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ڈیڑھ سو یا دو سو مہاجرین صحابہ کو ساتھ لے کر اس قافلہ کا راستہ روکنے کے لیے مقام "ذی العشیرہ" تک تشریف لے گئے۔ جو "ینبوع" کی بندرگاہ کے قریب ہے۔ مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ اس لیے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا۔ مگر یہی قافلہ جب شام سے واپس لوٹا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مزاحمت کے لیے نکلے تو جنگ بدر کا معرکہ پیش آگیا۔ جس کا مفصل ذکر آگے آتا ہے۔

(زرقانی ج ۱ ص ۳۹۵)

سریۂ عبداللہ بن جحش

اسی سال ماہ رجب ۲ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر ان کی ماتحتی میں آٹھ یا بارہ مہاجرین کا ایک جتھہ روانہ فرمایا۔ دو دو آدمی ایک ایک اونٹ پر سوار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو لفافہ میں ایک مہر بند خط دیا۔ اور فرمایا کہ دو دن سفر کرنے کے بعد اس لفافہ کو کھول کر پڑھنا اور اس میں جو ہدایات لکھی ہوئی ہیں۔ ان پر عمل کرنا۔ جب خط کھول کر پڑھا تو اس میں یہ درج تھا کہ تم طائف اور مکہ کے درمیان مقام "نخلہ" میں ٹھہر کر قریش کے قافلوں پر نظر رکھو۔ اور صورت حال کی ہمیں برابر خبر دیتے رہو۔ یہ بڑا ہی خطرناک کام تھا کیونکہ دشمنوں کے عین مرکز میں قیام کر کے جاسوسی کرنا گویا موت کے منہ میں جانا تھا مگر یہ سب جاں نثار بے دھڑک مقام "نخلہ" پہنچ گئے۔ عجیب اتفاق کہ رجب کی آخری

تاریخ کو یہ لوگ نخلہ میں پہنچے۔ اور اسی دن کفار قریش کا ایک تجارتی قافلہ آیا جس میں عمرو بن الحضرمی اور عبداللہ بن مغیرہ کے دو لڑکے عثمان و نوفل اور حکم بن کیسان وغیرہ تھے۔ اور ساونٹوں پر کھجور اور دوسرا مالِ تجارت لدا ہوا تھا۔ امیر سریہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اگر ہم ان قافلہ والوں کو چھوڑ دیں تو یہ لوگ مکہ پہنچ کر ہم لوگوں کی یہاں موجودگی سے مکہ والوں کو باخبر کر دیں گے اور ہم لوگوں کو قتل یا گرفتار کرا دیں گے۔ اور اگر ہم ان لوگوں سے جنگ کریں تو آج رجب کی آخری تاریخ ہے لہٰذا شہر حرام میں جنگ کرنے کا گناہ ہم پر لازم ہو گا۔ آخر یہی رائے قرار پائی کہ ان لوگوں سے جنگ کر کے اپنی جان کے خطرہ کو دفع کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسا تاک کر تیر مارا کہ وہ عمرو بن الحضرمی کو لگا اور وہ اسی تیر سے قتل ہو گیا۔ اور عثمان و حکم کو ان لوگوں نے گرفتار کر لیا۔ نوفل بھاگ نکلا۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اونٹوں اور ان پر لدے ہوئے مال و اسباب کو مالِ غنیمت بنا کر مدینہ لوٹ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ پیش کیا۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۹۸)

جو لوگ قتل یا گرفتار ہوئے وہ بہت ہی معزز خاندان کے لوگ تھے۔ عمرو بن الحضرمی جو قتل ہوا عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا۔ عمرو بن الحضرمی پہلا کافر تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جو لوگ گرفتار ہوئے۔ یعنی عثمان اور حکم۔ ان میں سے عثمان تو مغیرہ کا پوتا تھا۔ جو قریش کا ایک بہت بڑا رئیس شمار کیا جاتا تھا۔ اور حکم بن کیسان عمرو مخزومی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس بنا پر اس واقعہ نے تمام کفار قریش کو غیظ و غضب میں آگ بگولہ بنا دیا اور "خون کا بدلہ خون" لینے کا نعرہ مکہ کے ہر کوچہ و بازار میں گونجنے لگا اور درحقیقت جنگِ بدر کا معرکہ اسی واقعہ کا ردعمل ہے۔ چنانچہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگِ بدر اور تمام لڑائیاں جو کفار قریش سے ہوئیں ان سب کا بنیادی سبب عمرو بن الحضرمی کا قتل ہے۔ جس کو حضرت واقد بن عبداللہ

تمیمی رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر قتل کر دیا تھا۔ (تاریخ طبری صفحہ ۱۲۸۴)

جنگِ بدر

"بدر" مدینہ منورہ سے تقریباً اسی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں زمانۂ جاہلیت میں سالانہ میلہ لگتا تھا۔ یہاں ایک کنواں بھی تھا۔ جس کے مالک کا نام "بدر" تھا۔ اسی کے نام پر اس جگہ کا نام "بدر" رکھ دیا گیا۔ اسی مقام پر جنگ بدر کا وہ عظیم معرکہ ہوا جس میں کفارِ قریش اور مسلمانوں کے درمیان سخت خونریزی ہوئی۔ اور مسلمانوں کو وہ عظیم الشان فتح مبین نصیب ہوئی جس کے بعد اسلام کی عزت و اقبال کا پرچم اتنا سر بلند ہو گیا کہ کفار قریش کی عظمت و شوکت بالکل ہی خاک میں مل گئی۔ اللہ تعالےٰ نے جنگ بدر کے دن کا نام "یوم الفرقان" رکھا۔ اور قرآن کی سورہ انفال میں تفصیل کے ساتھ اور دوسری سورتوں میں اجمالاً بار بار اس معرکہ کا ذکر فرمایا اور اس جنگ میں مسلمانوں کی فتح مبین کے بارے میں احسان جتاتے ہوئے خداوند عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝	اور یقیناً خداوند تعالیٰ نے تم لوگوں کی مدد فرمائی بدر میں جبکہ تم لوگ کمزور اور بے سروسامان تھے۔ تو تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم لوگ شکر گزار ہو جاؤ۔

جنگِ بدر کا سبب

جنگ بدر کا اصلی سبب تو جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں "عمرو بن الحضرمی" کے قتل سے کفار قریش میں پھیلا ہوا زبردست اشتعال تھا۔ جس سے ہر کافر کی زبان پر یہی ایک نعرہ تھا کہ "خون کا بدلہ خون سے کریں گے۔"

مگر بالکل ناگہاں یہ صورت پیش آ گئی کہ قریش کا وہ قافلہ جس کی تلاش میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام "ذی العشیرہ" تک تشریف لے گئے تھے مگر وہ قافلہ ہاتھ

نہیں آیا تھا۔ بالکل اچانک مدینہ میں خبر ملی کہ اب وہی قافلہ ملک شام سے لوٹ کر مکہ جانے والا ہے اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ اس قافلہ میں ابوسفیان بن حرب ومخرمہ بن نوفل وعمرو بن العاص وغیرہ کل تیس یا چالیس آدمی ہیں اور کفار قریش کا مال تجارت جو اس قافلہ میں ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کفار قریش کی ٹولیاں لوٹ مار کی نیت سے مدینہ کے اطراف میں برابر گشت لگاتی رہتی ہیں۔ اور ”کرزبن جابر فہری“ مدینہ کی چراگاہوں تک آ کر غارت گری اور ڈاکہ زنی کر گیا ہے۔ لہٰذا کیوں نہ ہم بھی کفار قریش کے اس قافلہ پر حملہ کر کے اس کو لوٹ لیں۔ تاکہ کفار قریش کی شامی تجارت بند ہو جائے اور وہ مجبور ہو کر ہم سے صلح کر لیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سن کر انصار و مہاجرین اس کے لیے تیار ہو گئے۔

مدینہ سے روانگی

چنانچہ ۱۲ رمضان ۲ھ کو بڑی عجلت کے ساتھ لوگ چل پڑے، جو جس حال میں تھا اسی حال میں روانہ ہو گیا۔ اس لشکر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ زیادہ ہتھیار تھے نہ فوجی راشن کی کوئی بڑی مقدار تھی کیونکہ کسی کو گمان بھی نہ تھا کہ اس سفر میں کوئی بڑی جنگ ہو گی۔

مگر جب مکہ میں یہ خبر پھیلی کہ مسلمان مسلح ہو کر قریش کا قافلہ لوٹنے کے لیے مدینہ سے چل پڑے ہیں تو مکہ میں ایک جوش پھیل گیا۔ اور ایک دم کفار قریش کی فوج کا دل بادل مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے صحابہ کرام کو جمع فرما کر صورت حال سے آگاہ کیا اور صاف صاف فرما دیا کہ ممکن ہے کہ اس سفر میں کفار قریش کے قافلہ سے ملاقات ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار مکہ کے لشکر سے جنگ کی نوبت آ جائے۔ ارشاد گرامی سن کر حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق اور دوسرے مہاجرین نے بڑے جوش و خروش کا اظہار کیا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم انصار کا منہ دیکھ رہے تھے کیونکہ انصار نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتے وقت اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے جب کفار مدینہ پر چڑھ آئیں گے اور یہاں مدینہ سے باہر نکل کر جنگ

کرنے کا معاملہ تھا۔

انصار میں سے قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھ کر بول اٹھے کہ یا رسول اللہ! کیا آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم! ہم وہ جاں نثار ہیں کہ اگر آپ کا حکم ہو تو ہم سمندر میں کود پڑیں اسی طرح انصار کے ایک اور معزز سردار حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے جوش میں آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں، بلکہ ہم لوگ آپ کے دائیں سے، بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے لڑیں گے، انصار کے ان دونوں سرداروں کی تقریر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔

(بخاری غزوہ بدر۔ ج ۲ ص ۵۶۴)

مدینہ سے ایک میل دور چل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا جو لوگ کم عمر تھے ان کو واپس کر دینے کا حکم دیا۔ کیونکہ جنگ کے پُرخطر موقع پر بھلا بچوں کا کیا کام؟

ننھا سپاہی

مگر انہی بچوں میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی حضرت عمیر بن ابی وقاص بھی تھے۔ جب ان سے واپس ہونے کو کہا گیا تو وہ مچل گئے۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور کسی طرح واپس ہونے پر تیار نہ ہوئے۔ ان کی بے قراری اور گریہ وزاری دیکھ کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب نازک متاثر ہو گیا۔ اور آپ نے ان کو ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس ننھے سپاہی کے گلے میں بھی ایک تلوار حمائل کر دی مدینہ سے روانہ ہونے کے وقت نمازوں کے لیے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو آپ نے مسجد نبوی کا امام مقرر فرما دیا تھا۔ لیکن جب آپ مقام "روحاء" میں پہنچے تو منافقین اور یہودیوں کی طرف سے کچھ خطرہ محسوس فرمایا اس لیے آپ نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرما کر ان کو مدینہ واپس جانے کا حکم دیا۔ اور حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے چڑھائی والے گاؤں پر نگرانی رکھنے

کا حکم صادر فرمایا۔

ان انتظامات کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ''بدر'' کی جانب چل پڑے جد ھر سے کفار مکہ کے آنے کی خبر تھی۔ اب کل فوج کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ جن میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے منزل بہ منزل سفر فرماتے ہوئے جب آپ مقام ''صفرا'' میں پہنچے تو دو آدمیوں کو جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا۔ تاکہ وہ قافلہ کا پتہ چلائیں کہ وہ کدھر ہے؟ اور کہاں تک پہنچا ہے؟ (زرقانی ج ۱ ص ۴۱۱)

ابوسفیان کی چالاکی

ادھر کفار قریش کے جاسوس بھی اپنا کام بہت مستعدی سے کر رہے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے تو ابوسفیان کو اس کی خبر مل گئی۔ اس نے فوراً ہی ''ضمضم بن عمرو غفاری'' کو مکہ بھیجا کہ وہ قریش کو اس کی خبر کر دے تاکہ وہ اپنے قافلہ کی حفاظت کا انتظام کریں۔ اور خود راستہ بدل کر قافلہ کو سمندر کی جانب لے کر روانہ ہو گیا۔ ابوسفیان کا قاصد ضمضم بن عمرو غفاری جب مکہ پہنچا تو اس وقت کے دستور کے مطابق کہ جب کوئی خوفناک خبر سنانی ہوتی تو خبر سنانے والا اپنے کپڑے پھاڑ کر، اور اونٹ کی پیٹھ پر کھڑا ہو کر چلا چلا کر خبر سنایا کرتا تھا۔ ضمضم بن عمرو غفاری نے اپنا کرتہ پھاڑ ڈالا۔ اور اونٹ کی پیٹھ پر کھڑا ہو کر زور زور سے چلانے لگا کہ اے اہل مکہ! تمہارا سارا مال تجارت ابوسفیان کے قافلہ میں ہے اور مسلمانوں نے اس قافلہ کا راستہ روک کر قافلہ کو لوٹ لینے کا عزم کر لیا ہے۔ لہٰذا جلدی کرو۔ اور بہت جلد اپنے اس قافلہ کو بچانے کے لیے ہتھیار لے کر دوڑ پڑو۔ (زرقانی ج ۱ ص ۴۱۱)

کفارِ قریش کا جوش

جب مکہ میں یہ خوفناک خبر پہنچی تو اس قدر ہل چل مچ گئی کہ مکہ کا سارا امن و سکون غارت ہو گیا۔ تمام قبائل قریش اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ سردارانِ مکہ میں سے صرف ابولہب اپنی بیماری کی وجہ سے نہیں نکلا۔ اس کے سوا تمام روساء قریش پوری طرح مسلح ہو کر نکل پڑے۔ اور چونکہ مقام نخلہ کا واقعہ بالکل ہی تازہ تھا جس میں عمرو بن الحضرمی

مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اور اس کے قافلہ کو مسلمانوں نے لوٹ لیا تھا اس لیے کفارِ قریش جوشِ انتقام میں آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ ایک ہزار کا لشکرِ جرار جس کا ہر سپاہی پوری طرح مسلح، دوہرے ہتھیار، فوج کی خوراک کا یہ انتظام تھا کہ قریش کے مالدار لوگ یعنی عباس بن عبد المطلب، عتیبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، ابو جہل، امیہ وغیرہ باری باری سے روزانہ دس دس اونٹ ذبح کرتے تھے اور پورے لشکر کو کھلاتے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے بڑا رئیس اعظم تھا اس پورے لشکر کا سپہ سالار تھا۔

ابو سفیان بچ کر نکل گیا

ابو سفیان جب عام راستہ سے مڑ کر ساحلِ سمندر کے راستہ پر چل پڑا اور خطرہ کے مقامات سے بہت دور پہنچ گیا۔ اور اس کو اپنی حفاظت کا پورا پورا اطمینان ہو گیا تو اس نے قریش کو ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعہ خط بھیج دیا کہ تم لوگ اپنے مال اور آدمیوں کو بچانے کے لیے اپنے گھروں سے ہتھیار لے کر نکل پڑے تھے۔ اب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ۔ کیونکہ ہم لوگ مسلمانوں کی یلغار اور لوٹ مار سے بچ گئے ہیں اور جان و مال کی سلامتی کے ساتھ ہم مکہ پہنچ رہے ہیں۔

کفار میں اختلاف

ابو سفیان کا یہ خط کفار مکہ کو اس وقت ملا جب وہ مقام "حجفہ" میں تھے۔ خط پڑھ کر قبیلہ بنو زہرہ اور قبیلہ بنو عدی کے سرداروں نے کہا کہ اب مسلمانوں سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کو واپس لوٹ جانا چاہیے۔ یہ سن کر ابو جہل بگڑ گیا۔ اور کہنے لگا کہ ہم خدا کی قسم اسی شان کے ساتھ بدر تک جائیں گے۔ وہاں اونٹ ذبح کریں گے خوب کھائیں گے۔ کھلائیں گے۔ شراب پئیں گے ناچ رنگ کی محفلیں جمائیں گے تاکہ تمام قبائل عرب پر ہماری عظمت اور شوکت کا سکہ بیٹھ جائے اور وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں۔ کفارِ قریش نے ابو جہل کی رائے پر عمل کیا۔ لیکن بنو زہرہ اور بنو عدی کے دونوں قبائل واپس لوٹ گئے۔ ان دونوں قبیلوں کے سوا باقی کفار قریش کے

تمام قبائل جنگِ بدر میں شامل ہوئے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۱۸ تا ۶۱۹)

کفارِ قریش بدر میں

کفارِ قریش چونکہ مسلمانوں سے پہلے بدر میں پہنچ گئے تھے۔ اس لیے مناسب جگہوں پر ان لوگوں نے اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کے قریب پہنچے تو شام کے وقت حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو بدر کی طرف بھیجا۔ تاکہ یہ لوگ کفارِ قریش کے بارے میں خبر لائیں۔ ان حضرات نے قریش کے دو غلاموں کو پکڑ لیا جو لشکرِ کفار کے لیے پانی بھرنے پر مقرر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں غلاموں سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ اس قریشی فوج میں قریش کے سرداروں میں سے کون کون ہے؟ تو دونوں غلاموں نے بتایا کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، زمعہ بن الاسود، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، سہیل بن عمرو، عمرو بن عبدود، عباس بن عبدالمطلب وغیرہ سب اس لشکر میں موجود ہیں۔ یہ فہرست سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مسلمانو! سن لو۔ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہاری طرف ڈال دیا ہے۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۰۲ غزوۂ بدر و زرقانی وغیرہ)

تاجدارِ دو عالم بدر کے میدان میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر میں نزول فرمایا۔ تو ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا کہ جہاں نہ کوئی کنواں تھا نہ کوئی چشمہ۔ اور وہاں کی زمین اتنی ریتلی تھی کہ گھوڑوں کے پاؤں زمین میں دھنستے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے پڑاؤ کے لیے جس جگہ کو منتخب فرمایا ہے یہ وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں کوئی وحی نہیں اتری ہے۔ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر میری رائے میں جنگی تدابیر کی رو سے بہتر یہ ہے کہ ہم کچھ آگے بڑھ کر پانی کے چشموں پر قبضہ کر لیں۔ تاکہ کفار جن کنوؤں پر قابض ہیں وہ بیکار ہو جائیں۔ کیونکہ انہی چشموں سے ان کے کنوؤں میں پانی

جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کو پسند فرمایا۔ اور اسی پر عمل کیا گیا۔ خدا کی شان کہ بارش بھی ہو گئی۔ جس سے میدان کی گرد اور ریت جم گئی جس پر مسلمانوں کے لیے چلنا پھرنا آسان ہو گیا۔ اور کفار کی زمین پر کیچڑ ہو گئی جس سے ان کو چلنے پھرنے میں دشواری ہو گئی۔ اور مسلمانوں نے بارش کا پانی روک کر جا بجا حوض بنا لیے تاکہ یہ پانی غسل اور وضو کے کام آئے۔ اسی احسان کو خداوند عالم نے قرآن میں اس طرح بیان فرمایا کہ۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ (انفال)

اور خدا نے آسمان سے پانی برسا دیا تاکہ وہ تم لوگوں کو پاک کرے۔

سرورِ کائنات کی شب بیداری

۱۷ رمضان ۲ھ جمعہ کی رات تھی تمام فوج تو آرام و چین کی نیند سو رہی تھی۔ مگر ایک سرورِ کائنات کی ذات تھی، جو ساری رات خداوند عالم سے لو لگائے دعا میں مصروف تھی۔ صبح نمودار ہوئی۔ تو آپ نے لوگوں کو نماز کے لیے بیدار فرمایا پھر نماز کے بعد قرآن کی آیاتِ جہاد سنا کر ایسا لرزہ خیز اور ولولہ انگیز وعظ فرمایا کہ مجاہدینِ اسلام کی رگوں کے خون کا قطرہ قطرہ جوش و خروش کا سمندر بن کر طوفانی موجیں مارنے لگا۔ اور لوگ میدانِ جنگ کے لیے تیار ہونے لگے۔

کون کب؟ اور کہاں مرے گا؟

رات ہی میں چند جاں نثاروں کے ساتھ آپ نے میدانِ جنگ کا معائنہ فرمایا۔ اس وقت دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی، آپ اسی چھڑی سے زمین پر لکیر بناتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے اور کل یہاں فلاں کافر کی لاش پڑی ہوئی ملے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ نے جس جگہ جس کافر کی قتل گاہ بتائی تھی اُس کافر کی لاش ٹھیک اُسی جگہ پائی گئی۔ ان میں سے کسی ایک نے لکیر سے بال برابر بھی تجاوز نہیں کیا۔

(ابو داؤد ج ۲ ص ۳۶۴ مطبع تامی و مسلم ج ۲ ص ۱۰۲ غزوہ بدر)

اس حدیث سے صاف اور صریح طور پر یہ مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کون کب؟ اور کہاں مرے گا؟ ان دونوں غیب کی باتوں کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔

لڑائی ٹلتے ٹلتے پھر ٹھن گئی

کفار قریش لڑنے کے لیے بے تاب تھے، مگر ان لوگوں میں کچھ سلجھے دل و دماغ کے لوگ بھی تھے جو خون ریزی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حکیم بن حزام جو بعد میں مسلمان ہو گئے بہت ہی سنجیدہ اور نرم خو تھے۔ انہوں نے اپنے لشکر کے سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ سے کہا کہ آخر اس خون ریزی سے کیا فائدہ؟ میں آپ کو ایک نہایت ہی مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ عمرو بن الحضرمی کا خون ہے اور وہ آپ کا حلیف ہے۔ آپ اس کا خون بہا ادا کر دیجیے۔ اس طرح یہ لڑائی ٹل جائے گی اور آج کا دن آپ کی تاریخ زندگی میں آپ کی نیک نامی کی یادگار بن جائے گا کہ آپ کے تدبر سے ایک بہت ہی خوفناک اور خون ریز لڑائی ٹل گئی۔ عتبہ بذات خود بہت ہی مدبر اور نیک نفس آدمی تھا۔ اس نے بخوشی اس مخلصانہ مشورہ کو قبول کر لیا۔ مگر اس معاملہ میں ابو جہل کی منظوری بھی ضروری تھی۔ چنانچہ حکیم بن حزام جب عتبہ بن ربیعہ کا یہ پیغام لے کر ابو جہل کے پاس گئے تو ابو جہل کی رگِ جہالت بھڑک اٹھی۔ اور اس نے ایک خون کھولا دینے والا طعنہ مارا۔ اور کہا کہ ہاں ہاں! میں خوب سمجھتا ہوں کہ عتبہ کی ہمت نے جواب دے دیا۔ چونکہ اس کا بیٹا حذیفہ مسلمان ہو کر اسلامی لشکر کے ساتھ آیا ہے۔ اس لیے وہ جنگ سے جی چراتا ہے تاکہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے۔

پھر ابو جہل نے اسی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ عمرو بن الحضرمی مقتول کے بھائی عامر بن الحضرمی کو بلا کر کہا کہ دیکھو تمہارے مقتول بھائی عمرو بن الحضرمی کے خون کا بدلہ لینے کی ساری اسکیم تہس نہس ہوئی جا رہی ہے۔ کیونکہ ہمارے لشکر کا سپہ سالار عتبہ بزدلی ظاہر کر رہا ہے۔ یہ سنتے ہی عامر بن الحضرمی نے عرب کے دستور کے مطابق اپنے

کپڑے پھاڑ ڈالے اور اپنے سر پر دھول ڈالتے ہوئے "واعمراہ۔ واعمراہ" کا نعرہ مارنا شروع کر دیا۔ اس کارروائی نے کفار قریش کی تمام فوج میں آگ لگا دی۔ اور سارا لشکر "خون کا بدلہ خون" کے نعروں سے گونجنے لگا اور ہر سپاہی جوش میں آپے سے باہر ہو کر جنگ کے لیے بے تاب و بے قرار ہو گیا۔ عتبہ نے جب ابوجہل کا طعنہ سنا تو وہ بھی غصہ میں بھر گیا۔ اور کہا کہ ابوجہل سے کہہ دو کہ میدانِ جنگ بتائے گا کہ بزدل کون ہے؟ یہ کہہ کر لوہے کی ٹوپی طلب کی مگر اس کا سر اتنا بڑا تھا کہ کوئی ٹوپی اس کے سر پر ٹھیک نہیں بیٹھی۔ تو مجبوراً اس نے اپنے سر پر کپڑا لپیٹا اور ہتھیار پہن کر جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔

مجاہدین کی صف آرائی

۱۷ رمضان ۲ھ جمعہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین اسلام کو صف بندی کا حکم دیا۔ دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ اس کے اشارہ سے آپ صفیں درست فرما رہے تھے کہ کوئی شخص آگے پیچھے نہ رہنے پائے اور یہ بھی حکم فرما دیا کہ بجز ذکر الٰہی کے کوئی شخص کسی قسم کا کوئی شور و غل نہ مچائے۔ عین ایسے وقت میں کہ جنگ کا نقارہ بجنے والا ہی ہے۔ دو ایسے واقعات درپیش ہو گئے جو نہایت ہی عبرت خیز اور بہت زیادہ نصیحت آموز ہیں۔

شکم مبارک کا بوسہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چھڑی کے اشارہ سے صفیں سیدھی فرما رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ حضرت سواد انصاری رضی اللہ عنہ کا پیٹ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا۔ آپ نے اپنی چھڑی سے ان کے پیٹ پر ایک کونچا دے کر فرمایا کہ اِسْتَوِ یَا سَوَادُ (اے سواد سیدھے کھڑے ہو جاؤ) حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ نے میرے شکم پر چھڑی ماری ہے۔ مجھے آپ سے اس کا قصاص (بدلہ) لینا ہے۔ یہ سن کر آپ نے اپنا پیراہن شریف اٹھا کر فرمایا کہ اے سواد! لو میرا شکم حاضر ہے۔ تم اس پر چھڑی مار کر مجھ سے اپنا قصاص لے لو۔ حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر آپ کے

شکم مبارک کو چوم لیا۔ اور پھر نہایت ہی والہانہ انداز میں انتہائی گرم جوشی کے ساتھ آپ کے جسم اقدس سے لپٹ گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے سواد، تم نے ایسا کیوں کیا؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اس وقت جنگ کی صف میں اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر کھڑا ہوں، شاید موت کا وقت آگیا ہو۔ اس وقت میرے دل میں اس تمنا نے جوش مارا کہ کاش مرتے وقت میرا بدن آپ کے جسم اطہر سے چھو جائے یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سواد رضی اللہ عنہ کے اس جذبۂ محبت کی قدر فرماتے ہوئے ان کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی اور حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں معذرت کرتے ہوئے اپنا قصاص معاف کر دیا۔ اور تمام صحابۂ کرام حضرت سواد رضی اللہ عنہ کی اس عاشقانہ ادا کو حیرت سے دیکھتے ہوئے ان کا منہ تکتے رہ گئے۔

(سیرت ابن ہشام غزوہ بدر ج ۲ ص ۶۲۶)

عہد کی پابندی

اتفاق سے حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت ابو حسیل رضی اللہ عنہما یہ دونوں صحابی کہیں سے آرہے تھے۔ راستہ میں کفار نے ان دونوں کو روکا کہ تم دونوں بدر کے میدان میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کرنے کے لیے جا رہے ہو، ان دونوں نے انکار کیا۔ اور جنگ میں شریک نہ ہونے کا عہد کیا۔ چنانچہ کفار نے ان دونوں کو چھوڑ دیا۔ جب یہ دونوں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنا واقعہ بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو لڑائی کی صفوں سے الگ کر دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ ہم ہر حال میں عہد کی پابندی کریں گے ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔ (مسلم باب الوفا بالعہد ج ۲ ص ۱۰۶)

ناظرین کرام! غور کیجیے۔ دنیا جانتی ہے کہ جنگ کے موقع پر خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ دشمنوں کے عظیم الشان لشکر کا مقابلہ ہو۔ ایک ایک سپاہی کتنا قیمتی ہوتا ہے؛ مگر تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کمزور فوج کو دو بہادر اور جانباز مجاہدوں سے محروم رکھنا پسند فرمایا۔ مگر کوئی مسلمان کسی کافر سے بھی بد عہدی اور وعدہ خلافی کرے اس کو گوارا نہیں فرمایا۔

اللہ اکبر! اے اقوام عالم کے بادشاہو! للہ مجھے بتاؤ کہ کیا تمہاری تاریخ زندگی کے بڑے بڑے دفتروں میں کوئی ایسا چمکتا ہوا ورق بھی ہے؟ اے چاند و سورج کی دوربین نگاہو! تم خدا کے لیے بتاؤ؟ کیا تمہاری آنکھوں نے بھی کبھی صفحہ ہستی پر پابندی عہد کی کوئی ایسی مثال دیکھی ہے؟ خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ تم اس کے جواب میں "نہیں" کے سوا کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔

دونوں لشکر آمنے سامنے

اب وہ وقت ہے کہ میدان بدر میں حق و باطل کی دونوں صفیں ایک دوسرے کے سامنے کھڑی ہیں۔ قرآن اعلان کر رہا ہے کہ۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ (آل عمران)

جو لوگ باہم لڑے اُن میں تمہارے لیے عبرت کا نشان ہے۔ ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا منکر خدا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدینِ اسلام کی صف بندی سے فارغ ہو کر مجاہدین کی قرارداد کے مطابق اپنے اُس چھپر میں تشریف لے گئے۔ جس کو صحابہ کرام نے آپ کی نشست کے لیے بنا رکھا تھا۔ اب اس چھپر کی حفاظت کا سوال بے حد اہم تھا کیونکہ کفارِ قریش کے حملوں کا اصل نشانہ حضور تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات تھی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس چھپر کا پہرہ دے لیکن اس موقع پر بھی آپ کے یار غار حضرت صدیق باوقار ہی کی قسمت میں یہ سعادت لکھی تھی کہ وہ ننگی تلوار لے کر اس جھونپڑی کے پاس ڈٹے رہے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی چند انصاریوں کے ساتھ اس چھپر کے گرد پہرہ دیتے رہے۔ (زرقانی ج ۱ ص ۴۱۸)

دعاء نبوی

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس نازک گھڑی میں جناب باری سے لو لگائے گریہ وزاری کے ساتھ کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلائے یہ دعا مانگ رہے تھے کہ:۔

"خداوندا! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے۔ آج اسے پورا فرما دے۔"

آپ پر اس قدر رقت اور محویت طاری تھی کہ جوشِ گریہ میں چادر مبارک دوشِ انور سے گر گر پڑتی تھی۔ مگر آپ کو خبر نہیں ہوتی تھی۔ کبھی آپ سجدہ میں سر رکھ کر اس طرح دعا مانگتے کہ۔

"الٰہی! اگر یہ چند نفوس ہلاک ہو گئے تو پھر قیامت تک روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والے نہ رہیں گے۔"

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۲۷)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے یار غار تھے۔ آپ کو اس طرح بے قرار دیکھ کر ان کے دل کا سکون و قرار جاتا رہا۔ اور ان پر رقت طاری ہو گئی اور انہوں نے چادر مبارک کو اٹھا کر آپ کے مقدس کندھے پر ڈال دی۔ اور آپ کا دستِ مبارک تھام کر بھرائی ہوئی آواز میں بڑے ادب کے ساتھ عرض کیا کہ حضور! اب بس کیجیے۔ خدا ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔

اپنے یار غار صدیق جاں نثار کی بات مان کر آپ نے دعا ختم کر دی۔ اور آپ کی زبان مبارک پر اس آیت کا ورد جاری ہو گیا کہ۔

سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝	عنقریب (کفار کی) فوج کو شکست دے دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے

آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے۔ جس میں فتح مبین کی بشارت کی طرف اشارہ تھا۔

لڑائی کس طرح شروع ہوئی

جنگ کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ سب سے پہلے عامر بن الحضرمی جو اپنے مقتول بھائی عمرو بن الحضرمی کے خون کا بدلہ لینے کے لیے بے قرار تھا جنگ کے لیے آگے بڑھا اس کے مقابلہ کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت مہجع رضی اللہ عنہ میدان

میں نکلے۔ اور لڑتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ پھر حضرت حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ حوض سے پانی پی رہے تھے کہ ناگہاں اُن کو کفار کا ایک تیر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۲۷)

حضرت عُمیر کا شوقِ شہادت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جوشِ جہاد کا وعظ فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ مسلمانو! اس جنت کی طرف بڑھے چلو جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے تو حضرت عمیر بن الحمام انصاری رضی اللہ عنہ بول اُٹھے کہ یارسول اللہ! کیا جنت کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے؟ ارشاد فرمایا کہ "ہاں" یہ سُن کر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا واہ۔ وا "آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ کیوں اے عمیر! تم نے "واہ وا" کس لیے کہا؟ عرض کیا یارسول اللہ! فقط اس امید پر کہ میں بھی جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے عمیر! تو بے شک جنتی ہے۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اس وقت کھجوریں کھا رہے تھے۔ یہ بشارت سُنی تو مارے خوشی کے کھجوریں پھینک کر کھڑے ہو گئے۔ اور ایک دم کفار کے لشکر پر تلوار لے کر ٹوٹ پڑے اور جاں بازی کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(مسلم کتاب الجہاد باب سقوط فرض الجہاد عن المعذورین ج ۲ ص ۱۳۹)

کفار کا سپہ سالار مارا گیا

کفار کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ اپنے سینہ پر شتر مرغ کا پر لگائے ہوئے اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کو ساتھ لے کر غصہ میں بھرا ہوا اپنی صف سے نکل کر مقابلہ کی دعوت دینے لگا۔ اسلامی صفوں میں سے حضرت عوف و حضرت معاذ و عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے ان لوگوں کا نام و نسب پوچھا۔ جب معلوم ہوا کہ یہ لوگ انصاری ہیں تو عتبہ نے کہا کہ ہم کو تم لوگوں سے کوئی غرض نہیں۔ پھر عتبہ نے چلا کر کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں ہیں۔ اشرافِ قریش کو ہم سے لڑنے کے لیے میدان میں بھیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ و

حضرت علی و حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ آپ لوگ ان تینوں کے مقابلہ کے لیے نکلیں۔ چنانچہ یہ تینوں بہادرانِ اسلام میدان میں نکلے۔ چونکہ یہ تینوں حضرات سر پر خود پہنے ہوئے تھے۔ جس سے ان کے چہرے چھپ گئے تھے۔ اس لیے عتبہ نے ان حضرات کو نہیں پہچانا۔ اور پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ جب ان تینوں نے اپنے اپنے نام و نسب بتائے تو عتبہ نے کہا کہ "ہاں اب ہمارا جوڑ ہے" جب ان لوگوں میں جنگ شروع ہوئی تو حضرت حمزہ و حضرت علی و حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم نے اپنے ایمانی شجاعت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ بدر کی زمین دہل گئی۔ اور کفار کے دل تھرا گئے۔ اور ان کی جنگ کا انجام یہ ہوا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کا مقابلہ کیا۔ دونوں انتہائی بہادری کے ساتھ لڑتے رہے۔ مگر آخر کار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کے وار سے مار مار کر عتبہ کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔ ولید نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی۔ دونوں نے ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر قاتلانہ حملہ کیا۔ اور خوب لڑے۔ لیکن اسد اللہ الغالب کی ذوالفقار نے ولید کو مار گرایا اور وہ ذلت کے ساتھ قتل ہو گیا۔ مگر عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس طرح زخمی کر دیا کہ وہ زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ جھپٹے اور آگے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا۔ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر بارگاہ رسالت میں لائے۔ ان کی پنڈلی ٹوٹ کر چور چور ہو گئی تھی اور نلی کا گودا بہہ رہا تھا۔ اس حالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا میں شہادت سے محروم رہا۔ ارشاد فرمایا کہ نہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ تم شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ! اگر آج میرے اور آپ کے چچا ابوطالب زندہ ہوتے تو وہ مان لیتے کہ ان کے اس شعر کا مصداق میں ہوں کہ ؎

وَنُسْلِمُهٗ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ
وَنَذْهَلُ عَنْ اَبْنَاءِ نَا وَالْحَلَائِلِ

یعنی ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کریں گے جب ہم ان کے گرد لڑ لڑ کر پچھاڑ دیے جائیں گے اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول

جائیں گے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۳۶۱ مطبع نامی و زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۴۱۸)

حضرت زبیر کی تاریخی برچھی

اس کے بعد سعید بن العاص کا بیٹا "عبیدہ" سر سے پاؤں تک لوہے کے لباس اور ہتھیاروں سے چھپا ہوا صف سے باہر نکلا۔ اور یہ کہہ کر اسلامی لشکر کو للکارنے لگا کہ "میں ابوکرش ہوں"۔ اس کی یہ مغرورانہ للکار سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ جوش میں بھرے ہوئے اپنی برچھی لے کر مقابلہ کے لیے نکلے مگر یہ دیکھا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے سوا اس کے بدن کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں ہے جو لوہے سے چھپا ہوا نہ ہو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تاک کر اس کی آنکھ میں اس زور سے برچھی ماری کہ وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔ برچھی اس کی آنکھ کو چھیدتی ہوئی کھوپڑی کی ہڈی میں چبھ گئی تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جب اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر پوری طاقت سے کھینچا تو بڑی مشکل سے برچھی نکلی لیکن اس کا سر مڑ کر خم ہو گیا۔ یہ برچھی ایک تاریخی یادگار بن کر برسوں تبرک بنی رہی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے یہ برچھی طلب فرمالی۔ اور اس کو ہمیشہ اپنے پاس رکھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چاروں خلفاء راشدین کے پاس منتقل ہوتی رہی۔ پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس آئی یہاں تک کہ ۷۳ھ میں جب بنو امیہ کے ظالم گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے ان کو شہید کر دیا۔ تو یہ برچھی بنو امیہ کے قبضہ میں چلی گئی۔ پھر اس کے بعد لاپتہ ہو گئی۔

(بخاری غزوۂ بدر ج ۲ ص ۵۷۰)

ابوجہل ذلت کے ساتھ مارا گیا

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں صف میں کھڑا تھا۔ اور میرے دائیں بائیں دو نوعمر لڑکے کھڑے تھے۔ ایک نے چپکے سے پوچھا کہ چچا جان! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے اس سے کہا کہ کیوں بھتیجے؟ تم کو ابوجہل سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا کہ چچا جان! میں نے خدا سے یہ عہد کیا ہے کہ

میں ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا۔ یا تو اس کو قتل کر دوں گا یا خود لڑتا ہوا مارا جاؤں گا کیونکہ وہ اللہ کے رسول کا بہت ہی بڑا دشمن ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں حیرت سے اُس نوجوان کا منہ تاک رہا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے یہی کہا اتنے میں ابوجہل تلوار گھماتا ہوا سامنے آ گیا، اور میں نے اشارہ سے بتا دیا کہ ابوجہل یہی ہے بس پھر کیا تھا۔ یہ دونوں لڑکے تلواریں لے کر اس پر اس طرح جھپٹے جس طرح باز اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ دونوں نے اپنی تلواروں سے مار مار کر ابوجہل کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔ یہ دونوں لڑکے حضرت معوذ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما تھے جو "عفراء" کے بیٹے تھے۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے اپنے باپ کے قاتل حضرت معاذؓ پر حملہ کر دیا اور پیچھے سے ان کی بائیں شانہ پر تلوار ماری جس سے ان کا بازو کٹ گیا لیکن تھوڑا سا چمڑہ باقی رہ گیا۔ اور ہاتھ لٹکنے لگا۔ حضرت معاذ نے عکرمہ کا پیچھا کیا۔ اور دور تک دوڑایا مگر عکرمہ بھاگ کر بچ نکلا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس حالت میں بھی لڑتے رہے لیکن کٹے ہوئے ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہو رہی تھی تو انہوں نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو پاؤں سے دبا کر اس زور سے کھینچا کہ تسمہ الگ ہو گیا۔ اور پھر وہ آزاد ہو کر ایک ہاتھ سے لڑتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابوجہل کے پاس سے گزرے۔ اس وقت ابوجہل میں کچھ کچھ زندگی کی رمق باقی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن کو اپنے پاؤں سے روند کر فرمایا کہ "تو ہی ابوجہل ہے؟ بتا آج تجھے اللہ نے کیسا رسوا کیا۔" ابوجہل نے اس حالت میں بھی گھمنڈ کے ساتھ یہ کہا کہ تمہارے لیے یہ کوئی بڑا کارنامہ نہیں ہے۔ میرا قتل ہو جانا اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ایک آدمی کو اس کی قوم نے قتل کر دیا۔ ہاں مجھے اس کا افسوس ہے کہ کاش مجھے کسانوں کے سوا کوئی دوسرا شخص قتل کرتا۔ حضرت معوذ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما چونکہ یہ دونوں انصاری تھے۔ اور انصار کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے اور قبیلہ قریش کے لوگ کسانوں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔

اس لیے ابوجہل نے کسانوں کے ہاتھ سے

قتل ہونے کو اپنے لیے قابلِ افسوس بتایا۔

جنگ ختم ہو جانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد اللہ بن مسعود کو ساتھ لے کر جب ابوجہل کی لاش کے پاس سے گزرے۔ تو لاش کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ابوجہل اس زمانے کا "فرعون" ہے۔ پھر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کا سر کاٹ کر تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر ڈال دیا۔

(بخاری غزوہ بدر و دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۷۳)

ابوالبختری کا قتل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی یہ فرما دیا تھا کہ کچھ لوگ کفار کے لشکر میں ایسے بھی ہیں جن کو کفار مکہ دباؤ ڈال کر لائے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قتل نہیں کرنا چاہیے۔ ان لوگوں کے نام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیے تھے۔ انہی لوگوں میں سے ابوالبختری بھی تھا جو اپنی خوشی سے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ کفار قریش اس پر دباؤ ڈال کر زبردستی کر کے لائے تھے۔ عین جنگ کی حالت میں حضرت مجذر بن زیاد رضی اللہ عنہ کی نظر ابوالبختری پر پڑی جو اپنے ایک گہرے دوست جنادہ بن ملیحہ کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھا۔ حضرت مجذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوالبختری! چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو تیرے قتل سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے میں تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں ابوالبختری نے کہا کہ میرے ساتھی جنادہ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ تو حضرت مجذر رضی اللہ عنہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کو ہم زندہ نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ سن کر ابوالبختری طیش میں آگیا۔ اور کہا کہ میں عرب کی عورتوں کا یہ طعنہ سننا پسند نہیں کر سکتا کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے ساتھی کو تنہا چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر ابوالبختری نے رجز کا یہ شعر پڑھا کہ ؎

لَنْ یُّسْلِمَ ابْنُ حُرَّۃٍ زَمِیْلَہٗ	حَتّٰی یَمُوْتَ اَوْ یَرٰی سَبِیْلَہٗ

ایک شریف زادہ اپنے ساتھی کو کبھی ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ جب تک کہ مر نہ جائے۔ یا اپنا راستہ نہ دیکھ لے۔

اُمیہ کی ہلاکت

امیہ بن خلف بہت ہی بڑا دشمن رسول تھا۔ جنگِ بدر میں جب کفر و اسلام کے دونوں لشکر گتھم گتھا ہو گئے تو اُمیہ اپنے پرانے تعلقات کی بنا پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے چمٹ گیا کہ میری جان بچایئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو رحم آگیا اور آپ نے چاہا کہ امیہ بچ کر نکل بھاگے۔ مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اُمیہ کو دیکھ لیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب اُمیہ کے غلام تھے تو امیہ نے ان کو بہت زیادہ ستایا تھا اس لیے جوشِ انتقام میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انصار کو پکارا۔ انصاری لوگ دفعۃً ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امیہ سے کہا کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ وہ لیٹ گیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کو بچانے کے لیے اس کے اوپر لیٹ کر اس کو چھپانے لگے۔ لیکن حضرت بلال اور انصار رضی اللہ عنہم نے ان کی ٹانگوں کے اندر ہاتھ ڈال کر اور بغل سے تلوار گھونپ گھونپ کر اس کو قتل کر دیا۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۰۸ باب اذا وکل المسلم حربیا)

فرشتوں کی فوج

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے آسمان سے فرشتوں کا لشکر اُتار دیا تھا۔ پہلے ایک ہزار فرشتے آئے۔ پھر تین ہزار ہو گئے اس کے بعد پانچ ہزار ہو گئے۔ (قرآن سورہ اٰل عمران و انفال)

جب خوب گھمسان کا رن پڑا تو فرشتے کسی کو نظر نہیں آتے تھے۔ مگر ان کی حرب و ضرب کے اثرات صاف نظر آتے تھے۔ بعض کافروں کی ناک اور منہ پر کوڑوں کی مار کا نشان پایا جاتا تھا۔ کہیں بغیر تلوار مارے سر کٹ کر گرتا نظر آتا تھا۔ یہ آسمان سے آنے والے فرشتوں کی فوج کے کارنامے تھے۔

کفار نے ہتھیار ڈال دیے

عتبہ، شیبہ، ابوجہل وغیرہ کفار قریش کے سرداروں کی ہلاکت سے۔ کفارِ مکہ کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ ہتھیار ڈال کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور مسلمانوں نے ان لوگوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔

اس جنگ میں کفار کے ستر آدمی قتل اور ستر آدمی گرفتار ہوئے۔ باقی اپنا سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اس جنگ میں کفار مکہ کو ایسی زبردست شکست ہوئی کہ ان کی عسکری طاقت ہی فنا ہو گئی۔ کفار قریش کے بڑے بڑے نامور سردار جو بہادری اور فن سپہ گری میں یکتائے روزگار تھے۔ ایک ایک کر کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ان ناموروں میں عتبہ، شیبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ، عاص بن ہشام، اُمیہ بن خلف، منبہ بن الحجاج، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن الحارث وغیرہ قریش کے سرتاج تھے۔ یہ سب مارے گئے۔

شہدائے بدر

جنگ بدر میں کل چودہ مسلمان شہادت سے سرفراز ہوئے جن میں سے چھ مہاجر، اور آٹھ انصار تھے۔ شہداء مہاجرین کے نام یہ ہیں (۱) حضرت عبیدہ بن الحارث (۲) حضرت عمیر بن ابی وقاص (۳) حضرت ذوالشمالین عمیر بن عبد (۴) حضرت عاقل بن ابی بکیر (۵) حضرت مہجع (۶) حضرت صفوان بن بیضاء اور انصار کے ناموں کی فہرست یہ ہے۔ (۷) حضرت سعد بن خیثمہ (۸) حضرت مبشر بن عبدالمنذر (۹) حضرت حارثہ بن سراقہ (۱۰) حضرت معوذ بن عفراء۔ (۱۱) حضرت عمیر بن حمام (۱۲) حضرت رافع بن معلی (۱۳) حضرت عوف بن عفراء (۱۴) حضرت یزید بن حارث رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (زرقانی ج ۱ ص۴۴۴ و ص۴۴۵)

ان شہداء بدر میں سے تیرہ حضرات تو میدان بدر ہی میں مدفون ہوئے مگر حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے چونکہ بدر سے واپسی پر منزل "صفراء" میں وفات پائی اس لیے ان کی قبر شریف منزل "صفرا" میں ہے۔ (زرقانی ج ۱ ص۴۴۵)

بدر کا گڑھا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ یہ طرز عمل رہا کہ جہاں کبھی کوئی لاش نظر آتی تھی، آپ اس کو دفن کروا دیتے تھے لیکن جنگ بدر میں قتل ہونے والے کفار چونکہ تعداد میں بہت زیادہ تھے، سب کو الگ الگ دفن کرنا ایک دشوار کام تھا اس لیے تمام لاشوں کو آپ نے بدر کے ایک گڑھے میں ڈال دینے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ صحابہ کرام نے تمام لاشوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر گڑھے

میں ڈال دیا۔ امیہ بن خلف کی لاش پھول گئی تھی صحابہ کرام نے اس کو گھسیٹنا چاہا تو اس کے اعضاء الگ الگ ہونے لگے، اس لیے اس کی لاش وہیں مٹی میں دبا دی گئی۔
(بخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جہل ج ۲ ص ۵۶۶)

کفار کی لاشوں سے خطاب

جب کفار کی لاشیں بدر کے گڑھے میں ڈال دی گئیں تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر مقتولین کا نام لے کر اس طرح پکارا کہ اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ! اے فلاں! اے فلاں! کیا تم لوگوں نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا؟ ہم نے تو اپنے رب کے وعدہ کو بالکل ٹھیک ٹھیک سچ پایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی لاشوں سے خطاب فرما رہے ہیں تو ان کو بڑا تعجب ہوا۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ ان بے روح کے جسموں سے کلام فرما رہے ہیں؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اے عمر! قسم خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم (زندہ لوگ) میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن سکتے۔ لیکن اتنی بات ہے کہ یہ مردے جواب نہیں دے سکتے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۳ باب ما جاء فی عذاب القبر) (بخاری ج ۲ ص ۵۶۶)

ضروری تنبیہ

بخاری وغیرہ کی اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ جب کفار کے مردے زندوں کی بات سنتے ہیں تو پھر مومنین خصوصاً اولیاء، شہداء، انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد یقیناً ہم زندوں کا سلام و کلام اور ہماری فریادیں سنتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کفار کی مردہ لاشوں کو پکارا۔ تو پھر خدا کے برگزیدہ بندوں یعنی ولیوں، شہیدوں اور نبیوں کو ان کی وفات کے بعد پکارنا بھلا کیوں نہ جائز و درست ہوگا؟ اسی لیے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ کے قبرستان میں تشریف لے جاتے تو قبروں کی طرف اپنا رخ انور کر کے یوں فرماتے کہ۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَ لَکُمْ اَنْتُمْ

سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ (مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور)

یعنی اے قبر والو! تم پر سلام ہو۔ خدا ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ تم لوگ ہم سے پہلے چلے گئے۔ اور ہم تمہارے بعد آنے والے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بھی یہی حکم دیا ہے اور صحابہ کرام کو اس کی تعلیم دیتے تھے کہ جب تم لوگ قبروں کی زیارت کے لیے جاؤ تو

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْاَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ

(مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور ص۱۵۴)

ان حدیثوں سے ظاہر ہے کہ مردے زندوں کا سلام و کلام سنتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جو لوگ سنتے ہی نہیں ان کو سلام کرنے سے کیا حاصل؟

مدینہ کو واپسی

فتح کے بعد تین دن تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "بدر" میں قیام فرمایا۔ پھر تمام اموالِ غنیمت اور کفار قیدیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ جب "وادی صفرا" میں پہنچے تو اموالِ غنیمت کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرمایا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ جنگ بدر کے موقع پر بیمار تھیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو صاحبزادی کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دے دیا تھا۔ اس لیے وہ جنگ بدر میں شامل نہ ہو سکے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں سے ان کو مجاہدین بدر کے برابر ہی حصہ دیا۔ اور ان کے برابر ہی اجر و ثواب کی بشارت بھی دی۔ اسی لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھی اصحابِ بدر کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے۔

مجاہدین بدر کا استقبال

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو فتح مبین کی

خوشخبری سنانے کے لیے مدینہ بھیج دیا تھا۔ چنانچہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ یہ خوشخبری لے کر جب مدینہ پہنچے تو تمام اہل مدینہ جوش مسرت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کے انتظار میں بے قرار رہنے لگے۔ اور جب تشریف آوری کی خبر پہنچی تو اہل مدینہ نے آگے بڑھ کر مقام "روحا" میں آپ کا پرجوش استقبال کیا۔

(ابن ہشام ج ۲ ص ۶۴۳)

قیدیوں کے ساتھ سلوک

کفار مکہ جب اسیران جنگ بن کر مدینہ میں آئے تو ان کو دیکھنے کے لیے بہت بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا۔ اور لوگ ان کو دیکھ کر کچھ نہ کچھ بولتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی سودہ رضی اللہ عنہا ان قیدیوں کو دیکھنے کے لیے تشریف لائیں اور یہ دیکھا کہ ان قیدیوں میں ان کے ایک قریبی رشتہ دار "سہیل" بھی ہیں، تو وہ بے ساختہ بول اٹھیں کہ "اے سہیل! تم نے بھی عورتوں کی طرح بیڑیاں پہن لیں، تم سے یہ نہ ہو سکا کہ بہادر مردوں کی طرح لڑتے ہوئے قتل ہو جاتے۔" (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۴۵)

ان قیدیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں تقسیم فرما دیا۔ اور یہ حکم دیا کہ ان قیدیوں کو آرام کے ساتھ رکھا جائے۔ چنانچہ دو، دو چار چار قیدی صحابہ کے گھروں میں رہنے لگے۔ اور صحابہ نے ان لوگوں کے ساتھ یہ حسن سلوک کیا کہ ان لوگوں کو گوشت روٹی وغیرہ حسب مقدور بہترین کھانا کھلاتے تھے۔ اور خود کھجوریں کھا کر رہ جاتے تھے۔

(ابن ہشام ج ۲ ص ۶۴۶)

قیدیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کے بدن پر کرتا نہیں تھا لیکن وہ اتنے لمبے قد کے آدمی تھے کہ کسی کا کرتا ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا عبداللہ بن ابی (منافقین کا سردار) چونکہ قد میں ان کے برابر تھا۔ اس لیے اس نے اپنا کرتا ان کو پہنا دیا۔ بخاری میں یہ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کے کفن کے لیے جو اپنا پیراہن شریف عطا فرمایا تھا وہ اسی احسان کا بدلہ تھا۔

(بخاری باب الکسوۃ للاساری ج ۱ ص ۴۲۲)

اسیرانِ جنگ کا انجام

ان قیدیوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ ان سب دشمنانِ اسلام کو قتل کر دینا چاہیے۔ اور ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے قریبی رشتہ دار کو اپنی تلوار سے قتل کرے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ آخر یہ سب لوگ اپنے عزیز و اقارب ہی ہیں۔ لہٰذا انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ ان لوگوں سے بطور فدیہ کچھ رقم لے کر ان سب کو رہا کر دیا جائے۔ اس وقت مسلمانوں کی مالی حالت بہت کمزور ہے۔ فدیہ کی رقم سے مسلمانوں کی مالی امداد کا سامان بھی ہو جائیگا اور شاید آئندہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اسلام کی توفیق نصیب فرمائے۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سنجیدہ رائے کو پسند فرمایا۔ اور ان قیدیوں سے چار چار ہزار درہم فدیہ لے کر ان لوگوں کو چھوڑ دیا۔ جو لوگ مفلسی کی وجہ سے فدیہ نہیں دے سکتے تھے۔ وہ یوں ہی بلا فدیہ چھوڑ دیے گئے۔ ان قیدیوں میں جو لوگ لکھنا جانتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا فدیہ یہ تھا کہ وہ انصار کے دس لڑکوں کو لکھنا سکھا دیں۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۶۴۶)

حضرت عباس کا فدیہ

انصار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست عرض کی کہ یا رسول اللہ! حضرت عباس ہمارے بھانجے ہیں۔ لہٰذا ہم ان کا فدیہ معاف کرتے ہیں۔ لیکن آپ نے یہ درخواست منظور نہیں فرمائی۔ حضرت عباس قریش کے ان دس دولت مند رئیسوں میں سے تھے جنہوں نے لشکر کفار کے راشن کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی۔ اس غرض کے لیے حضرت عباس کے پاس بیس اُوقیہ سونا تھا۔ چونکہ فوج کو کھانا کھلانے میں ابھی حضرت عباس کی باری نہیں آئی تھی۔ اس لیے وہ سونا ابھی تک ان کے پاس محفوظ تھا۔ اُس سونے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں شامل فرما لیا۔ اور حضرت عباس سے مطالبہ فرمایا کہ وہ اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عمرو بن

بجدم چار شخصوں کا فدیہ ادا کریں۔ حضرت عباس نے کہا کہ میرے پاس کوئی مال ہی نہیں ہے، میں کہاں سے فدیہ ادا کروں؛ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چچا جان! آپ کا وہ مال کہاں ہے؟ جو آپ نے جنگ بدر کے لیے روانہ ہوتے وقت اپنی بیوی اُمّ الفضل ؓ کو دیا تھا اور یہ کہا تھا اگر میں اس لڑائی میں مارا جاؤں تو اس میں سے اتنا اتنا مال میرے لڑکوں کو دے دینا۔ یہ سُن کر حضرت عباس نے کہا کہ قسم ہے اُس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔ کیونکہ اس مال کا علم میرے اور میری بیوی ام الفضل کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت عباس نے اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں اور اپنے حلیف کا فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کی پھر اس کے بعد حضرت عباس اور حضرت عقیل اور حضرت نوفل تینوں مشرف بہ اسلام ہو گئے (رضی اللہ عنہم) (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۹۷ و زرقانی ج ۱ ص ۴۴۷)

حضرت زینب کا ہار

جنگ بدر کے قیدیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابو العاص بن الربیع بھی تھے یہ ہالہ بنت خویلد کے لڑکے تھے۔ اور ہالہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں، اس لیے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لے کر اپنی لڑکی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ابو العاص بن الربیع سے نکاح کر دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی نبوت کا اعلان فرمایا، تو آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے تو اسلام قبول کر لیا۔ مگر ان کے شوہر ابو العاص مسلمان نہیں ہوئے اور نہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے سے جدا کیا۔ ابو العاص بن الربیع نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس قاصد بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی والدہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جہیز میں ایک قیمتی ہار بھی دیا تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فدیہ کی رقم کے ساتھ وہ ہار بھی اپنے گلے سے اتار کر مدینہ بھیج دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اس ہار پر پڑی تو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کی محبت کی یاد نے قلب مبارک پر ایسا رقت انگیز اثر ڈالا کہ آپ رو

پڑے ۔ اور صحابہ سے فرمایا کہ "اگر تم لوگوں کی مرضی ہو تو بیٹی کو اس کی ماں کی یادگار واپس کر دو" یہ سن کر تمام صحابۂ کرام نے سر تسلیم خم کر دیا اور یہ ہار حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے پاس مکہ بھیج دیا گیا۔ (تاریخ طبری ص ۱۳۴۸)

ابو العاص رہا ہو کر مدینہ سے مکہ آئے اور حضرت بی بی زینب کو مدینہ بھیج دیا۔ ابو العاص بہت بڑے تاجر تھے یہ مکہ سے اپنا سامانِ تجارت لے کر شام گئے اور وہاں سے خوب نفع کما کر مکہ آ رہے تھے کہ مسلمان مجاہدین نے ان کے قافلہ پر حملہ کر کے ان کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا۔ اور یہ مالِ غنیمت تمام سپاہیوں پر تقسیم بھی ہو گیا۔ ابو العاص چھپ کر مدینہ پہنچے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو پناہ دے کر اپنے گھر میں اتارا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ اگر تم لوگوں کی خوشی ہو تو ابو العاص کا مال و سامان واپس کر دو۔ فرمانِ رسالت کا اشارہ پاتے ہی تمام مجاہدین نے سارا مال و سامان ابو العاص کے سامنے رکھ دیا۔ ابو العاص اپنا سارا مال و اسباب لے کر مکہ آئے اور اپنے تمام تجارت کے شریکوں کو پائی پائی کا حساب سمجھا کر اور سب کو اس کے حصہ کی رقم ادا کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور اہل مکہ سے کہہ دیا کہ میں یہاں آ کر اور سب کا پورا پورا حساب ادا کر کے مدینہ جاتا ہوں تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ابو العاص ہمارا روپیہ لے کر تقاضا کے ڈر سے مسلمان ہو کر مدینہ بھاگ گیا۔ اس کے بعد حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ مدینہ آ کر حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہنے لگے۔ (تاریخ طبری)

مقتولین بدر کا ماتم

بدر میں کفارِ قریش کی شکستِ فاش کی خبر جب مکہ میں پہنچی تو ایسا کہرام مچ گیا کہ گھر گھر ماتم کدہ بن گیا۔ مگر اس خیال سے کہ مسلمان ہم پر ہنسیں گے۔ ابو سفیان نے تمام شہر میں اعلان کرا دیا کہ خبردار کوئی شخص رونے نہ پائے۔ اس لڑائی میں اسود بن عبد یغوث کے دو لڑکے "عقیل" اور "زمعہ" اور ایک پوتا "حارث بن زمعہ" قتل ہوئے تھے۔ اس صدمۂ جانکاہ سے اسود کا دل پھٹ گیا تھا وہ چاہتا تھا کہ اپنے ان مقتولوں پر خوب پھوٹ پھوٹ کر روئے

تاکہ دل کی بھڑاس نکل جائے۔ لیکن قومی غیرت کے خیال سے رو نہیں سکتا تھا مگر دل ہی دل میں گھٹتا اور کڑھتا رہتا تھا۔ اور آنسو بہاتے بہاتے اندھا ہو گیا تھا۔ ایک دن شہر میں کسی عورت کے رونے کی آواز آئی تو اس نے اپنے غلام کو بھیجا کہ دیکھو کون رو رہا ہے؟ کیا بدر کے مقتولوں پر رونے کی اجازت ہو گئی ہے؟ میرے سینے میں رنج و غم کی آگ سلگ رہی ہے۔ میں بھی رونے کے لیے بے قرار ہوں۔ غلام نے بتایا کہ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے وہ اسی غم میں رو رہی ہے۔ اسود شاعر تھا۔ یہ سن کر بے اختیار اس کی زبان سے یہ دردناک اشعار نکل پڑے۔ جس کے لفظ لفظ سے خون ٹپک رہا ہے ؎

أَتَبْكِي أَنْ يَضِلَّ لَهَا بَعِيرٌ!
وَيَمْنَعُهَا مِنَ النَّوْمِ السُّهُودُ

کیا وہ عورت ایک اونٹ کے گم ہو جانے پر رو رہی ہے؟ اور بے خوابی نے اس کی نیند کو روک دیا ہے۔

فَلَا تَبْكِي عَلَى بَكْرٍ وَلٰكِنْ
عَلَى بَدْرٍ تَقَاصَرَتِ الْجُدُودُ

تو وہ ایک اونٹ پر نہ روئے۔ لیکن "بدر" پر روئے جہاں قسمتوں نے کوتاہی کی ہے۔

وَبَكِّي إِنْ بَكَيْتِ عَلَى عَقِيلٍ
وَبَكِّي حَارِثًا أَسَدَ الْأُسُودِ

اگر تجھ کو رونا ہے تو "عقیل" پر رو یا کر اور "حارث" پر رو یا کر جو شیروں کا شیر تھا۔

وَبَكِّيهِمْ وَلَا تُسَمِّي جَمِيعًا
وَمَا لِأَبِي حُكَيْمَةَ مِنْ نَدِيدٍ

اور ان سب پر رویا کر۔ مگر ان سبھوں کا نام مت لے اور "ابو حکیمہ" "زمعہ"

کا تو کوئی ہمسر ہی نہیں ہے۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۶۵۷)

عمیر اور صفوان کی خوفناک سازش

ایک دن عمیر اور صفوان دونوں حطیم کعبہ میں بیٹھے ہوئے مقتولینِ بدر پر آنسو بہا رہے تھے۔ ایک دم صفوان بول اٹھا۔ کہ اے عمیر! میرا باپ اور دوسرے روسائے مکہ جس طرح بدر میں قتل ہوئے۔ ان کو یاد کر کے سینے میں دل پاش پاش ہو رہا ہے اور اب زندگی میں کوئی مزہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ عمیر نے کہا کہ اے صفوان! تم سچ کہتے ہو میرے سینے میں بھی انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے۔ میرے اعزہ و اقربا بھی بدر میں بدردی کے ساتھ قتل کیے گئے ہیں۔ اور میرا بیٹا مسلمانوں کی قید میں ہے۔ خدا کی قسم اگر میں قرضدار نہ ہوتا اور بال بچوں کی فکر سے دوچار نہ ہوتا۔ تو ابھی ابھی میں تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ جاتا۔ اور دم زدن میں دھوکہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے فرار ہو جاتا۔ یہ سن کر صفوان نے کہا کہ اے عمیر! تم اپنے قرض اور بچوں کی ذرا بھی فکر نہ کرو۔ میں خدا کے گھر میں عہد کرتا ہوں کہ تمہارا سارا قرض ادا کر دوں گا۔ اور میں تمہارے بچوں کی پرورش کا بھی ذمہ دار ہوں۔ اس معاہدہ کے بعد عمیر سیدھا گھر آیا۔ اور زہر میں بجھائی ہوئی تلوار لے کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ جب مدینہ میں مسجد نبوی کے قریب پہنچا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ لیا اور اس کا گلہ دبائے اور گردن پکڑے ہوئے دربار رسالت میں لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ کہ کیوں؟ عمیر! کس ارادہ سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ اپنے بیٹے کو چھڑانے کے لیے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے اور صفوان نے حطیم کعبہ میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی ہے؟ عمیر اس راز کی بات سن کر سناٹے میں آ گیا۔ اور اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ کیونکہ خدا کی قسم! میرے اور صفوان کے سوا اس راز کی کسی کو بھی خبر نہ تھی۔ اُدھر مکہ میں صفوان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سننے کے لیے انتہائی بے قرار تھا اور دن گن گن کر عمیر کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر جب اس نے ناگہاں یہ سنا کہ عمیر مسلمان ہو گیا تو فرطِ حیرت سے اس کے پاؤں کے نیچے کی زمین نکل گئی۔ اور وہ بوکھلا گیا۔

حضرت عمیر مسلمان ہو کر مکہ آئے اور جس طرح وہ پہلے مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے اب وہ کافروں کی جان کے دشمن بن گئے۔ اور انتہائی بے خوفی اور بہادری کے ساتھ مکہ میں اسلام کی تبلیغ کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کی دعوت اسلام سے بڑے بڑے کافروں کے اندھیرے دلوں میں نور ایمان کی روشنی سے اُجالا ہو گیا۔ اور یہی عمیر اب صحابی رسول حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کہلانے لگے۔ (تاریخ طبری صہ ۱۳۵۴)

مجاہدین بدر کے فضائل

جو صحابہ کرام جنگ بدر کے جہاد میں شریک ہو گئے وہ تمام صحابہ میں ایک خصوصی شرف کے ساتھ ممتاز ہیں۔ اور ان خوش نصیبوں کے فضائل میں ایک بہت ہی عظیم الشان فضیلت یہ ہے کہ ان سعادت مندوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ۔

"بے شک اللہ تعالیٰ اہل بدر سے واقف ہے اور اس نے یہ فرما دیا ہے کہ تم اب جو عمل چاہو کرو۔ بلاشبہ تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے یا (یہ فرمایا) کہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔" (بخاری باب فضل من شہد بدراً ج ۲ صہ ۵۶۷)

ابولہب کی عبرتناک موت

ابولہب جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکا جب کفار قریش شکست کھا کر مکہ واپس آئے تو لوگوں کی زبانی جنگ بدر کے حالات سُن کر ابولہب کو انتہائی رنج و ملال ہوا۔ اس کے بعد ہی وہ بڑی چیچک کی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ جس سے اس کا تمام بدن سڑ گیا۔ اور آٹھویں دن مر گیا۔ عرب کے لوگ چیچک سے بہت ڈرتے تھے۔ اور اس بیماری میں مرنے والے کو بہت ہی منحوس سمجھتے تھے۔ اس لیے اس کے بیٹوں نے بھی تین دن تک اس کی لاش کو ہاتھ نہیں لگایا مگر اس خیال سے کہ لوگ طعنہ ماریں گے۔ ایک گڑھا کھود کر لکڑیوں سے دھکیلتے ہوئے لے گئے اور اس گڑھے میں لاش کو گرا کر اوپر سے مٹی ڈال دی اور بعض مورخین نے تحریر فرمایا کہ دور سے لوگوں نے اس گڑھے میں اس قدر پتھر پھینکا کہ ان پتھروں سے اس کی لاش چھپ گئی۔ (زرقانی ج ۱ صہ ۵۲۴)

غزوہ بنی قینقاع

رمضان ۲ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے معرکہ سے واپس ہو کر مدینہ واپس لوٹے۔ اس کے بعد ہی ۱۵ شوال ۲ھ

میں "غزوۂ بنی قینقاع" کا واقعہ درپیش ہوگیا۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مدینہ کے اطراف میں یہودیوں کے تین بڑے بڑے قبائل آباد تھے۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر۔ بنو قریظہ۔ ان تینوں سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا۔ مگر جنگ بدر کے بعد جس قبیلہ نے سب سے پہلے معاہدہ توڑا۔ وہ قبیلہ بنو قینقاع کے یہودی تھے۔ جو سب سے زیادہ بہادر اور دولت مند تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک برقع پوش عرب عورت یہودیوں کے بازار میں آئی۔ دکانداروں نے شرارت کی۔ اور اس عورت کو ننگا کر دیا۔ اس پر تمام یہودی قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ عورت چلائی تو ایک عرب آیا اور دکاندار کو قتل کر دیا اس پر یہودیوں اور عربوں میں لڑائی شروع ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو تشریف لائے اور یہودیوں کی اس غیر شریفانہ حرکت پر ملامت فرمانے لگے۔ اس پر بنو قینقاع کے خبیث یہودی بگڑ گئے اور بولے کہ جنگ بدر کی فتح سے آپ مغرور نہ ہو جائیں۔ مکہ والے جنگ کے معاملہ میں بے ڈھنگے تھے۔ اس لیے آپ نے ان کو مار لیا۔ اگر ہم سے آپ کا سابقہ پڑا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ کس چیز کا نام ہے؟ اور لڑنے والے کیسے ہوتے ہیں؟ جب یہودیوں نے معاہدہ توڑ دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف شوال ۲ھ سنیچر کے دن ان یہودیوں پر حملہ کر دیا۔ یہودی جنگ کی تاب نہ لا سکے اور اپنے قلعوں کا پھاٹک بند کر کے قلعہ بند ہو گئے مگر پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بالآخر یہودی مغلوب ہو گئے اور ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کے مشورہ سے ان یہودیوں کو شہر بدر کر دیا اور یہ عہد شکن، بدذات یہودی ملک شام کے مقام "اذرعات" میں جا کر آباد ہو گئے۔ (زرقانی ج ۱ ص ۴۵۸)

غزوۂ سویق

یہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ جنگ بدر کے بعد مکہ کے ہر گھر میں سرداران قریش کے قتل ہو جانے کا ماتم برپا تھا اور اپنے مقتولوں کا بدلہ لینے کے لیے مکہ کا بچہ بچہ مضطرب اور بے قرار تھا۔ چنانچہ غزوۂ سویق اور جنگ اُحد وغیرہ کی لڑائیاں مکہ والوں کے اسی جوش انتقام کا نتیجہ ہیں۔ عتبہ اور ابوجہل کے قتل ہو جانے کے بعد اب قریش کا سردار اعظم ابو سفیان تھا اور اس منصب کا سب سے بڑا کام غزوۂ بدر

کا انتقام تھا۔ چنانچہ ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک بدر کے مقتولوں کا مسلمانوں سے بدلہ نہ لوں گا۔ نہ غسل جنابت کروں گا۔ نہ سر میں تیل ڈالوں گا چنانچہ جنگ بدر کے دو ماہ بعد ذوالحجہ ۲ھ میں ابوسفیان دو سو شتر سواروں کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ اس کو یہودیوں پر بڑا بھروسا بلکہ ناز تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ اس کی امداد کریں گے۔ اسی امید پر ابوسفیان پہلے "حیی بن اخطب" یہودی کے پاس گیا مگر اس نے دروازہ بھی نہیں کھولا۔ وہاں سے مایوس ہو کر سلام بن مشکم سے ملا۔ جو قبیلہ بنو نضیر کے یہودیوں کا سردار تھا۔ اور یہود کے تجارتی خزانہ کا مینجر بھی تھا۔ اس نے ابوسفیان کا پرجوش استقبال کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام جنگی رازوں سے ابوسفیان کو آگاہ کر دیا۔ صبح کو ابوسفیان نے مقام "عریض" پر حملہ کیا۔ یہ بستی مدینہ سے تین میل کی دوری پر تھی۔ اس حملہ میں ابوسفیان نے ایک انصاری صحابی کو جن کا نام سعد بن عمرو رضی اللہ عنہ تھا، شہید کر دیا اور کچھ درختوں کو کاٹ ڈالا اور مسلمانوں کے چند گھروں اور باغات کو آگ لگا کر پھونک دیا۔ ان حرکتوں سے اس کے گمان میں اس کی قسم پوری ہو گئی۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس کا تعاقب کیا۔ لیکن ابوسفیان بدحواس ہو کر اس قدر تیزی سے بھاگا۔ کہ بھاگتے ہوئے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ستو کی بوریاں جو وہ اپنی فوج کے راشن کے لیے لایا تھا۔ پھینکتا چلا گیا۔ جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ عربی زبان میں ستو کو سویق کہتے ہیں۔ اسی لیے اس غزوہ کا نام غزوہ سویق پڑ گیا۔ (مدارج جلد ۲ ص ۱۰۴)

حضرت فاطمہؓ کی شادی

اسی سال ۲ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی خانہ آبادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوئی۔ یہ شادی انتہائی وقار اور سادگی کے ساتھ ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حضرات ابوبکر صدیق و عمر و عثمان و عبدالرحمٰن بن عوف اور دوسرے چند مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مدعو کریں۔ چنانچہ جب صحابۂ کرام جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور نکاح پڑھا دیا۔ شہنشاہِ کونین نے شہزادیِ اسلام حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز میں

جو سامان دیا۔ اس کی فہرست یہ ہے۔ ایک کملی، بان کی ایک چارپائی، چمڑے کا گدا جس میں روئی کی جگہ کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک چھاگل۔ ایک مشک، دو چکیاں، دو مٹی کے گھڑے حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک مکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے نذر کر دیا کہ اس میں حضرت علی اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہما سکونت فرمائیں۔ جب حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر نئے گھر میں گئیں تو عشاء کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ایک برتن میں پانی طلب فرمایا۔ اور اس میں کلی فرما کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان کے سر اور سینہ پر بھی پانی چھڑکا اور پھر یوں دعا فرمائی کہ یا اللہ میں علی اور فاطمہ اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں کہ یہ سب شیطان کے شر سے محفوظ رہیں۔ (زرقانی ج ۲ ص ۴)

۲ھ کے متفرق واقعات

(۱) اسی سال روزہ اور زکوٰۃ کی فرضیت کے احکام نازل ہوئے۔ اور نماز کی طرح روزہ اور زکوٰۃ بھی مسلمانوں پر فرض ہو گئے۔

۲۔ اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کی نماز جماعت کے ساتھ عید گاہ میں ادا فرمائی۔ اس سے قبل عید الفطر کی نماز نہیں ہوئی تھی۔

۳۔ صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم اسی سال جاری ہوا۔

۴۔ اسی سال ۱۰ ذوالحجہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بقر عید کی نماز ادا فرمائی اور نماز کے بعد دو مینڈھوں کی قربانی فرمائی۔

۵۔ اسی سال "غزوۂ قرقرالکدر" و "غزوۂ بحران" وغیرہ چند چھوٹے چھوٹے غزوات بھی پیش آئے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی۔ مگر ان غزوات میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

آٹھواں باب

ہجرت کا تیسرا سال

۳ھ

جنگِ اُحد اس سال کا سب سے بڑا واقعہ "جنگ اُحد" ہے۔ "اُحد" ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل دور ہے۔ چونکہ حق و باطل کا یہ عظیم معرکہ اسی پہاڑ کے دامن میں درپیش ہوا اسی لیے یہ لڑائی "غزوہ اُحد" کے نام سے مشہور ہے اور قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں اس لڑائی کے واقعات کا خداوندِ عالم نے تذکرہ فرمایا ہے۔

جنگِ اُحد کا سبب یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جنگ بدر میں ستر کفار قتل اور ستر گرفتار ہوئے تھے اور جو قتل ہوئے ان میں سے اکثر کفارِ قریش کے سردار، بلکہ تاجدار تھے۔ اس بنا پر مکہ کا ایک ایک گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ اور قریش کا بچہ بچہ جوشِ انتقام میں آتشِ غیظ و غضب کا تنور بن کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے بے قرار تھا۔ عرب خصوصاً قریش کا یہ طرۂ امتیاز تھا کہ وہ اپنے ایک ایک مقتول کے خون کا بدلہ لینے کو اتنا بڑا فرض سمجھتے تھے جس کو ادا کیے بغیر گویا ان کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ جنگِ بدر کے مقتولوں کے ماتم سے جب قریشیوں کو فرصت ملی تو انہوں نے یہ عزم کر لیا کہ جس قدر ممکن ہو جلد سے جلد مسلمانوں سے اپنے مقتولوں کے خون کا بدلہ لینا چاہیے۔ چنانچہ، ابوجہل کا بیٹا عکرمہ اور امیہ کا لڑکا صفوان اور دوسرے کفار قریش جن کے باپ، بھائی، بیٹے۔ جنگ بدر میں قتل ہو چکے تھے۔ سب کے سب ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا کہ مسلمانوں نے ہماری قوم کے تمام سرداروں کو قتل کر ڈالا ہے۔ اس کا بدلہ لینا ہمارا قومی فریضہ ہے لہٰذا ہماری

خواہش ہے کہ قریش کی شترکہ تجارت میں امسال جتنا نفع ہوا ہے۔ وہ سب قوم کے جنگی فنڈ میں جمع ہو جانا چاہیئے۔ اور اس رقم سے بہتر بن ہتھیار خرید کر اپنی لشکری طاقت بہت جلد مضبوط کر لینی چاہیئے۔ اور پھر ایک عظیم فوج لے کر مدینہ پر چڑھائی کر کے بانیِ اسلام اور مسلمانوں کو دنیا سے نیست و نابود کر دینا چاہیئے۔ ابو سفیان نے خوشی خوشی قریش کی اس درخواست کو منظور کر لیا۔ لیکن قریش کو جنگ بدر سے یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں سے لڑنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ آندھیوں اور طوفانوں کا مقابلہ، سمندر کی موجوں سے ٹکرانا، پہاڑوں سے ٹکر لینا بہت آسان ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں سے جنگ کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے اس لیے انہوں نے اپنی جنگی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ کرنا نہایت ضروری خیال کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ہتھیاروں کی تیاری، اور سامانِ جنگ کی خریداری میں پانی کی طرح روپیہ بہانے کے ساتھ ساتھ پورے عرب میں جنگ کا جوش اور لڑائی کا بخار پھیلانے کے لیے بڑے بڑے شاعروں کو منتخب کیا۔ جو اپنی آتش بیانی سے تمام قبائل عرب میں جوشِ انتقام کی آگ لگا دیں "عمرو جمحی" اور "مسافع" یہ دونوں اپنی شاعری میں طاق اور آتش بیانی میں شہرۂ آفاق تھے، ان دونوں نے باقاعدہ دورہ کر کے تمام قبائل عرب میں ایسا جوش اور اشتعال پیدا کر دیا کہ بچہ بچہ "خون کا بدلہ خون" کا نعرہ لگاتے ہوئے مرنے اور مارنے پر تیار ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بہت بڑی فوج تیار ہو گئی۔ مردوں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے معزز اور مالدار گھرانوں کی عورتیں بھی جوشِ انتقام سے لبریز ہو کر فوج میں شامل ہو گئیں۔ جن کے باپ۔ بھائی۔ بیٹے۔ شوہر جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے۔ ان عورتوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم اپنے رشتہ داروں کے قاتلوں کا خون پی کر ہی دم لیں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ہند کے باپ عتبہ اور جبیر بن مطعم کے چچا کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا۔ اس بنا پر "ہند" نے "وحشی" کو جو جبیر بن مطعم کا غلام تھا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ کیا۔ اور یہ وعدہ کیا کہ اگر اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو وہ اس کارگزاری کے صلہ میں آزاد کر دیا جائے گا

مدینہ پر چڑھائی

الغرض بے پناہ جوش و خروش اور انتہائی تیاری کے ساتھ لشکرِ کفار مکہ سے روانہ ہوا۔ اور ابوسفیان اس لشکرِ جرار کا سپہ سالار بنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے۔ اور مکہ میں رہتے تھے۔ انہوں نے ایک خط لکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار قریش کی لشکر کشی سے مطلع کر دیا۔ جب آپ کو یہ خوفناک خبر ملی تو آپ نے ۵ شوال ۳ھ کو حضرت عدی بن فضالہ رضی اللہ عنہ کے دونوں لڑکوں حضرت انس اور حضرت مونس رضی اللہ عنہما کو جاسوس بنا کر کفار قریش کے لشکر کی خبر لانے کے لیے روانہ فرمایا۔ چنانچہ ان دونوں نے آکر یہ پریشان کن خبر سنائی کہ ابوسفیان کا لشکر مدینہ کے بالکل قریب آگیا ہے۔ اور ان کے گھوڑے مدینہ کی چراگاہ (عریض) کی تمام گھاس چر گئے۔

مسلمانوں کی تیاری اور جوش

یہ خبر سن کر ۴ ار شوال ۳ھ جمعہ کی رات میں حضرت سعد بن معاذ و حضرت اسید بن حضیر و حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم ہتھیار لے کر چند انصاریوں کے ساتھ رات بھر کاشانہ نبوت کا پہرہ دیتے رہے۔ اور شہر مدینہ کے اہم ناکوں پر بھی انصار کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کو جمع فرما کر مشورہ طلب فرمایا۔ کہ شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کی فوج کا مقابلہ کیا جائے یا شہر سے باہر نکل کر میدان میں یہ جنگ لڑی جائے؟ مہاجرین نے عام طور پر اور انصار میں سے بڑے بوڑھوں نے یہ رائے دی کہ عورتوں اور بچوں کو قلعوں میں محفوظ کر دیا جائے اور شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ اس نے بھی یہی کہا کہ شہر میں پناہ گیر ہو کر کفار قریش کے حملوں کی مدافعت کی جائے۔ مگر چند کمسن نوجوان جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اور جوشِ جہاد میں آپے سے باہر ہو رہے تھے وہ اس رائے پر اڑ گئے کہ میدان میں نکل کر ان دشمنانِ اسلام سے فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی رائے سن لی۔ پھر مکان میں جا کر ہتھیار زیب تن فرمایا۔ اور باہر تشریف لائے۔ اب تمام لوگ اس بات پر متفق ہو گئے

کہ شہر کے اندر ہی رہ کر کفار قریش کے حملوں کو روکا جائے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیغمبر کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ ہتھیار پہن کر اُتار دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ اب تم لوگ خدا کا نام لے کر میدان میں نکل پڑو۔ اگر تم لوگ صبر کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹے رہو گے تو ضرور تمہاری فتح ہو گی۔"

(مدارج ج ۲ صہ ۱۱۴)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے قبیلۂ اوس کا جھنڈا حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو، اور قبیلۂ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو، اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا۔ اور ایک ہزار کی فوج لے کر مدینہ سے باہر نکلے۔

(مدارج ج ۲ صہ ۱۱۴)

حضرت نے یہود کی امداد کو ٹھکرا دیا

شہر سے نکلتے ہی آپ نے دیکھا کہ ایک فوج چلی آ رہی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے حلیف یہودیوں کا لشکر ہے۔ جو آپ کی امداد کے لیے آ رہا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:-

"ان لوگوں سے کہہ دو کہ واپس لوٹ جائیں، ہم مشرکوں کے مقابلہ میں مشرکوں کی مدد نہیں لیں گے۔"

(مدارج جلد ۲ صہ ۱۱۴)

چنانچہ یہودیوں کا یہ لشکر واپس چلا گیا۔ پھر عبداللہ بن اُبی (منافقوں کا سردار) بھی جو تین سو آدمیوں کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آیا تھا۔ یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ:-

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرا مشورہ قبول نہیں کیا۔ اور میری رائے کے خلاف میدان میں نکل پڑے، لہٰذا میں ان کا ساتھ نہیں دوں گا۔"

(مدارج جلد ۲ صہ ۱۱۵)

عبداللہ بن اُبی کی بات سُن کر قبیلہ خزرج میں سے "بنو سلمہ" کے اور قبیلۂ اوس میں سے "بنو حارثہ" کے لوگوں نے بھی واپس لوٹ جانے کا ارادہ کر لیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں اچانک محبتِ اسلام کا ایسا جذبہ پیدا فرما دیا کہ ان لوگوں کے قدم جم گئے

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان لوگوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (آل عمران)	جب تم میں کے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ نامردی کر جائیں۔ اور اللہ ان کا سنبھالنے والا ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسا چاہیے۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں کل سات سو صحابہ رہ گئے جن میں کل ایک سو زرہ پوش تھے۔ اور کفار کی فوج میں تین ہزار اشرار کا لشکر تھا۔ جن میں سات سو زرہ پوش جوان، دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں۔

شہر سے باہر نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کا معائنہ فرمایا۔ اور جو لوگ کم عمر تھے، ان کو واپس لوٹا دیا کہ جنگ کے ہولناک موقع پر بچوں کا کیا کام؟

بچوں کا جوشِ جہاد

مگر جب حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ تم بہت چھوٹے ہو، تم بھی واپس چلے جاؤ تو وہ فوراً انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے تاکہ ان کا قد اونچا نظر آئے۔ چنانچہ ان کی یہ ترکیب چل گئی اور وہ فوج میں شامل کر لیے گئے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ جو ایک کم عمر نوجوان تھے جب ان کو واپس کیا جانے لگا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رافع بن خدیج کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ اس لیے اگر وہ فوج میں لے لیے گئے ہیں تو پھر مجھ کو بھی ضرور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت ملنی چاہیے۔ چنانچہ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا۔ اور واقعی حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع بن خدیج کو زمین پر دے مارا۔ اس طرح ان دونوں پرجوش نوجوانوں کو جنگ اُحد میں شرکت کی سعادت نصیب ہو گئی۔ (مدارج جلد ۲ ص ۱۱۴)

تاجدارِ دو عالم میدانِ جنگ میں

مشرکین تو ۱۲ / شوال ۳ھ بدھ کے دن ہی مدینہ کے قریب پہنچ کر کوہِ اُحد پر اپنا پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۴ / شوال ۳ھ بعد نماز جمعہ

مدینہ سے روانہ ہوئے۔ رات کو بنی نجار میں رہے اور ۱۵ ر شوال سنیچر کے دن نماز فجر کے وقت اُحد میں پہنچے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور آپ نے نماز فجر پڑھا کر میدانِ جنگ میں مورچہ بندی شروع فرمائی۔ حضرت عکاشہ بن محصن اسدی کو لشکر کے میمنہ (دائیں بازو) پر۔ اور حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی کو میسرہ (بائیں بازو) پر اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح و حضرت سعد بن ابی وقاص کو مقدمہ (اگلے حصہ) پر۔ اور حضرت مقداد بن عمر کو ساقہ (پچھلے حصہ) پر افسر مقرر فرمایا (رضی اللہ عنہم) اور صف بندی کے وقت اُحد پہاڑ کو پشت پر رکھا۔ اور کوہ عینین کو جو وادی قناۃ میں ہے اپنے بائیں طرف رکھا لشکر کے پیچھے پہاڑ میں ایک درہ (تنگ راستہ) جس میں سے گزر کر کفار قریش مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے سے حملہ آور ہو سکتے تھے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درہ کی حفاظت کے لیے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر فرما دیا اور حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اس دستہ کا افسر بنا دیا۔ اور یہ حکم دیا کہ دیکھو ہم چاہے مغلوب ہوں یا غالب۔ مگر تم لوگ اپنی اس سے جگہ سے اُس وقت تک نہ ہٹنا جب تک میں تمہارے پاس کسی کو نہ بھیجوں۔

(مدارج جلد ۲ صہ ۱۱۵ و بخاری باب مایکرہ من التنازع)

مشرکین نے بھی نہایت باقاعدگی کے ساتھ اپنی صفوں کو درست کیا چنانچہ انھوں نے اپنے لشکر کے میمنہ پر خالد بن ولید کو۔ اور میسرہ پر عکرمہ بن ابو جہل کو افسر بنا دیا سواروں کا دستہ صفوان بن اُمیہ کی کمان میں تھا۔ تیر اندازوں کا ایک دستہ الگ تھا جن کا سردار عبد اللہ بن ربیعہ تھا اور پورے لشکر کا علمبردار طلحہ بن ابو طلحہ تھا جو قبیلۂ بنی عبد الدار کا ایک آدمی تھا۔ (مدارج جلد ۲ صہ ۱۱۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ پورے لشکر کفار کا علمبردار قبیلۂ بنی عبد الدار کا ایک شخص ہے تو آپ نے بھی اسلامی لشکر کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ جو قبیلۂ بنو عبد الدار سے تعلق رکھتے تھے۔

⁂

جنگ کی ابتداء

سب سے پہلے کفار قریش کی عورتیں دف بجا بجا کر ایسے اشعار گاتی ہوئی آگے بڑھیں جن میں جنگ بدر کے مقتولین کا ماتم اور انتقام خون کا جوش بھرا ہوا تھا۔ لشکر کفار کے سپہ سالار ابو سفیان کی بیوی "ہند" آگے آگے اور کفار قریش کے معزز گھرانوں کی چودہ عورتیں اس کے ساتھ ساتھ تھیں اور یہ سب آواز ملا کر یہ اشعار گا رہی تھیں کہ ؎

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِقْ	نَمْشِیْ عَلَی النَّمَارِقْ
ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں	ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
اِنْ تُقْبِلُوْا نُعَانِقْ	اَوْ تُدْبِرُوْا نُفَارِقْ
اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے	اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے

مشرکین کی صفوں میں سے سب سے پہلے جو شخص جنگ کے لیے نکلا وہ "ابو عامر اوسی" تھا جس کی عبادت اور پارسائی کی بنا پر مدینہ والے اس کو "راہب" کہا کرتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام "فاسق" رکھا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں یہ شخص اپنے قبیلہ اوس کا سردار تھا اور مدینہ کا مقبول عام آدمی تھا۔ مگر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو یہ شخص جذبہ حسد میں جل بھن کر خدا کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے لگا۔ اور مدینہ سے نکل کر مکہ چلا گیا۔ اور کفار قریش کو آپ سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ اس کو بڑا بھروسا تھا کہ میری قوم جب مجھے دیکھے گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دے گی۔ چنانچہ اس نے میدان میں نکل کر پکارا کر اے انصار! کیا تم لوگ مجھے پہچانتے ہو؟ میں ابو عامر راہب ہوں۔ انصار نے چلا کر کہا ہاں ہاں اے فاسق! ہم تجھ کو خوب پہچانتے ہیں۔ خدا تجھے ذلیل فرمائے۔ ابو عامر اپنے لیے فاسق کا لفظ سن کر تلملا گیا۔ کہنے لگا کہ ہائے افسوس! میرے بعد میری قوم بالکل ہی بدل گئی۔ پھر کفار قریش کی ایک ٹولی جو اس کے ساتھ تھی مسلمانوں پر تیر برسانے لگی۔ اس کے جواب میں انصار نے بھی اس زور کی سنگ باری کی کہ ابو عامر اور اس کے ساتھی میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے (مدارج جلد ۲ ص ۱۱۶)

لشکر کفار کا علمبردار طلحہ بن ابوطلحہ صف سے نکل کر میدان میں آیا اور کہنے لگا کہ کیوں مسلمانو! تم میں کوئی ایسا ہے کہ یا وہ مجھ کو دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھ سے وہ جنت میں پہنچ جائے۔ اس کا یہ گھمنڈ سے بھرا ہوا کلام سُن کر حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں "میں ہوں" یہ کہہ کر فاتح خیبر نے ذوالفقار کے ایک ہی وار سے اس کا سر پھاڑ دیا۔ اور وہ زمین پر تڑپنے لگا۔ اور شیر خدا منہ پھیر کر وہاں سے ہٹ گئے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس کا سر کیوں نہیں کاٹ لیا۔ شیر خدا نے فرمایا کہ جب وہ زمین پر گرا تو اس کی شرمگاہ کھل گئی۔ اور وہ مجھے قسم دینے لگا کہ مجھے معاف کر دیجیے اس بے حیا کو بے ستر دیکھ کر مجھے شرم دامنگیر ہو گئی اس لیے میں نے منہ پھیر لیا۔

(مدارج ج ۲ ص ۱۱۶)

طلحہ کے بعد اس کا بھائی عثمان بن ابوطلحہ رجز کا یہ شعر پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا کہ ؎

اِنَّ عَلٰی اَھْلِ اللِّوَاءِ حَقًّا !
اَنْ یَّخْضِبَ اللِّوَاءَ اَوْ تَنْدَقَّا

علمبردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون میں رنگ دے۔ یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لیے تلوار لے کر نکلے۔ اور اس کے شانے پر ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ تلوار ریڑھ کی ہڈی کو کاٹتی ہوئی کمر تک پہنچ گئی اور آپ کے منہ سے یہ نعرہ نکلا کہ

اَنَا اِبْنُ سَاقِی الْحَجِیْجِ

میں حاجیوں کے سیراب کرنے والے عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ (مدارج جلد ۲ ص ۱۱۶)
اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی اور میدان جنگ میں کشت و خون کا بازار گرم ہو گیا۔

ابودجانہ کی خوش نصیبی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک تلوار تھی جس پر یہ شعر کندہ تھا کہ ؎

فِی الْجُبْنِ عَارٌ وَّفِی الْاِقْبَالِ مَکْرُمَۃٌ
وَالْمَرْءُ بِالْجُبْنِ لَا یَنْجُوْ مِنَ الْقَدْرِ

بزدلی میں شرم ہے۔ اور آگے بڑھ کر لڑنے میں عزت ہے اور آدمی بزدلی کر کے تقدیر سے نہیں بچ سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے" یہ سن کر بہت سے لوگ اس سعادت کے لیے لپکے۔ مگر یہ فخر و شرف حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کے نصیب میں تھا کہ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی یہ تلوار اپنے ہاتھ سے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی۔ وہ یہ اعزاز پا کر جوشِ مسرت میں مست و بے خود ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس تلوار کا حق کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ:

"تو اس سے کافروں کو قتل کرے یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے"

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں پھر وہ اپنے سر پر ایک سرخ رنگ کا رومال باندھ کر اکڑتے اور اتراتے ہوئے میدان جنگ میں نکل پڑے اور دشمنوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے اور تلوار چلاتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ ایک دم ان کے سامنے ابو سفیان کی بیوی "ہند" آ گئی۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ اس پر تلوار چلا دیں مگر پھر اس خیال سے تلوار ہٹا لی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تلوار کے لیے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی عورت کا سر کاٹے۔

(زرقانی ج ۲ ص ۲۹ و مدارج جلد ۲ ص ۱۱۶)

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور کفار کا قتلِ عام شروع کر دیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ انتہائی جوشِ جہاد میں دو دستی تلوار مارتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے تھے اسی حالت میں "سباع غبشانی" سامنے آ گیا۔ آپ نے تڑپ کر فرمایا کہ اے عورتوں کا ختنہ کرنے والی عورت کے بچے! ٹھہر، کہاں جاتا ہے؟

تو اللہ و رسول سے جنگ کرنے چلا آیا ہے۔ یہ کہہ کر اس پر تلوار چلا دی۔ اور وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

حضرت حمزہ کی شہادت

"وحشی" جو ایک حبشی غلام تھا۔ اور اُس کا آقا جبیر بن مطعم اس سے وعدہ کر چکا تھا تو اگر حضرت حمزہ کو قتل کر دے۔ تو میں تجھ کو آزاد کر دوں گا۔ وحشی ایک چٹان کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں تھا۔ جوں ہی آپ اس کے قریب پہنچے اُس نے دور سے اپنا نیزہ پھینک کر مارا جو آپ کی ناف میں لگا۔ اور پشت کے پار ہو گیا۔ اس حال میں بھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر اس کی طرف بڑھے۔ مگر زخم کی تاب نہ لا کر گر پڑے اور شہادت سے سرفراز ہو گئے۔

(بخاری باب قتل حمزہ ؓ ج ۲ ص ۵۸۲)

کفار کے علمبردار خود کٹ کٹ کر گرتے چلے جا رہے تھے مگر ان کا جھنڈا گرنے نہیں پاتا تھا۔ ایک کے قتل ہونے کے بعد دوسرا اس جھنڈے کو اٹھا لیتا تھا۔ ان کافروں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ جب ایک کافر نے جس کا نام "صواب" تھا مشرکین کا جھنڈا اٹھایا تو ایک مسلمان نے اس کو اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے دونوں ہاتھ کٹ کر زمین پر گر پڑے۔ مگر اس نے اپنے قومی جھنڈے کو زمین پر گرنے نہیں دیا بلکہ جھنڈے کو اپنے سینے سے دبائے ہوئے زمین پر گر پڑا۔ اسی حالت میں مسلمانوں نے اس کو قتل کر دیا۔ مگر وہ قتل ہوتے ہوتے یہی کہتا رہا کہ "میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔" اس کے مرتے ہی ایک بہادر عورت جس کا نام "عمرہ" تھا اس نے جھپٹ کر قومی جھنڈے کو اپنے ہاتھ میں لے کر بلند کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر قریش کو غیرت آئی اور ان کی بکھری ہوئی فوج سمٹ آئی۔ اور ان کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔

(مدارج جلد ۲ ص ۱۱۶ وغیرہ)

حضرت حنظلہ کی شہادت

ابو عامر راہب کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا مگر اس کے بیٹے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ پرچم

اسلام کے کیمپ میں جہاد کر رہے تھے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اب مجھے اجازت دیجیے میں اپنی تلوار سے اپنے باپ ابو عامر راہب کا سر کاٹ کر لاؤں۔ مگر حضور رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ بیٹے کی تلوار باپ کا سر کاٹے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اس قدر جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ سر ہتھیلی پر رکھ کر انتہائی جان بازی کے ساتھ لڑتے ہوئے قلبِ لشکر تک پہنچ گئے۔ اور کفار کے سپہ سالار ابوسفیان پر حملہ کر دیا۔ اور قریب تھا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی تلوار ابوسفیان کا فیصلہ کر دے کہ اچانک پیچھے سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر وار کو رد کار اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "فرشتے حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں"۔ جب ان کی بیوی سے ان کا حال دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ جنگِ اُحد کی رات میں وہ اپنی بیوی کے ساتھ سوئے تھے۔ غسل کی حاجت تھی مگر دعوت جنگ کی آواز ان کے کان میں پڑی تو وہ اسی حالت میں شریک جنگ ہو گئے۔ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے جو فرشتوں نے اس کو غسل دیا۔ اسی واقعہ کی بنا پر حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو "غسیل الملائکہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (مدارج ج ۲ ص ۱۲۳)

اس جنگ میں مجاہدین انصار و مہاجرین بڑی دلیری اور جان بازی سے لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حضرت علی و حضرت ابو دجانہ و حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہ رضی اللہ عنہم کے مجاہدانہ حملوں نے مشرکین کی کمر توڑ دی۔ کفار کے تمام علمبردار عثمان، ابوسعید، مسافع، طلحہ بن ابی طلحہ وغیرہ ایک ایک کر کے کٹ کٹ کر زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ کفار کو شکست ہو گئی۔ اور وہ بھاگنے لگے۔ اور ان کی عورتیں جو اشعار پڑھ پڑھ کر لشکر کفار کو جوش دلا رہی تھیں وہ بھی بدحواسی کے عالم میں اپنے ازار اٹھائے ہوئے برہنہ ساق بھاگتی ہوئی پہاڑوں پر دوڑتی ہوئی چلی جا رہی تھیں۔ اور مسلمان قتل و غارت میں مشغول تھے۔

ناگہاں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا

کفار کی بھگدڑ اور مسلمانوں کے فاتحانہ قتل و غارت کا یہ منظر دیکھ کر

وہ پچاس تیر انداز مسلمان جو درہ کی حفاظت پر مقرر کیے گئے تھے۔ وہ بھی آپس میں ایک دوسرے سے یہ کہنے لگے کہ غنیمت لوٹو۔ غنیمت لوٹو۔ تمہاری فتح ہو گئی۔ ان لوگوں کے افسر حضرت عبداللہ بن جبیر نے ہر چند روکا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد دلایا اور فرمان مصطفوی کی مخالفت سے ڈرایا مگر ان تیر انداز مسلمانوں نے ایک نہیں سنی اور اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ لشکر کفار کا ایک افسر ”خالد بن ولید“ پہاڑ کی بلندی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا جب اس نے دیکھا کہ درہ پہرہ داروں سے خالی ہو گیا ہے۔ فوراً ہی اس نے درہ کے راستہ سے فوج لا کر مسلمانوں کے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے چند جان بازوں کے ساتھ انتہائی دلیرانہ مقابلہ کیا۔ مگر یہ سب کے سب شہید ہو گئے اب کیا تھا۔ کافروں کی فوج کے لیے راستہ صاف ہو گیا۔ خالد بن ولید نے زبردست حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر بھاگتی ہوئی کفار قریش کی فوج بھی پلٹ پڑی مسلمان مال غنیمت لوٹنے میں مصروف تھے۔ پیچھے پھر کر دیکھا تو تلواریں برس رہی تھیں۔ اور کفار آگے پیچھے دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر رہے تھے اور مسلمانوں کا لشکر چکی کے دو پاٹوں میں دانہ کی طرح پسنے لگا۔ اور مسلمانوں میں ایسی بد حواسی اور ابتری پھیل گئی کہ اپنے اور بیگانے کی تمیز نہیں رہی۔ خود مسلمان مسلمانوں کی تلواروں سے قتل ہوئے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ خود مسلمانوں کی تلوار سے شہید ہوئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ چلاتے ہی رہے کہ ”اے مسلمانو! یہ میرے باپ ہیں۔ یہ میرے باپ ہیں“ مگر کچھ عجیب بد حواسی پھیلی ہوئی تھی کہ کسی کو کسی کا دھیان ہی نہیں تھا اور مسلمانوں نے حضرت یمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

حضرت مصعب بن عمیر بھی شہید

پھر بڑا غضب یہ ہوا کہ لشکرِ اسلام کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پر ابن قمیہ کافر جھپٹا۔ اور ان کے دائیں ہاتھ پر اس زور سے تلوار چلا دی کہ ان کا دایاں ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ اس جاں باز مہاجر نے جھپٹ کر اسلامی جھنڈے کو بائیں ہاتھ سے سنبھال لیا۔ مگر ابن قمیہ نے تلوار مار کر ان کے بائیں ہاتھ کو بھی شہید کر دیا دونوں ہاتھ کٹ چکے تھے مگر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اپنے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے پرچم اسلام کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے کھڑے رہے اور بلند آواز سے یہ آیت پڑھتے رہے کہ۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

پھر ابن قمیہ نے ان کو تیر مار کر شہید کر دیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جو صورت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مشابہ تھے۔ ان کو زمین پر گرتے ہوئے دیکھ کر کفار نے غل مچا دیا کہ (معاذ اللہ) "حضور تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے"۔

اللہ اکبر! اس آواز نے غضب ہی ڈھا دیا۔ مسلمان یہ سن کر بالکل ہی سراسیمہ اور پراگندہ دماغ ہو گئے۔ اور میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور مسلمانوں میں تین گروہ ہو گئے۔ کچھ لوگ تو بھاگ کر مدینہ کے قریب پہنچ گئے۔ کچھ لوگ سہم کر مردہ دل ہو گئے۔ جہاں تھے وہیں رہ گئے۔ اپنی جان بچاتے رہے۔ یا جنگ کرتے رہے۔ کچھ لوگ جن کی تعداد تقریباً بارہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ اس ہلچل اور بھگدڑ میں بہت سے لوگوں نے تو بالکل ہی ہمت ہار دی۔ اور جو جاں بازی کے ساتھ لڑنا چاہتے تھے وہ بھی دشمنوں کے دو طرفہ حملوں کے نرغے میں پھنس کر مجبور و لاچار ہو چکے تھے تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ اور کس حال میں ہیں؟ کسی کو اس کی خبر نہیں تھی حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کرتے چلے جاتے تھے۔ مگر وہ ہر طرف مڑ مڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے مگر جمالِ نبوت

نظر نہ آنے سے وہ انتہائی اضطراب و بے قراری کے عالم میں تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ لڑتے لڑتے میدان جنگ سے بھی کچھ آگے نکل پڑے وہاں جا کر دیکھا کہ کچھ مسلمانوں نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیے ہیں۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم لوگ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا کہ اب ہم لڑ کر کیا کریں گے؟ جن کے لیے لڑتے تھے وہ تو شہید ہو گئے۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر واقعی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو چکے تو پھر ہم ان کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے؟ چلو ہم بھی اسی میدان میں شہید ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جائیں۔ یہ کہہ کر آپ دشمنوں کے لشکر میں لڑتے ہوئے گھس گئے اور آخری دم تک انتہائی جوش جہاد اور جان بازی کے ساتھ جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد جب ان کی لاش دیکھی گئی تو اسی سے زیادہ تیر و تلوار اور نیزوں کے زخم ان کے بدن پر تھے کافروں نے ان کے بدن کو چھلنی بنا دیا تھا اور ناک کان وغیرہ کاٹ کر ان کی صورت بگاڑ دی تھی۔ کوئی شخص ان کی لاش کو پہچان نہ سکا صرف ان کی بہن نے ان کی انگلیوں کو دیکھ کر ان کو پہچانا۔ (بخاری غزوہ احد ج ۲ ص ۵۷۹ و مسلم جلد ۲ ص ۳۸)

اسی طرح حضرت ثابت بن وحداح رضی اللہ عنہ نے مایوس ہو جانے والے انصاریوں سے کہا کہ اے جماعت انصار! اگر بالفرض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید بھی ہو گئے تو تم ہمت کیوں ہار گئے؟ تمہارا اللہ تو زندہ ہے لہٰذا تم لوگ اٹھو اور اللہ کے دین کے لیے جہاد کرو۔ یہ کہہ کر آپ نے چند انصاریوں کو اپنے ساتھ لیا اور لشکر کفار پر بھوکے شیروں کی طرح حملہ آور ہو گئے اور آخر خالد بن ولید کی تلوار سے جام شہادت نوش کر لیا۔ (اصابہ ترجمہ ثابت بن وحداح)

جنگ جاری تھی اور جاں نثاران اسلام جو جہاں تھے وہیں لڑائی میں مصروف تھے مگر سب کی نگاہیں انتہائی بے قراری کے ساتھ جمال نبوت کو تلاش کرتی تھیں۔ عین مایوسی کے عالم میں سب سے پہلے جس نے تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال دیکھا

دہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی خوش نصیب آنکھیں ہیں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر مسلمانوں کو پکارا کہ اے مسلمانو! ادھر آؤ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں۔ اس آواز کو سن کر تمام جاں نثاروں میں جان پڑ گئی۔ اور ہر طرف سے دوڑ دوڑ کر مسلمان آنے لگے۔ کفار نے بھی ہر طرف سے حملہ روک کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قاتلانہ حملہ کرنے کے لیے سارا زور لگا دیا۔ لشکر کفار کا دل بادل ہجوم کے ساتھ امنڈ پڑا۔ اور بار بار مدنی تاجدار پر یلغار کرنے لگا۔ مگر ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا۔

زیاد بن سکن کی شجاعت اور شہادت

ایک مرتبہ کفار کا ہجوم حملہ آور ہوا تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کون ہے جو میرے اوپر اپنی جان قربان کرتا ہے"؟ یہ سنتے ہی حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ پانچ انصاریوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے۔ اور ہر ایک نے لڑتے ہوئے اپنی جانیں فدا کر دیں۔ حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ زخموں سے لاچار ہو کر زمین پر گر پڑے تھے۔ مگر کچھ کچھ جان باقی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کی لاش کو میرے پاس اٹھا لاؤ۔ جب لوگوں نے ان کی لاش کو بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔ تو حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ نے کھسک کر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر اپنا منہ رکھ دیا۔ اور اسی حالت میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ اللہ اکبر! حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ کی اس موت پر لاکھوں زندگیاں قربان۔ سبحان اللہ ؎

بجہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے
کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

کھجور کھاتے کھاتے جنت میں

اس گھمسان کی لڑائی اور مار دھاڑ کے ہنگاموں میں ایک بہادر مسلمان کھڑا ہوا۔ نہایت بے پروائی کے ساتھ کھجوریں کھا رہا تھا۔ ایک دم آگے بڑھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر میں اس وقت شہید ہو جاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ آپ نے

ارشاد فرمایا کہ تو جنت میں جائے گا۔ وہ بہادر اس فرمانِ بشارت کو سن کر مست و بیخود ہو گیا۔ ایک دم کفار کے ہجوم میں کود پڑا۔ اور ایسی شجاعت کے ساتھ لڑنے لگا کہ کافروں کے دل دہل گئے۔ اسی طرح جنگ کرتے کرتے شہید ہو گیا۔ (بخاری غزوہ احد ج ۲ ص ۵۷۹)

لنگڑاتے ہوئے بہشت میں

حضرت عمرو بن جموح انصاری رضی اللہ عنہ لنگڑے تھے۔ یہ گھر سے نکلتے وقت یہ دعا مانگ کر چلے تھے کہ یا اللہ! مجھ کو میدان جنگ سے اہل و عیال میں آنا نصیب مت کر ان کے چار فرزند بھی جہاد میں مصروف تھے۔ لوگوں نے ان کو لنگڑا ہونے کی بنا پر جنگ کرنے سے روک دیا تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گڑگڑا کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! مجھ کو جنگ میں لڑنے کی اجازت عطا فرمائیے۔ میری تمنا ہے کہ میں بھی لنگڑاتا ہوا باغ بہشت میں خراماں خراماں چلا جاؤں ان کی بے قراری اور گریہ زاری سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک متاثر ہو گیا۔ اور آپ نے ان کو جنگ کی اجازت دے دی۔ یہ خوشی سے اچھل پڑے اور اپنے ایک فرزند کو ساتھ لے کر کافروں کے ہجوم میں گھس گئے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ میدانِ جنگ میں یہ کہتے ہوئے چل رہے تھے کہ خدا کی قسم! میں جنت کا مشتاق ہوں۔ ان کے ساتھ ساتھ ان کو سہارا دیتے ہوئے ان کا لڑکا بھی انتہائی شجاعت کے ساتھ لڑ رہا تھا۔ یہاں تک کہ یہ دونوں شہادت سے سرفراز ہو کر باغ بہشت میں پہنچ گئے۔ لڑائی ختم ہو جانے کے بعد ان کی بیوی ہند زوجہ عمرو بن جموح میدانِ جنگ میں پہنچی۔ اور اس نے ایک اونٹ پر ان کی اور اپنے بھائی اور بیٹے کی لاش کو لاد کر دفن کے لیے مدینہ لانا چاہا تو ہزاروں کوششوں کے باوجود کسی طرح بھی وہ اونٹ ایک قدم بھی مدینہ کی طرف نہیں چلا۔ بلکہ وہ میدانِ جنگ ہی کی طرف بھاگ کر جاتا رہا۔ ہند نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ماجرا عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ بتا کیا عمرو بن جموح نے گھر سے نکلتے وقت کچھ کہا تھا؟ ہند نے کہا کہ جی ہاں! وہ یہ دعا کر کے گھر سے نکلے تھے کہ "یا اللہ

مجھ کو میدانِ جنگ سے اہل و عیال میں آنا نصیب نہ کرے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ اونٹ مدینہ کی طرف نہیں چل رہا ہے۔ (مدارج جلد ۲ ص ۱۲۴)

تاجدارِ دو عالم زخمی

اسی سراسیمگی اور پریشانی کے عالم میں جب کہ بکھرے ہوئے مسلمان ابھی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع بھی نہیں ہوئے تھے کہ عبداللہ بن قمیہ جو قریش کے بہادروں میں بہت ہی نامور تھا۔ اس نے ناگہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔ ایک دم بجلی کی طرح صفوں کو چیرتا ہوا آیا اور تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ ظالم نے پوری طاقت سے آپ کے چہرۂ انور پر تلوار ماری جس سے خود کی دو کڑیاں رُخِ انور میں چبھ گئیں۔ ایک دوسرے کافر نے آپ کے چہرۂ اقدس پر ایسا پتھر مارا کہ آپ کے دو دندانِ مبارک شہید، اور نیچے کا مقدس ہونٹ زخمی ہو گیا۔ اسی حالت میں ابی بن خلف ملعون اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کو شہید کر دینے کی نیت سے آگے بڑھا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک جاں نثار صحابی حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے ایک چھوٹا سا نیزہ لے کر ابی بن خلف کی گردن پر مارا۔ جس سے وہ تلملا گیا۔ گردن پر بہت معمولی زخم آیا اور وہ بھاگ نکلا۔ مگر اپنے لشکر میں جا کر اپنی گردن کے زخم کے بارے میں لوگوں سے اپنی تکلیف اور پریشانی ظاہر کرنے لگا۔ اور بے پناہ ناقابلِ برداشت درد کی شکایت کرنے لگا۔ اس پر اس کے ساتھیوں نے کہا کہ "یہ تو معمولی خراش ہے۔ تم اس قدر پریشان کیوں ہو"؟ اُس نے کہا کہ تم لوگ نہیں جانتے کہ ایک مرتبہ مجھ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا تھا کہ میں تم کو قتل کروں گا۔ اس لیے یہ تو بہر حال زخم ہے، میرا تو اعتقاد ہے کہ اگر وہ میرے اوپر تھوک دیتے تو بھی میں سمجھ لیتا کہ میری موت یقینی ہے۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابی بن خلف نے مکہ میں ایک گھوڑا پالا تھا۔ جس کا نام اُس نے "عود" رکھا تھا۔ وہ روزانہ اس کو چراتا تھا۔ اور لوگوں سے کہتا تھا کہ میں اسی گھوڑے پر سوار ہو کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کروں گا۔ جب حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ میں ابی بن خلف کو قتل کروں گا۔ چنانچہ ابی بن خلف اپنے اسی گھوڑے پر چڑھ کر جنگ اُحد میں آیا تھا جو یہ واقعہ پیش آیا۔ ابی بن خلف نیزہ کے زخم سے بے قرار ہو کر راستہ بھر تڑپتا اور بلبلاتا رہا۔ یہاں تک کہ جنگ اُحد سے واپس آتے ہوئے مقام "سرف" میں مر گیا۔ (زرقانی علی المواہب ج ۲ ص ۴۵)

اس طرح ابن قمیہ ملعون جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور پر تلوار چلا دی تھی۔ ایک پہاڑی بکرے کو خداوند قہار و جبار نے اس پر مسلط فرما دیا اور اُس نے اس کو سینگ مار مار کر چھلنی بنا ڈالا۔ اور پہاڑ کی بلندی سے نیچے گرا دیا جس سے اس کی لاش ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر بکھر گئی۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۹)

صحابہ کا جوشِ جاں نثاری

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے تو چاروں طرف سے کفار نے آپ پر تیر و تلوار کا وار شروع کر دیا اور کفار کا بے پناہ ہجوم آپ کے ہر چہار طرف سے حملہ کرنے لگا جس سے آپ کفار کے نرغہ میں محصور ہونے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر جاں نثار صحابہ کا جوشِ جاں نثاری سے خون کھولنے لگا۔ اور وہ اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر آپ کو بچانے کے لیے اس جنگ کی آگ میں کود پڑے۔ اور آپ کے گرد ایک حلقہ بنا لیا۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جھک کر آپ کے لیے ڈھال بن گئے اور چاروں طرف سے جو تلواریں برس رہی تھیں ان کو وہ اپنی پشت پر لیتے رہے۔ اور آپ تک کسی تلوار یا نیزے کی مار کو پہنچنے ہی نہیں دیتے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری کا یہ عالم تھا کہ وہ کفار کی تلواروں کے وار کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے یہاں تک کہ ان کا ایک ہاتھ کٹ کر شل ہو گیا۔ اور ان کے بدن پر پینتیس یا انتالیس زخم لگے۔ غرض جاں نثار صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں اپنی جانوں کی پروا نہیں کی۔ اور ایسی بہادری اور جاں بازی سے جنگ کرتے رہے کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نشانہ بازی میں مشہور تھے۔

نھوں نے اس موقع پر اس قدر تیر برسائے کہ کئی کمانیں ٹوٹ گئیں ۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے بٹھا لیا تھا تاکہ دشمنوں کے تیر یا تلوار کا کوئی وار آپ پر نہ آسکے۔ کبھی کبھی آپ دشمنوں کی فوج کو دیکھنے کے لیے گردن اٹھاتے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ گردن نہ اٹھائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمنوں کا کوئی تیر آپ کو لگ جائے۔ یا رسول اللہ! آپ میری پیٹھ کے پیچھے ہی رہیں، میرا سینہ آپ کے لیے ڈھال بنا ہوا ہے۔

(بخاری غزوۂ احد ص۵۸۱)

حضرت قتادہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو بچانے کے لیے اپنا چہرہ دشمنوں کے سامنے کیے ہوئے تھے۔ ناگہاں کافروں کا ایک تیر ان کی آنکھ میں لگا۔ اور آنکھ بہہ کر ان کے رخسار پر آگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی آنکھ کو اٹھا کر آنکھ کے حلقہ میں رکھ دیا۔ اور یوں دعا فرمائی کہ یا اللہ! قتادہ کی آنکھ بچا لے جس نے تیرے رسول کے چہرہ کو بچایا ہے۔ مشہور ہے کہ ان کی وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ روشن اور خوبصورت ہو گئی۔

(زرقانی ج ۲ ص۴۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تیر اندازی میں انتہائی باکمال تھے۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں جلدی جلدی تیر چلا رہے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دستِ مبارک سے تیر اٹھا اٹھا کر ان کو دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے سعد! تیر برساتے جاؤ، تم پر میرے ماں باپ قربان۔

(بخاری غزوۂ احد ص۵۸۰)

ظالم کفار انتہائی بے دردی کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر تیر برسا رہے تھے۔ مگر اس وقت بھی زبان مبارک پر یہ دعا تھی رَبِّ اغْفِرْ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ (یعنی اے اللہ! میری قوم کو بخش دے وہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔)

(مسلم غزوہ احد ج۲ ص۹۰)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دندانِ مبارک کے صدمہ اور چہرۂ انور کے زخموں سے نڈھال ہو رہے تھے۔ اس حالت میں آپ ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گر پڑے جو ابو عامر فاسق نے جا بجا کھود کر ان کو چھپا دیا تھا تاکہ مسلمان لاعلمی میں ان گڑھوں کے اندر گر پڑیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا دستِ مبارک پکڑا اور حضرت طلحہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اٹھایا۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے خود (لوہے کی ٹوپی) کی کڑی کا ایک حلقہ جو چہرۂ انور میں چبھ گیا تھا اپنے دانتوں سے پکڑ کر اس زور کے ساتھ کھینچ کر نکالا کہ ان کا ایک دانت ٹوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ پھر دوسرا حلقہ جو دانتوں سے پکڑ کر کھینچا تو دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ چہرۂ انور سے جو خون بہا اس کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے جوشِ عقیدت سے چوس چوس کر پی لیا۔ اور ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے مالک بن سنان! کیا تو نے میرا خون پی ڈالا۔ عرض کیا کہ جی ہاں یا رسول اللہ! ارشاد فرمایا کہ جس نے میرا خون پی لیا۔ جہنم کی کیا مجال جو اس کو چھو سکے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۹)

اس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ پہاڑ کی بلندی پر چڑھ گئے۔ جہاں کفار کے لیے پہنچنا دشوار تھا۔ ابو سفیان نے دیکھ لیا اور فوج لے کر وہ بھی پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے جاں نثار صحابہ نے کافروں پر اس زور سے پتھر برسائے کہ ابو سفیان اس کی تاب نہ لاسکا۔ اور پہاڑ سے اتر گیا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ کے ساتھ پہاڑ کی ایک گھاٹی میں تشریف فرما تھے۔ اور چہرۂ انور سے خون بہہ رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی بھر بھر کر لا رہے تھے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے خون دھو رہی تھیں۔ مگر خون بند نہیں ہوتا تھا۔ بالآخر کھجور کی چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ زخم پر رکھ دی تو خون فوراً ہی تھم گیا۔ (بخاری غزوۂ احد ج ۲ ص ۵۸۴)

ابوسفیان کا نعرہ اور اُس کا جواب

ابوسفیان جنگ کے میدان سے واپس جانے لگا تو ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور زور زور سے پکارا کر کیا یہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ حضور نے فرمایا کہ تم لوگ اس کا جواب نہ دو۔ پھر اُس نے پکارا کہ کیا تم میں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی کچھ جواب نہ دے

پھر اس نے پکارا کہ کیا تم میں عمر ہیں؟ جب اس کا بھی کوئی جواب نہیں ملا تو ابوسفیان گھمنڈ سے کہنے لگا کہ یہ سب مارے گئے۔ کیونکہ اگر زندہ ہوتے تو ضرور میرا جواب دیتے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور آپ نے چلا کر کہا کہ اے دشمن خدا تو جھوٹا ہے۔ ہم سب زندہ ہیں۔

ابوسفیان نے اپنی فتح کے گھمنڈ میں یہ نعرہ مارا کہ "اُعْلُ هُبَلُ۔ اُعْلُ هُبَلُ" یعنی اے ہبل! تو سر بلند ہو جا۔ اے ہبل تو سر بلند ہو جا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگ بھی اس کے جواب میں نعرہ لگاؤ۔ لوگوں نے پوچھا کہ ہم کیا کہیں؟ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ یہ نعرہ مارو کہ اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ یعنی اللہ سب سے بڑھ کر بلند مرتبہ اور بڑا ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ یعنی ہمارے لیے عزیٰ (بُت) ہے اور تمہارے لیے کوئی "عزیٰ" نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اس کے جواب میں یہ کہو کہ اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ یعنی اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

ابوسفیان نے بہ آواز بلند بڑے فخر کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ اور جواب ہے۔ لڑائی میں کبھی فتح، کبھی شکست ہوتی ہے۔ اے مسلمانو! ہماری فوج نے تمہارے مقتولوں کے کان ناک کاٹ کر ان کی صورتیں بگاڑ دی ہیں مگر میں نے نہ تو اس کا حکم دیا تھا۔ نہ مجھے اس پر کوئی رنج و افسوس ہوا ہے۔ یہ کہہ کر ابوسفیان میدان سے ہٹ گیا اور چل دیا۔

(زرقانی ج ۲ ص ۴۸ و بخاری غزوۂ احد ج ۲ ص ۵۷۹)

ہند جگر خوار

کفار قریش کی عورتوں نے جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لیے جوش میں شہداء کرام کی لاشوں پر جا کر ان کے کان، ناک وغیرہ کاٹ کر صورتیں بگاڑ دیں۔ اور ابوسفیان کی بیوی ہند نے تو اس بیدردی کا مظاہرہ کیا کہ ان اعضاء کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا۔ ہند حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی مقدس لاش کو تلاش کرتی پھر رہی تھی کیونکہ حضرت حمزہ ہی نے جنگ بدر کے دن ہند کے باپ عتبہ کو قتل کیا تھا جب اس بیدرد نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو پالیا تو خنجر سے ان کا پیٹ پھاڑ کر کلیجہ نکالا۔ اور اس کو چبا گئی۔ لیکن حلق سے نہ اُتر سکا اس لیے اُگل دیا۔ تاریخوں میں ہند کا لقب جو "جگر خوار" ہے وہ اسی واقعہ کی بنا پر ہے۔ ہند اور اس کے شوہر ابوسفیان نے رمضان ۸ھ میں فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔ (رضی اللہ عنہما) (زرقانی ج ۲ ص۴۷ وغیرہ)

سعد بن الربیع کی وصیت

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کی لاش کی تلاش میں نکلا۔ تو میں نے ان کو سکرات کے عالم میں پایا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا سلام عرض کر دینا۔ اور اپنی قوم سے بعد سلام میرا یہ پیغام سنا دینا کہ جب تک تم میں سے ایک آدمی بھی زندہ ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کفار پہنچ گئے۔ تو خدا کے دربار میں تمہارا کوئی عذر بھی قابل قبول نہ ہوگا۔ یہ کہا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔ (زرقانی ج ۲ ص۴۸)

خواتین اسلام کے کارنامے

جنگِ اُحد میں مردوں کی طرح عورتوں نے بھی بہت ہی مجاہدانہ جذبات کے ساتھ لڑائی میں حصہ لیا۔ حضرت بی بی عائشہ اور حضرت بی بی ام سلیم رضی اللہ عنہما کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ دونوں پائینچے چڑھائے ہوئے مشک میں پانی بھر بھر کر لاتی تھیں۔ اور مجاہدین خصوصاً زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اسی طرح

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت بی بی ام سلیط بھی برابر پانی کی مشک بھر کر لاتی تھیں اور مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں۔

(بخاری ج ۲ باب ذکر ام سلیط ص ۵۸۲)

حضرت اُمِ عمارہ کی جاں نثاری

حضرت بی بی ام عمارہ جن کا نام "نسیبہ" ہے۔ جنگ اُحد میں اپنے شوہر حضرت زید بن عاصم اور دو فرزند حضرت عمارہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر آئی تھیں۔ پہلے تو یہ مجاہدین کو پانی پلاتی رہیں لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کی یلغار کا ہوش رُبا منظر دیکھا۔ تو مشک کو پھینک دیا اور ایک خنجر لے کر کفار کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر کھڑی ہو گئیں۔ اور کفار کے تیر و تلوار کے ہر ایک وار کو روکتی رہیں۔ چنانچہ ان کے سر اور گردن پر تیرہ زخم لگے۔ ابن قمیہ ملعون نے جب حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار چلا دی تو بی بی ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے آگے بڑھ کر اپنے بدن پر روکا چنانچہ ان کے کندھے پر اتنا گہرا زخم آیا کہ غار پڑ گیا۔ پھر خود بڑھ کر ابن قمیہ کے شانے پر زوردار تلوار ماری۔ لیکن وہ ملعون دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لیے بچ گیا۔

حضرت بی بی ام عمارہ کے فرزند حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک کافر نے زخمی کر دیا۔ اور میرے زخم سے خون بند نہیں ہوتا تھا۔ میری والدہ حضرت ام عمارہ نے فوراً اپنا کپڑا پھاڑ کر زخم کو باندھ دیا۔ اور کہا کہ بیٹا اٹھو، کھڑے ہو جاؤ۔ اور پھر جہاد میں مشغول ہو جاؤ۔ اتفاق سے وہی کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے ام عمارہ! دیکھ تیرے بیٹے کو زخمی کرنے والا یہی ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت بی بی ام عمارہ نے جھپٹ کر اس کافر کی ٹانگ پر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا۔ کہ وہ کافر گر پڑا۔ اور پھر چل نہ سکا بلکہ سرین کے بل گھسٹتا ہوا بھاگا۔ یہ منظر دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا کہ اے ام عمارہ! تو خدا کا شکر ادا کر کہ اس نے تجھ کو اتنی طاقت اور ہمت عطا فرمائی کہ تو نے خدا کی راہ میں جہاد کیا

حضرت بی بی ام عمارہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دعا فرمایئے کہ ہم لوگوں کو جنت میں آپ کی خدمت گزاری کا شرف حاصل ہو جائے۔ اُس وقت آپ نے ان کے لیے اور ان کے شوہر اور ان کے بیٹوں کے لیے اس طرح دعا فرمائی کہ:۔

"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھُمْ رُفَقَائِیْ فِی الْجَنَّۃِ"

یا اللہ! ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنا دے

حضرت بی بی ام عمارہ رضی اللہ عنہا زندگی بھر علانیہ یہ کہتی رہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے بعد دنیا میں بڑی سے بڑی مصیبت بھی مجھ پر آجائے تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ (مدارج ج ۲ ص۱۲۶)

حضرت صفیہ کا حوصلہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر آئیں۔ تو آپ نے اُن کے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ میری پھوپھی اپنے بھائی کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھے اپنے بھائی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے لیکن میں اُس کو خدا کی راہ میں کوئی بڑی قربانی نہیں سمجھتی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لاش کے پاس گئیں، اور یہ منظر دیکھا کہ پیارے بھائی کے کان، ناک، آنکھ سب کٹے پڑے ہیں شکم چاک، جگر چبایا ہوا پڑا ہے۔ یہ دیکھ کر اس شیر دل خاتون نے انا للہ وانا الیہ راجعون کے سوا کچھ بھی نہ کہا۔ پھر ان کی مغفرت کی دعا مانگتی ہوئی چلی آئیں۔ (طبری ص۱۴۲۱)

ایک انصاری عورت کا صبر

ایک انصاری عورت جس کا شوہر، باپ، بھائی سبھی اس جنگ میں شہید ہو چکے تھے تینوں کی شہادت کی خبر باری باری سے لوگوں نے اُسے دی۔ مگر وہ ہر بار یہی پوچھتی رہی کہ یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ جب لوگوں نے اس کو بتایا کہ الحمد للہ وہ زندہ اور سلامت ہیں تو بے اختیار اُس کی زبان سے اس شعر کا مضمون نکل پڑا کہ ؎

تسلی ہے پناہ بے کساں زندہ سلامت ہے
کوئی پروا نہیں۔ سارا جہاں زندہ سلامت ہے

اللہ اکبر! اس شیر دل عورت کے صبر و ایثار کا کیا کہنا؟ شوہر، باپ، بھائی، تینوں کے قتل سے دل پر صدمات کے تین تین پہاڑ گر پڑے ہیں۔ مگر پھر بھی زبان حال سے اس کا یہی نعرہ ہے کہ ؎

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہِ دیں! آپ کے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

(طبری ص ۱۴۲۵)

شہدائے کرام

اس جنگ میں ستر صحابہ کرام نے جام شہادت نوش فرمایا جن میں چار مہاجر اور چھیاسٹھ انصار تھے۔ تیس کی تعداد میں کفار بھی نہایت ذلت کے ساتھ قتل ہوئے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۱۳۳)

مگر مسلمانوں کی مفلسی کا یہ عالم تھا کہ ان شہداء کرام کے کفن کے لیے کپڑا بھی نہیں تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ بوقتِ شہادت ان کے بدن پر صرف ایک اتنی بڑی کملی تھی کہ ان کی لاش کو قبر میں لٹانے کے بعد اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتا تھا، اور اگر پاؤں چھپایا جاتا تھا تو سر کھل جاتا تھا بالآخر سر چھپا دیا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی۔ شہداء کرام خون میں لتھڑے ہوئے دو دو شہید ایک ایک قبر میں دفن کیے گئے۔ جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو آگے رکھتے۔

(بخاری باب اذالم یوجد الاثوب واحد ج ا ص ۱۷۰ و بخاری ج ۲ ص ۵۸۴ باب الذین استجابوا)

قبور شہداء کی زیارت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہداء اُحد کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا بھی یہی عمل رہا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کی قبروں پر تشریف لے گئے تو ارشاد فرمایا کہ یا اللہ! تیرا رسول گواہ ہے کہ اس جماعت نے تیری رضا کی طلب میں جان دی ہے۔ پھر یہ بھی

ارشاد فرمایا کہ قیامت تک جو مسلمان بھی ان شہیدوں کی قبروں پر زیارت کے لیے آئے گا اور ان کو سلام کرے گا تو یہ شہداء کرام اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

چنانچہ حضرت فاطمہ خزاعیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں ایک دن اُحد کے میدان سے گزر رہی تھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس پہنچ کر میں نے عرض کیا کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عَمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ (اے رسول اللہ کے چچا آپ پر سلام ہو) تو میرے کان میں یہ آواز آئی کہ وَعَلَيْكِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۳۵)

حیاتِ شہداء

چھیالیس برس کے بعد شہداء اُحد کی بعض قبریں کھل گئیں تو ان کے کفن سلامت اور بدن تر و تازہ تھے اور تمام اہلِ مدینہ اور دوسرے لوگوں نے دیکھا کہ شہداء کرام اپنے زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور جب زخم سے ہاتھ اٹھایا تو تازہ خون نکل کر بہنے لگا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۳۵)

کعب بن اشرف کا قتل

یہودیوں میں کعب بن اشرف بہت ہی دولت مند تھا، یہودی علماء اور یہود کے مذہبی پیشواؤں کو اپنے خزانہ سے تنخواہ دیتا تھا۔ دولت کے ساتھ شاعری میں بھی بہت باکمال تھا جس کی وجہ سے نہ صرف یہودیوں بلکہ تمام قبائل عرب پر اس کا ایک خاص اثر تھا۔ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت تھی۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح، اور سردارانِ قریش کے قتل ہو جانے سے اس کو انتہائی رنج و صدمہ ہوا۔ چنانچہ یہ قریش کی تعزیت کے لیے مکہ گیا اور کفار قریش کا جو بدر میں مقتول ہوئے تھے ایسا پر درد مرثیہ لکھا کہ جس کو سن کر سامعین کے مجمع میں ماتم برپا ہو جاتا تھا۔ اس مرثیہ کو یہ شخص قریش کو سنا سنا کر خود بھی زار زار روتا تھا۔ اور سامعین کو بھی رلاتا تھا۔ مکہ میں ابوسفیان سے ملا۔ اور اس کو مسلمانوں سے جنگ بدر کا بدلہ لینے پر ابھارا بلکہ ابوسفیان کو لے کر حرم میں آیا اور کفار مکہ کے ساتھ خود بھی کعبہ کا غلاف پکڑ کر عہد کیا کہ مسلمانوں سے بدر کا ضرور انتقام لیں گے۔ پھر مکہ سے مدینہ لوٹ کر آیا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہجو لکھ کر شانِ اقدس میں طرح طرح کی گستاخیاں اور بے ادبیاں کرنے لگا۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آپ کو چپکے سے قتل کرا دینے کا قصد کیا۔

کعب بن اشرف یہودی کی یہ حرکتیں سراسر اس معاہدہ کی خلاف ورزی تھی جو یہود اور انصار کے درمیان ہو چکا تھا کہ مسلمانوں اور کفار قریش کی لڑائی میں یہودی غیر جانبدار رہیں گے۔ بہت دنوں تک مسلمان برداشت کرتے رہے۔ مگر جب بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تو حضرت محمد بن مسلمہ نے حضرت ابونائلہ و حضرت عباد بن بشر و حضرت حارث بن اوس و حضرت ابوعبس رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیا۔ اور رات میں کعب بن اشرف کے مکان پر گئے۔ اور ربیع الاول ۳ھ کو اس کے قلعہ کے پھاٹک پر اس کو قتل کر دیا۔ اور صبح کو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اس کا سر تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔ اس قتل کے سلسلہ میں حضرت حارث بن اوس رضی اللہ عنہ تلوار کی نوک سے زخمی ہو گئے تھے محمد بن مسلمہ وغیرہ رضی اللہ عنہم ان کو کندھوں پر اٹھا کر بارگاہِ رسالت میں لائے۔ اور آپ نے اپنا لعابِ دہن ان کے زخم پر لگا دیا تو اسی وقت شفاء کامل حاصل ہو گئی۔

(زرقانی جلد ۲ ص۱۰ و بخاری ج ۲ ص۵۷۶ و مسلم ص۱۱۰)

غزوہ غطفان

ربیع الاول ۳ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی۔ کہ نجد کے ایک مشہور بہادر "دعثور بن الحارث محاربی" نے ایک لشکر تیار کر لیا ہے تاکہ مدینہ پر حملہ کرے۔ اس خبر کے بعد آپ چار سو صحابۂ کرام کی فوج لے کر مقابلہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ جب دعثور کو خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دیار میں آگئے۔ تو وہ بھاگ نکلا اور اپنے لشکر کو لے کر پہاڑوں پر چڑھ گیا۔ مگر اس کی فوج کا ایک آدمی جس کا نام "حبان" تھا گرفتار ہو گیا اور فوراً ہی کلمہ پڑھ کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔

اتفاق سے اس روز زوردار بارش ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے لیٹ کر اپنے کپڑے سکھانے لگے۔ پہاڑ کی بلندی سے کافروں نے دیکھ لیا کہ

آپ بالکل اکیلے اور اپنے اصحاب سے دور بھی ہیں۔ ایک دم دعثور بجلی کی طرح پہاڑ سے اتر کر ننگی شمشیر ہاتھ میں لیے ہوئے آیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر تلوار بلند کر کے بولا۔ کہ بتائیے اب کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچا لے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرا اللہ مجھ کو بچا لے گا۔" چنانچہ جبرئیل علیہ السلام دم زدن میں زمین پر اتر پڑے اور دعثور کے سینے میں ایک ایسا گھونسہ مارا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور دعثور عین غین ہو کر رہ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً تلوار اٹھا لی۔ اور فرمایا کہ بول۔ اب تجھ کو میری تلوار سے کون بچا لے گا؟ دعثور نے کانپتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ "کوئی نہیں" رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بے کسی پر رحم آ گیا۔ اور آپ نے اس کا قصور معاف فرما دیا۔ دعثور اس اخلاقِ نبوت سے بے حد متاثر ہوا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ اور اپنی قوم میں آ کر اسلام کی تبلیغ کرنے لگا۔

اس غزوہ میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ یا پندرہ دن مدینہ سے باہر رہ کر پھر مدینہ آ گئے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۱۵ و بخاری ج ۲ ص ۵۹۳)

بعض مورخین نے اس تلوار کھینچنے والے واقعہ کو "غزوہ ذات الرقاع" کے موقع پر بتایا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ تاریخ نبوی میں اس قسم کے دو واقعات ہوئے ہیں۔ "غزوہ غطفان" کے موقع پر سر انور کے اوپر تلوار اٹھانے والا "دعثور بن حارث محاربی" تھا جو مسلمان ہو کر اپنی قوم کے اسلام کا باعث بنا۔ اور غزوہ ذات الرقاع میں جس شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار اٹھائی تھی اس کا نام "غورث" تھا اس نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ مرتے وقت تک اپنے کفر پر اڑا رہا۔ ہاں البتہ اس نے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی جنگ نہیں کرے گا۔

(زرقانی ج ۲ ص ۱۶)

۳ھ کے واقعات متفرقہ

ہجرت کے تیسرے سال میں مندرجہ ذیل واقعات بھی ظہور پذیر ہوئے۔

۱۔ ۱۵ رمضان ۳ھ کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔

۲۔ اسی سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں جو غزوۂ بدر کے زمانہ میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ ان کے مفصل حالات ازواج مطہرات کے ذکر میں آگے تحریر کیے جائیں گے۔

۳۔ اسی سال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔

۴۔ میراث کے احکام و قوانین بھی اسی سال نازل ہوئے۔ اب تک میراث میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہ تھا۔ ان کے حقوق کا مفصل بیان نازل ہو گیا۔

۵۔ اب تک مشرک عورتوں کا نکاح مسلمانوں سے جائز تھا۔ مگر ۳ھ میں اس کی حرمت نازل ہو گئی اور ہمیشہ کے لیے مشرک عورتوں کا نکاح مسلمانوں سے حرام کر دیا گیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

نواں باب

ہجرت کا چوتھا سال

ہجرت کا چوتھا سال بھی کفار کے ساتھ چھوٹی بڑی لڑائیوں ہی میں گزرا جنگ بدر کی فتح مبین سے مسلمانوں کا رعب تمام قبائل عرب پر بیٹھ گیا تھا۔ اس لیے تمام قبیلے کچھ دنوں کے لیے خاموش بیٹھ گئے تھے۔ لیکن جنگ احد میں مسلمانوں کے جانی نقصان کا چرچا ہو جانے سے دوبارہ تمام قبائل دفعۃً اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اور مجبوراً مسلمانوں کو بھی اپنے دفاع کے لیے لڑائیوں میں حصہ لینا پڑا۔ ۴ھ کی مشہور لڑائیوں میں سے چند یہ ہیں :-

سریہ ابو سلمہ

یکم محرم ۴ھ کو ناگہاں ایک شخص نے مدینہ میں یہ خبر پہنچائی کہ طلیحہ بن خویلد اور سلمہ بن خویلد دونوں بھائی کفار کا لشکر جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لیے نکل پڑے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کے مقابلہ میں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو مجاہدین کے ساتھ روانہ فرمایا جس میں حضرت ابو سبرہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما جیسے معزز مہاجرین و انصار بھی تھے۔ لیکن کفار کو جب پتا چلا کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے تو وہ لوگ بہت سے اونٹ اور بکریاں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جن کو مسلمان مجاہدین نے مال غنیمت بنا لیا اور لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی۔ (زرقانی ج ۲ ص ۶۲)

سریہ عبد اللہ بن انیس

محرم ۴ھ کو اطلاع ملی کہ "خالد بن سفیان ہزلی" مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے فوج جمع کر رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مقابلہ کے لیے حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ آپ نے موقع پا کر خالد بن سفیان ہزلی کو قتل کر دیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر

مدینہ لائے اور تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی بہادری اور جان بازی سے خوش ہو کر ان کو اپنا عصا (چھڑی) عطا فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ تم اسی عصا کو ہاتھ میں لے کر جنت میں چہل قدمی کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قیامت کے دن یہ مبارک عصا میرے پاس نشانی کے طور پر رہے گا۔ چنانچہ انتقال کے وقت انہوں نے یہ وصیت فرمائی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ دیا جائے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۶۴)

حادثۂ رجیع

عسفان و مکہ کے درمیان ایک مقام کا نام "رجیع" ہے۔ یہاں کی زمین سات مقدس صحابۂ کرام کے خون سے رنگین ہوئی۔ اس لیے یہ واقعہ "سریہ رجیع" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دردناک سانحہ بھی ۳ھ میں پیش آیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ قبیلہ عضل و قارہ کے چند آدمی بارگاہِ رسالت میں آئے اور عرض کیا کہ ہمارے قبیلہ والوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب آپ چند صحابہ کرام کو وہاں بھیج دیں تا کہ وہ ہماری قوم کو عقائد و اعمال اسلام سکھا دیں۔ ان لوگوں کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس منتخب صحابہ کو حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں بھیج دیا۔ جب یہ مقدس قافلہ مقام رجیع پر پہنچا۔ تو غدار کفار نے بدعہدی کی اور قبیلۂ بنو لحیان کے کافروں نے دو سو کی تعداد میں جمع ہو کر ان دس مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان اپنے بچاؤ کے لیے ایک اونچے ٹیلہ پر چڑھ گئے۔ کافروں نے تیر چلانا شروع کیا اور مسلمانوں نے ٹیلے کی بلندی سے سنگ باری کی۔ کفار نے سمجھ لیا کہ ہم ہتھیاروں سے ان مسلمانوں کو ختم نہیں کر سکتے۔ تو ان لوگوں نے دھوکہ دیا۔ اور کہا کہ اے مسلمانو! ہم تم لوگوں کو امان دیتے ہیں۔ اور اپنی پناہ میں لیتے ہیں۔ اس لیے تم لوگ ٹیلے سے اتر آؤ۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی کافر کی پناہ میں آنا گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر خدا سے دعا مانگی کہ "یا اللہ! تو اپنے رسول کو ہمارے حال سے مطلع فرما دے۔" پھر وہ جوشِ جہاد میں بھرے ہوئے ٹیلے سے اترے اور کفار سے دست بدست لڑتے ہوئے اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔ چونکہ حضرت عاصم

رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر کے دن بڑے بڑے کفار قریش کو قتل کیا تھا۔ اس لیے جب کفار مکہ کو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پتا چلا تو کفار مکہ نے چند آدمیوں کو مقام رجیع میں بھیجا تاکہ ان کے بدن کا کوئی ایسا حصہ کاٹ کر لائیں جس سے شناخت ہو جائے کہ واقعی حضرت عاصم قتل ہو گئے ہیں۔ لیکن جب کفار آپ کی لاش کی تلاش میں اس مقام پر پہنچے تو اس شہید کی یہ کرامت دیکھی کہ لاکھوں کی تعداد میں شہد کی مکھیوں نے ان کی لاش کے پاس اس طرح گھیرا ڈال رکھا ہے۔ جس سے وہاں تک پہنچنا ہی ناممکن ہو گیا ہے۔ اس لیے کفار مکہ ناکام واپس چلے گئے۔

(زرقانی ج ۲ ص ۷۳ و بخاری ج ۲ ص ۵۶۹)

باقی تین اشخاص حضرت خبیب و حضرت زید بن دثنہ و حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم کفار کی پناہ پر اعتماد کر کے نیچے اترے تو کفار نے بدعہدی کی اور اپنی کمان کی تانتوں سے ان لوگوں کو باندھنا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تم لوگوں کی پہلی بدعہدی ہے۔ اور میرے لیے اپنے ساتھیوں کی طرح شہید ہو جانا بہتر ہے۔ چنانچہ وہ ان کافروں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۶۸ و زرقانی ج ۲ ص ۶۷)

لیکن حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو کافروں نے باندھ دیا تھا اس لیے یہ دونوں مجبور ہو گئے تھے۔ ان دونوں کو کفار نے مکہ میں لے جا کر بیچ ڈالا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے جنگ اُحد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا اس لیے اس کے لڑکوں نے ان کو خرید لیا۔ تاکہ ان کو قتل کر کے باپ کے خون کا بدلہ لیا جائے۔ اور حضرت زید بن دثنہ کو امیہ کے بیٹے صفوان نے قتل کرنے کے ارادہ سے خریدا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو کافروں نے چند دن قید میں رکھا۔ پھر حدودِ حرم کے باہر لے جا کر سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا۔ حضرت خبیب نے قاتلوں سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ قاتلوں نے اجازت دے دی۔ آپ نے بہت مختصر طور پر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ اور فرمایا کہ اے گروہ کفار!

میرا دل تو یہی چاہتا تھا کہ دیر تک نماز پڑھتا رہوں۔ کیونکہ یہ میری زندگی کی آخری نماز تھی مگر مجھ کو یہ خیال آگیا کہ کہیں تم لوگ یہ نہ سمجھ لو کہ میں موت سے ڈر رہا ہوں۔ کفار نے آپ کو سولی پر چڑھا دیا۔ اُس وقت آپ نے یہ اشعار پڑھے ؎

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا !!

عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ فِی اللّٰہِ مَصْرَعِیْ

جب میں مسلمان ہو کر قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کوئی پروا نہیں ہے کہ میں کس پہلو پر قتل کیا جاؤں گا۔

وَذٰلِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاْءُ

یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٖ

یہ سب کچھ خدا کے لیے ہے اگر وہ چاہے گا تو میرے کٹے پٹے جسم کے ٹکڑوں پر برکت نازل فرمائے گا۔

حارث بن عامر کے لڑکے "ابو سروعہ" نے آپ کو قتل کیا۔ مگر خدا کی شان کہ یہی ابو سروعہ اور ان کے دونوں بھائی "عقبہ" اور "حجیر" پھر بعد میں مشرف بہ اسلام ہو کر صحابیت کے شرف و اعزاز سے سرفراز ہو گئے۔

(بخاری ج ۲ ص ۵۶۹ و زرقانی ج ۲ ص ۶۴ تا ۷۸)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی قبر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت سے مطلع فرمایا۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ جو شخص خبیب کی لاش کو سولی سے اُتار لائے۔ اس کے لیے جنت ہے۔ یہ بشارت سن کر حضرت زبیر بن العوام و حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہما راتوں کو سفر کرتے اور دن کو چھپتے ہوئے مقام "تنعیم" میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی سولی کے پاس پہنچے۔ چالیس کفار سولی کے پہرہ دار بن کر سو رہے تھے۔ ان دونوں حضرات نے سولی سے لاش کو اتارا۔ اور گھوڑے پر رکھ کر چل دیے۔ چالیس دن گزر جانے کے باوجود لاش تر و تازہ تھی۔ اور

زخموں سے تازہ خون ٹپک رہا تھا۔ صبح کو قریش کے ستر سوار تیز رفتار گھوڑوں پر تعاقب میں چل پڑے۔ اور ان دونوں حضرات کے پاس پہنچ گئے۔ ان حضرات نے جب دیکھا کہ قریش کے سوار ہم کو گرفتار کر لیں گے تو انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ خدا کی شان کہ ایک دم زمین پھٹ گئی اور لاش مبارک کو نگل گئی اور پھر زمین اس طرح برابر ہو گئی کہ پھٹنے کا نشان بھی باقی نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا لقب "بلیع الارض" (جن کو زمین نگل گئی) ہے۔

اس کے بعد ان حضرات نے کفار سے کہا کہ ہم دو شیر ہیں جو اپنے جنگل میں جا رہے ہیں۔ اگر تم لوگوں سے ہو سکے تو ہمارا راستہ روک کر دیکھو۔ ورنہ اپنا راستہ لو۔ کفار نے ان حضرات کے پاس لاش نہیں دیکھی اس لیے مکہ واپس چلے گئے جب دونوں صحابۂ کرام نے بارگاہ رسالت میں سارا ماجرا عرض کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام بھی حاضر دربار تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ان دونوں یاروں کے اس کارنامہ پر ہم فرشتوں کی جماعت کو بھی فخر ہے۔

(مدارج النبوت جلد ۲ ص ۱۴۱)

حضرت زید کی شہادت

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا تماشہ دیکھنے کے لیے کفار قریش کثیر تعداد میں جمع ہو گئے۔ جن میں ابو سفیان بھی تھے۔ جب ان کو سولی پر چڑھا کر قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی۔ تو ابو سفیان نے کہا کہ کیوں؟ اے زید! سچ کہنا اگر اس وقت تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس طرح قتل کیے جاتے۔ تو کیا تم اس کو پسند کرتے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ ابو سفیان کی اس طعنہ زنی کو سن کر تڑپ گئے۔ اور جذبات سے بھری ہوئی آواز میں فرمایا کہ اے ابو سفیان خدا کی قسم! میں اپنی جان کو قربانی کر دینا عزیز سمجھتا ہوں مگر میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس پاؤں کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔ مجھے کبھی بھی یہ گوارا نہیں ہو سکتا

مجھے ہو ناز قسمت پر اگر نام محمد پر | یہ سر کٹ جائے اور تیرا کف پا اسکو ٹھکرائے
یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا | کہ ان کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

یہ سن کر ابو سفیان نے کہا کہ میں نے بڑے بڑے محبت کرنے والوں کو دیکھا ہے مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عاشقوں کی مثال نہیں مل سکتی۔ صفوان کے غلام "نسطاس" نے تلوار سے ان کی گردن ماری۔ (زرقانی ج ۲ ص ۷۳)

واقعۂ بیر معونہ

ماہ صفر ۴ھ میں "بیر معونہ" کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ ابو براء عامر بن مالک جو اپنی بہادری کی وجہ سے "ملاعب الاسنہ" (برچھیوں سے کھیلنے والا) کہلاتا تھا۔ بارگاہ رسالت میں آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے نہ تو اسلام قبول کیا۔ نہ اس سے کوئی نفرت ظاہر کی۔ بلکہ یہ درخواست کی کہ آپ اپنے چند منتخب صحابہ کو ہمارے دیار میں بھیج دیجیے۔ مجھے امید ہے کہ وہ لوگ اسلام کی دعوت قبول کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے نجد کے کفار کی طرف سے خطرہ ہے۔ ابو براء نے کہا کہ میں آپ کے اصحاب کی جان و مال کی حفاظت کا ضامن ہوں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں سے ستر منتخب صالحین کو جو "قراء" کہلاتے تھے۔ بھیج دیا۔ یہ حضرات جب مقام "بیر معونہ" پر پہنچے تو ٹھہر گئے اور صحابہ کے قافلہ سالار حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر عامر بن طفیل کے پاس اکیلے تشریف لے گئے جو قبیلہ کا رئیس اور ابو براء کا بھتیجا تھا۔ اس نے خط کو پڑھا بھی نہیں اور ایک شخص کو اشارہ کر دیا جس نے پیچھے سے حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا اور آس پاس کے قبائل یعنی رعل و ذکوان اور عصیہ و بنو لحیان وغیرہ کو جمع کر کے ایک لشکر تیار کر لیا۔ اور صحابہ کرام پر حملہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ حضرات صحابہ کرام بیر معونہ کے پاس بہت دیر تک حضرت حرام رضی اللہ عنہ کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ مگر جب بہت زیادہ دیر ہو گئی۔ تو یہ لوگ آگے بڑھے راستہ میں عامر بن طفیل کی فوج کا سامنا ہوا۔ اور جنگ شروع ہو گئی کفار نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے سوا تمام صحابہ کرام کو شہید کر دیا۔ انہی شہداء کرام میں حضرت

عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جن کے بارے میں عامر بن طفیل کا بیان ہے کہ قتل ہونے کے بعد ان کی لاش بلند ہو کر آسمان تک پہنچی۔ پھر زمین پر آ گئی۔ اس کے بعد ان کی لاش تلاش کرنے پر نہیں ملی کیونکہ فرشتوں نے انہیں دفن کر دیا۔

(بخاری ج ۲ ص ۵۸۷ باب غزوۃ الرجیع)

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ اس لیے میں تم کو آزاد کرتا ہوں یہ کہا اور ان کی چوٹی کا بال کاٹ کر ان کو چھوڑ دیا حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ وہاں سے چل کر جب مقام "قرقرہ" میں آئے تو ایک درخت کے سائے میں ٹھہرے۔ وہیں قبیلۂ بنو کلاب کے دو آدمی بھی ٹھہرے ہوئے تھے جب وہ دونوں سو گئے تو حضرت عامر بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کافروں کو قتل کر دیا۔ اور یہ سوچ کر دل میں خوش ہو رہے تھے کہ میں نے صحابہ کرام کے خون کا بدلہ لے لیا ہے۔ مگر ان دونوں شخصوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم امان دے چکے تھے جس کا حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو علم نہ تھا جب مدینہ پہنچ کر انہوں نے سارا حال دربار رسالت میں بیان کیا۔ تو اصحاب بیر معونہ کی شہادت کی خبر سن کر سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا عظیم صدمہ پہنچا کہ تمام عمر شریف میں کبھی بھی اتنا رنج و صدمہ نہیں پہنچا تھا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مہینہ بھر تک قبائل رعل و ذکوان اور عصیہ و بنو لحیان پر نماز فجر میں لعنت بھیجتے رہے۔ اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے جن دو شخصوں کو قتل کر دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۳۶ و زرقانی ج ۲ ص ۷۴ تا ۷۸)

غزوہ بنو نضیر

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے قبیلۂ بنو کلاب کے جن دو شخصوں کو قتل کر دیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کا خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرما دیا تھا۔ اسی معاملہ کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبیلۂ بنو نضیر کے یہودیوں کے پاس تشریف

گئے۔ کیونکہ ان یہودیوں سے آپ کا معاہدہ تھا مگر یہودی درحقیقت بہت ہی بدباطن
ن والی قوم ہیں، معاہدہ کر لینے کے باوجود ان کے دلوں میں پیغمبر اسلام
علیہ وسلم کی دشمنی اور عناد کی آگ بھری ہوئی تھی۔ ہر چند حضور صلی اللہ علیہ وسلم
ن سے اہل کتاب ہونے کی بنا پر اچھا سلوک فرماتے تھے مگر یہ لوگ ہمیشہ
اسلام کی بیخ کنی اور بانیٔ اسلام کی دشمنی میں مصروف رہے۔ مسلمانوں سے بغض و
اد اور کفار و منافقین سے ساز باز اور اتحاد یہی ہمیشہ ان غداروں کا طرز عمل رہا
انچہ اس موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یہودیوں کے پاس تشریف
لے گئے تو ان لوگوں نے بظاہر تو بڑے اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ مگر اندرونی طور پر
ہی ہی خوفناک سازش اور انتہائی خطرناک اسکیم کا منصوبہ بنا لیا حضور صلی اللہ علیہ
لم کے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ یہودیوں
نے ان سب حضرات کو ایک دیوار کے نیچے بڑے احترام کے ساتھ بٹھایا اور
آپس میں یہ مشورہ کیا کہ چھت پر سے ایک بہت ہی بڑا اور وزنی پتھر ان حضرات
پر گرا دیں تاکہ یہ سب لوگ دب کر ہلاک ہو جائیں۔ چنانچہ عمرو بن جحاش اس مقصد کے
لیے چھت کے اوپر چڑھ گیا۔ محافظِ حقیقی پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم
کو یہودیوں کی اس ناپاک سازش سے بذریعہ وحی مطلع فرما دیا۔ اس لیے فوراً ہی آپ
وہاں سے اٹھ کر چپ چاپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ چلے آئے اور مدینہ تشریف
لا کر صحابہ کرام کو یہودیوں کی اس سازش سے آگاہ فرمایا۔ اور انصار و مہاجرین سے مشورہ
کے بعد ان یہودیوں کے پاس قاصد بھیج دیا کہ چونکہ تم لوگوں نے اپنی اس دسیسہ کاری
اور قاتلانہ سازش سے معاہدہ توڑ دیا۔ اس لیے اب تم لوگوں کو دس دن کی مہلت دی
جاتی ہے کہ تم اس مدت میں مدینہ سے نکل جاؤ۔ اس کے بعد جو شخص بھی تم میں کا یہاں
پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گا۔ شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر بنو نضیر
کے یہودی جلاوطن ہونے کے لیے تیار ہو گئے تھے مگر منافقوں کا سردار عبداللہ ابن
ابی ان یہودیوں کا حامی بن گیا اور اس نے کہلا بھیجا کہ تم لوگ ہرگز ہرگز مدینہ سے نہ نکلو

ہم دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کرنے کو تیار ہیں۔ اس کے علاوہ بنو قریظہ اور بنو غطفان یہودیوں کے دو طاقتور قبیلے بھی تمہاری مدد کریں گے۔ بنو نضیر کے یہودیوں کو جب اتنا بڑا سہارا مل گیا تو وہ شیر ہو گئے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ آپ کے جو دل میں آئے کر لیجیے۔

(مدارج جلد ۲ ص ۱۴۷)

یہودیوں کے اس جواب کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی امامت حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما کر خود بنو نضیر کا قصد فرمایا اور ان یہودیوں کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پندرہ دن تک قائم رہا۔ قلعہ میں باہر سے ہر قسم کے سامانوں کا آنا جانا بند ہو گیا اور یہودی بالکل ہی محصور و مجبور ہو کر رہ گئے۔ مگر اس موقع پر نہ تو منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی یہودیوں کی مدد کے لیے آیا۔ نہ بنو قریظہ اور بنو غطفان نے کوئی مدد کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دغابازوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ

(سورۂ حشر)

ان لوگوں کی مثال شیطان جیسی ہے جب اس نے آدمی سے کہا کہ تو کفر کر پھر جب اس نے کفر کیا تو بولا کہ میں تجھ سے الگ ہوں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

یعنی جس طرح شیطان آدمی کو کفر پر ابھارتا ہے۔ لیکن جب آدمی شیطان کے ورغلانے سے کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے تو شیطان چپکے سے کھسک کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اسی طرح منافقوں نے بنو نضیر کے یہودیوں کو شہ دے کر دلیر بنا دیا۔ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑا دیا۔ لیکن جب بنو نضیر کے یہودیوں کو جنگ کا سامنا ہوا تو منافق چھپ کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قلعہ کے محاصرہ کے ساتھ قلعہ کے آس پاس

کھجوروں کے کچھ درختوں کو بھی کٹوا دیا کیونکہ ممکن تھا کہ درختوں کے جھنڈ میں یہودی چھپ کر اسلامی لشکر پر چھاپہ مارتے۔ اور جنگ میں مسلمانوں کو دشواری ہو جاتی۔ ان درختوں کو کاٹنے کے بارے میں مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ درخت نہ کاٹے جائیں۔ کیونکہ فتح کے بعد یہ سب درخت مالِ غنیمت بن جائیں گے اور مسلمان ان سے نفع اٹھائیں گے اور کچھ لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ درختوں کے جھنڈ کو کاٹ کر صاف کر دینے سے یہودیوں کی کمین گاہوں کو برباد کرنا اور ان کو نقصان پہنچا کر غیظ و غضب میں ڈالنا مقصود ہے لہٰذا ان درختوں کو کاٹ دینا ہی بہتر ہے۔ اس موقع پر سورۂ حشر کی یہ آیت اتری

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۔

جو درخت تم نے کاٹے، یا جن کو ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیے، یہ سب اللہ کے حکم سے تھا۔ تاکہ خدا فاسقوں کو رسوا کرے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں جو درخت کاٹنے والے ہیں ان کا عمل بھی درست ہے اور جو کاٹنا نہیں چاہتے وہ بھی ٹھیک کہتے ہیں۔ کیونکہ کچھ درختوں کو کاٹنا اور کچھ کو چھوڑ دینا یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اجازت سے ہیں۔

بہر حال آخر کار محاصرہ سے تنگ آکر بنو نضیر کے یہودی اس بات پر تیار ہو گئے کہ وہ اپنا اپنا مکان اور قلعہ چھوڑ کر اس شرط پر مدینہ سے باہر چلے جائیں گے کہ جس قدر مال و اسباب وہ اونٹوں پر لے جا سکیں لے جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی اس شرط کو منظور فرما لیا۔ اور بنو نضیر کے سب یہودی چھ سو اونٹوں پر اپنا مال و سامان لاد کر ایک جلوس کی شکل میں گاتے بجاتے ہوئے مدینہ سے نکلے۔ کچھ تو "خیبر" چلے گئے اور زیادہ تعداد میں ملک شام جا کر "اذرعات" اور "اریحا" میں آباد ہو گئے۔

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد ان کے گھروں کی مسلمانوں نے جب تلاشی لی تو پچاس لوہے کی ٹوپیاں، پچاس زرہیں، تین سو چالیس تلواریں نکلیں جو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آئیں۔ (زرقانی ج ۲ ص۷۹ تا ۸۵)

اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کے یہودیوں کی اس جلاوطنی کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ حشر میں اس طرح فرمایا کہ۔

هُوَ الَّذِىْ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِى الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِى الْاَبْصَارِ۔ (حشر)	اللہ وہی ہے جس نے کافر کتابیوں کو ان کے گھروں سے نکالا ان کے پہلے حشر کے لیے (اے مسلمانو) تمہیں یہ گمان نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے تو اللہ کا حکم ان کے پاس آگیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا اور اس نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا کہ وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے ویران کرتے ہیں تو عبرت پکڑو اے نگاہ والو!

بدرِ صغریٰ

جنگ اُحد سے لوٹتے وقت ابوسفیان نے کہا تھا کہ آئندہ سال بدر میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ چنانچہ شعبان یا ذوالقعدہ ۴ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے نظم و نسق کا انتظام حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما کر لشکر کے ساتھ بدر میں تشریف لے گئے۔ آٹھ روز تک کفار کا انتظار کیا۔ اُدھر ابوسفیان بھی فوج کے ساتھ چلا۔ ایک منزل چلا تھا کہ اس نے اپنے لشکر سے یہ کہا کہ یہ سال جنگ کے لیے مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اتنا زبردست قحط پڑا ہوا ہے کہ نہ آدمیوں کے لیے دانہ پانی ہے۔ نہ جانوروں کے لیے گھاس چارہ۔ یہ کہہ کر ابوسفیان مکہ واپس چلا گیا۔ مسلمانوں کے پاس کچھ مالِ تجارت بھی ساتھ تھا۔ جب جنگ نہیں ہوئی۔ تو مسلمانوں نے تجارت کر کے خوب نفع کمایا۔

اور مدینہ واپس چلے آئے۔ (مدارج جلد ۲ ص ۱۵۱ وغیرہ)

۴ھ کے متفرق واقعات

(۱) اسی سال غزوہ بنو نضیر کے بعد جب انصار نے کہا کہ یا رسول اللہ! بنو نضیر کے جو اموال غنیمت میں ملے ہیں۔ وہ سب آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو دے دیجیے ہم اس میں سے کسی چیز کے طلب گار نہیں ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر یہ دعا فرمائی کہ۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَاَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَاءَ اَبْنَآءِ الْاَنْصَارِ۔

اے اللہ انصار پر، اور انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما۔ (مدارج جلد ۲ ص ۱۴۸)

(۲) اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت عبداللہ بن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کی آنکھ میں ایک مرغ نے چونچ ماردی جس کے صدمے سے وہ دو رات تڑپ کر وفات پا گئے۔ (مدارج جلد ۲ ص ۱۵۰)

(۳) اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت بی بی زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔

(مدارج جلد ۲ ص ۱۵۰)

(۴) اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام المومنین بی بی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔

(مدارج جلد ۲ ص ۱۵۰)

(۵) اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مقدس پیراہن ان کے کفن کے لیے عطا فرمایا۔ اور ان کی قبر میں اتر کر ان کی میت کو اپنے دست مبارک سے قبر میں اتارا۔ اور فرمایا کہ فاطمہ بنت اسد کے سوا کوئی شخص بھی قبر کے دبوچنے سے نہیں بچا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صرف پانچ ہی میت

ایسی خوش نصیب ہوئی ہیں جن کی قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اترے۔ اول حضرت بی بی خدیجہ۔ دوم حضرت بی بی خدیجہ کا ایک لڑکا۔ سوم عبداللہ مزنی جن کا لقب ذوالبجادین ہے۔ چہارم حضرت بی بی عائشہ کی ماں۔ حضرت ام رومان۔ پنجم حضرت فاطمہ بنت اسد حضرت علی کی والدہ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

(مدارج جلد ۲ صفہ ۱۵۰)

(۶) اسی سال ۵ شعبان ۴ھ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی۔

(مدارج جلد ۲ صہ ۱۵۱)

(۷) اسی سال ایک یہودی نے ایک یہودی کی عورت کے ساتھ زنا کیا اور یہودیوں نے یہ مقدمہ بارگاہِ نبوت میں پیش کیا تو آپ نے تورات و قرآن دونوں کتابوں کے فرمان سے اس کو سنگسار کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

(مدارج جلد ۲ صہ ۱۵۲)

(۸) اسی سال طعمہ بن ابیرق نے جو مسلمان تھا چوری کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے حکم سے اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ اس کے بعد طعمہ مکہ سے بھاگ گیا۔ وہاں بھی اس نے چوری کی۔ اہل مکہ نے اس کو قتل کر ڈالا۔ یا اس نے دیوار سے گر کر خودکشی کرلی یا دریا میں پھینک دیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ مرتد ہو گیا تھا۔

(مدارج جلد ۲ صہ ۱۵۳)

(۹) بعض مورخین کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔ اور بعض کے نزدیک ۶ھ میں اور بعض نے کہا کہ ۸ھ میں شراب حرام کی گئی۔

(مدارج جلد ۲ صہ ۱۵۳)

دسواں باب

ہجرت کا پانچواں سال

۵ھ

جنگ اُحد میں مسلمانوں کے جانی نقصان کا چرچا ہو جانے اور کفار قریش اور یہودیوں کی خفتر کہ سازشوں سے تمام قبائلِ کفار کا حوصلہ اتنا بلند ہو گیا کہ سب کو مدینہ پر حملہ کرنے کا جنون ہو گیا۔ چنانچہ ۵ھ بھی کفر و اسلام کے بہت سے معرکوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ ہم یہاں چند مشہور غزوات و سرایا کا ذکر کرتے ہیں۔

غزوہ ذات الرقاع

سب سے پہلے قبائل "انمار و ثعلبہ" نے مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے چار سو صحابہ کرام کا لشکر اپنے ساتھ لیا اور ۱۰ محرم ۵ھ کو مدینہ سے روانہ ہو کر مقام "ذات الرقاع" تک تشریف لے گئے لیکن آپ کی آمد کا حال سن کر یہ کفار پہاڑوں میں بھاگ کر چھپ گئے اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ مشرکین کی چند عورتیں ملیں۔ جن کو صحابہ کرام نے گرفتار کر لیا۔ اس وقت مسلمان بہت ہی مفلس اور تنگ دستی کی حالت میں تھے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سواریوں کی اتنی کمی تھی کہ چھ چھ آدمیوں کی سواری کے لیے ایک ایک اونٹ تھا۔ جس پر ہم لوگ باری باری سوار ہو کر سفر کرتے تھے۔ پہاڑی زمین میں پیدل چلنے سے ہمارے قدم زخمی اور پاؤں کے ناخن جھڑ گئے تھے اس لیے ہم لوگوں نے اپنے پاؤں پر کپڑوں کے چیتھڑے لپیٹ لیے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس غزوہ کا نام "غزوہ ذات الرقاع" (پیوندوں والا غزوہ) ہو گیا۔

(بخاری غزوہ ذات الرقاع ج ۲ ص ۵۹۲)

بعض مورخین نے کہا کہ چونکہ وہاں کی زمین کے پتھر سفید و سیاہ رنگ کے تھے اور زمین ایسی نظر آتی تھی گویا سفید اور کالے پیوند ایک دوسرے سے جوڑے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس غزوہ کو "غزوہ ذات الرقاع" کہا جانے لگا۔ اور بعض کا قول ہے کہ یہاں پر ایک درخت کا نام "ذات الرقاع" تھا۔ اس لیے لوگ اس کو غزوہ ذات الرقاع کہنے لگے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ساری باتیں ہوں۔

(زرقانی جلد ۲ ص۸۸)

مشہور امام سیرت ابن اسحٰق کا قول ہے کہ سب سے پہلے اس غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "صلوٰۃ الخوف" پڑھی۔

(زرقانی ج ۲ ص۹۰ و بخاری باب غزوہ ذات الرقاع ج ۲ ص۵۹۲)

غزوہ دُومۃ الجندل

ربیع الاول ۵ھ میں پتا چلا کہ "مقام دومۃ الجندل" میں جو مدینہ اور شہر دمشق کے درمیان ایک قلعہ کا نام ہے، مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ایک بہت بڑی فوج جمع ہو رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہ کرام کا لشکر لے کر مقابلہ کے لیے مدینہ سے نکلے جب مشرکین کو یہ معلوم ہوا کہ وہ لوگ اپنے مویشیوں اور چرواہوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے صحابۂ کرام نے ان تمام جانوروں کو مال غنیمت بنا لیا اور آپ نے تین دن وہاں قیام فرما کر مختلف مقامات پر صحابہ کے لشکروں کو روانہ فرمایا۔ اس غزوہ میں بھی کوئی جنگ نہیں ہوئی اس سفر میں ایک مہینہ سے زائد آپ مدینہ سے باہر رہے۔

(زرقانی ج ۲ ص۹۴ تا ۹۵)

غزوۂ مُریسیع

اس کا دوسرا نام "غزوہ بنی المصطلق" بھی ہے "مریسیع" ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ سے آٹھ منزل دور ہے۔ قبیلۂ خزاعہ کا ایک خاندان "بنو المصطلق" یہاں آباد تھا۔ اور اس قبیلہ کا سردار حارث بن ضرار تھا۔ اس نے بھی مدینہ پر فوج کشی کرنے کے لیے لشکر جمع کیا تھا جب یہ خبر مدینہ پہنچی، تو ۲ شعبان ۵ھ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

کو اپنا خلیفہ بنا کر لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اس غزوہ میں حضرت بی بی عائشہ اور حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ جب حارث بن ضرار کو آپ کی تشریف آوری کی خبر ہو گئی تو اُس پر ایسی دہشت سوار ہو گئی کہ وہ اور اُس کی فوج بھاگ کر منتشر ہو گئی۔ مگر خود مریسیع کے باشندوں نے لشکر اسلام کا سامنا کیا اور جم کر مسلمانوں پر تیر برسانے لگے لیکن جب مسلمانوں نے ایک ساتھ مل کر حملہ کر دیا تو دس کفار مارے گئے اور ایک مسلمان بھی شہادت سے سرفراز ہوئے۔ باقی سب کفار گرفتار ہو گئے جن کی تعداد سات سو سے زائد تھی۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مالِ غنیمت میں صحابہ کرام کے ہاتھ آئیں۔ (زرقانی ج ۲ ص ۹۷ تا ۹۸)

غزوہ مریسیع جنگ کے اعتبار سے تو کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا مگر اس جنگ میں بعض ایسے اہم واقعات درپیش ہو گئے کہ یہ غزوہ تاریخ نبوی کا ایک بہت ہی اہم اور شاندار عنوان بن گیا ہے اُن مشہور واقعات میں سے چند یہ ہیں۔

منافقین کی شرارت

اس جنگ میں مالِ غنیمت کے لالچ میں بہت سے منافقین بھی شریک ہو گئے تھے۔ ایک دن پانی لینے پر ایک مہاجر اور ایک انصاری میں کچھ تکرار ہو گئی۔ مہاجر نے بلند آواز سے یاللمهاجرین (اے مہاجرو، فریاد ہے) اور انصاری نے یا للانصار (اے انصاریو! فریاد ہے) کا نعرہ مارا۔ یہ نعرہ سنتے ہی انصار و مہاجرین دوڑ پڑے اور اس قدر بات بڑھ گئی کہ آپس میں جنگ کی نوبت آ گئی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو شرارت کا ایک موقع مل گیا اُس نے اشتعال دلانے کے لیے انصاریوں سے کہا کہ دو لو! یہ تو وہی مثل ہوئی کہ سَمِّنْ كَلْبَكَ يَأْكُلْكَ (تم اپنے کتے کو فربہ کرو تاکہ وہ تمہیں کو کھا ڈالے)، تم انصاریوں ہی نے ان مہاجروں کا حوصلہ بڑھا دیا ہے۔ لہٰذا اب ان مہاجرین کی مالی امداد و مدد بالکل بند کر دو۔ یہ لوگ ذلیل و خوار ہیں۔ اور ہم انصار عزت دار ہیں۔ اگر ہم مدینہ پہنچے تو یقیناً ہم ان ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کر دیں گے۔

(قرآن سورۂ منافقون)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس ہنگامہ کا شور وغوغا سنا تو انصار ومہاجرین سے فرمایا کہ کیا تم لوگ زمانہ جاہلیت کی نعرہ بازی کر رہے ہو؟ جمالِ نبوت دیکھتے ہی انصار ومہاجرین برف کی طرح ٹھنڈے پڑ گئے۔ اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند فقروں نے محبت کا ایسا دریا بہا دیا کہ پھر انصار ومہاجرین شیر وشکر کی طرح گھل مل گئے۔

جب عبداللہ بن ابی کی بیہودہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کان میں پڑی تو وہ اس قدر طیش میں آ گئے کہ ننگی تلوار لے کر آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت نرمی کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اے عمر! خبردار ایسا نہ کرو۔ ورنہ کفار میں یہ خبر پھیل جائے گی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرنے لگے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالکل ہی خاموش ہو گئے مگر اس خبر کا پورے لشکر میں چرچا ہو گیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ عبداللہ ابن ابی جتنا بڑا اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا۔ اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر اُس کے بیٹے اسلام کے سچے شیدائی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابی تھے۔ ان کا نام بھی عبداللہ تھا۔ جب اپنے باپ کی بکواس کا پتا چلا تو وہ غیظ وغضب میں بھرے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ میرے باپ کے قتل کو پسند فرماتے ہوں تو میری تمنا ہے کہ کسی دوسرے کے بجائے میں خود اپنی تلوار سے اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ میں تمہارے باپ کے ساتھ کبھی بھی کوئی برا سلوک نہیں کروں گا۔ (ابن سعد وطبری وغیرہ)

اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ مدینہ کے قریب وادی عقیق میں وہ اپنے باپ عبداللہ بن ابی کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ تم نے مہاجرین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذلیل کہا ہے خدا کی قسم! میں اُس وقت تک تم کو

مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت عطا نہ فرمائیں اور جب تک تم اپنی زبان سے یہ نہ کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام اولادِ آدم میں سب سے زیادہ عزت والے ہیں۔ اور تم سارے جہان والوں میں سب سے زیادہ ذلیل ہو۔ تمام لوگ انتہائی حیرت اور تعجب کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے اور یہ دیکھا کہ بیٹا باپ کا راستہ روکے ہوئے کھڑا ہے اور عبداللہ بن ابی زور زور سے کہہ رہا ہے کہ "میں سب سے زیادہ ذلیل ہوں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ عزت دار ہیں" آپ نے یہ دیکھتے ہی حکم دیا کہ اس کا راستہ چھوڑ دو تاکہ یہ مدینہ میں داخل ہو جائے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۵۷)

حضرت جویریہ سے نکاح

غزوہ مریسیع کی جنگ میں جو کفار مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے۔ اُن میں سردار قوم حارث بن ضرار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جب تمام قیدی لونڈی غلام بنا کر مجاہدینِ اسلام میں تقسیم کر دیے گئے تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں انہوں نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے یہ کہہ دیا کہ تم مجھے اتنی اتنی رقم دے دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس کوئی رقم نہیں تھی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے قبیلے کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں۔ اور میں مسلمان ہو چکی ہوں۔ حضرت ثابت بن قیس نے اتنی اتنی رقم لے کر مجھے آزاد کر دینے کا وعدہ کر لیا ہے آپ میری امداد فرمائیں تاکہ میں یہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جاؤں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کروں تو کیا تم منظور کر لو گی؟ انہوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں خود تنہا تمہاری طرف سے ساری رقم ادا کر دوں۔ اور تم کو آزاد کر کے میں تم سے نکاح کر لوں تاکہ تمہارا خاندانی اعزاز و وقار برقرار رہ جائے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے خوشی خوشی اس کو منظور کر لیا

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری رقم اپنے پاس سے ادا فرما کر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما لیا۔ جب یہ خبر لشکر میں پھیل گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما لیا تو مجاہدین اسلام کے لشکر میں اس خاندان کے جتنے لونڈی غلام تھے مجاہدین نے سب کو فوراً ہی آزاد کر کے رہا کر دیا اور لشکر اسلام کا ہر سپاہی یہ کہنے لگا کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر لی اُس خاندان کا کوئی آدمی لونڈی غلام نہیں رہ سکتا۔ اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ ہم نے کسی عورت کا نکاح حضرت جویریہ کے نکاح سے بڑھ کر خیر و برکت والا نہیں دیکھا۔ کہ اس کی وجہ سے تمام خاندان بنی المصطلق کو غلامی سے آزادی نصیب ہو گئی۔ (ابو داؤد کتاب العتق ج ۲ ص ۵۴۸)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا اصلی نام "برہ" تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام کو بدل کر "جویریہ" نام رکھا۔ (مدارج جلد ۲ ص ۱۵۵)

واقعہ افک

اسی غزوہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس آنے لگے تو ایک منزل پر رات میں پڑاؤ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک بند ہودج میں سوار ہو کر سفر کرتی تھیں اور چند مخصوص آدمی اس ہودج کو اونٹ پر لادنے اور آتارنے کے لیے مقرر تھے۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا لشکر کی روانگی سے کچھ پہلے لشکر سے باہر رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئیں۔ جب واپس ہوئیں تو دیکھا کہ ان کے گلے کا ہار کہیں ٹوٹ کر گر پڑا ہے۔ وہ دوبارہ اس ہار کی تلاش میں لشکر سے باہر چلی گئیں۔ اس مرتبہ واپسی میں کچھ دیر لگ گئی اور لشکر روانہ ہو گیا۔ آپ کا ہودج لادنے والوں نے یہ خیال کر کے کہ ام المومنین ہودج کے اندر تشریف فرما ہیں ہودج کو اونٹ پر لاد دیا۔ اور پورا قافلہ منزل سے روانہ ہو گیا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا منزل پر واپس آئیں تو یہاں کوئی آدمی موجود نہیں تھا۔ تنہائی سے سخت گھبرائیں۔ اندھیری رات میں اکیلے چلنا بھی خطرناک تھا۔ اس لیے وہ یہ سوچ کر وہیں لیٹ گئیں کہ جب اگلی منزل پر لوگ

مجھے نہ پائیں گے تو ضرور ہی میری تلاش میں یہاں آئیں گے۔ وہ لیٹی لیٹی سو گئیں۔ ایک صحابی جن کا نام حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ تھا۔ وہ ہمیشہ لشکر کے پیچھے پیچھے اس خیال سے چلا کرتے تھے تاکہ لشکر کا گرا پڑا سامان اٹھاتے چلیں۔ وہ جب اس منزل پر پہنچے تو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا اور چونکہ پردہ کی آیت نازل ہونے سے پہلے وہ بارہا ام المومنین کو دیکھ چکے تھے۔ اس لیے دیکھتے ہی پہچان لیا اور انہیں مردہ سمجھ کر "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ اس آواز سے وہ جاگ اٹھیں۔ حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی ان کو اپنے اونٹ پر سوار کر لیا۔ اور خود اونٹ کی مہار تھام کر پیدل چلتے ہوئے اگلی منزل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔

منافقوں کے سردار عبد اللہ بن ابی نے اس واقعہ کو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا ذریعہ بنالیا۔ اور خوب خوب اس تہمت کا چرچا کیا۔ یہاں تک کہ مدینہ میں اس منافق نے اس شرمناک تہمت کو اس قدر اچھالا اور اتنا شور وغل مچایا کہ مدینہ میں ہر طرف اس افتراء اور تہمت کا چرچا ہونے لگا۔ اور بعض مسلمان مثلاً حضرت حسان بن ثابت اور حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم نے بھی اس تہمت کو پھیلانے میں کچھ حصہ لیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شر انگیز تہمت سے بے حد رنج و صدمہ پہنچا۔ اور مخلص مسلمانوں کو بھی انتہائی رنج و غم ہوا۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ پہنچتے ہی سخت بیمار ہو گئیں۔ پردہ نشین تو تھیں ہی صاحب فراش ہو گئیں اور انہیں اس تہمت تراشی کی بالکل خبر ہی نہیں ہوئی گو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا پورا پورا علم و یقین تھا۔ مگر چونکہ اپنی بیوی کا معاملہ تھا۔ اس لیے آپ نے اپنی طرف سے اپنی بیوی کی برأت اور پاک دامنی کا اعلان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اور وحی الٰہی کا انتظار فرمانے لگے اس درمیان میں آپ اپنے مخلص اصحاب سے اس معاملہ میں مشورہ فرماتے رہے تاکہ ان لوگوں کے خیالات کا پتا چل سکے۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۹۴)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب آپ نے اس تہمت کے بارے میں گفتگو فرمائی۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ کے جسم اطہر پر ایک مکھی بھی بیٹھ جائے۔ کیونکہ مکھی نجاستوں پر بیٹھتی ہے۔ تو بھلا جو عورت ایسی برائی کی مرتکب ہو خداوند قدوس کب؟ اور کیسے برداشت فرمائے گا کہ وہ آپ کی زوجیت میں رہ سکے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے سایہ کو زمین پر نہیں پڑنے دیا۔ تاکہ اس پر کسی کا پاؤں نہ پڑ سکے تو بھلا اس معبود برحق کی غیرت کب یہ گوارا کرے گی کہ کوئی انسان آپ کی زوجہ محترمہ کے ساتھ ایسی قباحت کا مرتکب ہو سکے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ گزارش کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک مرتبہ آپ کی نعلین اقدس میں نجاست لگ گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیج کر آپ کو خبر دی کہ آپ اپنی نعلین اقدس کو اتار دیں اس لیے حضرت بی بی عائشہ معاذ اللہ اگر ایسی ہوتیں تو ضرور اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل فرما دیتا کہ "آپ ان کو اپنی زوجیت سے نکال دیں"۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جب اس تہمت کی خبر سنی تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اے بیوی! تو سچ بتا! اگر حضرت صفوان بن معطل کی جگہ میں ہوتا تو کیا تو یہ گمان کر سکتی ہے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم پاک کے ساتھ ایسا کر سکتا تھا؟ تو ان کی بیوی نے جواب دیا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جگہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہوتی تو خدا کی قسم! میں کبھی ایسی خیانت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو مجھ سے لاکھوں درجے بہتر ہے۔ اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو بدرجہا تم سے بہتر ہیں بھلا کیونکر ممکن ہے کہ یہ دونوں ایسی خیانت کر سکتے ہیں؟

(مدارک التنزیل مصری ج ۲ ص ۱۳۴ تا ۱۳۵)

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں حضرت علی

اور اسامہ رضی اللہ عنہما سے جب مشورہ طلب فرمایا تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے برجستہ کہا کہ اَھْلُکَ وَلَا نَعْلَمُ اِلَّا خَیْرًا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم انہیں اچھی ہی جانتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں ڈالی ہے۔ عورتیں ان کے سوا بہت ہیں۔ اور آپ ان کے بارے میں ان کی لونڈی (حضرت بریرہ) سے پوچھ لیں۔ وہ آپ سے سچ سچ کہہ دے گی۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ نے سوال فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو رسولِ برحق بنا کر بھیجا ہے کہ میں نے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا میں کوئی عیب نہیں دیکھا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وہ ابھی کمسن لڑکی ہیں۔ وہ گوندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر کھا ڈالتی ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا۔ جو حسن و جمال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مثل تھیں۔ تو انہوں نے قسم کھا کر یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اَحْمِیْ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَیْرًا میں اپنے کان اور آنکھ کی حفاظت کرتی ہوں۔ خدا کی قسم! میں تو حضرت بی بی عائشہ کو اچھی ہی جانتی ہوں۔

(بخاری باب حدیث الافک ج ۲ صفحہ ۵۹۶)

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن منبر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں سے فرمایا کہ اُس شخص کی طرف سے مجھے کون معذور سمجھے گا یا میری مدد کرے گا جس نے میری بیوی پر بہتان تراشی کر کے میری دل آزاری کی ہے۔ وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ عَلٰی اَھْلِیْ اِلَّا خَیْرًا۔ خدا کی قسم میں اپنی بیوی کو ہر طرح کی اچھی ہی جانتا ہوں۔ وَلَقَدْ ذَکَرُوْا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَیْہِ اِلَّا خَیْرًا۔ اور ان لوگوں (منافقوں) نے (اس بہتان میں) ایک ایسے مرد (صفوان بن معطل) کا ذکر کیا ہے جس کو میں بالکل اچھا

ہی جانتا ہوں۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۹۵ باب حدیث الافک)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بر سر منبر اس تقریر سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہما دونوں کی براءت وطہارت اور عفت وپاک دامنی کا پورا پورا علم اور یقین تھا۔ اور وحی نازل ہونے سے پہلے ہی آپ کو یقینی طور پر معلوم تھا کہ منافق جھوٹے اور ام المومنین پاک دامن ہیں۔ ورنہ آپ بر سر منبر قسم کھا کر ان دونوں کی اچھائی کا مجمعِ عام میں ہرگز اعلان نہ فرماتے مگر پہلے ہی اعلان عام نہ فرمانے کی وجہ یہی تھی کہ اپنی بیوی کی پاک دامنی کا اپنی زبان سے اعلان کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ جب حد سے زیادہ منافقین نے شور وغوغا شروع کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر اپنے خیال اقدس کا اظہار فرما دیا۔ مگر اب بھی اعلان عام کے لیے آپ کو وحی الٰہی کا انتظار ہی رہا۔

یہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر سے آتے ہی بیمار ہو کر صاحبِ فراش ہو گئی تھیں۔ اس لیے وہ اس بہتان کے طوفان سے بالکل ہی بے خبر تھیں۔ جب انہیں مرض سے کچھ صحت حاصل ہوئی اور وہ ایک رات حضرت ام مسطح صحابیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رفعِ حاجت کے لیے صحرا میں تشریف لے گئیں۔ تو اُن کی زبانی انہوں نے اس دلخراش اور روح فرسا خبر کو سنا۔ جس سے انہیں بڑا دھچکا لگا۔ اور وہ شدت رنج وغم سے نڈھال ہو گئیں۔ چنانچہ ان کی بیماری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اور وہ دن رات بلک بلک کر روتی رہیں۔ آخر جب اُن سے یہ صدمہ جانکاہ برداشت نہ ہو سکا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنی والدہ کے گھر چلی گئیں اور اس منحوس خبر کا تذکرہ اپنی والدہ سے کیا۔ ماں نے کافی تسلی وتشفی دی۔ مگر یہ برابر لگاتار روتی ہی رہیں۔ اسی حالت میں ناگہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عائشہ! تمہارے بارے میں ایسی ایسی خبر اڑائی گئی ہے۔ اگر تم پاک دامن ہو اور یہ خبر جھوٹی ہے تو عنقریب خداوند تعالیٰ تمہاری براءت کا بذریعہ وحی اعلان فرما دے گا۔ ورنہ تم توبہ واستغفار کر لو۔ کیونکہ جب کوئی بندہ خدا سے توبہ

کرتا ہے اور بخشش مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گفتگو سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آنسو بالکل تھم گئے اور انہوں نے اپنے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دیجیے تو انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دوں؟ پھر انہوں نے ماں سے جواب دینے کی درخواست کی تو ان کی ماں نے بھی یہی کہا۔ پھر خود حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جواب دیا کہ لوگوں نے جو ایک بے بنیاد بات اڑائی ہے اور یہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ چکی ہے اور کچھ لوگ اس کو سچ سمجھ چکے ہیں۔ اس صورت میں اگر میں یہ کہوں کہ میں پاک دامن ہوں تو لوگ اس کی تصدیق نہیں کریں گے۔ اور اگر میں اس برائی کا اقرار کر لوں تو سب مان لیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس الزام سے بری اور پاک دامن ہوں۔ اس وقت میری مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) جیسی ہے۔ لہٰذا میں بھی وہی کہتی ہوں جو انہوں نے کہا تھا یعنی فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ یہ کہتی ہوئی انہوں نے کروٹ بدل کر منہ پھیر لیا۔ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس تہمت سے بری اور پاک دامن ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری براءت کو ظاہر فرما دے گا۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب سن کر ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر بیٹھا ہی ہوا تھا کہ ناگہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے لگی۔ اور آپ پر نزولِ وحی کے وقت کی بے چینی شروع ہو گئی۔ اور باوجودیکہ شدید سردی کا وقت تھا۔ مگر پسینے کے قطرات موتیوں کی طرح آپ کے بدن سے ٹپکنے لگے جب وحی اتر چکی تو ہنستے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ تم خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی حمد کرو کہ اس نے تمہاری براءت اور پاک دامنی کا اعلان فرما دیا۔ اور پھر آپ نے قرآن کی سورۂ نور میں سے دس آیتوں کی تلاوت فرمائی جو اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ سے شروع ہو کر وَاَنَّ اللّٰهَ

تا غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ پر ختم ہوتی ہیں۔

ان آیات کے نازل ہو جانے کے بعد منافقوں کا منہ کالا ہو گیا اور حضرت ام المؤمنین بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اس طرح چمک اٹھا کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے دلوں کی دنیا میں نورِ ایمان سے اُجالا ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت مسطح بن اثاثہ پر بڑا غصہ آیا۔ یہ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے اور بچپن ہی میں ان کے والد وفات پا گئے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی پرورش بھی کی تھی۔ اور ان کی مفلسی کی وجہ سے ہمیشہ آپ اُن کی مالی امداد فرماتے رہتے تھے۔ مگر اس کے باوجود حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس تہمت تراشی اور اس کا چرچا کرنے میں کچھ حصہ لیا تھا اس وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غصہ میں بھر کر یہ قسم کھالی کہ اب میں مسطح بن اثاثہ کی کبھی بھی کوئی مالی مدد نہیں کروں گا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ۔

وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ	اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے
مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا	اور گنجائش والے ہیں۔ قرابت والوں
اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ	اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت
وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ	کرنے والوں کو دینے کی اور چاہیے
وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ	کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم
اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ	اسے پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری
لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ	بخشش کرے، اور اللہ بہت بخشنے
رَّحِيْمٌ ۝ (نور)	والا اور بڑا مہربان ہے۔

اس آیت کو سُن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی قسم توڑ ڈالی۔ اور پھر حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کا خرچ بدستور سابق عطا فرمانے لگے۔

(بخاری حدیث الافک ج ۲ ص ۵۹۵ تا ۵۹۶ ملخصاً)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں ایک خطبہ پڑھا، اور سورۂ نور کی آیتیں تلاوت فرما کر مجمع عام میں سنا دیں۔ اور تہمت لگانے والوں میں سے حضرت حسان بن ثابت و حضرت مسطح بن اثاثہ و حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ان چاروں کو حد قذف کی سزا میں اسی اسی درے مارے گئے۔

(مدارج جلد۲ ص۱۶۳ وغیرہ)

شارح بخاری علامہ کرمانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حضرت بی بی عائشہ کی برارت اور پاک دامنی قطعی و یقینی ہے جو قرآن سے ثابت ہے۔ اگر کوئی اس میں ذرا بھی شک کرے تو وہ کافر ہے۔ (بخاری جلد ۲ ص۵۹۵)

دوسرے تمام فقہاء اُمت کا بھی یہی مسلک ہے۔

آیتِ تیمم کا نزول

ابن عبدالبر و ابن سعد و ابن حبان وغیرہ محدثین و علماء سیرت کا قول ہے کہ تیمم کی آیت اسی غزوہ مریسیع میں نازل ہوئی مگر روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ آیت تیمم کسی دوسرے غزوہ میں اتری ہے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص۱۵۷) واللہ تعالٰے اعلم

بخاری شریف میں آیت تیمم کی شان نزول جو مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے جب ہم لوگ مقام "بیداء" یا مقام "ذات الجیش" میں پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ لوگ اس ہار کی تلاش میں وہاں ٹھہر گئے۔ اور وہاں پانی نہیں تھا تو کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آکر شکایت کی کہ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت عائشہ نے کیا کیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو یہاں ٹھہرا لیا ہے۔ حالانکہ یہاں پانی موجود نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے۔ اور جو کچھ خدا نے چاہا انہوں نے مجھ کو (سخت و سست) کہا۔ اور پھر (غصہ میں) اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کونچا مارنے لگے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر اپنا سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے۔ اس وجہ سے (مار کھانے کے

باوجود) میں ہل نہیں سکتی تھی۔ صبح کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو وہاں کہیں پانی موجود ہی نہیں تھا۔ ناگہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تیمم کی آیت نازل ہو گئی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اصحاب نے تیمم کیا اور نماز فجر ادا کی اس موقع پر حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے (خوش ہو کر) کہا کہ اے ابوبکر کی آل! یہ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے۔ پھر ہم لوگوں نے اونٹ کو اٹھایا تو اس کے نیچے ہم نے ہار کو پالیا۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۸ کتاب التیمم)

اس حدیث میں کسی غزوہ کا نام نہیں ہے۔ مگر شارح بخاری حضرت علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ واقعہ غزوہ بنی المصطلق کا ہے جس کا دوسرا نام غزوہ مریسیع بھی ہے۔ جس میں قصہ افک واقع ہوا۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۳۶۵ کتاب التیمم)

اس غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھائیس دن مدینہ سے باہر رہے۔

(زرقانی ج ۲ ص ۱۰۲)

جنگِ خندق

۵ھ کی تمام لڑائیوں میں یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور اور فیصلہ کن جنگ ہے چونکہ دشمنوں سے حفاظت کے لیے شہر مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی تھی۔ اس لیے یہ لڑائی "جنگِ خندق" کہلاتی ہے اور چونکہ تمام کفارِ عرب نے متحد ہو کر اسلام کے خلاف یہ جنگ کی تھی۔ اس لیے اس لڑائی کا دوسرا نام "جنگ احزاب" (تمام جماعتوں کی متحدہ جنگ) ہے۔ قرآن مجید میں اس لڑائی کا تذکرہ اسی نام کے ساتھ آیا ہے۔

جنگِ خندق کا سبب

گزشتہ اوراق میں ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ "قبیلہ بنو نضیر" کے یہودی جب مدینہ سے نکال دیے گئے تو ان میں سے یہودیوں کے چند رؤسا "خیبر" میں جا کر آباد ہو گئے اور خیبر کے

یہودیوں نے ان لوگوں کا اتنا اعزاز و اکرام کیا کہ سلام بن الحقیق و حیی بن اخطب و کنانہ بن الربیع کو اپنا سردار مان لیا۔ یہ لوگ چونکہ مسلمانوں کے خلاف غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ اور انتقام کی آگ ان کے سینوں میں دہک رہی تھی۔ اس لیے ان لوگوں نے مدینہ پر ایک زبردست حملہ کی اسکیم بنائی۔ چنانچہ یہ تینوں اس مقصد کے پیش نظر مکہ گئے۔ اور کفار قریش سے مل کر یہ کہا کہ اگر تم لوگ ہمارا ساتھ دو تو ہم لوگ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر سکتے ہیں۔ کفار قریش تو اس کے بھوکے ہی تھے۔ فوراً ہی ان لوگوں نے یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ کفار قریش سے ساز باز کر لینے کے بعد ان تینوں یہودیوں نے "قبیلہ بنو غطفان" کا رُخ کیا۔ اور خیبر کی آدھی آمدنی دینے کا لالچ دے کر ان لوگوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے آمادہ کر لیا پھر بنو غطفان نے اپنے حلیف "بنو اسد" کو بھی جنگ کے لیے تیار کر لیا۔ ادھر یہودیوں نے اپنے حلیف "قبیلہ بنو اسعد" کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا اور کفار قریش نے اپنی رشتہ داریوں کی بنا پر "قبیلہ بنو سلیم" کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ غرض اس طرح تمام قبائل عرب کے کفار نے مل جل کر ایک لشکر جرار تیار کر لیا جس کی تعداد دس ہزار تھی۔ اور ابو سفیان اس پورے لشکر کا سپہ سالار بن گیا۔

(زرقانی ج ۲ ص ۱۰۴ تا ۱۰۵)

مسلمانوں کی تیاری

جب قبائل عرب کے تمام کافروں کے اس گٹھ جوڑ اور خوفناک حملہ کی خبریں مدینہ پہنچیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو جمع فرما کر مشورہ فرمایا کہ اس حملہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ جنگِ اُحد کی طرح شہر سے باہر نکل کر اتنی بڑی فوج کے حملہ کو میدانی لڑائی میں روکنا مصلحت کے خلاف ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ شہر کے اندر رہ کر اس حملہ کا دفاع کیا جائے اور شہر کے گرد جس طرف سے کفار کی چڑھائی کا خطرہ ہے ایک خندق کھود لی جائے تاکہ کفار کی پوری فوج بیک وقت حملہ آور نہ ہو سکے۔ مدینہ کے تین طرف چونکہ

مکانات کی تنگ گلیاں اور کھجوروں کے جھنڈ تھے۔ اس لیے ان تینوں جانب سے حملہ کا امکان نہیں تھا۔ مدینہ کا صرف ایک رُخ کھلا ہوا تھا اس لیے یہ طے کیا گیا کہ اسی طرف پانچ گز گہری خندق کھودی جائے۔ چنانچہ ۸ ذوقعدہ ۵ھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار صحابہ کرام کو ساتھ لے کر خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے خندق کی حد بندی فرمائی۔ اور دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرما دی اور تقریباً بیس دن میں یہ خندق تیار ہو گئی۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۶۸ تا ۱۷۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے پاس تشریف لائے اور جب یہ دیکھا کہ انصار و مہاجرین کڑکڑاتے ہوئے جاڑے کے موسم میں صبح کے وقت کئی کئی فاقوں کے باوجود جوش و خروش کے ساتھ خندق کھودنے میں مشغول ہیں تو انتہائی متاثر ہو کر آپ نے یہ رجز پڑھنا شروع کر دیا کہ ؎

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃ

فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ

اے اللہ! بلاشبہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ لہٰذا تو انصار و مہاجرین کو بخش دے۔

اس کے جواب میں انصار و مہاجرین نے آواز ملا کر یہ پڑھنا شروع کر دیا کہ ؎

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا

عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے جہاد پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لی ہے۔ جب تک ہم زندہ رہیں ہمیشہ کے لیے۔

(بخاری غزوۂ خندق ج ۲ ص ۵۸۸)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی خندق کھودتے اور مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے شکم مبارک پر

غبار کی تہ جم گئی تھی۔ اور مٹی اٹھاتے ہوئے صحابہ کو جوش دلانے کے لیے رجز کے یہ اشعار پڑھتے تھے کہ

وَاللّٰہِ لَوْلَا اللّٰہُ مَا اھْتَدَیْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

خدا کی قسم! اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے،

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا
وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا

لہٰذا اے اللہ! تم ہم پر قلبی اطمینان اتار دے۔ اور جنگ کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ۔

اِنَّ الْاُولٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا
اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَۃً اَبَیْنَا

یقیناً ان (کافروں) نے ہم پر ظلم کیا ہے۔ اور جب کبھی ان لوگوں نے فتنہ کا ارادہ کیا۔ تو ہم لوگوں نے انکار کر دیا لفظ " اَبَیْنَا " حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار بتکرار بلند آواز سے دہراتے تھے۔

ایک عجیب چٹان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ خندق کھودتے وقت ناگہاں ایک ایسی چٹان نمودار ہوگئی جو کسی سے بھی نہیں ٹوٹی۔ جب ہم نے بارگاہ رسالت میں یہ ماجرا عرض کیا تو آپ اُٹھے۔ تین دن کا فاقہ تھا اور شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے پھاوڑا مارا، تو وہ چٹان ریت کے بھربھرے ٹیلے کی طرح بکھر گئی۔

(بخاری جلد ۲ صہ ۵۸۸ خندق)

اور ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے اس چٹان پر تین مرتبہ پھاوڑا مارا، ہر ضرب پر اس میں سے ایک روشنی نکلتی تھی۔ اور اس روشنی میں آپ نے شام و ایران اور یمن

کے شہروں کو دیکھ لیا۔ اور ان تینوں ملکوں کے فتح ہونے کی صحابہ کرام کو بشارت دی۔

(زرقانی جلد ۲ صہ ۱۰۹ و مدارج ج ۲ صہ ۱۶۹)

اور نسائی کی روایت میں ہے کہ آپ نے مدائن کسریٰ و مدائن قیصر و مدائن حبشہ کی فتوحات کا اعلان فرمایا۔ (نسائی ج ۲ صہ ۶۳)

حضرت جابر کی دعوت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فاقوں سے شکم اقدس پر پتھر بندھا ہوا دیکھ کر میرا دل بھر آیا چنانچہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے گھر آیا اور بیوی سے کہا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر شدید بھوک کی حالت میں دیکھا ہے کہ مجھ کو صبر کی تاب نہیں رہی۔ کیا گھر میں کچھ کھانا ہے؟ بیوی نے کہا کہ گھر میں ایک صاع جو کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ تم جلدی سے اس جو کو پیس کر گوندھ لو اور اپنے گھر کا پلا ہوا ایک بکری کا بچہ میں نے ذبح کر کے اس کی بوٹیاں بنا دیں اور بیوی سے کہا کہ جلدی سے تم گوشت روٹی تیار کر لو۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر لاتا ہوں چلتے وقت بیوی نے کہا کہ دیکھنا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور چند ہی اصحاب کو ساتھ میں لانا۔ کھانا کم ہی ہے کہیں مجھے رسوا مت کر دینا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے خندق پر آکر چپکے سے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! ایک صاع آٹے کی روٹیاں، اور ایک بکری کے بچے کا گوشت میں نے گھر میں تیار کرایا ہے۔ لہٰذا آپ صرف چند اشخاص کے ساتھ چل کر تناول فرمالیں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے خندق والو! جابر نے دعوتِ طعام دی ہے۔ لہٰذا سب لوگ ان کے گھر پر چل کر کھانا کھالیں۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ جب تک میں نہ آجاؤں روٹی مت پکوانا۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو گوندھے ہوئے آٹے میں اپنا لعاب دہن ڈال کر برکت کی دعا فرمائی۔ اور گوشت کی ہانڈی میں بھی اپنا لعاب دہن ڈال دیا۔ پھر روٹی پکانے کا حکم دیا۔ اور یہ فرمایا کہ ہانڈی چولھے سے نہ اتاری جائے۔ پھر روٹی پکنی شروع ہوئی۔ اور ہانڈی میں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے گوشت

نکال نکال کر دینا شروع کیا۔ ایک ہزار آدمیوں نے آسودہ ہو کر کھانا کھا لیا۔ مگر گوندھا ہوا آٹا جتنا پہلے تھا اتنا ہی رہ گیا اور ہانڈی چولہے پر بدستور جوش مارتی رہی۔

(بخاری ج ۲ صہ ۵۸۹ غزوہ خندق)

بابرکت کھجوریں

اسی طرح ایک لڑکی اپنے ہاتھ میں کچھ کھجوریں لے کر آئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا ہے؟ لڑکی نے جواب دیا کہ کچھ کھجوریں ہیں جو میری ماں نے میرے باپ کے ناشتہ کے لیے بھیجی ہیں۔ آپ نے ان کھجوروں کو اپنے دستِ مبارک میں لے کر ایک کپڑے پر بکھیر دیا۔ اور تمام اہلِ خندق کو بلا کر فرمایا کہ خوب سیر ہو کر کھاؤ۔ چنانچہ تمام خندق والوں نے شکم سیر ہو کر ان کھجوروں کو کھایا۔ (مدارج جلد ۲ صہ ۱۶۹)

یہ دونوں واقعات حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہیں!

اسلامی افواج کی مورچہ بندی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق تیار ہو جانے کے بعد عورتوں اور بچوں کو مدینہ کے محفوظ قلعوں میں جمع فرما دیا اور مدینہ پر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنا کر تین ہزار انصار و مہاجرین کی فوج کے ساتھ مدینہ سے نکل کر سلع پہاڑ کے دامن میں ٹھہرے سلع آپ کی پشت پر تھا۔ اور آپ کے سامنے خندق تھی۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ کے ہاتھ میں دیا۔ اور انصار کا علمبردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ (زرقانی جلد ۲ صہ ۱۱۱)

کفار کا حملہ

کفار قریش اور اُن کے اتحادیوں نے دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ بول دیا اور تین طرف سے کافروں کا لشکر اس زور شور کے ساتھ مدینہ پر امنڈ پڑا کہ شہر کی فضاؤں میں گرد و غبار کا طوفان اٹھ گیا۔ اس خوفناک چڑھائی اور لشکرِ کفار کے دل بادل کی معرکہ آرائی کا نقشہ قرآن کی زبان سے سنیے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۞ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا

(احزاب)

جب کافر تم پر آ گئے تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے اور جب کہ ٹھٹھک کر رہ گئیں نگاہیں اور دل گلوں کے پاس (خوف سے) آ گئے۔ اور تم اللہ پر (امید ویاس سے) طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس جگہ مسلمان آزمائش اور امتحان میں ڈال دیے گئے اور وہ بڑے زور کے زلزلے میں جھنجھوڑ کر رکھ دیے گئے۔

منافقین جو مسلمانوں کے دوش بدوش کھڑے تھے۔ وہ کفار کے اس لشکر کو دیکھتے ہی بزدل ہو کر پھسل گئے اور اس وقت ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنے گھر جانے کی اجازت مانگنی شروع کر دی جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ۔

وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ط وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا

(احزاب)

اور ایک گروہ (منافقین) ان میں سے نبی کی اجازت طلب کرتا تھا منافق کہتے ہیں کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے ہوئے نہیں تھے۔ ان کا مقصد بھاگنے کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

لیکن اسلام کے سچے جاں نثار (مہاجرین و انصار) نے جب لشکرِ کفار کی طوفانی یلغار کو دیکھا تو اس طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ گئے کہ "سلع" اور "احد" کی پہاڑیاں سر اٹھا اٹھا کر ان مجاہدین کی اولوالعزمی کو حیرت سے دیکھنے لگیں ان جاں نثاروں کی ایمانی شجاعت کی تصویر صفحاتِ قرآن پر بصورتِ تحریر دیکھیے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ لا قَالُوْا هٰذَا

اور جب مسلمانوں نے قبائلِ کفار کے لشکروں کو دیکھا تو بول اٹھے کہ یہ تو

مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝	یہی منظر ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور خدا اور اس کا رسول دونوں سچے ہیں اور اس نے ان کے ایمان و اطاعت کو اور زیادہ بڑھا دیا۔
(احزاب)	

بنو قریظہ کی غداری

قبیلہ بنو قریظہ کے یہودی اب تک غیر جانبدار تھے لیکن بنو نضیر کے یہودیوں نے ان کو بھی اپنے ساتھ ملا کر لشکر کفار میں شامل کر لینے کی کوشش شروع کر دی۔ چنانچہ حیی بن اخطب ابو سفیان کے مشورہ سے بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا۔ پہلے تو اس نے اپنا دروازہ نہیں کھولا۔ اور کہا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حلیف ہیں اور ہم نے ان کو ہمیشہ اپنے عہد کا پابند پایا ہے۔ اس لیے ہم ان سے عہد شکنی کرنا خلافِ مروت سمجھتے ہیں۔ مگر بنو نضیر کے یہودیوں نے اس قدر شدید اصرار کیا۔ اور طرح طرح سے ورغلایا کہ بالآخر کعب بن اسد معاہدہ توڑنے کے لیے راضی ہو گیا۔ بنو قریظہ نے جب معاہدہ توڑ دیا اور کفار سے مل گئے تو کفار مکہ اور ابو سفیان خوشی سے باغ باغ ہو گئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ملی تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو تحقیق حال کے لیے بنو قریظہ کے پاس بھیجا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ واقعی بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے۔ جب ان دونوں معزز صحابیوں نے بنو قریظہ کو ان کا معاہدہ یاد دلایا تو ان بدذات یہودیوں نے انتہائی بے حیائی کے ساتھ یہاں تک کہہ دیا کہ ہم کچھ نہیں جانتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ اور معاہدہ کس کو کہتے ہیں؟ ہمارا کوئی معاہدہ ہوا ہی نہیں تھا۔ یہ سن کر دونوں حضرات واپس آ گئے اور صورتِ حال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا۔ تو آپ نے بلند آواز سے "اللہ اکبر" کہا اور فرمایا کہ مسلمانو! تم اس سے نہ گھبراؤ، نہ اس کا غم کرو۔ اس میں تمہارے لیے بشارت ہے (زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۳)

کفار کا لشکر جب آگے بڑھا تو سامنے خندق دیکھ کر ٹھہر گیا۔ اور شہر مدینہ کا محاصرہ کر لیا اور تقریباً ایک مہینے تک کفار شہر مدینہ کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے پڑے رہے اور یہ محاصرہ اس سختی کے ساتھ قائم رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ پر کئی کئی فاقے گزر گئے۔

کفار نے ایک طرف تو خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا اور دوسری طرف اس لیے حملہ کرنا چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی عورتیں اور بچے قلعوں میں پناہ گزیں تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں خندق کے مختلف حصوں پر صحابہ کرام کو مقرر فرما دیا تھا کہ وہ کفار کے حملوں کا مقابلہ کرتے رہیں۔ اسی طرح عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے بھی کچھ صحابہ کرام کو متعین کر دیا تھا۔

انصار کی ایمانی شجاعت

محاصرہ کی وجہ سے مسلمانوں کی پریشانی دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال کیا کہ کہیں مہاجرین و انصار ہمت نہ ہار جائیں اس لیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ قبیلہ غطفان کے سردار عیینہ بن حصن سے اس شرط پر معاہدہ کر لیں کہ وہ مدینہ کی ایک تہائی پیداوار لے لیا کرے اور کفار مکہ کا ساتھ چھوڑ دے۔ مگر جب آپ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا۔ تو ان دونوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اتر چکی ہے جب تو ہمیں اس سے انکار کی مجال ہی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر یہ ایک رائے ہے تو یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب ہم کفر کی حالت میں تھے اُس وقت تو قبیلہ غطفان کے سرکش کبھی ہماری ایک کھجور نہ لے سکے۔ اور اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو اسلام اور آپ کی غلامی کی عزت سے سرفراز فرما دیا ہے تو بھلا کیونکر ممکن ہے کہ ہم اپنا مال ان کافروں کو دے دیں گے؟ ہم ان کفار کو کھجوروں کا انبار نہیں، بلکہ نیزوں اور تلواروں کی مار کا تحفہ دیتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

خوش ہو گئے۔ اور آپ کو پورا پورا اطمینان ہو گیا۔

(زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۱۳)

خندق کی وجہ سے دست بدست لڑائی نہیں ہو سکتی تھی اور کفار حیران تھے کہ اس خندق کو کیونکر پار کریں۔ مگر دونوں طرف سے روزانہ برابر تیر اور پتھر چلا کرتے تھے۔ آخر ایک روز عمرو بن عبدود، و عکرمہ بن ابوجہل و ہبیرہ بن وہب و ضرار بن الخطاب وغیرہ کفار کے چند بہادروں نے بنو کنانہ سے کہا کہ اٹھو۔ آج مسلمانوں سے جنگ کر کے بتا دو کہ شہسوار کون ہے؟ چنانچہ یہ سب خندق کے پاس آ گئے اور ایک ایسی جگہ سے جہاں خندق کی چوڑائی کچھ کم تھی گھوڑا کو دا کر خندق کو پار کر لیا۔

عمرو بن عبدود مارا گیا

سب سے آگے عمرو بن عبدود تھا۔ یہ اگرچہ نوے برس کا خرانٹ بڈھا تھا۔ مگر ایک ہزار سواروں کے برابر بہادر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر بھاگ نکلا تھا اور اس نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا یہ آگے بڑھا اور چلا چلا کر مقابلہ کی دعوت دینے لگا۔ تین مرتبہ اس نے کہا کہ کون ہے جو میرے مقابلہ کو آتا ہے؟ تینوں مرتبہ حضرت علی شیر خدا نے اٹھ کر جواب دیا کہ "میں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا۔ کہ اے علی! یہ عمرو بن عبدود ہے۔ حضرت علی شیر خدا نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ لیکن میں اس سے لڑوں گا۔ یہ سن کر تاجدار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خاص تلوار ذوالفقار اپنے دست مبارک سے حیدر کرار کے مقدس ہاتھ میں دے دی اور اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کے سر انور پر عمامہ باندھا۔ اور یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! تو علی کی مدد فرما۔ حضرت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مجاہدانہ شان سے اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور دونوں میں اس طرح مکالمہ شروع ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ — اے عمرو بن عبدود! تو مسلمان ہو جا!

عمرو بن عبدود — یہ مجھ سے کبھی ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ — لڑائی سے واپس چلا جا!

عمرو بن عبدود — یہ مجھے منظور نہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ — تو پھر مجھ سے جنگ کر۔

عمرو بن عبدود — ہنس کر کہا کہ میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دنیا میں کوئی مجھ کو جنگ کی دعوت دے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ — لیکن میں تجھ سے لڑنا چاہتا ہوں۔

عمرو بن عبدود — آخر تمہارا نام کیا ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ — علی بن ابی طالب

عمرو بن عبدود — اے بھتیجے! تم ابھی بہت ہی کم عمر ہو۔ میں تمہارا خون بہانا پسند نہیں کرتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ — لیکن میں تمہارا خون بہانے کو بے حد پسند کرتا ہوں۔

عمرو بن عبدود خون کھولا دینے والے یہ گرم گرم جملے سُن کر مارے غصہ کے آپے سے باہر ہو گیا۔ حضرت شیر خدا پیدل تھے اور یہ سوار تھا۔ اس پر جو غیرت سوار ہوئی تو گھوڑے سے اُتر پڑا اور اپنی تلوار سے گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے اور ننگی تلوار لے کر آگے بڑھا اور حضرت شیر خدا پر تلوار کا بھرپور وار کیا۔ حضرت شیر خدا نے تلوار کے اس وار کو اپنی ڈھال پر روکا۔ یہ وار اتنا سخت تھا کہ تلوار ڈھال اور عمامہ کو کاٹتی ہوئی پیشانی پر لگی۔ گو بہت گہرا زخم نہیں لگا مگر پھر بھی زندگی بھر یہ طغریٰ آپ کی پیشانی پر یادگار بن کر رہ گیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے تڑپ کر للکارا کہ اے عمرو! سنبھل جا۔ اب میری باری ہے۔ یہ کہہ کر اسد اللہ الغالب نے ذوالفقار کا ایسا جچا تلا ہاتھ مارا کہ تلوار دشمن کے شانے کو کاٹتی ہوئی کمر سے پار ہو گئی اور وہ تلملا کر زمین پر گرا۔ اور دم زدن میں مر کر فی النار ہو گیا۔ اور میدان کارزار زبان حال سے

پکار اٹھا کہ ؎

شاہ مرداں، شیر یزداں قوتِ پروردگار
لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا۔ اور منہ پھیر کر چل دیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے علی! آپ نے عمرو بن عبدود کی زرہ کیوں نہیں اتار لی۔ سارے عرب میں اس سے اچھی کوئی زرہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمر! ذوالفقار کی مار سے وہ اس طرح بے قرار ہو کر زمین پر گرا کہ اس کی شرمگاہ کھل گئی۔ اس لیے حیاء کی وجہ سے میں نے منہ پھیر لیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۴ و ۱۱۵)

نوفل کی لاش

اس کے بعد نوفل غصہ میں بپھرا ہوا میدان میں نکلا۔ اور پکارنے لگا کہ میرے مقابلہ کے لیے کون آتا ہے؟ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اس پر بجلی کی طرح جھپٹے اور ایسی تلوار ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور تلوار زین کو کاٹتی ہوئی گھوڑے کی کمر تک پہنچ گئی۔ لوگوں نے کہا کہ اے زبیر! تمہاری تلوار کی تو مثال نہیں مل سکتی۔ آپ نے فرمایا کہ تلوار کیا چیز ہے؟ کلائی میں دم خم اور ضرب میں کمال چاہیے۔ ہبیرہ اور ضرار بھی بڑے طنطنہ سے آگے بڑھے مگر جب ذوالفقار کا وار دیکھا تو لرزہ براندام ہو کر فرار ہو گئے۔ کفار کے باقی شہسوار بھی جو خندق کو پار کر کے آ گئے تھے وہ سب بھی بھاگ کھڑے ہوئے اور ابوجہل کا بیٹا عکرمہ تو اس قدر بدحواس ہو گیا کہ اپنا نیزہ پھینک کر بھاگا اور خندق کے پار جا کر اس کو قرار آیا۔ (زرقانی جلد ۲)

بعض مورخین کا قول ہے کہ نوفل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ اور بعض نے یہ کہا کہ نوفل حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کی غرض سے اپنے گھوڑے کو کودا کر خندق کو پار کرنا چاہتا تھا کہ خود ہی خندق میں گر پڑا۔ اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا۔ بہر حال کفار مکہ نے دس ہزار درہم میں اس کی لاش کو لینا چاہا تاکہ وہ اس کو اعزاز کے ساتھ دفن کریں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رقم لینے سے انکار

فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہم کو اس لاش سے کوئی غرض نہیں۔ مشرکین اس کو لے جائیں اور دفن کریں ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

(زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۱۴)

اس دن کا حملہ بہت ہی سخت تھا۔ دن بھر لڑائی جاری رہی اور دونوں طرف سے تیر اندازی اور پتھر بازی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور کسی مجاہد کا اپنی جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا۔ خالد بن ولید نے اپنی فوج کے ساتھ ایک جگہ سے خندق کو پار کر لیا اور بالکل ہی ناگہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ اقدس پر حملہ آور ہو گیا مگر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ لیا اور دو سو مجاہدین کو ساتھ لے کر دوڑ پڑے اور خالد بن الولید کے دستہ کے ساتھ دست بدست کی لڑائی میں ٹکرا گئے اور خوب جم کر لڑے۔ اس لیے کفار خیمہ اطہر تک نہ پہنچ سکے۔

(زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۱۷)

اس گھمسان کی لڑائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عصر قضا ہو گئی۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگِ خندق کے دن سورج غروب ہونے کے بعد کفار کو برا بھلا کہتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نماز عصر نہیں پڑھ سکا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بھی ابھی تک نماز عصر نہیں پڑھی ہے پھر آپ نے وادی بطحان میں سورج غروب ہو جانے کے بعد نماز عصر قضا پڑھی۔ پھر اس کے بعد نماز مغرب ادا فرمائی۔ اور کفار کے حق میں یہ دعا مانگی کہ

مَلَأَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ (بخاری ج ۲ صفحہ ۵۹۰)	اللہ! ان مشرکوں کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے ان لوگوں نے ہم کو نماز وسطیٰ سے روک دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔

جنگ خندق کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی فرمائی کہ

اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اِھْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اِھْزِمْھُمْ وَ زَلْزِلْھُمْ

(بخاری ج ۲ صفحہ ۵۹)

اے اللہ! اے کتاب نازل فرمانے والے جلد حساب لینے والے! تو ان کفار کے لشکروں کو شکست دے دے۔ اے اللہ ان کو شکست دے اور انہیں جھنجھوڑ دے۔

حضرت زبیر کو خطاب ملا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے موقع پر جب کہ کفار مدینہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور کسی کے لیے شہر سے باہر نکلنا دشوار تھا تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو قوم کفار کی خبر لائے؟ تینوں مرتبہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے فرزند ہیں یہ کہا کہ "میں یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خبر لاؤں گا" حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس جاں نثاری سے خوش ہو کر تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لِکُلِّ نَبِیٍّ حَوَارِیٌّ وَ اِنَّ حَوَارِیَّ الزُّبَیْرُ۔

(بخاری ج ۲ صفحہ ۵۹)

ہر نبی کے لیے حواری (مددگار خاص) ہوتے ہیں اور میرا "حواری" زبیر ہے۔

اس طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ رسالت سے "حواری" کا خطاب ملا جو کسی دوسرے صحابی کو نہیں ملا۔

حضرت سعد بن معاذ شہید

اس جنگ میں مسلمانوں کا جانی نقصان بہت ہی کم ہوا۔ یعنی کل چھ مسلمان شہادت سے سرفراز ہوئے مگر انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا۔ یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو قبیلہ اوس کے سردار اعظم تھے۔ اس جنگ میں ایک تیر سے زخمی ہو گئے اور پھر شفایاب نہ ہو سکے۔

آپ کی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ آپ ایک چھوٹی سی زرہ پہنے ہوئے جوش

میں بھرے ہوئے نیزہ لے کر لڑنے کے لیے جارہے تھے کہ ابن العرقہ نامی کافر نے ایسا نشانہ باندھ کر تیر مارا کہ جس سے آپ کی ایک رگ جس کا نام اکحل ہے وہ کٹ گئی جنگ ختم ہونے کے بعد ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں ایک خیمہ گاڑا۔ اور ان کا علاج کرنا شروع کیا۔ خود اپنے دستِ مبارک سے ان کے زخم کو دو مرتبہ داغا۔ اسی حالت میں آپ ایک مرتبہ بنی قریظہ تشریف لے گئے اور وہاں یہودیوں کے بارے میں اپنا وہ فیصلہ سنایا جس کا ذکر "غزوہ قریظہ" کے عنوان کے تحت آئے گا۔ اس کے بعد وہ اپنے خیمہ میں واپس تشریف لائے اور اب ان کا زخم بھرنے لگ گیا تھا۔ لیکن انہوں نے شوقِ شہادت میں خداوند تعالےٰ سے یہ دعا مانگی کہ۔

یا اللہ! تو جانتا ہے کہ کسی قوم سے جنگ کرنے کی مجھے اتنی زیادہ تمنا نہیں ہے جتنی کفار قریش سے لڑنے کی تمنا ہے۔ جنہوں نے تیرے رسول کو جھٹلایا اور اُن کو اُن کے وطن سے نکالا۔ اے اللہ میرا تو یہی خیال ہے کہ اب تو نے ہمارے اور کفار قریش کے درمیان جنگ کا خاتمہ کر دیا ہے لیکن اگر ابھی کفار قریش سے کوئی جنگ باقی رہ گئی ہو جب تو مجھے تو زندہ رکھ تاکہ میں تیری راہ میں ان کافروں سے جہاد کروں۔ اور اگر اب ان لوگوں سے کوئی جنگ باقی نہ رہ گئی ہو تو میرے اس زخم کو تو پھاڑ دے اور اسی زخم میں تو میرے اس زخم کو تو پھاڑ دے۔ اور اسی زخم میں تو مجھے موت عطا فرما دے۔

آپ کی یہ دعا ختم ہوتے ہی بالکل اچانک آپ کا زخم پھٹ گیا۔ اور خون بہ کر مسجد نبوی کے اندر بنی غفار کے خیمہ میں پہنچ گیا۔ ان لوگوں نے چونک کر کہا کہ اے خیمہ والو! یہ کیسا خون ہے جو تمہارے خیمہ سے بہ کر ہماری طرف آ رہا ہے؟ جب لوگوں نے دیکھا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون بہ رہا تھا۔ اسی زخم میں ان کی وفات ہوگئی ۔۔

(بخاری ج ۲ صفحہ ۵۹۱ باب مرجع النبی من الاحزاب)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد بن معاذ کی موت سے عرشِ الٰہی ہل گیا اور ان کے جنازہ میں ستر ہزار ملائکہ حاضر ہوئے اور جب ان کی قبر کھودی گئی تو اس میں مشک کی خوشبو آنے لگی۔ (زرقانی ج ۲ ص ۱۴۳)

عین وفات کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ انہوں نے آنکھ کھول کر آخری بار جمالِ نبوت کا نظارہ کیا اور کہا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ پھر بہ آوازِ بلند یہ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ نے تبلیغِ رسالت کا حق ادا کر دیا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۸۱)

حضرت صفیہ کی بہادری

جنگ خندق میں ایک ایسا موقع بھی آیا کہ جب یہودیوں نے یہ دیکھا کہ ساری مسلمان فوج خندق کی طرف مصروفِ جنگ ہے تو جس قلعہ میں مسلمانوں کی عورتیں اور بچے پناہ گزین تھے۔ یہودیوں نے اچانک اس پر حملہ کر دیا اور ایک یہودی دروازہ تک پہنچ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس کو دیکھ لیا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اس یہودی کو قتل کر دو۔ ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو یہاں کا حال و ماحول بتا دے گا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی اُس وقت ہمت نہیں پڑی کہ اس یہودی پر حملہ کریں۔ یہ دیکھ کر خود حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ کر اس یہودی کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ پھر خود ہی اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے باہر پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر حملہ آور یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ قلعہ کے اندر بھی کچھ فوج موجود ہے۔ اس ڈر سے انہوں نے پھر اس طرف حملہ کرنے کی جرأت ہی نہیں کی۔

(زرقانی ج ۲ ص ۱۱۱)

کفار کیسے بھاگے؟

حضرت نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ قبیلہ غطفان کے بہت ہی معزز سردار تھے اور قریش و یہود دونوں کو ان کی ذات

پر پورا پورا اعتماد تھا۔ یہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن کفار کو ان کے اسلام کا علم نہ تھا، انہوں نے بارگاہِ رسالت میں یہ درخواست کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں یہود اور قریش دونوں سے ایسی گفتگو کروں کہ دونوں میں پھوٹ پڑ جائے۔ آپ نے اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ انہوں نے یہود اور قریش سے الگ الگ کچھ اس قسم کی باتیں کیں جس سے واقعی دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔

ابوسفیان شدید سردی کے موسم، طویل محاصرہ، فوج کا راشن ختم ہو جانے سے حیران و پریشان تھا۔ جب اس کو یہ پتا چلا کہ یہودیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے تو اس کا حوصلہ پست ہو گیا اور وہ بالکل ہی بد دل ہو گیا۔ پھر ناگہاں کفار کے لشکر پر قہر قہار و غضب جبار کی ایسی مار پڑی کہ اچانک مشرق کی جانب سے ایسی طوفان خیز آندھی آئی کہ دیگیں چولھوں پر سے الٹ پلٹ ہو گئیں، خیمے اکھڑ اکھڑ کر اڑ گئے اور کافروں پر ایسی وحشت اور دہشت سوار ہو گئی کہ انہیں راہِ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں رہا۔ یہی وہ آندھی ہے جس کا ذکر خداوند قدوس نے قرآن میں اس طرح بیان فرمایا کہ۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا	اے ایمان والو! خدا کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم پر فوجیں آ پڑیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیج دی۔ اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تمہیں نظر نہیں آتی تھیں اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

(احزاب)

ابوسفیان نے اپنی فوج میں اعلان کرا دیا کہ راشن ختم ہو چکا، موسم انتہائی خراب ہے، یہودیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا، لہٰذا اب محاصرہ بےکار ہے۔ یہ کہہ کر کوچ کا نقارہ بجا دینے کا حکم دے دیا اور بھاگ نکلا۔ قبیلہ غطفان کا لشکر بھی چل دیا۔ بنو قریظہ بھی محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے آئے۔ اور ان لوگوں کے بھاگ جانے سے

مدینہ کا مطلع کفار کے گرد و غبار سے صاف ہو گیا۔

(مدارج ج ۲ ص ۱۷۲ و زرقانی ج ۲ ص ۱۱۶ تا ۱۱۸)

غزوہ بنی قریظہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ خندق سے فارغ ہو کر اپنے مکان میں تشریف لائے اور ہتھیار اُتار کر غسل فرمایا، ابھی اطمینان کے ساتھ بیٹھے بھی نہ تھے کہ ناگہاں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ہتھیار اُتار دیا۔ لیکن ہم فرشتوں کی جماعت نے ابھی تک ہتھیار نہیں اُتارا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ آپ بنی قریظہ کی طرف چلیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے معاہدہ توڑ کر علانیہ جنگ خندق میں کفار کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کیا ہے۔ (مسلم باب جواز قتال من نقض العہد ج ۲ ص ۹۵)

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کر دیا کہ لوگ ابھی ہتھیار نہ اُتاریں۔ اور بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ہتھیار زیب تن فرمایا، اپنے گھوڑے پر جس کا نام "لحیف" تھا۔ سوار ہو کر لشکر کے ساتھ چل پڑے اور بنی قریظہ کے ایک کنوئیں کے پاس پہنچ کر نزول فرمایا۔

(زرقانی ج ۲ ص ۱۲۸)

بنی قریظہ بھی جنگ کے لیے بالکل تیار تھے۔ چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے قلعوں کے پاس پہنچے۔ تو ان ظالم اور عہد شکن یہودیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) گالیاں دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلعوں کا محاصرہ فرما لیا۔ اور تقریباً ایک مہینہ تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ یہودیوں نے تنگ آکر یہ درخواست پیش کی کہ۔

"حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہمارے بارے میں جو فیصلہ کر دیں وہ ہمیں منظور ہے۔"

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جنگِ خندق میں ایک تیر کھا کر شدید طور پر زخمی تھے۔ مگر اسی حالت میں وہ ایک گدھے پر سوار ہو کر بنی قریظہ گئے اور انہوں

تے یہودیوں کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ۔

"لڑنے والی فوجوں کو قتل کر دیا جائے۔ عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے جائیں اور یہودیوں کا مال و اسباب مالِ غنیمت بنا کر مجاہدوں میں تقسیم کر دیا جائے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زبان سے یہ فیصلہ سُن کر ارشاد فرمایا کہ یقیناً بلاشبہ تم نے ان یہودیوں کے بارے میں وہی فیصلہ سنایا ہے جو اللہ کا فیصلہ ہے۔

(مسلم جلد ۲ صہ ۹۵)

اس فیصلہ کے مطابق بنی قریظہ کی لڑاکا فوجیں قتل کی گئیں۔ اور عورتوں بچوں کو قیدی بنا لیا گیا اور ان کے مال و سامان کو مجاہدینِ اسلام نے مالِ غنیمت بنا لیا۔ اور اس شریر و بدعہد قبیلہ کے شر و فساد سے ہمیشہ کے لیے مسلمان محفوظ ہو گئے۔

یہودیوں کا سردار حیی بن اخطب جب قتل کے لیے مقتل میں لایا گیا تو اُس نے قتل ہونے سے پہلے یہ الفاظ کہے کہ۔

اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم مجھے اس کا ذرا بھی افسوس نہیں ہے کہ میں نے کیوں تم سے عداوت کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو خدا کو چھوڑ دیتا ہے۔ خدا بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بنی قریظہ کا قتل ہونا یہ ایک حکم الٰہی تھا یہ (توراۃ) میں لکھا ہوا تھا۔ یہ ایک سزا تھی جو خدا نے بنی اسرائیل پر لکھی تھی۔

(سیرت ابن ہشام غزوہ بنو قریظہ ج ۳ صہ ۲۴۱)

یہ حیی بن اخطب وہی بدنصیب ہے کہ جب وہ مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر جا رہا تھا تو اُس نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر میں کسی کو مدد نہ دوں گا۔ اور اس عہد پر اُس نے خدا کو ضامن بنایا تھا لیکن جنگ خندق کے موقع پر اُس نے اس معاہدہ کو کس طرح توڑ ڈالا۔ یہ آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے کہ اس ظالم نے تمام کفارِ عرب کے پاس دورہ کر کے سب کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اُبھارا۔ پھر بنو قریظہ کو بھی معاہدہ توڑنے پر اکسایا۔ پھر خود جنگِ خندق

میں کفار کے ساتھ مل کر لڑائی میں شامل ہوا۔

۵ھ کے متفرق واقعات

(۱) اس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

(۲) اسی سال مسلمان عورتوں پر پردہ فرض کر دیا گیا۔

(۳) اسی سال حد قذف (کسی پر زنا کی تہمت لگانے کی سزا) اور لعان و ظہار کے احکام نازل ہوئے۔

(۴) اسی سال تیمم کی آیت نازل ہوئی۔

(۵) اسی سال نماز خوف کا حکم نازل ہوا۔

گیارہواں باب

ہجرت کا چھٹا سال

بیعۃ الرضوان و صلح حدیبیہ

اس سال کے تمام واقعات میں سب سے زیادہ اہم اور شاندار واقعہ "بیعۃ الرضوانؓ اور صلح حدیبیہ" ہے۔ تاریخِ اسلام میں اس واقعہ کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ اسلام کی تمام آئندہ ترقیوں کا راز اسی کے دامن سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گو بظاہر یہ ایک مغلوبانہ صلح تھی مگر قرآن مجید میں خداوندِ عالم نے اس کو "فتح مبین" کا لقب عطا فرمایا ہے۔

ذوالقعدہ ۶ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابۂ کرام کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ تھا کہ شاید کفار مکہ ہمیں عمرہ ادا کرنے سے روکیں گے اس لیے آپ نے پہلے ہی قبیلۂ خزاعہ کے ایک شخص کو مکہ بھیج دیا تھا تاکہ وہ کفار مکہ کے ارادوں کی خبر لائے جب آپ کا قافلہ مقام "عسفان" کے قریب پہنچا تو وہ شخص یہ خبر لے کر آیا کہ کفار مکہ نے تمام قبائلِ عرب کے کافروں کو جمع کر کے یہ کہہ دیا ہے کہ مسلمانوں کو ہر گز ہر گز مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ کفارِ قریش نے اپنے تمام ہمنوا قبائل کو جمع کر کے ایک فوج تیار کر لی اور مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے مکہ سے باہر نکل کر مقام "بلدح" میں پڑاؤ ڈال دیا، اور خالد بن الولید اور ابو جہل کا بیٹا عکرمہ یہ دونوں دو سو چنے ہوئے سواروں کا دستہ لے کر مقام "غمیم" تک پہنچ گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راستہ میں خالد بن الولید کے سواروں کی گرد نظر آئی۔ تو آپ نے شاہراہ سے ہٹ کر

سفر شروع کر دیا۔ اور عام راستہ سے کٹ کر آگے بڑھے اور مقام "حدیبیہ" میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا یہاں پانی کی بے حد کمی تھی۔ ایک ہی کنواں تھا۔ وہ چند گھنٹوں ہی میں خشک ہو گیا۔ جب صحابہ کرام پیاس سے بے تاب ہونے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑے پیالہ میں اپنا دستِ مبارک ڈال دیا۔ اور آپ کی مقدس انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ پھر آپ نے خشک کنویں میں اپنے وضو کا غسالہ اور اپنا ایک تیر ڈال دیا۔ تو کنویں میں اس قدر پانی اُبل پڑا کہ پورا لشکر اور تمام جانور اس کنویں سے کئی دنوں تک سیراب ہوتے رہے۔

(بخاری غزوۂ حدیبیہ ج ۲ ص ۵۹۸ و بخاری ج ۱ ص ۳۷۸)

بیعۃ الرضوان

مقام حدیبیہ میں پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ کفار قریش کا ایک عظیم لشکر جنگ کے لیے آمادہ ہے اور ادھر یہ حال ہے کہ سب لوگ احرام باندھے ہوئے ہیں اس حالت میں جوئیں بھی نہیں مار سکتے۔ تو آپ نے مناسب سمجھا کہ کفار مکہ سے مصالحت کی گفتگو کرنے کے لیے کسی کو مکہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ اس کام کے لیے آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کفار قریش میرے بہت ہی سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ کا کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو مجھ کو ان کافروں سے بچا سکے۔ یہ سن کر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا۔ انہوں نے مکہ پہنچ کر کفار قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صلح کا پیغام پہنچایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی مالداری اور اپنے قبیلہ والوں کی حمایت و پاسداری کی وجہ سے کفارِ قریش کی نگاہوں میں بہت زیادہ معزز تھے۔ اس لیے کفار قریش ان پر کوئی دراز دستی نہیں کر سکے بلکہ اُن سے یہ کہا کہ ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ آپ کعبہ کا طواف، اور صفا و مروہ کی سعی کر کے اپنا عمرہ ادا کریں۔ مگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کبھی ہرگز ہرگز کعبہ کے قریب نہ آنے دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں بغیر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹے کبھی ہرگز ہرگز اکیلے اپنا عمرہ نہیں ادا کر سکتا۔ اس پر بات بڑھ گئی اور کفار نے آپ کو مکہ میں روک لیا۔ مگر حدیبیہ کے میدان میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ کفار قریش نے ان کو شہید کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمان کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ یہ فرما کر آپ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم سب لوگ میرے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کرو کہ آخری دم تک تم لوگ میرے وفادار اور جان نثار رہو گے۔ تمام صحابہ کرام نے نہایت ہی ولولہ انگیز جوش و خروش کے ساتھ جان نثاری کا عہد کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔ یہی وہ بیعت ہے جس کا نام تاریخ اسلام میں "بیعۃ الرضوان" ہے۔ حضرت حق جل مجدہ نے اس بیعت اور اس درخت کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۂ فتح میں اس طرح فرمایا ہے کہ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ	یقیناً جو لوگ (اے رسول) تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اسی سورۂ فتح میں دوسری جگہ ان بیعت کرنے والوں کی فضیلت اور ان کے اجر و ثواب کا قرآن مجید میں اس طرح خطبہ پڑھا کہ۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا۔	بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے پھر ان پر اطمینان اتار دیا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔

لیکن "بیعۃ الرضوان" ہو جانے کے بعد پتا چلا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر غلط تھی وہ باعزت طور پر مکہ میں زندہ وسلامت تھے اور پھر وہ بخیر وعافیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر بھی ہو گئے۔

صلح حدیبیہ کیونکر ہوئی

حدیبیہ میں سب سے پہلا شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ بدیل بن ورقا خزاعی تھا۔ ان کا قبیلہ اگرچہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا مگر یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف اور انتہائی مخلص وخیر خواہ تھے۔ بدیل بن ورقا نے آپ کو خبر دی کہ کفار قریش نے کثیر تعداد میں فوج جمع کر لی ہے اور فوج کے ساتھ راشن کے لیے دودھ والی اونٹنیاں بھی ہیں۔ یہ لوگ آپ سے جنگ کریں گے اور آپ کو خانہ کعبہ تک نہیں پہنچنے دیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم قریش کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں اور نہ ہم جنگ چاہتے ہیں۔ ہم یہاں صرف عمرہ ادا کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ مسلسل لڑائیوں سے قریش کو بہت کافی جانی ومالی نقصان پہنچ چکا ہے۔ لہٰذا اُن کے حق میں بھی یہی بہتر ہے کہ وہ جنگ نہ کریں۔ بلکہ مجھ سے ایک مدت معینہ تک کے لیے صلح کا معاہدہ کر لیں اور مجھ کو اہلِ عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ اگر قریش میری بات مان لیں تو بہتر ہو گا۔ اور اگر انہوں نے مجھ سے جنگ کی تو مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ میں اُن سے اُس وقت تک لڑوں گا کہ میری گردن میرے بدن سے الگ ہو جائے۔

بدیل بن ورقا آپ کا یہ پیغام لے کر کفار قریش کے پاس گیا اور کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔ اگر تم لوگوں کی مرضی ہو تو میں ان کا پیغام تم لوگوں کو سناؤں۔ کفارِ قریش کے شرارت پسند لونڈے جن کا جوش ان کے ہوش پر غالب تھا شور مچانے لگے کہ نہیں، ہرگز نہیں۔ ہمیں ان کا پیغام سننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن کفارِ قریش کے سنجیدہ اور سمجھ دار لوگوں نے پیغام

سنانے کی اجازت دے دی اور بدیل بن ورقاء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ صلح کو ان لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ سُن کر قبیلہ قریش کا ایک بہت ہی معمر اور معزز سردار عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہو گیا۔ اور اُس نے کہا کہ اے قریش کیا میں تمہارا باپ نہیں ؟ سب نے کہا کہ کیوں نہیں۔ پھر اُس نے کہا کہ کیا تم لوگ میرے بچے نہیں ؟ سب نے کہا کہ کیوں نہیں۔ پھر اُس نے کہا کہ میرے بارے میں تم لوگوں کو کوئی بدگمانی تو نہیں ؟ سب نے کہا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ اس کے بعد عروہ بن مسعود نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بہت ہی سمجھداری اور بھلائی کی بات پیش کر دی لہٰذا تم لوگ مجھے اجازت دو کہ میں اُن سے مل کر معاملات طے کروں۔ سب نے اجازت دے دی کہ بہت اچھا۔ آپ جائیے۔ عروہ بن مسعود وہاں سے چل کر حدیبیہ کے میدان میں پہنچا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یہ کہا کہ بدیل بن ورقاء کی زبانی آپ کا پیغام ہمیں ملا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اگر آپ نے لڑ کر قریش کو برباد کر کے دنیا سے نیست و نابود کر دیا تو مجھے بتائیے کہ کیا آپ سے پہلے کبھی کسی عرب نے اپنی ہی قوم کو برباد کیا ہے ؟ اور اگر لڑائی میں قریش کا پلہ بھاری پڑا تو آپ کے ساتھ جو یہ لشکر ہے میں ان میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ یہ سب آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ عروہ بن مسعود کا یہ جملہ سُن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صبر و ضبط کی تاب نہ رہی۔ انہوں نے تڑپ کر کہا کہ اے عروہ! چپ ہو جا۔ اپنی دیوی "لات" کی شرمگاہ چوس کیا ہم بھلا اللہ کے رسول کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

عروہ بن مسعود نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے ؟ لوگوں نے کہا کہ یہ ابوبکر ہیں۔ عروہ بن مسعود نے کہا کہ مجھے اُس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اے ابوبکر! اگر تیرا ایک احسان مجھ پر نہ ہوتا جس کا بدلہ میں اب تک تجھ کو نہیں دے سکا ہوں تو میں تیری اس تلخ گفتگو کا جواب دیتا عروہ بن مسعود اپنے کو سب سے بڑا آدمی سمجھتا تھا۔ اس لیے جب بھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات کہتا تو

ہاتھ بڑھا کر آپ کی ریش مبارک پکڑ لیتا تھا اور بار بار آپ کی مقدس داڑھی پر ہاتھ ڈالتا تھا حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو ننگی تلوار لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے تھے۔ وہ عروہ بن مسعود کی اس جرارت اور حرکت کو برداشت نہ کر سکے۔ اور عروہ بن مسعود جب ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو وہ تلوار کا قبضہ اُس کے ہاتھ پر مار کر اُس سے کہتے کہ ریش مبارک سے اپنا ہاتھ ہٹا لے۔ عروہ بن مسعود نے اپنا سر اٹھایا اور پوچھا کہ یہ کون آدمی ہے لوگوں نے بتایا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ ہیں تو عروہ بن مسعود نے ڈانٹ کر کہا کہ اے دغاباز! کیا میں تیری عہد شکنی کو سنبھالنے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں؟ (حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے چند آدمیوں کو قتل کر دیا تھا جس کا خون بہا عروہ بن مسعود نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا یہ اسی طرف اشارہ تھا)

اس کے بعد عروہ بن مسعود صحابہ کرام کو دیکھنے لگا اور پوری لشکر گاہ کو دیکھ بھال کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ عروہ بن مسعود نے حدیبیہ کے میدان میں صحابہ کرام کی حیرت انگیز اور تعجب خیز عقیدت و محبت کا جو منظر دیکھا تھا اس نے اُس کے دل پر بڑا عجیب اثر ڈالا تھا چنانچہ اُس نے قریش کے لشکر میں پہنچ کر اپنا تاثر ان لفظوں میں بیان کیا۔

"اے میری قوم! خدا کی قسم! جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا کھنکھار تھوکتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی صحابی کی ہتھیلی میں پڑتا ہے اور وہ فرط عقیدت سے اُس کو اپنے چہرے، اور اپنی کھال پر مل لیتا ہے اور اگر وہ کسی بات کا ان لوگوں کو حکم دیتے ہیں تو سب کے سب اس کی تعمیل کے لیے جھپٹ پڑتے ہیں اور وہ جب وضو کرتے ہیں تو ان کے اصحاب ان کے وضو کے دھوون کو اس طرح لوٹتے ہیں کہ گویا ان میں تلوار چل پڑے گی اور وہ جب کوئی گفتگو کرتے ہیں تو تمام اصحاب خاموش ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے ساتھیوں کے دلوں میں ان کی اتنی زبردست عظمت ہے کہ کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر دیکھ نہیں سکتا۔ اے میری قوم! خدا کی قسم میں نے بہت سے بادشاہوں

کا دربار دیکھا ہے۔ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی باریاب ہو چکا ہوں۔ مگر خدا کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کے درباریوں کو اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے جتنی تعظیم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کرتے ہیں"

عروہ بن مسعود کی یہ گفتگو سن کر قبیلۂ بنی کنانہ کے ایک شخص نے جس کا نام "حلیس" تھا کہا کہ تم لوگ مجھ کو اجازت دو کہ میں اُن کے پاس جاؤں۔ قریش نے کہا کہ "ضرور جائیے" چنانچہ یہ شخص جب بارگاہِ رسالت کے قریب پہنچا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ فلاں شخص ہے اور یہ اُس قوم سے تعلق رکھتا ہے جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں لہٰذا تم لوگ قربانی کے جانوروں کو اس کے سامنے کھڑا کر دو۔ اور سب لوگ "لبیک" پڑھنا شروع کر دو۔ اس شخص نے جب قربانی کے جانوروں کو دیکھا اور احرام کی حالت میں صحابہ کرام کو "لبیک" پڑھتے ہوئے سنا تو کہا کہ سبحان اللہ! بھلا ان لوگوں کو کس طرح مناسب ہے کہ بیت اللہ سے روک دیا جائے؟ وہ فوراً ہی پلٹ کر کفار قریش کے پاس پہنچا اور کہا کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں کہ قربانی کے جانور ان لوگوں کے ساتھ ہیں اور سب احرام کی حالت میں ہیں۔ لہٰذا میں کبھی بھی یہ رائے نہیں دے سکتا کہ ان لوگوں کو خانہ کعبہ سے روک دیا جائے۔ اس کے بعد ایک شخص کفار قریش کے لشکر میں سے کھڑا ہو گیا جس کا نام مکرز بن حفص تھا اس نے کہا کہ مجھ کو تم لوگ وہاں جانے دو۔ قریش نے کہا تم بھی جاؤ" چنانچہ یہ چلا جب یہ نزدیک پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مکرز ہے۔ یہ بہت ہی لچا آدمی ہے۔ اس نے آپ سے گفتگو شروع کی۔ ابھی اس کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ناگہاں "سہیل بن عمرو" آ گیا اس کو دیکھ کر آپ نے نیک فالی کے طور پر یہ فرمایا کہ سہیل آ گیا۔ لو اب تمہارا معاملہ سہل ہو گیا۔ چنانچہ سہیل نے آتے ہی کہا کہ آئیے ہم اور آپ اپنے اور آپ کے درمیان معاہدہ کی ایک دستاویز لکھ لیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دستاویز لکھنے کے لیے طلب فرمایا۔ سہیل بن عمرو اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دیر تک صلح کے شرائط پر گفتگو ہوتی رہی بالآخر چند شرطوں پر دونوں کا اتفاق ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سہیل نے کہا کہ ہم "رحمٰن" کو نہیں جانتے کہ یہ کیا ہے؟ آپ "باسمک اللھم" لکھوایئے جو ہمارا اور آپ کا پرانا دستور رہا ہے۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہم بسم اللہ الرحمن الرحیم کے سوا کوئی دوسرا لفظ نہیں لکھیں گے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کی بات مان لی اور فرمایا کہ اچھا۔ اے علی! باسمک اللھم ہی لکھ دو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عبارت لکھوائی۔ ھذا ما قضی علیہ محمد رسول اللہ یعنی یہ وہ شرائط ہیں جن پر قریش کے ساتھ محمد رسول اللہ نے صلح کا فیصلہ کیا۔ سہیل پھر بھڑک گیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم! اگر ہم جان لیتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو نہ ہم آپ کو بیت اللہ سے روکتے۔ نہ آپ کے ساتھ جنگ کرتے۔ لیکن آپ "محمد بن عبداللہ" لکھیے آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں محمد رسول اللہ بھی ہوں۔ اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ تم لوگ میری رسالت کو جھٹلاتے ہو۔ یہ کہہ کر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ محمد رسول اللہ کو مٹا دو۔ اور اس جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کون مسلمان آپ کا فرمانبردار ہو سکتا ہے؟ لیکن محبت کے عالم میں کبھی کبھی ایسا مقام بھی آجاتا ہے کہ سچے محب کو بھی اپنے محبوب کی فرمانبرداری سے محبت ہی کے جذبہ میں انکار کرنا پڑتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں آپ کے نام کو تو کبھی ہرگز ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا مجھے دکھاؤ۔ میرا نام کہاں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس جگہ پر انگلی رکھ دی۔ آپ نے وہاں سے "رسول اللہ" کا لفظ مٹا دیا۔ بہر حال صلح کی تحریر مکمل ہو گئی۔ اس دستاویز میں یہ طے کر دیا گیا کہ فریقین کے درمیان دس سال تک لڑائی بالکل موقوف رہے گی۔ صلح نامہ کی باقی دفعات اور شرطیں یہ تھیں کہ۔

(۱) مسلمان اس سال بغیر عمرہ ادا کیے واپس چلے جائیں۔

(۲) آئندہ سال عمرہ کے لیے آئیں اور صرف تین دن مکہ میں ٹھہر کر واپس چلے جائیں۔

(۳) تلوار کے سوا کوئی دوسرا ہتھیار لے کر نہ آئیں۔ تلوار بھی نیام کے اندر رکھ کر تھیلے وغیرہ میں بند ہو۔

(۴) مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے اگر کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

(۵) کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ چلا جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ میں چلا جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۶) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کریں۔

یہ شرطیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں اور صحابہ کرام کو اس پر بڑی زبردستی ناگواری ہو رہی تھی۔ مگر وہ فرمانِ رسالت کے خلاف دم مارنے سے مجبور تھے

(ابن ہشام ج ۳ ص ۳۱۷ وغیرہ)

حضرت ابو جندل کا معاملہ

یہ عجیب اتفاق ہے کہ معاہدہ لکھا جا چکا تھا لیکن ابھی اس پر فریقین کے دستخط نہیں ہوئے تھے کہ اچانک اسی سہیل بن عمرو کے صاحبزادے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے گرتے پڑتے حدیبیہ میں مسلمانوں کے درمیان آن پہنچے۔ سہیل بن عمرو اپنے بیٹے کو دیکھ کر کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس معاہدہ کی دستاویز پر دستخط کرنے کے لیے میری پہلی شرط یہ ہے کہ آپ ابو جندل کو میری طرف واپس لوٹائیے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو اس معاہدہ پر فریقین کے دستخط ہی نہیں ہوئے ہیں۔ ہمارے اور تمہارے دستخط ہو جانے کے بعد یہ معاہدہ نافذ ہوگا۔ یہ سن کر سہیل بن عمرو کہنے لگا کہ پھر جائیے۔ میں آپ سے کوئی صلح نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اے سہیل! تم اپنی طرف سے اجازت دے دو کہ میں ابو جندل کو اپنے پاس رکھ لوں۔ اس نے کہا کہ میں ہرگز کبھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ

نے جب دیکھا کہ میں پھر مکہ لوٹا دیا جاؤں گا تو انہوں نے مسلمانوں سے فریاد کی اور کہا کہ اے جماعت مسلمین! دیکھو میں مشرکین کی طرف لوٹایا جارہا ہوں۔ حالانکہ میں مسلمان ہوں اور تم مسلمانوں کے پاس آگیا ہوں کفار کی مار سے ان کے بدن پر چوٹوں کے جو نشانات تھے انہوں نے ان نشانات کو دکھا دکھا کر مسلمانوں کو جوش دلایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر ایمانی جذبہ سوار ہو گیا اور وہ دندناتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں پہنچے اور عرض کیا کہ کیا آپ سچ مچ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا کہ کیا ہم حق پر۔ اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ کیوں نہیں؛ پھر انہوں نے کہا کہ تو پھر ہمارے دین میں ہم کو یہ ذلت کیوں دی جارہی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اے عمر! میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا ہوں۔ وہ میرا مددگار ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ ہم سے یہ وعدہ نہ فرماتے تھے کہ ہم عنقریب بیت اللہ میں آکر طواف کریں گے؟ ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تم کو یہ خبر دی تھی کہ ہم اسی سال بیت اللہ میں داخل ہوں گے؟ انہوں نے کہا کہ ”نہیں“ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں پھر کہتا ہوں کہ تم یقیناً کعبہ میں پہنچو گے۔ اور اس کا طواف کرو گے۔

دربارِ رسالت سے اٹھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہی گفتگو کی جو بارگاہِ رسالت میں عرض کر چکے تھے آپ نے فرمایا کہ اے عمر! وہ خدا کے رسول ہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے کرتے ہیں وہ کبھی خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور خدا ان کا مددگار ہے اور خدا کی قسم! یقیناً وہ حق پر ہیں۔ لہٰذا تم ان کی رکاب تھامے رہو۔

(ابن ہشام ج ۳ ص ۲۱۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تمام عمر ان باتوں کا صدمہ اور سخت رنج و افسوس رہا جو انہوں نے جذبۂ بے اختیاری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دی تھیں زندگی بھر وہ اس سے توبہ و استغفار کرتے رہے اور اس کے کفارہ کے لیے انہوں نے

نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، خیرات کی، غلام آزاد کیے۔ بخاری شریف میں اگرچہ ان اعمال کا مفصل تذکرہ نہیں ہے۔ اجمالاً ہی ذکر ہے لیکن دوسری کتابوں میں نہایت تفصیل کے ساتھ یہ تمام باتیں بیان کی گئی ہیں۔

بہر حال یہ بڑے سخت امتحان اور آزمائش کا وقت تھا۔ ایک طرف حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ گڑگڑا کر مسلمانوں سے فریاد کر رہے ہیں اور ہر مسلمان اس قدر جوش میں بھرا ہوا ہے کہ اگر رسول کا ادب مانع نہ ہوتا تو مسلمانوں کی تلواریں نیام سے باہر نکل پڑتیں۔ دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہیں اور اپنے عہد کو پورا کرنے کی ذمہ داری سر پر آن پڑی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع کی نزاکت کا خیال فرماتے ہوئے۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم صبر کرو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور دوسرے مظلوموں کے لیے ضرور ہی کوئی راستہ نکالے گا۔ ہم صلح کا معاہدہ کر چکے۔ اب ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے غرض حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو اسی طرح پابزنجیر پھر مکہ واپس جانا پڑا۔

جب صلح نامہ مکمل ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ اٹھو اور قربانی کرو اور سر منڈا کر احرام کھول دو۔ مسلمانوں کی ناگواری اور ان کے غیظ وغضب کا یہ عالم تھا کہ فرمان نبوی سن کر ایک شخص بھی نہیں اٹھا۔ مگر ادب کے خیال سے کوئی ایک لفظ بول بھی نہ سکا۔ آپ نے حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس کا تذکرہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ کسی سے کچھ بھی نہ کہیں اور خود آپ اپنی قربانی کریں اور بال ترشوالیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ جب صحابہ کرام نے آپ کو قربانی کرکے احرام اتارتے دیکھ لیا۔ تو پھر وہ لوگ مایوس ہو گئے کہ اب آپ اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتے۔ تو سب لوگ قربانی کرنے لگے اور ایک دوسرے کے بال تراشنے لگے مگر اس قدر رنج وغم میں بھرے ہوئے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کر ڈالے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ (بخاری ج۲ ص۶۱۰ باب عمرۃ القضاء و مسلم جلد۲ ص۱۰۴ صلح حدیبیہ / بخاری ج۱ ص۳۸۰ باب الشروط فی الجہاد)

فتح مبین

اس صلح کو تمام صحابہ نے ایک مغلوبانہ صلح، اور ذلت آمیز معاہدہ سمجھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے جو رنج و صدمہ گزرا وہ آپ پڑھ چکے۔ مگر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا۔ اے حبیب! ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی۔

خداوند قدوس نے اس صلح کو "فتح مبین" بتایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ "فتح" ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ہاں یہ فتح ہے۔"

گو اس وقت اس صلح نامہ کے بارے میں صحابہ کے خیالات اچھے نہیں تھے مگر اس کے بعد کے واقعات نے بتا دیا کہ درحقیقت یہی صلح تمام فتوحات کی کنجی ثابت ہوئی۔ اور سب نے مان لیا کہ واقعی صلح حدیبیہ ایک ایسی فتح مبین تھی جو مکہ میں اشاعتِ اسلام بلکہ فتح مکہ کا ذریعہ بن گئی۔ اب تک مسلمان اور کفار ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ ایک دوسرے سے ملنے جلنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ مگر اس صلح کی وجہ سے ایک دوسرے کے یہاں آمد و رفت آزادی کے ساتھ گفت و شنید اور تبادلۂ خیالات کا راستہ کھل گیا۔ کفار مدینہ آتے اور مہینوں ٹھہر کر مسلمانوں کے کردار و اعمال کا گہرا مطالعہ کرتے اسلامی مسائل اور اسلام کی خوبیوں کا تذکرہ سنتے جو مسلمان مکہ جاتے وہ اپنے چال چلن، عفت شعاری اور عبادت گزاری سے کفار کے دلوں پر اسلام کی خوبیوں کا ایسا نقش بٹھا دیتے تھے کہ خود بخود کفار اسلام کی طرف مائل ہوتے جاتے تھے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک اس قدر کثیر تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے کہ اتنے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت خالد بن الولید (فاتح شام)، اور حضرت عمرو بن العاص (فاتح مصر) بھی اسی زمانے میں خود بخود مکہ سے مدینہ جا کر مسلمان ہوئے۔ (رضی اللہ عنہما)

(سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۲۷۷ و ص ۲۷۸)

مظلومین مکہ

ہجرت کے بعد جو لوگ مکہ میں مسلمان ہوئے انہوں نے کفار کے ہاتھوں بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کیں ان کو زنجیروں میں باندھ باندھ کر کفار کوڑے مارتے تھے لیکن جب بھی ان میں سے کوئی شخص موقع پاتا تو چھپ کر مدینہ آجاتا تھا۔ صلح حدیبیہ نے اس کا دروازہ بند کردیا۔ کیونکہ اس صلح نامہ میں یہ شرط تحریر تھی کہ مکہ سے جو شخص بھی ہجرت کرکے مدینہ جائے گا وہ پھر مکہ واپس بھیج دیا جائے گا۔

حضرت ابو بصیر کا کارنامہ

صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو سب سے پہلے جو بزرگ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آئے وہ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ تھے۔ کفار مکہ نے فوراً ہی دو آدمیوں کو مدینہ بھیجا کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "تم مکے چلے جاؤ! تم جانتے ہو کہ ہم نے کفار قریش سے معاہدہ کرلیا ہے اور ہمارے دین میں عہد شکنی اور غداری جائز نہیں ہے" حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ مجھ کو کافروں کے حوالہ فرمائیں گے تاکہ وہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم جاؤ! خداوند کریم تمہاری رہائی کا کوئی سبب بنا دے گا آخر مجبور ہو کر حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ دونوں کافروں کی حراست میں مکہ واپس ہو گئے۔ لیکن جب مقام "ذوالحلیفہ" میں پہنچے تو سب کھانے کے لیے بیٹھے۔ اور باتیں کرنے لگے حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ایک کافر سے کہا کہ اجی! تمہاری تلوار بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے خوش ہو کر نیام سے تلوار نکال کر دکھائی۔ اور کہا کہ بہت ہی عمدہ تلوار ہے۔ اور میں نے بارہا لڑائیوں میں اس کا تجربہ کیا ہے۔ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ذرا میرے ہاتھ میں تو دو۔ میں بھی دیکھوں کہ کیسی تلوار ہے؟ اُس نے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی۔ انہوں نے تلوار ہاتھ میں لے کر اس زور سے تلوار ماری کہ کافر کی گردن کٹ گئی اور اس کا سر دور جا گرا۔ اس کے ساتھی نے

جو یہ منظر دیکھا تو وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ اور سرپٹ دوڑتا ہوا مدینہ پہنچا، اور مسجد نبوی میں گھس گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ شخص خوفزدہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے ہانپتے کانپتے ہوئے بارگاہ نبوت میں عرض کیا۔ کہ میرے ساتھی کو ابوبصیر نے قتل کر دیا اور میں بھی ضرور مارا جاؤں گا۔ اتنے میں حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ بھی ننگی تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے آن پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذمہ داری پوری کر دی کیونکہ صلح نامہ کی شرط کے بموجب آپ نے تو مجھ کو واپس کر دیا۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اُس نے مجھ کو ان کافروں سے نجات دے دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے بڑا رنج پہنچا اور آپ نے خفا ہو کر فرمایا کہ۔

وَيْلُ اُمِّهٖ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَوْ كَانَ لَهٗ اَحَدٌ۔	اس کی ماں مرے! یہ تو لڑائی بھڑکا دے گا کاش اس کے ساتھ کوئی آدمی ہوتا جو اس کو روکتا۔

حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ اس جملہ سے سمجھ گئے کہ میں پھر کافروں کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا، اس لیے وہ وہاں سے چپکے سے کھسک گئے اور ساحل سمندر کے قریب مقام "عیص" میں جا کر ٹھہرے ادھر مکہ سے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ اپنی زنجیر کاٹ کر بھاگے اور وہ بھی وہیں پہنچ گئے۔ پھر مکہ کے دوسرے مظلوم مسلمانوں نے بھی موقع پا کر کفار کی قید سے نکل نکل کر یہاں پناہ لینی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ اس جنگل میں ستر آدمیوں کی جماعت جمع ہو گئی۔ کفار قریش کے تجارتی قافلوں کا یہی راستہ تھا جو قافلہ بھی آمد و رفت میں یہاں سے گزرتا، یہ لوگ اس کو لوٹ لیتے۔ یہاں تک کہ کفار قریش کا ناک میں دم کر دیا۔ بالآخر کفارِ قریش نے خدا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا کہ ہم صلح نامہ میں اپنی شرط سے باز آئے۔ آپ لوگوں کو ساحل سمندر سے مدینہ بلا لیجیے اور اب ہماری طرف سے اجازت ہے کہ جو مسلمان بھی مکہ سے بھاگ کر مدینہ جائے آپ اس کو مدینہ میں ٹھہرا لیجیے ہمیں اس پر

کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ (بخاری باب الشروط فی الجہاد ج ۱ ص ۳۸۰)

یہ بھی روایت ہے کہ قریش نے خود ابوسفیان کو مدینہ بھیجا۔ کہ ہم صلح نامہ حدیبیہ میں اپنی شرط سے دست بردار ہو گئے۔ لہٰذا آپ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں بلالیں تاکہ ہمارے تجارتی قافلے ان لوگوں کے قتل و غارت سے محفوظ ہو جائیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے پاس خط بھیجا کہ تم اپنے ساتھیوں سمیت مقام "عیص" سے مدینہ چلے آؤ۔ مگر افسوس! کہ فرمان رسالت ان کے پاس ایسے وقت پہنچا جب وہ نزع کی حالت میں تھے۔ مقدس خط کو انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے کر سر اور آنکھوں پر رکھا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل جل کر ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور دفن کے بعد ان کی قبر شریف کے پاس یادگار کے لیے ایک مسجد بنا دی۔ پھر فرمان رسول کے بموجب یہ سب لوگ وہاں سے آکر مدینہ میں آباد ہو گئے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۸)

سلاطین کے نام دعوتِ اسلام

۶ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد جب جنگ و جدال کے خطرات ٹل گئے اور ہر طرف امن و سکون کی فضا پیدا ہو گئی تو چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا دائرہ صرف خطۂ عرب ہی تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ آپ تمام عالم کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس لیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا میں پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے روم کے بادشاہ "قیصر" فارس کے بادشاہ "کسریٰ" حبشہ کے بادشاہ "نجاشی" مصر کے بادشاہ "عزیز" اور دوسرے سلاطینِ عرب و عجم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ فرمائے۔

صحابہ کرام میں سے کون کون حضرات ان خطوط کو لے کر کن کن بادشاہوں کے دربار میں گئے؟ ان کی فہرست کافی طویل ہے مگر ایک ہی دن چھ خطوط لکھوا کر

اور اپنی مہر لگا کر جن چھ قاصدوں کو جہاں جہاں آپ نے روانہ فرمایا وہ یہ ہیں۔

۱۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ	ہرقل قیصر روم	کے دربار میں
۲۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ	خسرو پرویز شاہ ایران	؍؍
۳۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ	مقوقس عزیز مصر	؍؍
۴۔ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ	نجاشی بادشاہ حبشہ	؍؍
۵۔ حضرت سلیط بن عمر رضی اللہ عنہ	ہوزہ، بادشاہ یمامہ	؍؍
۶۔ حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ	حارث غسانی والی غسان	؍؍

نامہ مبارک اور قیصر

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس خط لے کر "بصریٰ" تشریف لے گئے اور وہاں قیصر روم کے گورنر شام حارث غسانی کو دیا اُس نے اس نامہ مبارک کو "بیت المقدس" بھیج دیا۔ کیونکہ قیصر روم (ہرقل) ان دنوں بیت المقدس کے دورہ پر آیا ہوا تھا۔ قیصر کو جب یہ مبارک خط ملا تو اُس نے حکم دیا کہ قریش کا کوئی آدمی ملے تو اس کو ہمارے دربار میں حاضر کرو۔ قیصر کے حکام نے تلاش کیا تو اتفاق سے ابوسفیان اور عرب کے کچھ دوسرے تاجر مل گئے۔ یہ سب لوگ قیصر کے دربار میں لائے گئے۔ قیصر نے بڑے طمطراق کے ساتھ دربار منعقد کیا اور تاجِ شاہی پہن کر تخت پر بیٹھا۔ اور تخت کے گرد ارکینِ سلطنت، بطارقہ اور احبار و رہبان وغیرہ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اسی حالت میں عرب کے تاجروں کا گروہ دربار میں حاضر کیا گیا۔ اور شاہی محل کے تمام دروازے بند کر دیے گئے۔ پھر قیصر نے ترجمان کو بلایا اور اُس کے ذریعہ گفتگو شروع کی۔ سب سے پہلے قیصر نے یہ سوال کیا کہ عرب میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم میں سے ان کا سب سے قریبی رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ "میں" قیصر نے ان کو سب سے آگے کیا اور دوسرے عربوں کو ان کے پیچھے کھڑا کیا۔ اور کہا کہ دیکھو، اگر ابوسفیان کوئی غلط بات کہے تو تم لوگ اس کا جھوٹ ظاہر کر دینا۔ پھر قیصر اور ابوسفیان میں جو

مکالمہ ہوا وہ یہ ہے۔

قیصر	مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟
ابوسفیان	اُن کا خاندان شریف ہے۔
قیصر	کیا اس خاندان میں ان سے پہلے بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔
ابوسفیان	"نہیں"
قیصر	کیا ان کے باپ داداؤں میں کوئی بادشاہ تھا؟
ابوسفیان	نہیں۔
قیصر	جن لوگوں نے ان کا دین قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحب اثر؟
ابوسفیان	کمزور لوگ ہیں۔
قیصر	ان کے متبعین بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں۔
ابوسفیان	بڑھتے جا رہے ہیں
قیصر	کیا کوئی ان کے دین میں داخل ہو کر پھر اس کو ناپسند کر کے پلٹ بھی جاتا ہے؟
ابوسفیان	"نہیں"
قیصر	کیا نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے تم لوگ انہیں جھوٹا سمجھتے تھے۔
ابوسفیان	"نہیں"
قیصر	کیا وہ کبھی عہد شکنی اور وعدہ خلافی بھی کرتے ہیں؟
ابوسفیان	ابھی تک تو نہیں کی ہے لیکن اب ہمارے اور اُن کے درمیان (حدیبیہ) میں جو ایک نیا

معاہدہ ہوا ہے۔ معلوم نہیں اس میں وہ کیا کریں گے؟

قیصر	کیا کبھی تم لوگوں نے ان سے جنگ بھی کی؟
ابوسفیان	"ہاں"
قیصر	نتیجہ جنگ کیا رہا؟
ابوسفیان	کبھی ہم جیتے، کبھی وہ
قیصر	وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتے ہیں؟
ابوسفیان	وہ کہتے ہیں کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرو کسی اور کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ بتوں کو چھوڑو، نماز پڑھو۔ سچ بولو پاک دامنی اختیار کرو۔ رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اس سوال وجواب کے بعد قیصر نے کہا کہ تم نے ان کو خاندانی شریف بتایا اور تمام پیغمبروں کا یہی حال ہے کہ ہمیشہ پیغمبر اچھے خاندانوں ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ ان کے خاندان میں کبھی کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ یہ شخص اوروں کی نقل اتار رہا ہے تم نے اقرار کیا ہے کہ ان کے خاندان میں کبھی کوئی بادشاہ نہیں ہوا ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو میں سمجھ لیتا کہ یہ شخص اپنے آباء واجداد کی بادشاہی کا طلبگار ہے۔ تم مانتے ہو کہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے وہ کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولے تو جو شخص انسانوں سے جھوٹ نہیں بولتا بھلا وہ خدا پر کیوں کر جھوٹ باندھ سکتا ہے؟ تم کہتے ہو کہ کمزور لوگوں نے اُن کے دین کو قبول کیا ہے تو سن لو ہمیشہ ابتدا میں پیغمبروں کے متبعین مفلس اور کمزور ہی لوگ ہوتے رہے ہیں۔ تم نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ان کی پیروی کرنے والے بڑھتے ہی جا رہے ہیں تو ایمان کا معاملہ ہمیشہ ایسا ہی رہا ہے کہ اس کے ماننے والوں کی تعداد ہمیشہ بڑھتی ہی جاتی ہے تم کو یہ تسلیم ہے

کہ کوئی ان کے دین سے پھر کر مرتد نہیں ہو رہا ہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایمان کی شان ایسی ہی ہوا کرتی ہے کہ جب اس کی لذت کسی کے دل میں گھر کر لیتی ہے تو پھر وہ کبھی نکل نہیں سکتی۔ تمہیں اس کا اعتراف ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی غداری اور بدعہدی نہیں کی ہے تو رسولوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ کبھی کوئی دغا فریب کا کام کرتے ہی نہیں۔ تم نے ہمیں بتایا کہ وہ خدائے واحد کی عبادت، شرک سے پرہیز بت پرستی سے ممانعت، پاک دامنی، صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ تو سن لو کہ تم نے جو کچھ کہا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو وہ عنقریب اس جگہ کے مالک ہو جائیں گے جہاں اس وقت میرے قدم ہیں اور میں جانتا ہوں کہ ایک رسول کا ظہور ہونے والا ہے مگر میرا یہ گمان نہیں تھا کہ وہ رسول تم عربوں میں سے ہوگا۔ اگر میں یہ جان لیتا کہ میں ان کی بارگاہ میں پہنچ سکوں گا تو میں تکلیف اُٹھا کر وہاں تک پہنچتا۔ اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو میں ان کا پاؤں دھوتا۔ قیصر نے اپنی اس تقریر کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھ کر سنایا جائے۔ نامہ مبارک کی عبارت یہ تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
من محمد عبد اللہ
ورسولہ الی ھرقل عظیم
الروم سلام علی من اتبع
الھدی اما بعد فانی
ادعوک بدعایۃ الاسلام
اسلم تسلم یؤتک اللہ
اجرک مرتین فان تولیت
فان علیک اثم الاریسین
یا اھل الکتاب تعالوا الی
کلمۃ سواء بیننا و بینکم

شروع کرتا ہوں میں خدا کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ کے بندے اور رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے یہ خط "ہرقل" کے نام ہے جو روم کا بادشاہ ہے۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو مسلمان ہو جا تو سلامت رہے گا اور خدا تجھ کو دوگنا ثواب دے گا۔ اور اگر تو نے روگردانی کی تو تیری تمام رعایا کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ اے

ان لا نعبد الا اللّٰہ ولا نشرک بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللّٰہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔

اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم میں سے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کو خدا نہ بنائیں اور اگر تم نہیں مانتے تو گواہ ہو جاؤ کہ ہم مسلمان ہیں!

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی اس سے اس کے درباری پہلے ہی انتہائی برہم اور بیزار ہو چکے تھے۔ اب یہ خط سنا۔ پھر جب قیصر نے ان لوگوں سے یہ کہا کہ اے جماعتِ روم! اگر تم اپنی فلاح اور اپنی بادشاہی کی بقا چاہتے ہو تو اس نبی کی بیعت کر لو تو درباریوں میں اس قدر ناراضگی اور بیزاری پھیل گئی کہ وہ لوگ جنگلی گدھوں کی طرح بدک کر دربار سے دروازوں کی طرف بھاگنے لگے مگر چونکہ تمام دروازے بند تھے اس لیے وہ لوگ باہر نہ نکل سکے۔ جب قیصر نے اپنے درباریوں کی نفرت کا یہ منظر دیکھا تو وہ ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا اور اس نے کہا کہ ان درباریوں کو بلاؤ۔ جب سب آ گئے تو قیصر نے کہا کہ ابھی ابھی میں نے تمہارے سامنے جو کچھ کہا۔ اس سے میرا مقصد تمہارے دین کی پختگی کا امتحان لینا تھا تو میں نے دیکھ لیا کہ تم لوگ اپنے دین میں بہت پکے ہو۔ یہ سن کر تمام درباری قیصر کے سامنے سجدہ میں گر پڑے اور ابوسفیان وغیرہ دربار سے نکال دیے گئے اور دربار برخاست ہو گیا چلتے وقت ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب یقینًا ابوکبشہ کے بیٹے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ بہت بڑھ گیا۔ دیکھ لو رومیوں کا بادشاہ ان سے ڈر رہا ہے۔ (بخاری باب کیف کان بدء الوحی ج ۱ ص۴ تا ۵ و مسلم ج ۲ ص۹۷ تا ۹۹

(و مدارج ج ۲ ص۲۲۱ وغیرہ)

قیصر چونکہ توراۃ و انجیل کا ماہر اور علم نجوم سے واقف تھا اس لیے وہ نبی آخر الزماں کے ظہور سے باخبر تھا اور ابوسفیان کی زبان سے حالات سن کر اس کے دل میں

ہدایت کا چراغ روشن ہو گیا تھا۔ مگر سلطنت کی حرص و ہوس کی آندھیوں نے اس چراغ ہدایت کو بجھا دیا۔ اور وہ اسلام کی دولت سے محروم رہ گیا۔

خسرو پرویز کی بد دماغی

تقریباً اسی مضمون کے خطوط دوسرے بادشاہوں کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمائے۔ شہنشاہ ایران خسرو پرویز کے دربار میں جب نامہ مبارک پہنچا تو صرف اتنی سی بات پر اس کے غرور اور گھمنڈ کا پارہ اتنا چڑھ گیا کہ اس نے کہا کہ اس خط میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے نام سے پہلے اپنا نام کیوں لکھا؟ یہ کہہ کر اس نے فرمانِ رسالت کو پھاڑ ڈالا۔ اور پرزے پرزے کر کے خط کو زمین پر پھینک دیا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ

مَزَّقَ کِتَابِیْ مَزَّقَ اللّٰہُ مُلْکَہٗ۔ — اس نے میرے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا خدا اس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

چنانچہ اس کے بعد ہی خسرو پرویز کو اس کے بیٹے "شیرویہ" نے رات میں سوتے ہوئے اس کا شکم پھاڑ کر اس کو قتل کر دیا۔ اور اس کی بادشاہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی یہاں تک کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ حکومت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۲۵ وغیرہ و بخاری ج ۱ ص ۱۵)

نجاشی کا کردار

نجاشی بادشاہِ حبشہ کے پاس جب فرمانِ رسالت پہنچا تو اس نے کوئی بے ادبی نہیں کی۔ اس معاملہ میں مورخین کا اختلاف ہے کہ اس نجاشی نے اسلام قبول کیا یا نہیں؟ مگر مواہب لدنیہ میں لکھا ہوا ہے کہ یہ نجاشی جس کے پاس اعلانِ نبوت کے پانچویں سال مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے گئے تھے اور ۶ھ میں جس کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خط بھیجا اور ۹ھ میں جس کا انتقال ہوا اور مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی غائبانہ نمازِ جنازہ

پڑھائی اس کا نام "اصحمہ" تھا اور یہ بلا شبہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن اس کے بعد جو نجاشی تخت پر بیٹھا اس کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا دعوت نامہ بھیجا تھا مگر اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نجاشی کا نام کیا تھا؟ اور اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں؟ مشہور ہے کہ یہ دونوں مقدس خطوط اب تک سلاطین حبشہ کے پاس موجود ہیں اور وہ لوگ اس کا بے حد ادب و احترام کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۲۲۰)

شاہِ مصر کا برتاؤ

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "مقوقس" مصر و اسکندریہ کے بادشاہ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا۔ یہ نہایت ہی اخلاق کے ساتھ قاصد سے ملا۔ اور فرمانِ نبوی کو بہت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ پڑھا۔ مگر مسلمان نہیں ہوا۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند چیزوں کا تحفہ بھیجا۔ دو لونڈیاں ایک حضرت "ماریہ قبطیہ" تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخل ہوئیں اور انہیں کے شکم مبارک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ دوسری حضرت "سیرین" تھیں جن کو آپ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا۔ ان کے بطن سے حضرت حسان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن پیدا ہوئے ان دونوں لونڈیوں کے علاوہ ایک سفید گدھا جس کا نام "یعفور" تھا۔ اور ایک سفید خچر جو دلدل کہلاتا تھا ایک ہزار مثقال سونا، ایک غلام، کچھ شہد، کچھ کپڑے بھی تھے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۲۹)

بادشاہِ یمامہ کا جواب

حضرت سلیط رضی اللہ عنہ جب "ہوذہ" بادشاہ یمامہ کے پاس خط لے کر پہنچے تو اس نے بھی قاصد کا احترام کیا۔ لیکن اسلام قبول نہیں کیا اور جواب میں یہ لکھا کہ آپ جو باتیں کہتے ہیں وہ نہایت اچھی ہیں۔ اگر آپ اپنی حکومت میں سے کچھ مجھے بھی حصہ دیں تو میں آپ کی پیروی کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خط پڑھ کر فرمایا کہ اسلام ملک گیری کی

ہوس کے پیسے نہیں آیا ہے۔ اگر زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو میں نہ دوں گا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۲۹)

حارث غسانی کا گھمنڈ

حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے جب حارث غسانی والی غسان کے سامنے نامۂ اقدس کو پیش کیا تو وہ مغرور خط کو پڑھ کر برہم ہو گیا۔ اور اپنی فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ چنانچہ مدینہ کے مسلمان ہر وقت اس کے حملہ کے منتظر رہنے لگے اور بالآخر "غزوہ موتہ" اور "غزوہ تبوک" کے واقعات درپیش ہوئے جن کا مفصل تذکرہ ہم آگے تحریر کریں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بادشاہوں کے علاوہ اور بھی بہت سے سلاطین و امراء کو دعوتِ اسلام کے خطوط تحریر فرمائے۔ جن میں سے کچھ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کچھ خوش نصیبوں نے اسلام قبول کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں نیاز مندیوں سے بھرے ہوئے خطوط بھی بھیجے۔ مثلاً یمن کے شاہانِ حمیر میں سے جن جن بادشاہوں نے مسلمان ہو کر بارگاہِ نبوت میں عرضیاں بھیجیں جو غزوۂ تبوک سے واپسی پر آپ کی خدمت میں پہنچیں۔ ان بادشاہوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حارث بن عبد کلال

۲۔ نعیم بن عبد کلال

۳۔ نعمان حاکم ذو رعین و معافر و ہمدان

۴۔ زرعہ۔ یہ سب یمن کے بادشاہ ہیں۔

ان کے علاوہ "فروہ بن عمرو" جو کہ سلطنتِ روم کی جانب سے گورنر تھا۔ اپنے اسلام لانے کی خبر قاصد کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں بھیجی۔ اس طرح "باذان" جو بادشاہ ایران کسریٰ کی طرف سے صوبہ یمن کا صوبہ دار تھا اپنے دو بیٹوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا اور ایک عرضی تحریر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اسلام کی خبر دی۔ ان سب کا مفصل تذکرہ "سیرت ابن ہشام و زرقانی و مدارج النبوۃ" وغیرہ میں موجود ہے۔ ہم

اپنی اس مختصر کتاب میں ان کا مفصل بیان تحریر کرنے سے معذرت خواہ ہیں۔

سریۂ نجد ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ایک لشکر نجد کی جانب روانہ فرمایا۔ ان لوگوں نے بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر لیا اور مدینہ لائے۔ جب لوگوں نے ان کو بارگاہِ رسالت میں پیش کیا تو آپ نے حکم دیا کہ اس کو مسجدِ نبوی کے ایک ستون میں باندھ دیا جائے۔ چنانچہ یہ ستون میں باندھ دیئے گئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ اے ثمامہ! تمہارا کیا حال ہے؟ اور تم اپنے بارے میں کیا گمان رکھتے ہو؟ ثمامہ نے جواب دیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا حال اور خیال تو اچھا ہی ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک خونی آدمی کو قتل کریں گے اور اگر مجھے اپنے انعام سے نواز کر چھوڑ دیں گے تو ایک شکر گزار کو چھوڑیں گے اور اگر آپ مجھ سے کچھ مال کے طلب گار ہوں تو بتا دیجیے۔ آپ کو مال دیا جائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ گفتگو کر کے چلے آئے پھر دوسرے روز بھی یہی سوال و جواب ہوا۔ پھر تیسرے روز بھی یہی ہوا۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ چنانچہ لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ ثمامہ مسجد سے نکل کر ایک کھجور کے باغ میں چلے گئے جو مسجد نبوی کے قریب ہی میں تھا۔ وہاں انہوں نے غسل کیا۔ پھر مسجد نبوی میں واپس آئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور کہنے لگے کہ خدا کی قسم! مجھے جس قدر آپ کے چہرہ سے نفرت تھی اتنی روئے زمین پر کسی کے چہرہ سے نہ تھی مگر آج آپ کے چہرہ سے مجھے اس قدر محبت ہو گئی ہے کہ اتنی محبت کسی کے چہرہ سے نہیں ہے۔ کوئی دین میری نظر میں اتنا ناپسند نہ تھا جتنا آپ کا دین لیکن آج کوئی دین میری نظر میں اتنا محبوب نہیں ہے جتنا آپ کا دین۔ کوئی شہر میری نگاہ میں اتنا برا نہ تھا جتنا آپ کا شہر۔ اور اب میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ آپ کے شہر سے زیادہ مجھے کوئی شہر محبوب نہیں ہے۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں عمرہ ادا کرنے کے ارادہ سے مکہ جا رہا تھا کہ آپ کے لشکر نے مجھے گرفتار کر لیا۔ اب آپ میرے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دنیا و آخرت کی بھلائیوں کا مژدہ سنایا اور پھر حکم دیا کر تم مکہ جاکر عمرہ ادا کر لو!

جب یہ مکہ پہنچے اور طواف کرنے لگے تو قریش کے کسی کافر نے ان کو دیکھ کر کہا کہ اے ثمامہ! تم صابی (بے دین) ہو گئے ہو۔ آپ نے نہایت جرأت کے ساتھ جواب دیا کہ میں بے دین نہیں ہوا ہوں۔ بلکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور اے اہلِ مکہ سُن لو۔ اب جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں گے۔ تم لوگوں کو ہمارے وطن سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں مل سکے گا۔ مکہ والوں کے لیے ان کے وطن "یمامہ" ہی سے غلہ آیا کرتا تھا۔

(بخاری ج ۲ صـ ۶۲۷ باب وفد بنی حنیفہ و حدیث ثمامہ و مسلم ج ۲ صـ ۹۳

باب ربط الاسیر و مدارج ج ۲ صـ ۱۸۹)

ابو رافع قتل کر دیا گیا

۶ ھ کے واقعات میں سے ابو رافع یہودی کا قتل بھی ہے۔ ابو رافع یہودی کا نام عبداللہ بن ابی الحقیق یا سلام بن الحقیق تھا۔ یہ بہت ہی دولت مند تاجر تھا لیکن اسلام کا زبردست دشمن، اور بارگاہِ نبوت کی شان میں نہایت ہی بدترین گستاخ اور بے ادب تھا۔ یہ وہی شخص ہے جو حیی بن اخطب یہودی کے ساتھ مکہ گیا اور کفار قریش، اور دوسرے قبائل کو جوش دلا کر غزوۂ خندق میں مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے دس ہزار کی فوج لے کر آیا تھا اور ابو سفیان کو ابھار کر اسی نے اس فوج کا سپہ سالار بنایا تھا۔ حیی بن اخطب تو جنگ خندق کے بعد غزوہ بنی قریظہ میں مارا گیا تھا۔ مگر یہ بچ نکلا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اور اسلام کی بیخ کنی میں تن، من، دھن سے لگا ہوا تھا انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج میں ہمیشہ مقابلہ رہتا تھا اور یہ دونوں اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ چونکہ قبیلہ اوس کے لوگوں حضرت محمد بن مسلمہ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے ۳ ھ میں بڑے

خطرہ میں پڑ کر ایک دشمنِ رسول "کعب بن اشرف یہودی" کو قتل کیا تھا اس لیے قبیلۂ خزرج کے لوگوں نے مشورہ کیا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن "ابو رافع" رہ گیا ہے لہٰذا ہم لوگوں کو چاہیے کہ اس کو قتل کر ڈالیں۔ تاکہ ہم لوگ بھی قبیلۂ اوس کی طرح ایک دشمنِ رسول کو قتل کرنے کا اجر و ثواب حاصل کریں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عتیک و عبداللہ بن انیس و ابو قتادہ و حارث بن ربعی و مسعود بن سنان و خزاعی بن اسود رضی اللہ عنہم اس کے لیے مستعد اور تیار ہوئے ان لوگوں کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو اس جماعت کا امیر فرما دیا۔ اور ان لوگوں کو منع کر دیا کہ بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے۔ (زرقانی علی المواہب ج ۲ ص ۱۶۳)

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ ابو رافع کے محل کے پاس پہنچے۔ اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ تم لوگ یہاں بیٹھ کر میری آمد کا انتظار کرتے رہو۔ اور خود بہت ہی خفیہ تدبیروں سے رات میں اس کے محل کے اندر داخل ہو گئے اور اس کے بستر پر پہنچ کر اندھیرے میں اس کو قتل کر دیا جب محل سے نکلنے لگے تو سیڑھی سے گر پڑے جس سے ان کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی مگر انہوں نے فوراً ہی اپنی پگڑی سے اپنے ٹوٹے ہوئے پاؤں کو باندھ دیا۔ اور کسی طرح محل سے باہر آ گئے پھر اپنے ساتھیوں کی مدد سے مدینہ پہنچے جب دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر ابو رافع کے قتل کا سارا ماجرا بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "پاؤں پھیلاؤ" انہوں نے پاؤں پھیلایا تو آپ نے اپنا دستِ مبارک ان کے پاؤں پر پھرا دیا۔ فوراً ہی ٹوٹی ہوئی ہڈی جڑ گئی اور ان کا پاؤں بالکل صحیح و سالم ہو گیا۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۲۴ باب قتل النائم المشرک)

۶ھ کی بعض لڑائیاں

۶ھ میں صلح حدیبیہ سے قبل چند چھوٹے چھوٹے لشکروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اطراف میں روانہ فرمایا۔ تاکہ وہ کفار کے حملوں کی مدافعت کرتے رہیں۔

ان لڑائیوں کا مفصل تذکرہ زرقانی علی المواہب اور مدارج النبوۃ وغیرہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے مگر ان لڑائیوں کی ترتیب اور ان کی تاریخوں میں مورخین کا بڑا اختلاف ہے۔ اس لیے ٹھیک طور پر ان کی تاریخوں کی تعیین بہت مشکل ہے۔ ان واقعات کا چیدہ چیدہ بیان حدیثوں میں موجود ہے مگر حدیثوں میں بھی ان کی تاریخیں مذکور نہیں ہیں۔ البتہ بعض قرائن و شواہد سے اتنا پتا چلتا ہے کہ یہ سب صلح حدیبیہ سے قبل کے واقعات ہیں۔ ان لڑائیوں میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

۱۔ سریۂ قرطاء۔ ۲۔ غزوہ بنی لحیان۔ ۳۔ سریۃ الغمر۔ ۴۔ سریۂ علی بجانب جموم۔ ۵۔ سریۂ زید بجانب عیص۔ ۶۔ سریۂ زید بجانب وادی القریٰ ۷۔ سریۂ علی بجانب بنی سعد ۸۔ سریۂ زید بجانب ام قرفہ۔ ۹۔ سریۂ ابن رواحہ۔ ۱۰۔ سریۂ ابن مسلمہ۔ ۱۱۔ سریۂ زید بجانب طرف۔ ۱۲۔ سریۂ عکل و عرینہ۔ ۱۳۔ سریۂ ضمری۔ ان لڑائیوں کے ناموں میں بھی اختلاف ہے۔ ہم نے یہاں ان لڑائیوں کے مذکورہ بالا نام زرقانی علی المواہب کی فہرست سے نقل کیے ہیں۔

(فہرست زرقانی علی المواہب ج ۲ ص ۳۵)

بارہواں باب

ہجرت کا ساتواں سال

غزوۂ ذات القرد

مدینہ کے قریب "ذات القرد" ایک چراگاہ کا نام ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں چرتی تھیں عبدالرحمٰن بن عیینہ فزاری نے جو قبیلۂ غطفان سے تعلق رکھتا تھا اپنے چند آدمیوں کے ساتھ ناگہاں اس چراگاہ پر چھاپہ مارا اور یہ لوگ بیس اونٹنیوں کو پکڑ کر لے بھاگے مشہور تیر انداز صحابی حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے اس کی خبر معلوم ہوئی۔ انہوں نے اس خطرہ کا اعلان کرنے کے لیے بلند آواز سے یہ نعرہ مارا کہ "یا صباحاہ"۔ پھر اکیلے ہی ان ڈاکوؤں کے تعاقب میں دوڑ پڑے اور ان ڈاکوؤں کو تیر مار مار کر تمام اونٹنیوں کو بھی چھین لیا۔ اور ڈاکو بھاگتے ہوئے جو تیس چادریں پھینکتے گئے تھے ان چادروں پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم لشکر لے کر پہنچے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے ان چھاپہ ماروں کو ابھی تک پانی نہیں پینے دیا ہے یہ سب پیاسے ہیں۔ ان لوگوں کے تعاقب میں لشکر بھیج دیجیے تو یہ سب گرفتار ہو جائیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی اونٹنیوں کے مالک ہو چکے ہو۔ اب ان لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو اپنے اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور مدینہ واپس تشریف لائے۔ حضرت امام بخاری کا بیان ہے کہ یہ غزوہ جنگِ خیبر کے لیے روانہ ہونے سے تین دن قبل ہوا۔

(بخاری غزوۂ ذات القرد ج ۲ ص ۶۰۳ و مسلم ج ۲ ص ۱۱۳)

جنگِ خیبر

"خیبر" مدینہ سے آٹھ منزل کی دوری پر ایک شہر ہے۔ ایک انگریز سیاح نے لکھا ہے کہ خیبر مدینہ سے تین سو بیس کیلو میٹر دور ہے۔ یہ بڑا زرخیز علاقہ تھا اور یہاں عمدہ کھجوریں بکثرت پیدا ہوتی تھیں۔ عرب میں یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز یہی خیبر تھا۔ یہاں کے یہودی عرب میں سب سے زیادہ مالدار اور جنگجو تھے اور ان کو اپنی مالی اور جنگی طاقتوں پر بڑا ناز اور گھمنڈ بھی تھا۔ یہ لوگ اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن تھے۔ یہاں یہودیوں نے بہت سے مضبوط قلعے بنا رکھے تھے۔ جن میں سے بعض کے آثار اب تک موجود ہیں۔ ان میں سے آٹھ قلعے بہت مشہور ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

کتیبہ۔ ناعم۔ شق۔ قموص۔ نطاۃ۔ صعب۔ وطیح۔ سلالم۔ درحقیقت یہ آٹھوں قلعے آٹھ محلوں کے مثل تھے اور انہی آٹھوں قلعوں کا مجموعہ "خیبر" کہلاتا تھا (مدارج النبوۃ ج ۲ صہ ۲۳۴)

غزوہ خیبر کب ہوا؟

تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگِ خیبر محرم کے مہینے میں ہوئی۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ۶ھ تھا یا ۷ھ۔ غالباً اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ سن ہجری کی ابتدا محرم سے کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے نزدیک محرم میں ۷ھ شروع ہو گیا اور بعض لوگ سنہ ھ کی ابتدا ربیع الاول سے کرتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ربیع الاول میں ہوئی۔ لہٰذا ان لوگوں کے نزدیک یہ محرم و صفر ۶ھ کے تھے۔ واللہ اعلم۔

جنگِ خیبر کا سبب

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ کہ جنگِ خندق میں جن جن کفارِ عرب نے مدینہ پر حملہ کیا تھا اُن میں خیبر کے یہودی بھی تھے، بلکہ درحقیقت وہی اس حملہ کے بانی اور سب سے بڑے محرک

تھے۔ چنانچہ "بنو نضیر" کے یہودی جب مدینہ سے جلاوطن کیے گئے تو یہودیوں کے جوڑسا خیبر چلے گئے تھے۔ ان میں سے حیی بن اخطب اور ابو رافع سلام بن ابی الحقیق نے تو مکہ جاکر کفار قریش کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ابھارا۔ اور تمام قبائل کا دورہ کرکے کفار عرب کو جوش دلاکر برانگیختہ کیا۔ اور حملہ آوروں کی مالی امداد کے لیے پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ اور خیبر کے تمام یہودیوں کو ساتھ لے کر یہودیوں کے یہ دونوں سردار حملہ کرنے والوں میں شامل رہے۔ حیی بن اخطب تو جنگ قریظہ میں قتل ہو گیا اور ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کو ۶ھ میں حضرت عبداللہ بن عتیک انصاری رضی اللہ عنہ نے اس کے محل میں داخل ہو کر قتل کر دیا۔ لیکن ان سب واقعات کے بعد بھی خیبر کے یہودی بیٹھ نہیں رہے۔ بلکہ اور زیادہ انتقام کی آگ ان کے سینوں میں بھڑکنے لگی۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ پر پھر ایک دوسرا حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے اور اس مقصد کے لیے قبیلہ غطفان کو بھی آمادہ کر لیا۔ قبیلہ غطفان عرب کا ایک بہت ہی طاقتور اور جنگجو قبیلہ تھا۔ اور اس کی آبادی خیبر سے بالکل ہی متصل تھی۔ اور خیبر کے یہودی خود بھی عرب کے سب سے بڑے سرمایہ دار ہونے کے ساتھ بہت ہی جنگ باز اور تلوار کے دھنی تھے۔ ان دونوں کے گٹھ جوڑ سے ایک بڑی طاقتور فوج تیار ہو گئی۔ اور ان لوگوں نے مدینہ پر حملہ کرکے مسلمانوں کو تہس نہس کر دینے کا پلان بنا لیا۔

مسلمان خیبر چلے

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ خیبر کے یہودی قبیلہ غطفان کو ساتھ لے کر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں تو ان کی اس چڑھائی کو روکنے کے لیے سولہ سو صحابہ کرام کا لشکر ساتھ لے کر آپ خیبر روانہ ہوئے۔ مدینہ پر حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو افسر مقرر فرمایا اور تین جھنڈے تیار کرائے۔ ایک جھنڈا حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیا اور ایک جھنڈے کا علمبردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ اور خاص علم نبوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک میں عنایت فرمایا اور ازواج مطہرات

میں سے حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت حدودِ خیبر میں اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ پہنچ گئے اور نماز فجر کے بعد شہر میں داخل ہوئے تو خیبر کے یہودی اپنے اپنے ہنسیا اور ٹوکری لے کر کھیتوں اور باغوں میں کام کاج کے لیے قلعہ سے نکلے جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو شور مچانے لگے اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ "خدا کی قسم! لشکر کے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں" اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

خیبر برباد ہو گیا۔ بلاشبہ ہم جب کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں تو کفار کی صبح بُری ہو جاتی ہے۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۰۳)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو صحابہ کرام بہت ہی بلند آوازوں سے نعرۂ تکبیر لگانے لگے تو آپ نے فرمایا کہ اپنے اوپر نرمی برتو، تم لوگ کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو، بلکہ اُس (اللہ) کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔ کا وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ جب آپ نے سنا تو مجھ کو پکارا اور فرمایا کہ کیا میں تم کو ایک ایسا کلمہ نہ بتادوں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ "کیوں نہیں یارسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان" تو فرمایا کہ وہ کلمہ "لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔ ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۰۵)

یہودیوں کی تیاری

یہودیوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو ایک محفوظ قلعہ میں پہنچا دیا اور راشن کا ذخیرہ قلعہ "ناعم" میں جمع کر دیا۔ اور فوجوں کو "نطاۃ" اور "قموص" کے قلعوں میں اکٹھا کرو، ان میں سب سے زیادہ مضبوط اور محفوظ قلعہ "قموص" تھا۔ اور "مرحب یہودی" جو عرب کے پہلوانوں

میں ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ اسی قلعہ کا رئیس تھا۔ سلام بن مشکم یہودی گو بیمار تھا مگر وہ بھی قلعہ "نطاۃ" میں فوجیں لے کر ڈٹا ہوا تھا۔ یہودیوں کے پاس تقریباً بیس ہزار فوج تھی جو مختلف قلعوں کی حفاظت کے لیے مورچہ بندی کیے ہوئے تھی۔

محمود بن مسلمہ شہید ہو گئے

سب سے پہلے قلعہ "ناعم" پر معرکہ آرائی اور جم کر لڑائی ہوئی حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بڑی بہادری اور جاں نثاری کے ساتھ جنگ کی مگر سخت گرمی اور لو کے تھپیڑوں کی وجہ سے اُن پر پیاس کا غلبہ ہو گیا۔ وہ قلعہ ناعم کی دیوار کے نیچے سو گئے۔ کنانہ بن ابی الحقیق یہودی نے ان کو دیکھ لیا اور چھت سے ایک بہت بڑا پتھر ان کے اوپر گرا دیا۔ جس سے ان کا سر کچل گیا۔ اور یہ شہید ہو گئے۔ اس قلعہ کو فتح کرنے میں پچاس مسلمان زخمی ہو گئے۔ لیکن قلعہ فتح ہو گیا۔

اسود راعی کی شہادت

حضرت اسود راعی رضی اللہ عنہ اسی قلعہ کی جنگ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ان کا واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک حبشی تھے جو خیبر کے کسی یہودی کی بکریاں چرایا کرتے تھے جب یہودی جنگ کی تیاریاں کرنے لگے تو انہوں نے پوچھا کہ آخر تم لوگ کس سے جنگ کے لیے تیاریاں کر رہے ہو؟ یہودیوں نے کہا کہ آج ہم اس شخص سے جنگ کریں گے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ سن کر ان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا جذبہ پیدا ہوا۔ چنانچہ یہ بکریاں لیے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے خداوند تعالیٰ کی طرف سے کیا اجر و ثواب ملے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کو جنت اور اس کی نعمتیں ملیں گی۔ انہوں نے فوراً ہی کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں۔ اب میں ان کو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ تم ان

بکریوں کو قلعہ کی طرف ہانک دو۔ اور ان کو کنکریوں سے مارو یہ سب خود بخود اپنے مالک کے گھر پہنچ جائیں گی۔ چنانچہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ انہوں نے بکریوں کو کنکریاں مار کر ہانک دیا اور وہ سب اپنے مالک کے گھر پہنچ گئیں۔

اس کے بعد یہ خوش نصیب حبشی ہتھیار پہن کر مجاہدین اسلام کی صف میں کھڑا ہو گیا۔ اور انتہائی جوش و خروش کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ عمل قلیلا واجر کثیرا۔

یعنی اس شخص نے بہت ہی کم عمل کیا اور بہت زیادہ اجر دیا گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاش کو خیمہ میں لانے کا حکم دیا اور ان کی لاش کے سرہانے کھڑے ہو کر آپ نے یہ بشارت سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کالے چہرہ کو حسین بنا دیا اس کے بدن کو خوشبودار بنا دیا اور دو حوریں اس کو جنت میں ملیں۔ اس شخص نے ایمان اور جہاد کے سوا کوئی دوسرا عمل خیر نہیں کیا نہ ایک وقت کی نماز پڑھی، نہ ایک روزہ رکھا، نہ حج و زکوٰۃ کا موقع ملا۔ مگر ایمان اور جہاد کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۲۴۰)

اسلامی لشکر کا ہیڈ کوارٹر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے یہ علم تھا کہ قبیلۂ غطفان والے ضرور ہی خیبر والوں کی مدد کو آئیں گے اس لیے آپ نے خیبر اور غطفان کے درمیان مقام "رجیع" میں اپنی فوجوں کا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ اور خیموں، بار برداری کے سامانوں اور عورتوں کو بھی یہیں رکھا تھا اور یہیں سے نکل نکل کر یہودیوں کے قلعوں پر حملہ کرتے تھے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۲۳۹)

قلعہ ناعم کے بعد دوسرے قلعے بھی بہ آسانی اور بہت جلد فتح ہو گئے۔ لیکن قلعہ "قموص" چونکہ بہت ہی مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا اور یہاں یہودیوں کی فوجیں بھی بہت زیادہ تھیں اور یہودیوں کا سب سے بڑا بہادر "مرحب" خود اس قلعہ کی حفاظت کرتا تھا اس لیے اس قلعہ کو فتح کرنے میں بڑی دشواری ہوئی۔ کئی روز تک یہ مہم

سر نہ ہو سکی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قلعہ پر پہلے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمان میں اسلامی فوجوں کو چڑھائی کے لیے بھیجا اور انہوں نے بہت ہی شجاعت اور جاں بازی کے ساتھ حملہ فرمایا۔ مگر یہودیوں نے قلعہ کی فصیل پر سے اس زور کی تیر اندازی اور سنگباری کی کہ مسلمان قلعہ کے پھاٹک تک نہ پہنچ سکے۔ اور رات ہو گئی۔ دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زبردست حملہ کیا۔ اور مسلمان بڑی گرم جوشی کے ساتھ بڑھ بڑھ کر دن بھر قلعہ پر حملہ کرتے رہے مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا اور کیونکر فتح ہوتا؟ فاتح خیبر ہونا تو علی حیدر کے مقدر میں لکھا تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ قَالَ فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوْكُوْنَ لَيْلَتَهُمْ اَيُّهُمْ يُعْطَاهَا۔

کل میں اس آدمی کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا وہ اللہ و رسول کا محب بھی ہے اور محبوب بھی۔ راوی نے کہا کہ لوگوں نے یہ رات بڑے اضطراب میں گزاری کہ دیکھیے کل کس کو جھنڈا دیا جاتا ہے؟

(بخاری ج ۲ ص ۶۰۵ غزوہ خیبر)

صبح ہوئی تو صحابہ کرام خدمت اقدس میں بڑے اشتیاق کے ساتھ یہ تمنا لے کر حاضر ہوئے کہ یہ اعزاز و شرف ہمیں مل جائے۔ اس لیے کہ جس کو جھنڈا ملے گا اس کے لیے تین بشارتیں ہیں۔

۱۔ وہ اللہ و رسول کا محب ہے

۲۔ وہ اللہ و رسول کا محبوب ہے۔

۳۔ خیبر اس کے ہاتھ سے فتح ہو گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس روز مجھے بڑی تمنا تھی کہ کاش آج مجھے جھنڈا عنایت ہوتا۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس موقع کے سوا مجھے کبھی بھی فوج کی

سرداری اور افسری کی تمنا نہ تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے صحابہ کرام بھی اس نعمتِ عظمیٰ کے لیے ترس رہے تھے۔

(مسلم ج ۲ صہ ۲۷۸، ۲۷۹ باب من فضائل علی)

لیکن صبح کو اچانک یہ صدا لوگوں کے کان میں آئی کہ علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اُن کی آنکھوں میں آشوب ہے۔ آپ نے قاصد بھیج کر ان کو بلایا۔ اور اُن کی دکھتی ہوئی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگا دیا اور دعا فرمائی تو فوراً ہی انہیں ایسی شفا حاصل ہو گئی کہ گویا انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اپنا علم نبوی جو حضرت ام المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی سیاہ چادر سے تیار کیا گیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں عطا فرمایا۔

(زرقانی ج ۲ صہ ۲۲۲)

اور ارشاد فرمایا کہ۔

تم بڑے سکون کے ساتھ جاؤ اور ان یہودیوں کو اسلام کی دعوت دو اور بتاؤ کہ مسلمان ہو جانے کے بعد تم پر فلاں فلاں اللہ کے حقوق واجب ہیں۔ خدا کی قسم! اگر ایک آدمی نے بھی تمہاری بدولت اسلام قبول کر لیا تو یہ دولت تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ (بخاری ج ۲ صہ ۶۰۵ غزوہ خیبر)

حضرت علی اور مرحب کی جنگ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے "قلعہ قموص" کے پاس پہنچ کر یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی، لیکن انہوں نے اس دعوت کا جواب اینٹ اور پتھر اور تیر و تلوار سے دیا اور قلعہ کا رئیس اعظم "مرحب" خود بڑے طنطنہ کے ساتھ نکلا۔ سر پر یمنی زرد رنگ کا ڈھاٹا باندھے ہوئے اور اس کے اوپر پتھر کا خود پہنے ہوئے رجز کا یہ شعر پڑھتے ہوئے حملہ کے لیے آگے بڑھا کہ

ے

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَبُ

شَاکِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّبُ

خیبر خوب جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں ، اسلحہ پوش ہوں ، بہت ہی بہادر اور تجربہ کار ہوں ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں رجز کا یہ شعر پڑھا ؎

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہْ

کَلَیْثِ غَابَاتٍ کَرِیْہِ الْمَنْظَرَہْ

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے ، میں کچھار کے شیر کی طرح ہیبت ناک ہوں مرحب نے بڑے طمطراق کے ساتھ آگے بڑھ کر حضرت شیر خدا پر اپنی تلوار سے وار کیا مگر آپ نے ایسا پینترا بدلا کہ مرحب کا وار خالی گیا ۔ پھر آپ نے بڑھ کر اس کے سر پر اس زور کی تلوار ماری کہ ایک ہی ضرب سے خود کٹا مغفر کٹا اور ذوالفقار حیدری سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور تلوار کی مار کا تڑاکہ فوج تک پہنچا اور مرحب زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا ۔

(مسلم ج ۲ ص۱۱۵ و ص۲۷۸)

مرحب کی لاش کو زمین پر تڑپتے ہوئے دیکھ کر اس کی تمام فوج حضرت شیر خدا پر ٹوٹ پڑی ۔ لیکن ذوالفقار حیدری بجلی کی طرح چمک چمک کر گرتی تھی جس سے صفوں کی صفیں الٹ گئیں اور یہودیوں کے مایہ ناز بہادر مرحب ، حارث ، اُسیر ، عامر وغیرہ کٹ گئے ۔ اسی گھمسان کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ڈھال کٹ کر گر پڑی تو آپ نے آگے بڑھ کر قلعہ قموص کا پھاٹک اکھاڑ دیا اور کواڑ کو ڈھال بنا کر اس پر دشمنوں کی تلواریں روکتے رہے ۔ یہ کواڑ اتنا بڑا اور وزنی تھا کہ بعد کو چالیس آدمی اس کو نہ اٹھا سکے ۔ (زرقانی ج ۲ ص۲۳۰)

جنگ جاری تھی کہ حضرت علی شیر خدا نے کمال شجاعت کے ساتھ لڑتے ہوئے خیبر کو فتح کر لیا اور حضرت صادق الوعد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان صداقت کا نشان بن کر فضاؤں میں لہرانے لگا ۔

"کل میں اس آدمی کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا وہ اللہ ورسول کا محب بھی ہے اور اللہ ورسول کا محبوب بھی۔"

بے شک حضرت مولائے کائنات رضی اللہ عنہ اللہ ورسول کے محب بھی ہیں۔ اور محبوب بھی ہیں۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ سے خیبر کی فتح عطا فرمائی اور قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فاتح خیبر کے معزز لقب سے سرفراز فرمادیا۔ اور یہ وہ فتح عظیم ہے جس نے پورے "جزیرۃ العرب" میں یہودیوں کی جنگی طاقت کا جنازہ نکال دیا۔ فتح خیبر سے قبل اسلام یہودیوں اور مشرکین کے گٹھ جوڑ سے نزع کی حالت میں تھا۔ لیکن خیبر فتح ہو جانے کے بعد اسلام اس خوفناک نزع سے نکل گیا اور آگے اسلامی فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی مکہ بھی فتح ہو گیا۔ اس لیے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فاتح خیبر کی ذات سے تمام اسلامی فتوحات کا سلسلہ وابستہ ہے۔

بہر حال خیبر کا قلعہ قموص بیس دن کے محاصرہ اور زبردست معرکہ آرائی کے بعد فتح ہو گیا۔ ان معرکوں میں ترانوے یہودی قتل ہوئے اور پندرہ مسلمان جامِ شہادت سے سیراب ہوئے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۲۲۸)

خیبر کا انتظام

فتح کے بعد خیبر کی زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ بنو نضیر کی طرح اہلِ خیبر کو بھی جلاوطن کر دیں۔ لیکن یہودیوں نے یہ درخواست کی کہ ہم کو خیبر سے نہ نکالا جائے اور زمین ہمارے ہی قبضہ میں رہنے دی جائے۔ ہم یہاں کی پیداوار کا آدھا حصہ آپ کو دیتے رہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی چنانچہ جب کھجوریں پک جاتیں اور غلہ تیار ہو جاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو خیبر بھیج دیتے وہ کھجوروں اور اناجوں کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیتے اور یہودیوں سے فرماتے کہ اس میں سے جو حصہ تم کو پسند ہو وہ لے لو۔ یہودی اس عدل پر حیران ہو کر کہتے تھے کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل سے قائم

ہیں۔

(فتوح البلدان بلاذری ص۲۷ فتح خیبر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ خیبر فتح ہو جانے کے بعد یہودیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طور پر صلح فرمائی کہ یہودی اپنا سونا چاندی ہتھیار سب مسلمانوں کے سپرد کر دیں اور جانوروں پر جو کچھ لدا ہوا ہے وہ یہودی اپنے پاس ہی رکھیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہودی کوئی چیز مسلمانوں سے نہ چھپائیں مگر اس شرط کو قبول کر لینے کے باوجود حیی بن اخطب کا وہ چرمی تھیلا یہودیوں نے غائب کر دیا جس میں بنو نضیر سے جلاوطنی کے وقت وہ سونا چاندی بھر کر لایا تھا جب یہودیوں سے پوچھ گچھ کی گئی تو وہ جھوٹ بولے اور کہا کہ وہ ساری رقم لڑائیوں میں خرچ ہو گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا کہ وہ تھیلا کہاں ہے؟ چنانچہ مسلمانوں نے اس تھیلے کو برآمد کر لیا۔ اس کے بعد (چونکہ کنانہ بن ابی الحقیق نے حضرت محمود بن مسلمہ کو چھت سے پتھر گرا کر قتل کر دیا تھا) اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قصاص میں قتل کرا دیا اور اس کی عورتوں کو قیدی بنا لیا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص۲۴۵ و ابو داؤد ج ۲ ص۴۲۴ باب ما جاء فی ارض خیبر)

حضرت صفیہ کا نکاح

قیدیوں میں حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں یہ بنو نضیر کے رئیس اعظم حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ اور ان کا شوہر کنانہ بن ابی الحقیق بھی بنو نضیر کا رئیس اعظم تھا۔ جب سب قیدی جمع کیے گئے تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان میں سے ایک لونڈی مجھ کو عنایت فرمایئے۔ آپ نے ان کو اختیار دے دیا کہ خود جا کر کوئی لونڈی لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے لیا۔ بعض صحابہ نے اس پر گزارش کی کہ یا رسول اللہ!

اَعْطَيْتَ دِحْيَةَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ سَيِّدَةَ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيْرِ	یا رسول اللہ آپ نے صفیہ کو دحیہ کے حوالہ کر دیا وہ قریظہ اور بنو نضیر کی

لَا تَصْلُحُ اِلَّا لَکَ	رئیسہ ہے آپ کے سوا اور کوئی اس
(ابوداؤد ج ۲ ص۲م)	کے لائق نہیں ہے۔

(باب ما جاء فی سھم الصفی)

یہ سن کر آپ نے حضرت دحیہ کلبی اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور حضرت دحیہ سے فرمایا کہ تم اس کے سوا کوئی دوسری لونڈی لے لو۔ اس کے بعد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے آپ نے ان سے نکاح فرمالیا اور تین دن تک منزل صہبا میں ان کو اپنے خیمہ میں سرفراز فرمایا اور صحابہ کرام کو دعوتِ ولیمہ میں کھجور، گھی، پنیر کا مالیدہ کھلایا۔ (بخاری جلد ا ص۲۹۸ باب حمل لیسافر بالجاریہ وبخاری جلد ۲ ص۷۶۱ باب اتخاذ السراری و مسلم جلد ا ص۴۵۸ باب فضل اعتاق امتہ)

حضور کو زہر دیا گیا

فتح کے بعد چند روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں ٹھہرے یہودیوں کو مکمل امن و امان عطا فرمایا اور قسم قسم کی نوازشوں سے نوازا مگر اس بد باطن قوم کی فطرت میں اس قدر خباثت بھری ہوئی تھی کہ سلام بن شکم یہودی کی بیوی "زینب" نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور گوشت میں زہر ملا دیا۔ خدا کے حکم سے گوشت کی بوٹی نے آپ کو زہر کی خبر دی اور آپ نے ایک ہی لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا۔ لیکن ایک صحابی حضرت بشیر بن براء رضی اللہ عنہ نے شکم سیر کھا لیا اور زہر کے اثر سے ان کی شہادت ہوگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس زہریلے لقمہ سے عمر بھر تالو میں تکلیف رہی۔ آپ نے جب یہودیوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو ان ظالموں نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا اور کہا کہ ہم نے اس نیت سے آپ کو زہر کھلایا کہ اگر آپ سچے نبی ہوں گے تو آپ پر اس زہر کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ ورنہ ہم کو آپ سے نجات مل جائے گی۔ آپ نے اپنی ذات کے لیے تو کبھی کسی سے انتقام لیا ہی نہیں اس لیے آپ نے زینب سے کچھ بھی نہیں فرمایا۔ مگر جب حضرت بشیر بن براء رضی اللہ عنہ کی اسی زہر سے وفات ہوگئی تو ان کے قصاص میں زینب قتل کی گئی۔

(بخاری ج ۲ ص ۲۴۲ و مدارج جلد ۲ ص۲۵۱)

حضرت جعفر حبشہ سے آگئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح خیبر سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ مہاجرین حبشہ میں سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے اور مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حبشہ سے آگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرطِ محبت سے ان کی پیشانی چوم لی اور ارشاد فرمایا کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ مجھے خیبر کی فتح سے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا جعفر کے آنے سے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۲۴۶)

ان لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "صاحب الہجرتین" (دو ہجرتوں والے) کا لقب عطا فرمایا کیونکہ یہ لوگ مکہ سے حبشہ ہجرت کر کے گئے۔ پھر حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے اور باوجودیکہ یہ لوگ جنگِ خیبر میں شامل نہ ہو سکے مگر ان لوگوں کو آپ نے مالِ غنیمت میں سے مجاہدین کے برابر حصہ دیا۔

خیبر میں اعلان مسائل

جنگِ خیبر کے موقع پر مندرجہ ذیل فقہی مسائل کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ فرمائی۔

۱۔ پنجہ دار پرندوں کو حرام فرمایا۔

۲۔ تمام درندہ جانوروں کی حرمت کا اعلان فرما دیا۔

۳۔ گدھا اور خچر حرام کر دیا گیا۔

۴۔ چاندی سونے کی خرید و فروخت میں کمی بیشی کے ساتھ خریدنے اور بیچنے کو حرام فرمایا اور حکم دیا کہ چاندی کو چاندی کے بدلے اور سونے کو سونے کے بدلے برابر برابر بیچنا ضروری ہے اگر کمی بیشی ہو گی تو وہ سود ہو گا جو حرام ہے۔

۵۔ اب تک یہ حکم تھا کہ لونڈیوں سے ہاتھ آتے ہی صحبت کرنا جائز تھا لیکن اب "استبراء" ضروری قرار دے دیا گیا یعنی اگر وہ حاملہ ہوں تو بچہ پیدا ہونے تک ورنہ ایک مہینہ اُن سے صحبت جائز نہیں۔ "عورتوں سے متعہ کرنا بھی اسی غزوہ میں حرام

کر دیا گیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۲۳۳ تا ص ۲۳۸)

وادی القریٰ کی جنگ

خیبر کی لڑائی سے فارغ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "وادی القریٰ" تشریف لے گئے جو مقام "تیماء" اور "فدک" کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ یہاں یہودیوں کی چند بستیاں آباد تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے ارادہ سے یہاں نہیں آئے تھے مگر یہاں کے یہودی چونکہ جنگ کے لیے تیار تھے اس لیے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تیر برسانا شروع کر دیا۔ چنانچہ آپ کے ایک غلام جن کا نام حضرت مدعم رضی اللہ عنہ تھا یہ اونٹ کجاوہ اتار رہے تھے کہ ان کو ایک تیر لگا اور یہ شہید ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی جس کا جواب ان بدبختوں نے تیر و تلوار سے دیا اور باقاعدہ صف بندی کر کے مسلمانوں سے جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ مجبوراً مسلمانوں نے بھی جنگ شروع کر دی، چار دن تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان یہودیوں کا محاصرہ کیے ہوئے ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے مگر یہ لوگ برابر لڑتے ہی رہے آخر دس یہودی قتل ہو گئے اور مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد اہل خیبر کی شرطوں پر ان لوگوں نے بھی صلح کر لی کہ مقامی پیداوار کا آدھا حصہ مدینہ بھیجتے رہیں گے۔

جب خیبر اور وادی القریٰ کے یہودیوں کا حال معلوم ہو گیا تو "تیماء" کے یہودیوں نے بھی جزیہ دے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی۔ وادی القریٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار دن مقیم رہے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۶۲ و زرقانی ج ۲ ص ۲۴۸)

فدک کی صلح

جب "فدک" کے یہودیوں کو خیبر اور وادی القریٰ کے معاملہ کی اطلاع ملی تو ان لوگوں نے کوئی جنگ نہیں کی بلکہ دربار نبوت میں قاصد بھیج کر یہ درخواست کی کہ خیبر اور وادی القریٰ والوں سے جن شرطوں پر آپ نے صلح کی ہے اسی طرح کے معاملہ پر ہم سے بھی صلح کر لی جائے۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور فرمائی اور ان سے صلح ہو گئی لیکن یہاں چونکہ کوئی فوج نہیں بھیجی گئی اس لیے اس بستی میں مجاہدین کو کوئی حصہ نہیں ملا بلکہ یہ خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت قرار پائی اور خیبر و وادی القریٰ کی زمینیں تمام مجاہدین کی ملکیت ٹھہریں۔ (زرقانی ج ۲ ص ۲۴۸)

عمرۃ القضاء

چونکہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ آئندہ سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ آکر عمرہ ادا کریں گے اور تین دن مکہ میں ٹھہریں گے

اس دفعہ کے مطابق ماہ ذوالقعدہ ۷ھ میں آپ نے عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ روانہ ہونے کا عزم فرمایا اور اعلان کرا دیا کہ جو لوگ گزشتہ سال حدیبیہ میں شریک تھے وہ سب میرے ساتھ چلیں۔ چنانچہ بجز اُن لوگوں کے جو جنگ خیبر میں شہید یا وفات پا چکے تھے سب نے یہ سعادت حاصل کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ کفار مکہ پر بھروسا نہیں تھا کہ وہ اپنے عہد کو پورا کریں گے اس لیے آپ جنگ کی پوری تیاری کے ساتھ روانہ ہوئے۔ بوقت روانگی حضرت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ کو آپ نے مدینہ پر حاکم بنا دیا اور دو ہزار مسلمانوں کے ساتھ جن میں ایک سو گھوڑوں پر سوار تھے آپ مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ساٹھ اونٹ قربانی کے لیے ساتھ تھے جب کفار مکہ کو خبر لگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہتھیاروں اور سامانِ جنگ کے ساتھ مکہ آرہے ہیں تو وہ بہت گھبرائے اور انہوں نے چند آدمیوں کو صورتِ حال کی تحقیقات کے لیے "مرالظہران" تک بھیجا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جو اسپ سواروں کے افسر تھے قریش کے قاصدوں نے ان سے ملاقات کی۔ انہوں نے اطمینان دلایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صلح نامہ کی شرط کے مطابق بغیر ہتھیار کے مکہ میں داخل ہوں گے یہ سن کر کفار قریش مطمئن ہو گئے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام "یاجج" میں پہنچے جو مکہ سے آٹھ میل دور ہے تو تمام ہتھیاروں کو اس جگہ رکھ دیا اور حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی ماتحتی

میں چند صحابہ کرام کو ان ہتھیاروں کی حفاظت کے لیے متعین فرما دیا۔ اور اپنے ساتھ ایک تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہیں رکھا اور صحابہ کرام کے مجمع کے ساتھ "لبیک" پڑھتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے جب مکہ میں داخل ہونے لگے تو دربار نبوت کے شاعر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے رجز کے یہ اشعار جوش و خروش کے ساتھ بلند آواز سے پڑھتے جاتے تھے کہ ؎

خَلُّوْا بَنِیْ الْکُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِہٖ
اَلْیَوْمَ نَضْرِبْکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِہٖ

اے کافروں کے بیٹو! سامنے سے ہٹ جاؤ۔ آج جو تم نے اُترنے سے روکا تو ہم تلوار چلائیں گے۔

ضَرْبًا یُزِیْلُ الْھَامَ عَنْ مَقِیْلِہٖ
وَیُذْھِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِہٖ

ہم تلوار کا ایسا وار کریں گے جو سر کو اس کی خوابگاہ سے الگ کر دے اور دوست کی یاد اس کے دوست کے دل سے بھلا دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ٹوکا اور کہا کہ اے عبداللہ بن رواحہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے اور اللہ تعالیٰ کے حرم میں تم اشعار پڑھتے ہو؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! ان کو چھوڑ دو۔ یہ اشعار کفار کے حق میں تیر دل سے بڑھ کر ہیں۔ (شمائل ترمذی ص۱۷ و زرقانی ج ۲ ص ۲۵۵ تا ص ۲۵۷)

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاص حرم کعبہ میں داخل ہوئے تو کچھ کفار قریش مارے جلن کے اس منظر کی تاب نہ لا سکے اور پہاڑوں پر چلے گئے مگر کچھ کفار اپنے دار الندوہ (کمیٹی گھر) کے پاس کھڑے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بادۂ توحید و رسالت سے مست ہونے والے مسلمانوں کے طواف کا نظارہ کرنے لگے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ مسلمان بھلا کیا طواف کریں گے؟ ان کو تو بھوک اور مدینہ کے بخار نے کچل کر رکھ دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں پہنچ کر "اضطباع" کر لیا یعنی

چادر کو اس طرح اوڑھ لیا کہ آپ کا داہنا شانہ اور بازو کھل گیا اور آپ نے فرمایا کہ خدا اُس پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو ان کفار کے سامنے اپنی قوت کا اظہار کرے۔ پھر آپ نے اپنے اصحاب کے ساتھ شروع کے تین پھیروں میں شانوں کو ہلا ہلا کر اور خوب اکڑتے ہوئے چل کر طواف کیا۔ اس کو عربی زبان میں "رمل" کہتے ہیں چنانچہ یہ سنت آج تک باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی کہ ہر طوافِ کعبہ کرنے والا شروع طواف کے تین پھیروں میں "رمل" کرتا ہے۔

(بخاری ج ا ص ۲۱۸ باب کیف کان بدء الرمل)

حضرت حمزہ کی صاحبزادی

تین دن کے بعد کفار مکہ کے چند سردار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ شرط پوری ہو چکی اب آپ لوگ مکہ سے نکل جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں کفار کا پیغام سنایا تو آپ اُسی وقت مکہ سے روانہ ہو گئے چلتے وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ایک چھوٹی صاحبزادی جن کا نام "امامہ" تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا چچا کہتی ہوئی دوڑی آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جنگِ اُحد میں شہید ہو چکے تھے۔ ان کی یہ یتیم چھوٹی بچی مکہ میں رہ گئی تھیں۔ جس وقت یہ بچی آپ کو پکارتی ہوئی دوڑی آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہید چچا جان کی اس یادگار کو دیکھ کر پیار آگیا۔ اس بچی نے آپ کو بھائی جان کہنے کی بجائے چچا جان اس رشتہ سے کہا کہ آپ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی ہیں کیونکہ آپ نے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا تھا جب یہ صاحبزادی قریب آئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ان کو اپنی گود میں اٹھا لیا لیکن اب ان کی پرورش کے لیے تین دعویدار کھڑے ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ میری چچا زاد بہن ہے اور میں نے اس کو سب سے پہلے اپنی گود میں اٹھایا ہے اس لیے مجھ کو اس کی پرورش کا حق ملنا چاہیے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ گزارش کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ میری

چچازاد بہن بھی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے اس لیے اس کی پرورش کا میں حق دار ہوں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میرے دینی بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی ہے اس لیے میں اس کی پرورش کروں گا۔ تینوں صاحبوں کا بیان سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ "خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے" لہٰذا یہ لڑکی حضرت جعفر کی پرورش میں رہے گی پھر تینوں صاحبوں کی دلداری و دل جوئی کرتے ہوئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ "اے علی! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں" اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "اے جعفر تم سیرت و صورت میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ اے زید! تم میرے بھائی اور میرے مولیٰ (آزاد کردہ غلام ہو) (بخاری ج ۲ ص۶۱۱ عمرة القضاء)

حضرت میمونہ کا نکاح

اسی عمرة القضاء کے سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ آپ کی چچی ام فضل زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی بہن تھیں۔ عمرة القضاء سے واپسی میں جب آپ مقام "سرف" میں پہنچے تو ان کو اپنے خیمہ میں رکھ کر اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا اور عجیب اتفاق کہ اس واقعہ سے چوالیس برس کے بعد اسی مقام سرف میں حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا اور ان کی قبر شریف بھی اسی مقام میں ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ ان کی وفات کا سال ۵۱ھ ہے۔ مفصل بیان ان شاء اللہ تعالیٰ ازواج مطہرات کے بیان میں آئے گا۔

تیرہواں باب

ہجرت کا آٹھواں سال

۸ھ

ہجرت کا آٹھواں سال بھی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس حیات کے بڑے بڑے واقعات پر مشتمل ہے۔ ہم ان میں سے یہاں چند اہمیت و شہرت والے واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

جنگِ موتہ "موتہ" ملک شام میں ایک مقام کا نام ہے۔ یہاں ۸ھ میں کفر و اسلام کا وہ عظیم الشان معرکہ ہوا جس میں ایک لاکھ لشکرِ کفار سے صرف تین ہزار جان نثار مسلمانوں نے اپنی جان پر کھیل کر ایسی معرکہ آرائی کی کہ یہ لڑائی تاریخ اسلام میں ایک تاریخی یادگار بن کر قیامت تک باقی رہے گی اور اس جنگ میں صحابہ کرام کی بڑی بڑی اولوالعزم ہستیاں شرفِ شہادت سے سرفراز ہوئیں۔

اس جنگ کا سبب اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "بصریٰ" کے بادشاہ یا قیصرِ روم کے نام ایک خط لکھ کر حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ روانہ فرمایا۔ راستہ میں "بلقاء" کے بادشاہ شرحبیل بن عمرو غسانی نے جو قیصرِ روم کا باج گزار تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قاصد کو نہایت بیدردی کے ساتھ رسی میں باندھ کر قتل کر دیا جب بارگاہِ رسالت میں اس حادثہ کی اطلاع پہنچی تو قلب مبارک پر انتہائی رنج و صدمہ پہنچا۔ اس وقت آپ نے تین ہزار مسلمانوں کا لشکر تیار فرمایا اور اپنے دست مبارک سے سفید رنگ کا جھنڈا باندھ کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا اور ان کو اس فوج کا سپہ سالار بنایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر

سپہ سالار ہوں گے اور جب وہ بھی شہادت سے سرفراز ہو جائیں تو اس جھنڈے کے علمبردار حضرت عبداللہ بن رواحہ ہوں گے (رضی اللہ عنہم)، ان کے بعد لشکر اسلام جس کو منتخب کرے وہ سپہ سالار ہوگا۔

اس لشکر کو رخصت کرنے کے لیے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام "ثنیۃ الوداع" تک تشریف لے گئے اور لشکر کے سپہ سالار کو حکم فرمایا کہ تم ہمارے قاصد حضرت حارث بن عمیر (رضی اللہ عنہ) کی شہادت گاہ میں جاؤ جہاں اس جاں نثار نے ادائے فرض میں اپنی جان دی ہے، پہلے وہاں کے کفار کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ لوگ اسلام قبول کرلیں تو پھر وہ تمہارے اسلامی بھائی ہیں ورنہ تم اللہ کی مدد طلب کرتے ہوئے ان سے جہاد کرو۔ جب لشکر چل پڑا تو مسلمانوں نے بلند آواز سے یہ دعا دی کہ خدا سلامت اور کامیاب واپس لائے۔

جب یہ فوج مدینہ سے کچھ دور آگے نکل گئی تو خبر ملی کہ خود قیصر روم مشرکین کی ایک لاکھ فوج لے کر بلقاء کی سرزمین میں خیمہ زن ہو گیا ہے۔ یہ خبر پاکر امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو پڑاؤ کا حکم دے دیا اور ارادہ کیا کہ بارگاہ رسالت میں اس کی اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے مگر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارا مقصد فتح، یا مال غنیمت نہیں ہے بلکہ ہمارا مطلوب تو شہادت ہے۔ کیونکہ ؎

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مال غنیمت، نہ کشور کشائی

اور یہ مقصد بلند ہر وقت اور ہر حالت میں حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر ہر مجاہد جوش جہاد میں بے خود ہو گیا۔ اور سب کی زبان پر یہی ترانہ تھا کہ ؎

بڑھتے چلو مجاہدو۔ بڑھتے چلو مجاہدو

غرض یہ مجاہدین اسلام موتہ کی سرزمین میں داخل ہو گئے اور وہاں پہنچ کر دیکھا

کہ واقعی ایک بہت بڑا لشکر ریشمی زرق برق وردیاں پہنے ہوئے بے پناہ تیاریوں کے ساتھ جنگ کے لیے کھڑا ہے۔ ایک لاکھ سے زائد لشکر کا بھلا تین ہزار سے مقابلہ ہی کیا؟ مگر مسلمان خدا کے بھروسا پر مقابلہ کے لیے ڈٹ گئے۔

معرکہ آرائی کا منظر

سب سے پہلے مسلمانوں کے امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر کفار کے لشکر کو اسلام کی دعوت دی۔ جس کا جواب کفار نے تیروں کی مار اور تلواروں کے وار سے دیا۔ یہ منظر دیکھ کر مسلمان بھی جنگ کے لیے تیار ہو گئے اور لشکر اسلام کے سپہ سالار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اتر کر پا پیادہ میدان جنگ میں کود پڑے اور مسلمانوں نے بھی نہایت جوش و خروش کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا لیکن اس گھمسان کی لڑائی میں کافروں نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نیزوں اور برچھیوں سے چھید ڈالا۔ اور وہ جوانمردی کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے فوراً ہی جھپٹ کر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پرچم اسلام کو اٹھا لیا۔ مگر ان کو ایک رومی مشرک نے ایسی تلوار ماری کہ یہ کٹ کر دو ٹکڑے ہو گئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ہم نے ان کی لاش دیکھی تھی۔ ان کے بدن پر نیزوں اور تلواروں کے نوے سے کچھ زائد زخم تھے۔ لیکن کوئی زخم ان کی پیٹھ کے پیچھے نہیں لگا تھا بلکہ سب کے سب زخم سامنے ہی کی جانب لگے تھے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے علم اسلام ہاتھ میں لیا۔ فوراً ہی اُن کے چچا زاد بھائی نے گوشت سے بھری ہوئی ایک ہڈی پیش کی اور عرض کیا کہ بھائی جان! آپ نے کچھ کھایا پیا نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو کھا لیجیے۔ آپ نے ایک ہی مرتبہ دانت سے نوچ کر کھایا تھا کہ کفار کا بے پناہ ہجوم آپ پر ٹوٹ پڑا۔ آپ نے ہڈی پھینک دی اور تلوار نکال کر دشمنوں کے نرغہ میں گھس کر رجز کے اشعار پڑھتے ہوئے انتہائی دلیری اور جاں بازی کے ساتھ لڑنے لگے مگر زخموں سے نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑے اور شربت شہادت سے سیراب ہو گئے۔ (بخاری ج ۲ ص۶۱۱ غزوہ موتہ

(زرقانی ج ۲ صہ ۲۷۱ تا صہ ۲۷۴)

اب لوگوں کے مشورہ سے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ جھنڈے کے علمبردار بنے اور اس قدر شجاعت اور بہادری کے ساتھ لڑے کہ نو تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے ہاتھ سے گر پڑیں۔ اور اپنی جنگی مہارت اور کمالِ ہنر مندی سے اسلامی فوج کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال لائے۔ (بخاری ج ۲ صہ ۶۱۱ غزوۂ موتہ)

اس جنگ میں جو بارہ معزز صحابہ کرام شہید ہوئے اُن کے مقدس نام یہ ہیں۔

۱۔ حضرت زید بن حارثہ	۲۔ حضرت جعفر بن ابی طالب
۳۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ	۴۔ حضرت مسعود بن اوس
۵۔ حضرت وہب بن سعد	۶۔ حضرت عباد بن قیس
۷۔ حضرت حارث بن نعمان	۸۔ حضرت سراقہ بن عمر
۹۔ حضرت ابو کلیب بن عمر	۱۰۔ حضرت جابر بن عمر
۱۱۔ عمر بن سعد	۱۲۔ ہوبجہ ضبی (رضی اللہ عنہم اجمعین)

(زرقانی ج ۲ صہ ۲۷۳)

اسلامی لشکر نے بہت سے کفار کو قتل کیا۔ اور کچھ مالِ غنیمت بھی حاصل کیا۔ اور سلامتی کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔

نگاہ نبوت کا معجزہ

جنگ موتہ کی معرکہ آرائی میں جب گھمسان کا رن پڑا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے میدانِ جنگ کو دیکھ لیا۔ اور آپ کی نگاہوں سے تمام حجابات اس طرح اٹھ گئے کہ میدانِ جنگ کی ایک ایک سرگزشت کو آپ کی نگاہِ نبوت نے دیکھا۔ چنانچہ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت زید و حضرت جعفر و حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادتوں کی خبر آپ نے میدانِ جنگ سے خبر آنے کے قبل ہی اپنے اصحاب کو سنا دی۔

چنانچہ آپ نے انتہائی رنج و غم کی حالت میں صحابہ کرام کے بھرے مجمع میں یہ ارشاد فرمایا کہ زید نے جھنڈا لیا وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ علمبردار بنے

اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ جھنڈے کو خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار (خالد بن ولید) نے اپنے ہاتھوں میں لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو یہ خبر بھی سناتے رہے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ غزوۂ موتہ)

موسیٰ بن عقبہ نے اپنے مغازی میں لکھا ہے کہ جب حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ جنگ موتہ کی خبر لے کر دربارِ نبوت میں پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم مجھے وہاں کی خبر سناؤ گے؟ یا میں تمہیں وہاں کی خبر سناؤں۔ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہی سنایئے جب آپ نے وہاں کا پورا پورا حال و ماحول سنایا تو حضرت یعلیٰ نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ آپ نے ایک بات بھی نہیں چھوڑی کہ جس کو میں بیان کروں۔ (زرقانی ج ۲ ص ۲۷۶)

حضرت جعفر شہید رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر تیل کاجل سے آراستہ کر کے آٹا گوندھ لیا تھا کہ بچوں کے لیے روٹیاں پکاؤں کہ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا کہ جعفر کے بچوں کو میرے سامنے لاؤ جب میں نے بچوں کو پیش کیا تو آپ بچوں کو سونگھنے اور چومنے لگے اور آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار رخسار پر انوار پر بہنے لگی تو میں نے عرض کیا کہ کیا حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ ہاں! وہ لوگ آج ہی شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر میری چیخ نکل گئی اور میرا گھر عورتوں سے بھر گیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ نبوت میں تشریف لے گئے اور ازواج مطہرات سے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کراؤ۔ (زرقانی ج ۲ ص ۲۷۷)

جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچے

توحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہو کر ان لوگوں کے استقبال کے لیے تشریف لے گئے اور مدینہ کے مسلمان اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی دوڑتے ہوئے مجاہدین اسلام کی ملاقات کے لیے گئے اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جنگ موتہ کے شہداء کرام کا ایسا پر درد مرثیہ سنایا کہ تمام سامعین رونے لگے۔

(زرقانی ج ۲ ص ۲۷۷)

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ شہادت کے وقت کٹ کر گر پڑے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفر کو ان کے دونوں ہاتھوں کے بدلے دو بازو عطا فرمائے ہیں جن سے اڑ اڑ کر وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ (زرقانی ج ۲ ص ۲۷۷)

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ "السلام علیک یا ابن ذی الجناحین" یعنی اے دو بازوؤں والے کے فرزند! تم پر سلام ہو۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ غزوۂ موتہ)

جنگ موتہ اور فتح مکہ کے درمیان چند چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی مدافعت کے لیے مختلف مقامات پر بھیجا۔ ان میں سے بعض لشکروں کے ساتھ کفار کا ٹکراؤ بھی ہوا جن کا مفصل تذکرہ زرقانی و مدارج النبوۃ وغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔ ان سریوں کے نام یہ ہیں۔

ذات السلاسل، سریۃ الخبط، سریہ ابو قتادہ (نجد) سریہ ابو قتادہ (صنم) مگر ان سریوں میں "سریۃ الخبط" زیادہ مشہور ہے۔ جس کا مختصر بیان یہ ہے:۔

سریۃ الخبط

اس سریہ کو حضرت امام بخاری نے "غزوہ سیف البحر" کے نام سے ذکر کیا ہے۔ رجب ۸ ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو تین سو صحابہ کرام کے لشکر پر امیر بنا کر ساحل سمندر کی جانب روانہ فرمایا تاکہ یہ لوگ قبیلہ جہینہ کے کفار کی شرارتوں پر نظر رکھیں

اس لشکر میں خوراک کی اس قدر کمی پڑ گئی کہ امیرِ لشکر مجاہدین کو روزانہ ایک ایک کھجور راشن میں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ یہ کھجوریں بھی ختم ہو گئیں اور لوگ بھوک سے بے چین ہو کر درختوں کے پتے کھانے لگے اور یہی وجہ ہے کہ عام طور پر مورخین نے اس سریہ کا نام "سریۃ الخبط" یا "جیش الخبط" رکھا ہے "خبط" عربی زبان میں درخت کے پتوں کو کہتے ہیں۔ چونکہ مجاہدین اسلام نے اس سریہ میں درختوں کے پتے کھا کر جان بچائی۔ اس لیے یہ سریۃ الخبط کے نام سے مشہور ہو گیا۔

ایک عجیب الخلقت مچھلی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو اس سفر میں تقریباً ایک مہینہ رہنا پڑا اور جب بھوک کی شدت سے ہم لوگ درختوں کے پتے کھانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے ہمارے رزق کا یہ سامان پیدا فرما دیا کہ سمندر کی موجوں نے ایک اتنی بڑی مچھلی ساحل پر پھینک دی جو ایک پہاڑی کے مانند تھی چنانچہ تین سو صحابہ اٹھارہ دنوں تک اس مچھلی کا گوشت کھاتے رہے اور اس کی چربی اپنے بدن پر ملتے رہے اور جب وہاں سے روانہ ہونے لگے تو اس کا گوشت کاٹ کاٹ کر مدینہ تک لائے اور جب یہ لوگ بارگاہِ نبوت میں پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے رزق کا سامان ہوا تھا۔ پھر آپ نے اس مچھلی کا گوشت طلب فرمایا اور اس میں سے کچھ تناول بھی فرمایا یہ اتنی بڑی مچھلی تھی کہ امیرِ لشکر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی دو پسلیاں زمین میں گاڑ کر کھڑی کر دیں تو کجاوہ بندھا ہوا اونٹ اس محراب کے اندر سے گزر گیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۲۵ غزوہ سیف البحر و زرقانی ج ۲ ص ۲۸۰)

فتح مکہ

(رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء)

رمضان ۸ھ تاریخ نبوت کا نہایت ہی عظیم الشان عنوان ہے اور سیرتِ مقدسہ

کا یہ وہ سنہرا باب ہے کہ جس کی آب و تاب سے ہر مومن کا قلب قیامت تک مسرتوں کا آفتاب بنا رہے گا کیونکہ تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاریخ سے آٹھ سال قبل انتہائی رنجیدگی کے عالم میں اپنے یارِ غار کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں مکہ سے ہجرت فرما کر اپنے وطنِ عزیز کو خیرباد کہہ دیا تھا اور مکہ سے نکلتے وقت خدا کے مقدس گھر خانہ کعبہ پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈال کر یہ فرماتے ہوئے مدینہ روانہ ہوئے تھے کہ "اے مکہ! خدا کی قسم! تو میری نگاہِ محبت میں تمام دنیا کے شہروں سے زیادہ پیارا ہے اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں ہرگز تجھے نہ چھوڑتا لیکن آٹھ برس کے بعد یہی وہ مسرت خیز تاریخ ہے کہ آپ نے ایک فاتحِ اعظم کی شان و شوکت کے ساتھ اسی شہر مکہ میں نزولِ اجلال فرمایا اور کعبۃ اللہ میں داخل ہو کر اپنے سجدوں کے جمال و جلال سے خدا کے مقدس گھر کی عظمت کو سرفراز فرمایا۔

لیکن ناظرین کے ذہنوں میں یہ سوال سر اٹھاتا ہو گا کہ جب کہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں یہ تحریر کیا جا چکا تھا کہ دس برس تک فریقین کے مابین کوئی جنگ نہ ہو گی تو پھر آخر وہ کونسا ایسا سبب نمودار ہو گیا کہ صلح نامہ کے نقطہ دو سال ہی بعد تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ کے سامنے ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پیش آ گئی اور آپ ایک عظیم لشکر کے ساتھ فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔

تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کا سبب کفارِ مکہ کی "عہد شکنی" اور حدیبیہ کے صلح نامہ سے غداری ہے۔

کفارِ قریش کی عہد شکنی

صلح حدیبیہ کے بیان میں آپ پڑھ چکے کہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں ایک یہ شرط بھی درج تھی کہ قبائلِ عرب میں سے جو قبیلہ قریش کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے وہ قریش کے ساتھ معاہدہ کرے اور جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرنا چاہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کرے۔

چنانچہ اسی بنا پر قبیلہ بنی بکر نے قریش سے باہمی امداد کا معاہدہ کر لیا اور قبیلہ بنی خزاعہ

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امداد باہمی کا معاہدہ کر لیا۔ یہ دونوں قبیلے مکہ کے قریب ہی میں آباد تھے لیکن ان دونوں میں عرصہ دراز سے سخت عداوت اور مخالفت چلی آ رہی تھی۔

ایک مدت سے تو کفار قریش اور دوسرے قبائل عرب کے کفار مسلمانوں سے جنگ کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر رہے تھے لیکن صلح حدیبیہ کی بدولت جب مسلمانوں کی جنگ سے کفار قریش اور دوسرے قبائل کفار کو اطمینان ملا تو قبیلہ بنی بکر نے قبیلہ بنی خزاعہ سے اپنی پرانی عداوت کا انتقام لینا چاہا اور اپنے حلیف کفارِ قریش سے مل کر بالکل اچانک طور پر قبیلہ بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا اور اس حملہ میں کفار قریش کے تمام رؤسا یعنی عکرمہ بن ابی جہل صفوان بن اُمیہ و سہیل بن عمرو وغیرہ بڑے بڑے سرداروں نے علانیہ بنی خزاعہ کو قتل کیا۔ بے چارے بنی خزاعہ اس خوفناک ظالمانہ حملہ کی تاب نہ لا سکے اور اپنی جان بچانے کے لیے حرم کعبہ میں پناہ لینے کے لیے بھاگے۔ بنی بکر کے عوام نے تو حرم میں تلوار چلانے سے ہاتھ روک لیا اور حرمِ الٰہی کا احترام کیا۔ لیکن بنی بکر کا سردار "نوفل" اس قدر جوشِ انتقام میں آپے سے باہر ہو چکا تھا کہ وہ حرم میں بھی بنی خزاعہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کرتا رہا۔ اور چلا چلا کر اپنی قوم کو للکارتا رہا کہ پھر یہ موقع کبھی ہاتھ نہیں آ سکتا چنانچہ ان درندہ صفت خونخوار انسانوں نے حرمِ الٰہی کے احترام کو بھی خاک میں ملا دیا۔ اور حرم کعبہ کے حدود میں نہایت ہی ظالمانہ طور پر بنی خزاعہ کا خون بہایا اور کفار قریش نے بھی اس قتل و غارت اور کشت و خون میں خوب خوب حصہ لیا۔

(زرقانی ج ۲ ص ۲۸۹)

ظاہر ہے کہ قریش نے اپنی اس حرکت سے حدیبیہ کے معاہدہ کو عملی طور پر توڑ ڈالا کیونکہ بنی خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر کے آپ کے حلیف بن چکے تھے۔ اس لیے بنی خزاعہ پر حملہ کرنا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے برابر تھا۔ اس حملہ میں بنی خزاعہ کے تیئس آدمی قتل ہو گئے۔

اس حادثہ کے بعد قبیلہ بنی خزاعہ کے سردار عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کا وفد لے کر فریاد کرنے اور امداد طلب کرنے کے لیے مدینہ بارگاہِ رسالت میں پہنچے اور یہی فتح مکہ کی تمہید ہوئی۔

تاجدار دو عالم سے استعانت

حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شانۂ نبوت میں وضو فرما رہے تھے کہ ایک دم بالکل ناگہاں آپ نے بلند آواز سے تین مرتبہ یہ فرمایا کہ لبیک۔ لبیک۔ لبیک (میں تمہارے لیے بار بار حاضر ہوں) پھر تین مرتبہ بلند آواز سے آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ نصرت۔ نصرت۔ نصرت (تمہیں مدد مل گئی) جب آپ وضو خانہ سے نکلے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ تنہائی میں کس سے گفتگو فرما رہے تھے؟ تو ارشاد فرمایا کہ اے میمونہ! غضب ہو گیا۔ میرے حلیف بنی خزاعہ پر بنی بکر اور کفار قریش نے حملہ کر دیا ہے اور اس مصیبت و بے کسی کے وقت میں بنی خزاعہ نے وہاں سے چلا چلا کر مجھے مدد کے لیے پکارا ہے اور مجھ سے مدد طلب کی ہے اور میں نے ان کی پکار سن کر ان کی ڈھارس بندھانے کے لیے ان کو جواب دیا ہے۔ حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس واقعہ کے تیسرے دن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز سے فارغ ہوئے تو دفعۃً بنی خزاعہ کے مظلومین نے رجز کے ان اشعار کو بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام نے ان کی اس پر درد اور رقت انگیز فریاد کو بغور سنا۔ آپ بھی اس رجز کے چند اشعار کو ملاحظہ فرمایئے۔

یَا رَبِّ اِنِّیْ نَاشِدٌ مُحَمَّدًا

حِلْفَ اَبِیْنَا وَاَبِیْہِ الْاَتْلَدَا

اے خدا! میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہ معاہدہ یاد دلاتا ہوں جو ہمارے اور ان کے باپ داداؤں کے درمیان قدیم زمانے سے ہو چکا ہے۔

فَانْصُرْ هَدَاكَ اللّٰہُ نَصْرًا اَبَدًا
وَادْعُ عِبَادَ اللّٰہِ یَاْتُوْا مَدَدًا

تو خدا آپ کو سیدھی راہ پر چلائے۔ آپ ہماری بھرپور مدد کیجیے اور خدا کے بندوں کو بلائیے۔ وہ سب امداد کے لیے آئیں گے۔

فِیْھِمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَدْ تَجَرَّدَا
اِنْ سِیْمَ خَسْفًا وَجْھُہٗ تَرَبَّدَا

ان مدد کرنے والوں میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی غضب کی حالت میں ہوں کہ اگر انہیں ذلت کا داغ لگے تو ان کا تیور بدل جائے۔

ھُمْ بَیَّتُوْنَا بِالْوَتِیْرِ ھُجَّدًا
وَقَتَلُوْنَا رُکَّعًا وَّ سُجَّدًا

ان لوگوں (بنی بکر و قریش) نے "مقام وتیر" میں ہم سوتے ہوؤں پر شبخون مارا اور رکوع و سجدہ کی حالت میں بھی ہم لوگوں کو بیدردی کے ساتھ قتل کر ڈالا۔

اِنَّ قُرَیْشًا اَخْلَفُوْکَ الْمَوْعِدَا
وَنَقَضُوْا مِیْثَاقَکَ الْمُؤَکَّدَا

یقیناً قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی ہے اور آپ سے مضبوط معاہدہ کر کے توڑ ڈالا ہے۔

ان اشعار کو سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو تسلی دی اور فرمایا کہ مت گھبراؤ میں تمہاری امداد کے لیے تیار ہوں۔

(زرقانی ج ۲ ص ۲۹۰)

حضور کی امن پسندی

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش فرمائیں کہ ان میں سے کوئی ایک شرط قریش منظور کریں۔

۱۔ بنی خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔

۲۔ قریش قبیلہ بنی بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۳۔ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے ان شرطوں کو قریش کے سامنے رکھا تو قرطہ بن عبد عمرو نے قریش کا نمائندہ بن کر جواب دیا کہ "نہ ہم مقتولوں کے خون کا معاوضہ دیں گے نہ اپنے حلیف قبیلہ بنی بکر کی حمایت چھوڑیں گے۔ ہاں تیسری شرط ہمیں منظور ہے اور ہم اعلان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا" لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو اپنے اس جواب پر ندامت ہوئی۔ چنانچہ چند رؤسائے قریش ابوسفیان کے پاس گئے اور یہ کہا کہ اگر یہ معاملہ نہ سلجھا تو پھر سمجھ لو کہ یقیناً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پر حملہ کر دیں گے۔ ابوسفیان نے کہا کہ میری بیوی ہند بنت عتبہ نے ایک خواب دیکھا ہے کہ مقام "حجون" سے مقام "خندمہ" تک ایک خون کی نہر بہتی ہوئی آئی ہے۔ پھر ناگہاں وہ خون غائب ہو گیا۔ قریش نے اس خواب کو بہت ہی منحوس سمجھا اور خوف و دہشت سے سہم گئے اور ابوسفیان پر بہت زیادہ دباؤ ڈالا کہ وہ فوراً مدینہ جا کر معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کرے۔

(زرقانی ج ۲ ص ۲۹۲)

ابوسفیان کی کوشش

اس کے بعد بہت تیزی کے ساتھ ابوسفیان مدینہ گیا اور پہلے اپنی لڑکی حضرت ام المومنین بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر پہنچا اور بستر پر بیٹھنا ہی چاہتا تھا کہ حضرت بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جلدی سے بستر اٹھا لیا ابوسفیان نے حیران ہو کر پوچھا کہ بیٹی تم نے بستر کیوں اٹھا لیا؟ کیا بستر کو میرے قابل نہیں سمجھا یا مجھ کو بستر کے قابل نہیں سمجھا؟ ام المومنین نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور تم مشرک اور نجس ہو۔ اس لیے میں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھو۔ یہ سن کر ابوسفیان کے دل پر چوٹ لگی اور وہ رنجیدہ ہو کر وہاں سے چلا آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر

اپنا مقصد بیان کیا۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ابوسفیان حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہم کے پاس گیا۔ ان سب حضرات نے جواب دیا کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جب ابوسفیان پہنچا تو وہاں حضرت بی بی فاطمہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ابوسفیان نے بڑی لجاجت سے کہا کہ اے علی! تم قوم میں بہت ہی رحم دل ہو ہم ایک مقصد لے کر یہاں آئے ہیں کیا ہم یوں ہی ناکام چلے جائیں۔ ہم صرف یہی چاہتے ہیں کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہماری سفارش کر دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوسفیان! ہم لوگوں کی یہ مجال نہیں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ اور ان کی مرضی میں کوئی مداخلت کر سکیں۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر ابوسفیان نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اے فاطمہ! یہ تمہارا پانچ برس کا بچہ (امام حسن) ایک مرتبہ اپنی زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں نے دونوں فریق میں صلح کرا دی تو آج سے یہ بچہ عرب کا سردار کہہ کر پکارا جائے گا۔ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل؟ بالآخر ابوسفیان نے کہا کہ اے علی! معاملہ بہت کٹھن نظر آتا ہے کوئی تدبیر بتاؤ؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس سلسلے میں تم کو کوئی مفید رائے تو نہیں دے سکتا۔ لیکن تم بنی کنانہ کے سردار ہو تم خود ہی لوگوں کے سامنے اعلان کر دو کہ میں نے حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کر دی۔ ابوسفیان نے کہا کہ کیا میرا یہ اعلان کچھ مفید ہو سکتا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یک طرفہ اعلان ظاہر ہے کہ کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ مگر اب تمہارے پاس اس کے سوا اور چارہ کار ہی کیا ہے؟ ابوسفیان وہاں سے مسجد نبوی میں آیا اور بلند آواز سے مسجد میں اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی مگر مسلمانوں میں سے کسی نے بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

ابوسفیان یہ اعلان کر کے مکہ روانہ ہو گیا جب مکہ پہنچا تو قریش نے پوچھا کہ مدینہ میں کیا ہوا؟ ابوسفیان نے ساری داستان بیان کر دی۔ تو قریش نے سوال کیا

کہ جب تم نے اپنی طرف سے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کا اعلان کیا تو کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو قبول کر لیا؟ ابو سفیان نے کہا کہ "نہیں" یہ سُن کر قریش نے کہا کہ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔ یہ نہ تو صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھیں نہ یہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کیا جائے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۲۹۲ تا ص ۲۹۳)

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی فرما دیا کہ جنگ کے ہتھیار درست کریں اور اپنے حلیف قبائل کو بھی جنگی تیاریوں کے لیے حکم نامہ بھیج دیا۔ مگر کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں بتایا کہ کس سے جنگ کا ارادہ ہے؟ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور دیکھا کہ وہ جنگی ہتھیاروں کو نکال رہی ہیں تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے؟ عرض کیا "جی ہاں" پھر آپ نے پوچھا کہ کیا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ "واللہ مجھے یہ معلوم نہیں"! (زرقانی ج ۲ ص ۲۹۱)

غرض انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی تیاری فرمائی اور مقصد یہ تھا کہ اہلِ مکہ کو خبر نہ ہونے پائے اور اچانک اُن پر حملہ کر دیا جائے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جو ایک معزز صحابی تھے انہوں نے قریش کو ایک خط اس مضمون کا لکھ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ لہٰذا تم لوگ ہوشیار ہو جاؤ۔ اس خط کو انہوں نے ایک عورت کے ذریعہ مکہ بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا تھا۔ آپ نے اپنے اسی علم غیب کی بدولت یہ جان لیا کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے کیا کارروائی کی ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی و حضرت زبیر و حضرت مقداد

رضی اللہ عنہم کو فوراً ہی روانہ فرمایا کہ تم لوگ "روضۂ خاخ" میں چلے جاؤ۔ وہاں ایک عورت ہے اور اس کے پاس ایک خط ہے۔ اس سے وہ خط چھین کر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ یہ تینوں اصحاب کبار تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر "روضۂ خاخ" میں پہنچے اور عورت کو پالیا۔ جب اُس سے خط طلب کیا تو اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کہہ سکتے نہ ہم لوگ جھوٹے ہیں لہٰذا تو خط نکال کر ہمیں دے دے ورنہ ہم تجھ کو ننگی کر کے تلاشی لیں گے۔ جب عورت مجبور ہو گئی تو اُس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے وہ خط نکال کر دے دیا۔ جب یہ لوگ خط لے کر بارگاہِ رسالت میں پہنچے تو آپ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ اے حاطب! یہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میرے بارے میں جلدی نہ فرمائیں۔ نہ میں نے اپنا دین بدلا ہے نہ مرتد ہوا ہوں میرے اس خط کے لکھنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ مکہ میں میرے بیوی بچے ہیں مگر مکہ میں میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے جو میرے بیوی بچوں کی خبر گیری و نگہداشت کرے میرے سوا دوسرے تمام مہاجرین کے عزیز و اقارب مکہ میں موجود ہیں جو ان کے اہل و عیال کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے میں نے یہ خط لکھ کر قریش پر ایک اپنا احسان رکھ دیا ہے تاکہ میں ان کی ہمدردی حاصل کر لوں اور وہ میرے اہل و عیال کے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کریں۔ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کافروں کو شکست دے گا اور میرے اس خط سے کفار کو ہرگز ہرگز کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے اس بیان کو سن کر ان کے عذر کو قبول فرمالیا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس خط کو دیکھ کر اس قدر طیش میں آگئے کہ آپے سے باہر ہو گئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اُڑا دوں۔ دوسرے صحابہ کرام بھی غیظ و غضب میں بھر گئے، لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جبینِ رحمت

پر اک ذرا شکن بھی نہیں آئی اور آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! کیا تمہیں خبر نہیں کہ حاطب اہلِ بدر میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو مخاطب کر کے فرما دیا ہے کہ ”تم جو چاہو کرو، تم سے کوئی مواخذہ نہیں“ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ یہ کہہ کر بالکل خاموش ہو گئے کہ ”اللہ اور اس کے رسول کو ہم سب سے زیادہ علم ہے“ اسی موقع پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا	اے ایمان والو! میرے اور اپنے
عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ	دشمن کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

(ممتحنہ)

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو معاف فرما دیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۱۲ غزوہ الفتح)

مکہ پر حملہ

غرض ۱۰ رمضان ۸ ھ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے دس ہزار کا لشکرِ پُر انوار ساتھ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ فتح مکہ میں آپ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تھا ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت دس ہزار کا لشکر رہا ہو۔ پھر راستہ میں بعض قبائل اس لشکر میں شامل ہو گئے ہوں تو مکہ پہنچ کر اس لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی ہو، بہر حال مدینہ سے چلتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابۂ کبار روزہ دار تھے جب آپ ”مقام کدید“ میں پہنچے تو پانی مانگا اور اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے پورے لشکر کو دکھا کر آپ نے دن میں پانی نوش فرمایا اور سب کو روزہ چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ اور آپ کے اصحاب نے سفر اور جہاد میں ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنا موقوف کر دیا۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۱۳ و زرقانی ج ۲ ص ۳۰۰ و سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۹۹)

حضرت عباس وغیرہ سے ملاقات

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام ”جحفہ“ میں پہنچے تو وہاں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ یہ مسلمان ہو کر آئے تھے بلکہ اس سے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی سے مکہ میں مقیم تھے اور حجاج کو زمزم پلانے کے معزز عہدہ پر فائز تھے اور آپ کے ساتھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حارث بن عبدالمطلب کے فرزند جن کا نام بھی ابو سفیان تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن ابی امیہ جو ام المومنین حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی بھی تھے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے ان دونوں صاحبوں کی حاضری کا حال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے ان دونوں صاحبوں کی ملاقات سے انکار فرما دیا۔ کیونکہ ان دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ ایذائیں پہنچائی تھیں۔ خصوصاً ابو سفیان بن الحارث آپ کے چچا زاد بھائی جو اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کے انتہائی جاں نثاروں میں سے تھے مگر اعلانِ نبوت کے بعد انہوں نے اپنے قصیدوں میں اتنی شرمناک اور بیہودہ ہجو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کر ڈالی تھی کہ آپ کا دل زخمی ہو گیا تھا۔ اس لیے آپ ان دونوں سے انتہائی ناراض و بیزار تھے مگر حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کا قصور معاف کرنے کے لیے بہت ہی پر زور سفارش کی اور ابو سفیان بن الحارث نے یہ کہہ دیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا قصور نہ معاف فرمایا تو میں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر عرب کے ریگستان میں چلا جاؤں گا تاکہ وہاں بغیر دانہ پانی کے بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر میں اور میرے سب بچے مر کر فنا ہو جائیں۔ حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ رسالت میں آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کے چچا کا بیٹا اور آپ کی پھوپھی کا بیٹا تمام انسانوں سے زیادہ بد نصیب رہے گا؟ کیا ان دونوں کو آپ کی رحمت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا؟ جان چھڑکنے والی بیوی کے ان درد انگیز کلمات سے رحمۃ للعالمین کے رحمت بھرے دل میں رحم و کرم ان عفو و درگزر کے سمندر موجیں مارنے لگے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو یہ مشورہ دیا کہ تم دونوں اچانک بارگاہِ رسالت میں سامنے جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ اور جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا وہی تم دونوں بھی کہو کہ۔

لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ۔	کہ یقیناً آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت دی ہے اور ہم بلاشبہ خطاوار ہیں۔

چنانچہ ان دونوں صاحبوں نے دربارِ رسالت میں ناگہاں حاضر ہو کر یہی کہا۔ ایک دم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جبینِ رحمت پر رحم و کرم کے ہزاروں ستارے چمکنے لگے۔ اور آپ نے ان کے جواب میں بعینہٖ وہی جملہ اپنی زبان رحمتِ نشان سے ارشاد فرمایا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے جواب میں فرمایا تھا کہ۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ (یوسف)	آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے اللہ تمہیں بخش دے۔ وہ ارحم الراحمین ہے۔

جب قصور معاف ہو گیا تو ابو سفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ نے تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اشعار لکھے اور زمانہ جاہلیت کے دور میں جو کچھ آپ کی ہجو میں لکھا تھا اس کی معذرت کی اور اس کے بعد عمر بھر نہایت سچے اور ثابت قدم مسلمان رہے مگر حیار کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کبھی سر نہیں اٹھاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ بہت زیادہ محبت رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ ابو سفیان بن الحارث میرے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قائم مقام ثابت ہوں گے۔

(زرقانی ج ۲ ص ۳۰۱ تا ص ۳۰۲ و سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۰۰)

میلوں تک آگ ہی آگ

مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر "مرالظہران" میں پہنچ کر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو حکم دیا کہ ہر مجاہد اپنا الگ الگ چولھا جلائے۔ دس ہزار مجاہدین نے جو الگ الگ چولھے جلائے تو "مرالظہران" کے پورے میدان میں میلوں تک آگ ہی آگ نظر آنے لگی۔

قریش کے جاسوس

گو قریش کو معلوم ہی ہو چکا تھا کہ مدینہ سے فوجیں آ رہی ہیں۔ مگر صورت حال کی تحقیق کے لیے قریش نے ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام و بدیل بن ورقاء کو اپنا جاسوس بنا کر بھیجا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بے حد فکر مند ہو کر قریش کے انجام پر افسوس کر رہے تھے وہ یہ سوچتے تھے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے عظیم لشکر کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو آج قریش کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہو کر اس ارادہ سے مکہ چلے کہ قریش کو اس خطرہ سے آگاہ کر کے انہیں آمادہ کریں کہ چل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگ کر صلح کر لو ورنہ تمہاری خیر نہیں۔

(زرقانی ج ۲ ص ۳۰۴)

مگر بخاری کی روایت میں ہے کہ قریش کو یہ خبر تو مل گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہو گئے ہیں مگر انہیں یہ پتا نہ تھا کہ آپ کا لشکر "مرالظہران" تک آ گیا ہے۔ اس لیے ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن حزام و بدیل بن ورقاء اس تلاش و جستجو میں نکلے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر کہاں ہے؟ جب یہ تینوں مرالظہران کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ میلوں تک آگ ہی آگ جل رہی ہے یہ منظر دیکھ کر یہ تینوں حیران رہ گئے اور ابوسفیان بن حرب نے کہا کہ میں نے تو زندگی میں کبھی اتنی دور تک پھیلی ہوئی آگ اس میدان میں جلتے ہوئے نہیں دیکھی۔ آخر یہ کون سا قبیلہ ہے؟

بدیل بن ورقاء نے کہا کہ بنی خزاعہ معلوم ہوتے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ نہیں بنی خزاعہ اتنی کثیر تعداد میں کہاں ہیں جو ان کی آگ سے مرالظہران کا پورا میدان بھر جائے گا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۱۳)

بہرحال حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ان تینوں سے ملاقات ہوگئی اور ابوسفیان نے پوچھا کہ اے عباس! تم کہاں سے آرہے ہو؟ اور یہ آگ کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی آگ ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حرب سے کہا کہ تم میرے خچر پر پیچھے سوار ہو جاؤ ورنہ اگر مسلمانوں نے تمہیں دیکھ لیا تو ابھی تم کو قتل کر ڈالیں گے۔ جب یہ لوگ لشکر گاہ میں پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے چند مسلمانوں نے جو لشکر گاہ کا پہرہ دے رہے تھے ابوسفیان کو دیکھ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے جذبہ انتقام کو ضبط نہ کر سکے اور ابوسفیان کو دیکھتے ہی ان کی زبان سے نکلا کہ "ارے یہ تو خدا کا دشمن ابوسفیان ہے" دوڑتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، ابوسفیان ہاتھ آگیا ہے۔ اگر اجازت ہو تو ابھی اس کا سر اڑا دوں۔ اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی ان تینوں مشرکوں کو ساتھ لیے ہوئے دربار رسول میں حاضر ہوگئے اور ان لوگوں کی جان بخشی کی سفارش پیش کر دی اور یہ کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، میں نے ان سبھوں کو امان دے دی ہے۔

ابوسفیان کا اسلام

ابوسفیان بن حرب کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی۔ مکہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت سے سخت ایذائیں دینی، مدینہ پر بار بار حملہ کرنا، قبائل عرب کو اشتعال دلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی بارہا سازشیں یہودیوں اور تمام کفارِ عرب سے ساز باز کر کے اسلام اور بانی اسلام کے خاتمہ کی کوششیں یہ وہ ناقابل معافی جرائم تھے جو پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ ابوسفیان کا قتل بالکل درست و جائز اور برمحل ہے لیکن رسولِ کریم جن کو قرآن نے "رؤف و رحیم" کے لقب سے یاد کیا ہے۔

ان کی رحمت چمکار چمکار کر ابوسفیان کے کان میں کہہ رہی تھی کہ اے مجرم! مت ڈر یہ دنیا کے سلاطین کا دربار نہیں ہے بلکہ یہ رحمۃ للعالمین کی بارگاہ رحمت ہے۔ بخاری شریف کی روایت تو یہی ہے کہ ابوسفیان بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔ اس لیے جان بچ گئی۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۱۳ باب این رکز النبی رایۃ)

مگر ایک روایت یہ بھی ہے کہ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء نے تو فوراً رات ہی میں اسلام قبول کر لیا مگر ابوسفیان نے صبح کو کلمہ پڑھا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۰۴)

اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ابوسفیان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک مکالمہ ہوا اس کے بعد ابوسفیان نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ وہ مکالمہ یہ ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	کیوں اے ابوسفیان! کیا اب بھی تمہیں یقین نہ آیا کہ خدا ایک ہے۔
ابوسفیان	کیوں نہیں، کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کیا اس میں تمہیں کوئی شک ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔
ابوسفیان	ہاں، اس میں تو ابھی مجھے کچھ شبہ ہے

مگر پھر اس کے بعد انہوں نے کلمہ پڑھ لیا اور اس وقت گو ان کا ایمان متزلزل تھا لیکن بعد میں بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے۔ چنانچہ غزوۂ طائف میں مسلمانوں کی فوج میں شامل ہو کر انہوں نے کفار سے جنگ کی اور اسی میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہو گئی۔ پھر یہ جنگ یرموک میں بھی جہاد کے لیے گئے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۰۴ و زرقانی ج ۲ ص ۳۱۳)

لشکرِ اسلام کا جاہ و جلال

مجاہدین اسلام کا لشکر جب مکہ کی طرف بڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس

رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ ابوسفیان کو کسی ایسے مقام پر کھڑا کر دیں کہ یہ افواج الٰہی کا جلال اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ چنانچہ جہاں راستہ کچھ تنگ تھا ایک بلند جگہ پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو کھڑا کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسلامی لشکر سمندر کی موجوں کی طرح اُمنڈتا ہوا روانہ ہوا۔ اور قبائل عرب کی فوجیں ہتھیار سج سج کر یکے بعد دیگرے ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے لگیں۔ سب سے پہلے قبیلہ غفار کا باوقار پرچم نظر آیا۔ ابوسفیان نے سہم کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ قبیلہ غفار کے شہسوار ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ مجھے قبیلہ غفار سے کیا مطلب ہے؟ پھر جہینہ پھر سعد بن ہذیم، پھر سلیم کے قبائل کی فوجیں زرق برق ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے پرچم لہراتے، اور تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے سامنے سے نکل گئے۔ ابوسفیان ہر فوج کا جلال دیکھ کر مرعوب ہو ہو جاتے تھے اور عباس رضی اللہ عنہ سے ہر فوج کے بارے میں پوچھتے جاتے تھے کہ یہ کون ہیں؟ یہ کن لوگوں کا لشکر ہے؟ اس کے بعد انصار کا لشکر پر انوار آنی عجیب شان اور ایسی نرالی آن بان سے چلا کہ دیکھنے والوں کے دل دہل گئے۔ ابوسفیان نے اس فوج کی شان و شوکت سے حیران ہو کر کہا کہ اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ "انصار" ہیں ناگہاں انصار کے علمبردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جھنڈا لیے ہوئے ابوسفیان کے قریب سے گزرے اور جب ابوسفیان کو دیکھا تو بلند آواز سے کہا کہ اے ابوسفیان!

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃِ	آج گھمسان کی جنگ کا دن ہے۔
اَلْیَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْکَعْبَۃُ۔	آج کعبہ میں خونریزی حلال کر دی جائیگی۔

ابوسفیان یہ سن کر گھبرا گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے عباس! سن لو آج قریش کی ہلاکت تمہیں مبارک ہو۔ پھر ابوسفیان کو چین نہیں آیا تو پوچھا کہ بہت دیر ہوگئی۔ ابھی تک میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہیں دیکھا کہ وہ کون سے لشکر میں ہیں! اتنے میں حضور تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پرچم نبوت کے سائے

میں اپنے نورانی لشکر کے ہمراہ پیغمبرانہ جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوئے۔ ابوسفیان نے جب شہنشاہِ کونین کو دیکھا تو چلا کر کہا کہ اے حضور! کیا آپ نے سنا؟ کہ سعد بن عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ انھوں نے کیا کہا ہے؟ ابوسفیان بولے کہ انھوں نے یہ کہا ہے کہ آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا آپ نے ارشاد فرمایا کہ سعد بن عبادہ نے غلط کہا۔ آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔ آج تو کعبہ کو لباس پہنانے کا دن ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد بن عبادہ نے اتنی غلط بات کیوں کہہ دی آپ نے اُن کے ہاتھ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب ابوسفیان نے بارگاہِ رسول میں یہ شکایت کی کہ یا رسول اللہ ابھی ابھی سعد بن عبادہ یہ کہتے ہوئے گئے ہیں کہ۔

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃ۔ آج گھمسان کی لڑائی کا دن ہے۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سعد بن عبادہ نے غلط کہا بلکہ اے ابوسفیان۔

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃ۔ آج کا دن تو رحمت کا دن ہے۔

(زرقانی ج ۲ ص ۳۰۶)

پھر فاتحانہ شان و شوکت کے ساتھ بانیٔ کعبہ کے جانشین حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی سرزمین میں نزولِ اجلال فرمایا اور حکم دیا کہ میرا جھنڈا مقام "حجون" کے پاس گاڑا جائے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام فرمان جاری فرمایا کہ وہ فوجوں کے ساتھ مکہ کے بالائی حصہ یعنی "کدا" کی طرف سے مکہ میں داخل ہوں۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۱۳ باب این رکز النبی رایۃ و زرقانی ج ۲ ص ۳۰۴ تا ص ۳۰۶)

فاتحِ مکہ کا پہلا فرمان

تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی سرزمین میں قدم رکھتے ہی جو پہلا فرمان جاری فرمایا وہ یہ اعلان تھا کہ جس کے لفظ لفظ میں رحمتوں کے دریا موجیں مار رہے ہیں۔

"جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اُس کے لیے امان ہے۔
جو شخص اپنا دروازہ بند کرے گا اس کے لیے امان ہے!
جو کعبہ میں داخل ہو جائے گا اُس کے لیے امان ہے"!

اس موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ابوسفیان ایک فخر پسند آدمی ہے اس کے لیے کوئی ایسی امتیازی بات فرما دیجیے کہ اس کا سر فخر سے اونچا ہو جائے تو آپ نے فرما دیا کہ۔

"جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لیے امان ہے"!

اس کے بعد ابوسفیان مکہ میں بلند آواز سے پکار پکار کر اعلان کرنے لگا کہ اے قریش! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا بڑا لشکر لے کر آ گئے ہیں کہ اس کا مقابلہ کرنے کی کسی میں بھی طاقت نہیں ہے جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اُس کے لیے امان ہے۔ ابوسفیان کی زبان سے یہ کم ہمتی کی بات سُن کر اس کی بیوی ہند بنت عتبہ جل بھُن کر کباب ہو گئی اور طیش میں آ کر ابوسفیان کی مونچھ پکڑ لی اور چلا کر کہنے لگی کہ اے بنی کنانہ اس کم بخت کو قتل کر دو یہ کیسی بزدلی اور کم ہمتی کی بات بک رہا ہے۔ ہند کی اس چیخ و پکار کی آواز سن کر تمام بنو کنانہ کا خاندان ابوسفیان کے مکان میں جمع ہو گیا اور ابوسفیان نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس وقت غصہ اور طیش کی باتوں سے کچھ کام نہیں چل سکتا میں پورے اسلامی لشکر کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر آیا ہوں اور میں تم لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اب ہم لوگوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ یہ خیریت ہے کہ انہوں نے اعلان کر دیا ہے کہ جو ابوسفیان کے مکان میں چلا جائے اس کے لیے امان ہے۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ لوگ میرے مکان میں آ کر پناہ لے لیں۔ ابوسفیان کے خاندان والوں نے کہا کہ تیرے مکان میں بھلا کتنے انسان آ سکیں گے؟ ابوسفیان نے بتایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان لوگوں کو بھی امان دے دی ہے جو اپنے دروازے بند کر لیں۔ یا مسجد میں حرام میں داخل ہو جائیں۔ یا ہتھیار ڈال دیں۔ ابوسفیان کا یہ بیان سن کر کوئی ابوسفیان کے مکان میں چلا گیا۔ کوئی مسجد حرام کی طرف بھاگا۔ کوئی

اپنا ہتھیار زمین پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلانِ رحمت نشان یعنی مکمل امن و امان کا فرمان جاری کر دینے کے بعد ایک قطرہ خون بہنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا لیکن عکرمہ بن ابوجہل و صفوان بن امیہ و سہیل بن عمرو اور حماش بن قیس نے مقام "خندمہ" میں مختلف قبائل کے اوباش کو جمع کیا تھا۔ ان لوگوں نے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی فوج میں سے دو آدمیوں حضرت کرز بن جابر فہری اور حبیش بن اشعر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا اور اسلامی لشکر پر تیر برسانا شروع کر دیا۔ بخاری کی روایت میں انہی دو حضرات کی شہادت کا ذکر ہے مگر زرقانی وغیرہ کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ تین صحابہ کرام کو کفار قریش نے قتل کر دیا۔ دو وہ جو اوپر ذکر کیے گئے اور ایک حضرت سلمہ بن المیلاء رضی اللہ عنہ اور بارہ یا تیرہ کفار بھی مارے گئے اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۱۳ و زرقانی ج ۲ ص ۳۱۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ تلواریں چمک رہی ہیں تو آپ نے دریافت فرمایا کہ میں نے تو خالد بن الولید کو جنگ کرنے سے منع کر دیا تھا۔ پھر یہ تلواریں کیسی چل رہی ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ پہل کفار کی طرف سے ہوئی ہے۔ اس لیے لڑنے کے سوا حضرت خالد بن الولید کی فوج کے لیے کوئی چارہ کار ہی نہیں رہ گیا تھا۔ یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ قضاء الٰہی یہی تھی اور خدا نے جو چاہا وہی بہتر ہے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۱۰)

تاجدارِ دو عالم کا مکہ میں داخلہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہونے لگے تو آپ اپنی اونٹنی "قصواء" پر سوار تھے۔ ایک سیاہ رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے تھے اور بخاری میں ہے کہ آپ کے سر پر "مغفر" تھا۔ آپ کے ایک جانب حضرت ابوبکر صدیق اور دوسری جانب اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہما تھے اور آپ کے چاروں طرف جوش میں بھرا ہوا اور ہتھیاروں میں ڈوبا ہوا لشکر تھا جس کے درمیان کوکبۂ نبوی تھا

اس شان و شوکت کو دیکھ کر ابوسفیان نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے عباس! تمہارا بھتیجا تو بادشاہ ہو گیا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تیرا برا ہو اے ابوسفیان! یہ بادشاہت نہیں ہے بلکہ یہ "نبوت" ہے۔ اس شاہانہ جلوس کے جاہ و جلال کے باوجود شہنشاہِ رسالت کی شان تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ سورۂ فتح کی تلاوت فرماتے ہوئے اس طرح سر جھکائے ہوئے اونٹنی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کا سر اونٹنی کے پالان سے لگ لگ جاتا تھا۔ آپ کی یہ کیفیتِ تواضع خداوند قدوس کا شکر ادا کرنے، اور اس کی بارگاہِ عظمت میں اپنے عجز و نیاز مندی کا اظہار کرنے کے لیے تھی۔

(زرقانی ج ۲ ص۳۲ و ص۳۲۱)

مکہ میں حضور کی قیام گاہ

بخاری کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں غسل فرمایا پھر آٹھ رکعت نماز چاشت پڑھی۔ یہ نماز بہت ہی مختصر طور پر ادا فرمائی لیکن رکوع و سجدہ مکمل طور پر ادا فرماتے رہے۔

(بخاری ج ۲ ص۶۱۵ باب منزل النبی یوم الفتح)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے حضرت بی بی ام ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کیا گھر میں کچھ کھانا بھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خشک روٹی کے چند ٹکڑے ہیں۔ مجھے بڑی شرم دامنگیر ہوتی ہے کہ اس کو آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ ارشاد فرمایا کہ "لاؤ" پھر آپ نے اپنے دستِ مبارک سے ان خشک روٹیوں کو توڑا اور پانی میں بھگو کر نرم کیا۔ اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے ان روٹیوں کے سالن کے لیے نمک پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا کوئی سالن گھر میں نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرے گھر میں "سرکہ" کے سوا کچھ بھی نہیں ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ "سرکہ" لاؤ۔ آپ نے سرکہ کو روٹی پر ڈالا اور کھا کر خدا کا شکر

بجالائے پھر فرمایا کہ "سرکہ بہترین سالن ہے" اور جس گھر میں سرکہ ہوگا اُس گھر والے محتاج نہ ہوں گے۔ پھر حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے حارث بن ہشام (ابوجہل کے بھائی) اور زہیر بن اُمیہ کو امان دے دی ہے۔ لیکن میرے بھائی حضرت علی ان دونوں کو اس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں نے حضرت خالد بن الولید کی فوج سے جنگ کی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ام ہانی! جس کو تم نے امان دے دی اس کے لیے ہماری طرف سے بھی امان ہے۔

(زرقانی ج ۲ ص ۳۲۶)

بیت اللہ میں داخلہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا "حجون" میں جس کو آج کل جنۃ المعلیٰ کہتے ہیں "مسجد الفتح" کے قریب میں گاڑا گیا پھر آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اور حضرت اسامہ بن زید کو اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھا کر مسجد حرام کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ حجبی بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے مسجد حرام میں اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور کعبہ کا طواف کیا اور حجر اسود کو بوسہ دیا۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۱۴ وغیرہ)

یہ انقلاب زمانہ کی ایک حیرت انگیز مثال ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کا لقب "بت شکن" ہے۔ ان کی یادگار خانہ کعبہ کے اندرونِ حصار تین سو ساٹھ بتوں کی قطار تھی۔ فاتح مکہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خلیل کا جانشینِ جلیل ہونے کی حیثیت سے فرض اولین تھا کہ یادگارِ خلیل کو بتوں کی نجس اور گندی آلائشوں سے پاک کریں۔ چنانچہ آپ خود بنفس نفیس ایک چھڑی لے کر کھڑے ہوئے اور ان بتوں کو چھڑی کی نوک سے ٹھونکے مار مار کر گراتے جاتے تھے۔ اور جاء الحق وزھق الباطل۔ ان الباطل کان زھوقا کی آیت تلاوت فرماتے جاتے تھے۔ یعنی حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۱۴ فتح مکہ وغیرہ)

پھر ان بتوں کو جو عین کعبہ کے اندر تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ سب نکالے جائیں۔ چنانچہ وہ سب بت نکال باہر کیے گئے۔ انہی بتوں میں حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے جن کے ہاتھوں میں فال کھولنے کے تیر تھے۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو مار ڈالے۔ ان کافروں کو خوب معلوم ہے کہ ان دونوں پیغمبروں نے کبھی بھی فال نہیں کھولا۔ جب تک ایک ایک بت کعبہ کے اندر سے نہ نکل گیا۔ آپ نے کعبہ کے اندر قدم نہیں رکھا۔ جب تمام بتوں سے کعبہ پاک ہو گیا تو آپ اپنے ساتھ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ حجبی کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور بیت اللہ شریف کے تمام گوشوں میں تکبیر پڑھی اور دو رکعت نماز بھی ادا فرمائی اس کے بعد باہر تشریف لائے۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۱۸ باب من کبر فی نواحی الکعبۃ و بخاری ج ۲ ص ۶۱۴ فتح مکہ وغیرہ)

کعبہ مقدسہ کے اندر سے جب آپ باہر نکلے تو عثمان بن طلحہ کو بلا کر کعبہ کی کنجی ان کے ہاتھ میں عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ۔

خُذُوْھَا خَالِدَۃً تَالِدَۃً لَا یَنْزِعُھَا مِنْکُمْ اِلَّا ظَالِمٌ	لو یہ کنجی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تم لوگوں میں رہے گی یہ کنجی تم سے وہی چھینے گا جو ظالم ہو گا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۳۹)

شہنشاہِ رسالت کا دربارِ عام

اس کے بعد تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہنشاہِ اسلام کی حیثیت سے حرم الٰہی میں سب سے پہلا دربارِ عام منعقد فرمایا جس میں افواجِ اسلام کے علاوہ ہزاروں کفار و مشرکین کے خواص و عوام کا ایک زبردست اژدحام تھا۔ اس شہنشاہی خطبہ میں آپ نے صرف اہل مکہ ہی سے نہیں بلکہ تمام اقوامِ عالم سے خطاب عام فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ۔

"ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے

اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اس نے اپنے بندے (حضور علیہ السلام) کی مدد کی۔ اور کفار کے تمام لشکروں کو تنہا شکست دے دی۔ تمام فخر کی باتیں، تمام پرانے خونوں کا بدلہ۔ تمام پرانے خون بہا۔ اور جاہلیت کی رسمیں سب میرے پیروں کے نیچے ہیں۔ صرف کعبہ کی تولیت اور حجاج کو پانی پلانا۔ یہ دو اعزاز اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور خاندانوں کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے ہیں۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے لیے قبیلے اور خاندان بنا دیے تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کی پہچان رکھو لیکن خدا کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

بے شک اللہ نے شراب کی خرید و فروخت کو حرام فرما دیا ہے۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۱۲ مختصراً و بخاری وغیرہ)

کفارِ مکہ سے خطاب

اس کے بعد شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہزاروں کے مجمع میں ایک گہری نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ سر جھکائے، نگاہیں نیچی کیے ہوئے لرزاں و ترساں اشرافِ قریش کھڑے ہوئے ہیں۔ ان ظالموں اور جفا کاروں میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے آپ کے راستوں میں کانٹے بچھائے تھے وہ لوگ بھی تھے جو بارہا آپ پر پتھروں کی بارش کر چکے تھے وہ خونخوار بھی تھے جنہوں نے بار بار آپ پر قاتلانہ حملے کیے تھے وہ بے رحم و بے درد بھی تھے جنہوں نے آپ کے دندان مبارک کو شہید اور آپ کے

چہرہ انور کو لہولہان کر ڈالا تھا۔ وہ اوباش بھی تھے جو برسہا برس تک اپنی بہتان تراشیوں اور شرمناک گالیوں سے آپ کے قلب مبارک کو زخمی کر چکے تھے وہ سفاک و درندہ صفت بھی تھے جو آپ کے گلے میں چادر کا پھندا ڈال کر آپ کا گلا گھونٹ چکے تھے۔ وہ ظلم و ستم کے مجسمے اور پاپ کے پتلے بھی تھے جنہوں نے آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ مار کر اونٹ سے گرا دیا تھا اور ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا وہ آپ کے خون کے پیاسے بھی تھے جن کی تشنہ لبی اور پیاس خونِ نبوت کے سوا کسی چیز سے نہیں بجھ سکتی تھی وہ جفا کار و خونخوار بھی تھے جن کے جارحانہ حملوں اور ظالمانہ یلغار سے بار بار مدینہ منورہ کے در و دیوار دہل چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل، اور ان کی ناک، کان کاٹنے والے، ان کی آنکھیں پھوڑنے والے، ان کا جگر چبانے والے بھی اس مجمع میں موجود تھے وہ ستمگار جنہوں نے شمع نبوت کے جاں نثار پروانوں حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت عمار، حضرت خباب، حضرت خبیب، حضرت زید بن وثنہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کو رسیوں سے باندھ باندھ کر کوڑے مار مار کر جلتی ہوئی ریتوں پر لٹایا تھا کسی کو آگ کے دہکتے ہوئے کوئلوں پر سلایا تھا۔ کسی کو چٹائیوں میں لپیٹ لپیٹ کر ناکوں میں دھوئیں دیے تھے سیکڑوں بار گلا گھونٹا تھا۔ یہ تمام جور و جفا اور ظلم و ستمگاری کے پیکر، جن کے جسم کے رونگٹے رونگٹے اور بدن کے بال بال ظلم و عدوان اور سرکشی و طغیان کے وبال سے خوفناک جرموں اور شرمناک مظالم کے پہاڑ بن چکے تھے۔ آج یہ سب کے سب دس بارہ ہزار مہاجرین و انصار کے لشکر کی حراست میں مجرم بنے ہوئے کھڑے کانپ رہے تھے اور اپنے دلوں میں یہ سوچ رہے تھے کہ شاید آج ہماری لاشوں کو کتوں سے نچوا کر ہماری بوٹیاں چیلوں اور کوؤں کو کھلا دی جائیں گی اور انصار و مہاجرین کی غضب ناک فوجیں ہمارے بچے بچے کو خاک و خون میں ملا کر ہماری نسلوں کو نیست و نابود کر ڈالیں گی اور ہماری بستیوں کو تاخت و تاراج کر کے تہس نہس کر ڈالیں گی۔ ان مجرموں کے سینوں میں خوف و ہراس کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ دہشت اور ڈر سے ان کے

بدلوں کی بوٹی بوٹی پھڑک رہی تھی، دل دھڑک رہے تھے، کلیجے منہ میں آ گئے تھے اور عالم یاس میں انہیں زمین سے آسمان تک دھوئیں ہی دھوئیں کے خوفناک بادل نظر آ رہے تھے۔ اسی مایوسی اور ناامیدی کی خطرناک فضا میں ایک دم شہنشاہِ رسالت کی نگاہِ رحمت ان پاپیوں کی طرف متوجہ ہوئی، اور ان مجرموں سے آپ نے پوچھا کہ

"بولو! تم کو کچھ معلوم ہے؟ کہ آج میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں"!

اس دہشت انگیز اور خوفناک سوال سے مجرمین حواس باختہ ہو کر کانپ اٹھے لیکن جبین رحمت کے پیغمبرانہ تیور کو دیکھ کر امید و بیم کے محشر میں لرزتے ہوئے سب یک زبان ہو کر بولے کہ

اَخٌ کَرِیْمٌ وَّابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ — آپ کرم والے بھائی اور کرم والے باپ کے بیٹے ہیں۔

سب کی للچائی ہوئی نظریں جمالِ نبوت کا منہ تک رہی تھیں، اور سب کے کان شہنشاہِ نبوت کا فیصلہ کن جواب سننے کے منتظر تھے کہ ایک دم دفعۃً فاتح مکہ نے اپنے کریمانہ لہجے میں ارشاد فرمایا کہ

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ فَاذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ — آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

(زرقانی ج ۲ ص ۳۲۸)

بالکل غیر متوقع طور پر ایک دم اچانک یہ فرمانِ رسالت سن کر سب مجرموں کی آنکھیں فرطِ ندامت سے اشکبار ہو گئیں اور ان کے دلوں کی گہرائیوں سے جذبات شکریہ کے آثار آنسوؤں کی دھار بن کر ان کے رخسار پر مچلنے لگے اور کفار کی زبانوں پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے نعروں سے حرم کعبہ کے در و دیوار پر ہر طرف انوار کی بارش ہونے لگی، ناگہاں بالکل ہی اچانک اور دفعۃً ایک عجیب انقلاب برپا ہو گیا کہ سماں ہی بدل گیا، فضا ہی پلٹ گئی اور ایک دم ایسا محسوس ہونے لگا کہ ؎

جہاں تاریک تھا بے نور تھا، اور سخت کالا تھا
کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اُجالا تھا

کفار نے مہاجرین کی جائدادوں، مکانوں، دکانوں پر غاصبانہ قبضہ جما لیا تھا۔ اب وقت تھا کہ مہاجرین کو ان کے حقوق دلائے جاتے اور ان سب جائدادوں، مکانوں دکانوں اور سامانوں کو مکہ کے غاصبوں کے قبضوں سے واگذار کر کے مہاجرین کے سپرد کیے جاتے لیکن شہنشاہ رسالت نے مہاجرین کو حکم دے دیا کہ وہ اپنی کل جائدادیں خوشی خوشی مکہ والوں کو ہبہ کر دیں۔

اللہ اکبر! اے اقوامِ عالم کی تاریخی داستانو! بتاؤ کیا دنیا کے کسی فاتح کی کتاب زندگی میں کوئی ایسا حسین و زریں ورق ہے؟ اے دھرتی! خدا کے لیے بتا! اے آسمان! للہ بول۔ کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا فاتح گزرا ہے؟ جس نے اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسا حسن سلوک کیا ہو؟ اے چاند اور سورج کی چمکتی اور دوربین نگاہو! کیا تم نے لاکھوں برس کی گردش لیل و نہار میں کوئی ایسا تاجدار دیکھا ہے تم اس کے سوا اور کیا کہو گے؟ کہ یہ نبی جمال و جلال کا وہ بے مثال شاہکار ہے کہ شاہانِ عالم کے لیے اس کا تصور بھی محال ہے۔ اس لیے ہم تمام دنیا کو چیلنج کے ساتھ دعوتِ نظارہ دیتے ہیں کہ۔

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شان رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ دیکھے

دوسرا خطبہ

فتح مکہ کے دوسرے دن بھی آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں حرم کعبہ کے احکام و آداب کی تعلیم دی۔ کہ حرم میں کسی کا خون بہانا۔ جانوروں کا مارنا۔ شکار کرنا۔ درخت کاٹنا۔ اذخر کے سوا کوئی گھاس کاٹنا حرام ہے اور اللہ نے گھڑی بھر کے لیے اپنے رسول کو حرم میں جنگ کرنے کی اجازت دی پھر قیامت تک کے لیے کسی کو حرم میں جنگ کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ نے اس کو حرم بنا دیا ہے۔ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس شہر میں خونریزی حلال کی گئی نہ میرے

بعد قیامت تک کسی کے لیے حلال کی جائے گی۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۱۷ فتح مکہ)

انصار کو فراقِ رسول کا ڈر

انصار نے قریش کے ساتھ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کریمانہ حسین سلوک کو دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دنوں تک مکہ میں ٹھہر گئے تو انصار کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی قوم اور وطن کی محبت غالب آگئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ مکہ میں اقامت فرمالیں۔ اور ہم لوگ آپ سے دور ہو جائیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے اس خیال کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ معاذاللہ! اے انصار!

اَلْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ۔ اب تو ہماری زندگی اور وفات تمہارے ہی ساتھ ہے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۱۶)

یہ سن کر فرط مسرت سے انصار کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور سب نے کہا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم لوگوں نے جو کچھ دل میں خیال کیا یا زبان سے کہا اس کا سبب آپ کی ذاتِ مقدسہ کے ساتھ ہمارا جذبہ عشق ہے کیونکہ آپ کی جدائی کا تصور ہمارے لیے ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔

(زرقانی ج ۲ ص ۳۳۳ و سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۱۶)

کعبہ کی چھت پر اذان

جب نماز کا وقت آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں۔ جس وقت اللہ اکبر اللہ اکبر کی ایمان افروز صدا بلند ہوئی تو حرم کے حصار اور کعبہ کے در و دیوار پر ایمانی زندگی کے آثار نمودار ہو گئے۔ مگر مکہ کے وہ نو مسلم جو ابھی کچھ ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ اذان کی آواز سن کر ان کے دلوں میں غیرت کی آگ پھر بھڑک اٹھی۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عتاب بن اسید نے کہا کہ خدا نے میرے باپ کی لاج رکھ لی۔ کہ اس آواز کو سننے سے پہلے ہی اس کو

دنیا سے اٹھا لیا اور ایک دوسرے سردارِ قریش کے منہ سے نکلا کہ "اب جینا بے کار ہے"۔ (اصابہ تذکرہ عتاب بن اُسید ج ۲ ص۴۵۱ و زرقانی ج ۲ ص۳۴۶)

مگر اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کے دل میں نورِ ایمان کا سورج چمک اٹھا اور وہ صادق الایمان مسلمان بن گئے۔ چنانچہ مکہ سے روانہ ہوتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو مکہ کا حاکم بنا دیا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص۴۱۳ و ص۴۴۰)

بیعتِ اسلام

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا کی پہاڑی کے نیچے ایک بلند مقام پر بیٹھے اور لوگ جوق در جوق آکر آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام کی بیعت کرنے لگے۔ مردوں کی بیعت ختم ہو چکی تو عورتوں کی باری آئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر بیعت کرنے والی عورت سے جب وہ تمام شرائط کا اقرار کر لیتی تو آپ اس سے فرما دیتے تھے کہ "قد بایعتکِ" میں نے تجھ سے بیعت لے لی حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! آپ کے ہاتھ نے بیعت کے وقت کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ صرف کلام ہی سے بیعت فرما لیتے تھے۔ (بخاری ج ۱ ص۳۷۵ کتاب الشروط)

انہی عورتوں میں نقاب اوڑھ کر ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بھی بیعت کے لیے آئیں جو حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ یہ وہی ہند ہیں جنہوں نے جنگ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا شکم چاک کر کے ان کے جگر کو نکال کر چبا ڈالا تھا۔ اور اُن کے کان ناک کو کاٹ کر اور آنکھ کو نکال کر ایک دھاگہ میں پرو کر گلے کا ہار بنایا تھا جب یہ بیعت کے لیے آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت دلیری کے ساتھ گفتگو کی۔ ان کا مکالمہ حسب ذیل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	:	تم خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا
ہند بنت عتبہ		یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا

	لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	چوری مت کرنا۔
ہند بنت عتبہ	میں اپنے شوہر (ابو سفیان) کے مال میں سے کچھ لے لیا کرتی ہوں۔ معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔
ہند بنت عتبہ	ہم نے تو بچوں کو پالا تھا اور جب وہ بڑے ہو گئے تو آپ نے جنگ بدر میں ان کو مار ڈالا۔ اب آپ جانیں اور وہ جانیں

(طبری ج ۳ صہ ۶۴۳ مختصراً)

بہر حال حضرت ابو سفیان اور ان کی بیوی ہند بنت عتبہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ (رضی اللہ عنہما) لہٰذا ان دونوں کے بارے میں بدگمانی یا ان دونوں کی شان میں بدزبانی روافض کا مذہب ہے۔ اہل سنت کے نزدیک ان دونوں کا شمار صحابہ اور صحابیات کی فہرست میں ہے۔

ابتداء میں گو ان دونوں کے ایمان میں کچھ تذبذب رہا ہو مگر بعد میں یہ دونوں صادق الایمان مسلمان ہو گئے اور ایمان ہی پر ان دونوں کا خاتمہ ہوا (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہند بنت عتبہ بارگاہِ نبوت میں آئیں اور یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! روئے زمین پر آپ کے گھر والوں سے زیادہ کسی گھر والے کا ذلیل ہونا مجھے محبوب نہ تھا مگر اب میرا یہ حال ہے کہ روئے زمین پر آپ کے گھر والوں سے زیادہ کسی گھر والے کا عزت دار ہونا مجھے پسند نہیں۔ (بخاری ج ا صہ ۵۳۹ باب ذکر ہند بنت عتبہ)

اسی طرح حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں محدث ابن عساکر کی ایک

روایت ہے کہ یہ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے نکلے تو انہوں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ کون سی طاقت ان کے پاس ایسی ہے کہ یہ ہم پر غالب رہتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل میں چھپے ہوئے خیال کو جان لیا اور قریب آکر آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ ہم خدا کی طاقت سے غالب آجاتے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے بلند آواز سے کہا کہ "میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں" اور محدث حاکم اور ان کے شاگرد امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ "کاش میں ایک فوج جمع کر کے دوبارہ ان سے جنگ کرتا" ادھر ان کے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ "اگر تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل و خوار کر دے گا" یہ سن کر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ توبہ و استغفار کرنے لگے اور عرض کیا کہ مجھے اس وقت آپ کی نبوت کا یقین حاصل ہو گیا کیونکہ آپ نے میرے دل میں چھپے ہوئے خیال کو جان لیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۴۶)

یہ بھی روایت ہے کہ جب سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسلام پیش فرمایا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ "پھر میں اپنے معبود عزیٰ کو کیا کروں گا؟" تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برجستہ فرمایا تھا کہ "تم عزیٰ پر پاخانہ پھر دینا" چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عزیٰ کو توڑنے کے لیے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تو ساتھ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا۔ اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے معبود عزیٰ کو توڑ ڈالا۔ یہ محمد بن اسحٰق کی روایت ہے اور ابن ہشام کی روایت یہ ہے کہ عزیٰ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے توڑا تھا واللہ اعلم۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۴۹)

☆☆☆

بت پرستی کا خاتمہ

گزشتہ اوراق میں ہم تحریر کر چکے کہ خانۂ کعبہ کے تمام بتوں اور دیواروں کی تصاویر کو توڑ پھوڑ کر اور مٹا کر مکہ کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستی کی لعنت سے پاک کر ہی دیا تھا۔ لیکن مکہ کے اطراف میں بھی بت پرستی کے چند مراکز تھے یعنی لات، مناۃ، سواع، عزیٰ یہ چند بڑے بڑے بت تھے جو مختلف قبائل کے معبود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے لشکروں کو بھیج کر ان سب بتوں کو توڑ پھوڑ کر بت پرستی کے سارے طلسم کو تہس نہس کر دیا اور مکہ نیز اس کے اطراف و جوانب کے تمام بتوں کو نیست و نابود کر دیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۴۴ تا ص ۳۴۹)

اس طرح بانیٔ کعبہ حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مورث اعلیٰ کے مشن کو مکمل فرما دیا اور در حقیقت فتح مکہ کا سب سے بڑا یہی مقصد تھا کہ شرک و بت پرستی کا خاتمہ اور توحید خداوندی کا بول بالا ہو جائے۔ چنانچہ یہ عظیم مقصد بحمدہٖ تعالیٰ بدرجۂ اتم حاصل ہو گیا کہ ؎

آنجا کہ بود نعرہ کفار و مشرکاں

اکنوں خروش نعرہ اللہ اکبر است

چند ناقابل معافی مجرمین

جب مکہ فتح ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان فرما دیا۔ مگر چند ایسے مجرمین تھے جن کے بارے میں تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمان جاری فرما دیا کہ یہ لوگ اگر اسلام نہ قبول کریں تو یہ لوگ جہاں بھی ملیں قتل کر دیے جائیں خواہ وہ غلافِ کعبہ ہی میں کیوں نہ چھپے ہوں۔ ان مجرموں میں سے بعض نے تو اسلام قبول کر لیا اور بعض قتل ہو گئے۔ ان میں سے چند کا مختصر تذکرہ تحریر کیا جاتا ہے۔

۱۔ عبد العزیٰ بن خطل: یہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے جانور وصول کرنے کے لیے بھیجا اور ساتھ میں ایک دوسرے مسلمان کو بھی بھیج دیا۔ کسی بات پر دونوں میں تکرار ہو گئی تو اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا۔ اور

قصاص کے ڈر سے تمام جانوروں کو لے کر مکہ بھاگ نکلا اور مرتد ہو گیا۔ فتح مکہ کے دن یہ بھی ایک نیزہ لے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ لیکن مسلم افواج کا جلال دیکھ کر کانپ اٹھا اور نیزہ پھینک کر بھاگا۔ اور کعبہ کے پردوں میں چھپ گیا۔ حضرت سعید بن حریث مخزومی اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہما نے مل کر اس کو قتل کر دیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۲۲)

۲۔ "حویرث بن نقید" یہ شاعر تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو لکھا کرتا تھا اور خونی مجرم بھی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

۳۔ "مقیس بن صبابہ" اس کو نمیلہ بن عبداللہ نے قتل کیا۔ یہ بھی خونی تھا۔

۴۔ حارث بن طلاطلہ" یہ بھی بڑا ہی موذی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

۵۔ "قریبہ" یہ ابن خطل کی لونڈی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو گایا کرتی تھی یہ بھی قتل کی گئی۔

مکہ سے فرار ہو جانے والے

چار اشخاص مکہ سے بھاگ نکلے تھے ان لوگوں کا مختصر تذکرہ یہ ہے۔

۱۔ "عکرمہ بن ابی جہل" یہ ابو جہل کے بیٹے ہیں۔ اس لیے ان کی اسلام دشمنی کا کیا کہنا؟ یہ بھاگ کر یمن چلے گئے لیکن ان کی بیوی "ام حکیم" جو ابو جہل کی بھتیجی تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے شوہر عکرمہ کے لیے بارگاہِ رسالت میں معافی کی درخواست پیش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا۔ ام حکیم خود یمن گئیں اور معافی کا حال بیان کیا۔ عکرمہ حیران رہ گئے اور انتہائی تعجب کے ساتھ کہا کہ کیا مجھ کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے معاف کر دیا؟ بہر حال اپنی بیوی کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں مسلمان ہو کر حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو دیکھا تو بے حد خوش ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم اطہر سے چادر گر پڑی۔ پھر حضرت عکرمہ نے خوشی خوشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست

پر بیعت اسلام کی ۔ (موطا امام مالک کتاب النکاح وغیرہ)

۲۔ "صفوان بن اُمیہ" یہ اُمیہ بن خلف کے فرزند ہیں۔ اپنے باپ اُمیہ ہی کی طرح یہ بھی اسلام کے بہت بڑے دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن بھاگ کر جدہ چلے گئے۔ حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں ان کی سفارش پیش کی۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قریش کا ایک رئیس صفوان مکہ سے جلا وطن ہوا چاہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی معافی عطا فرما دی۔ اور امان کے نشان کے طور پر حضرت عمیر کو اپنا عمامہ عنایت فرمایا۔ چنانچہ وہ مقدس عمامہ لے کر "جدہ" گئے اور صفوان کو مکہ لے کر آئے صفوان جنگ حنین تک مسلمان نہیں ہوئے۔ لیکن اس کے بعد اسلام قبول کر لیا۔

(طبری ج ۳ ص ۱۶۴۵)

۳۔ "کعب بن زہیر" یہ ۹ھ میں اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ آکر مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اپنا مشہور قصیدہ "بانت سعاد" پڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر ان کو اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چادر مبارک حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور سلطنت میں ان کو دس ہزار درہم پیش کیا کہ یہ مقدس چادر ہمیں دے دو مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چادر مبارک ہرگز ہرگز کسی کو نہیں دے سکتا لیکن آخر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اُن کے وارثوں کو بیس ہزار درہم دے کر وہ چادر لے لی اور عرصہ دراز تک وہ چادر سلاطین اسلام کے پاس ایک مقدس تبرک بن کر باقی رہی۔

(مدارج ج ۲ ص ۳۲۵)

۴۔ "وحشی" یہی وہ وحشی ہیں جنہوں نے جنگ اُحد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ یہ بھی فتح مکہ کے دن بھاگ کر طائف

چلے گئے تھے مگر پھر طائف کے ایک وفد کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زبان سے اپنے چچا کے قتل کی خونی داستان سنی اور رنج وغم میں ڈوب گئے مگر ان کو بھی آپ نے معاف فرما دیا۔ لیکن یہ فرمایا کہ وحشی! تم میرے سامنے نہ آیا کرو۔ حضرت وحشی کو اس کا بے حد ملال رہتا تھا۔ پھر جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں مسیلمۃ الکذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور لشکرِ اسلام نے اس ملعون سے جہاد کیا تو حضرت وحشی بھی اپنا نیزہ لے کر جہاد میں شامل ہوئے اور مسیلمۃ الکذاب کو قتل کر دیا۔ حضرت وحشی اپنی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ قَتَلْتُ خَیْرَ النَّاسِ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَقَتَلْتُ شَرَّ النَّاسِ فِی الْاِسْلَامِ۔ یعنی میں نے دورِ جاہلیت میں بہترین انسان (حضرت حمزہ) کو قتل کیا اور اپنے دورِ اسلام میں بدترین آدمی (مسیلمۃ الکذاب) کو قتل کیا انہوں نے دربارِ اقدس میں اپنے جرائم کا اعتراف کر کے عرض کیا کہ کیا خدا مجھ جیسے مجرم کو بھی بخش دے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۔ (زمر)

یعنی اے حبیب! آپ فرما دیجیے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر حد سے زیادہ گناہ کر لیا ہے۔ اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو جاؤ۔ اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ وہ یقیناً بڑا بخشنے والا اور بہت مہربان ہے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۰۲)

مکہ کا انتظام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا نظم ونسق، اور انتظام چلانے کے لیے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا حاکم مقرر فرما دیا اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور فرمایا کہ وہ نو مسلموں کو مسائل و احکام اسلام کی تعلیم دیتے رہیں۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۲۴)

اس میں اختلاف ہے کہ فتح کے بعد کتنے دنوں تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قیام فرمایا۔ ابو داؤد کی روایت ہے کہ سترہ دن تک آپ مکہ میں مقیم رہے اور ترمذی کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ اٹھارہ دن آپ کا قیام رہا۔ لیکن امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انیس ۱۹ دن آپ مکہ میں ٹھہرے۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۱۵)

ان تینوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ ابو داؤد کی روایت میں مکہ میں داخل ہونے اور مکہ سے روانگی کے دونوں دنوں کو شمار نہیں کیا ہے اس لیے سترہ دنوں مدت اقامت بتائی ہے اور ترمذی کی روایت میں مکہ میں آنے کے دن کو تو شمار کر لیا۔ کیونکہ آپ صبح کو مکہ میں داخل ہوئے تھے اور مکہ سے روانگی کے دن کو شمار نہیں کیا۔ کیونکہ آپ صبح سویرے ہی مکہ سے حنین کے لیے روانہ ہو گئے تھے اور امام بخاری کی روایت میں آنے اور جانے کے دونوں دنوں کو بھی شمار کر لیا گیا ہے۔ اس لیے اُنیس دن آپ مکہ میں مقیم رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اسی طرح اس میں بڑا اختلاف ہے کہ مکہ کونسی تاریخ میں فتح ہوا؟ اور آپ کس تاریخ کو مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے؟ امام بیہقی نے ۱۳ ر رمضان۔ امام مسلم نے ۱۶ ر رمضان۔ امام احمد نے ۱۸ ر رمضان بتایا۔ اور بعض روایات میں ۱۷ ر رمضان اور ۱۸ ر رمضان بھی مروی ہے۔ مگر محمد بن اسحٰق نے اپنے مشائخ کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ۲۰ ر رمضان ۸ھ کو مکہ فتح ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(زرقانی ج ۲ ص ۲۹۹)

جنگِ حنین

"حنین" مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ تاریخ اسلام میں اس جنگ کا دوسرا نام "غزوہ ہوازن" بھی ہے۔ اس لیے کہ اس لڑائی میں "بنی ہوازن" سے مقابلہ تھا۔

فتح مکہ کے بعد عام طور سے تمام عرب کے لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے کیونکہ ان میں اکثر وہ لوگ تھے جو اسلام کی حقانیت کا پورا پورا یقین رکھنے کے

باوجود قریش کے ڈر سے مسلمان ہونے میں توقف کر رہے تھے اور فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر چونکہ عرب کے دلوں میں کعبہ کا بے حد احترام تھا اور ان کا اعتقاد تھا کہ کعبہ پر کسی باطل پرست کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ کو فتح کر لیا تو عرب کے بچے بچے کو اسلام کی حقانیت کا پورا پورا یقین ہو گیا اور وہ سب کے سب جوق در جوق بلکہ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے۔ باقی ماندہ عرب کی بھی ہمت نہ رہی کہ اب اسلام کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھا سکیں۔

لیکن مقام حنین میں "ہوازن" اور "ثقیف" نام کے دو قبیلے آباد تھے جو بہت ہی جنگجو اور فنونِ جنگ سے واقف تھے۔ ان لوگوں پر فتح مکہ کا الٹا اثر پڑا۔ ان لوگوں پر غیرت سوار ہو گئی اور ان لوگوں نے یہ خیال قائم کر لیا کہ فتح مکہ کے بعد ہماری باری ہے اس لیے ان لوگوں نے یہ طے کر لیا کہ مسلمانوں پر جو اس وقت مکہ میں جمع ہیں ایک زبردست حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کے لیے بھیجا۔ جب انہوں نے وہاں سے واپس آ کر ان قبائل کی جنگی تیاریوں کا حال بیان کیا اور بتایا کہ قبیلۂ ہوازن اور ثقیف نے اپنے تمام قبائل کو جمع کر لیا ہے اور قبیلۂ ہوازن کا رئیس اعظم مالک بن عوف ان تمام افواج کا سپہ سالار ہے اور سو برس سے زائد عمر کا بوڑھا "درید بن الصمہ" جو عرب کا مشہور شاعر اور مانا ہوا بہادر تھا، بطور مشیر کے میدانِ جنگ میں لایا گیا ہے اور یہ لوگ اپنی عورتوں، بچوں بلکہ جانوروں تک کو میدانِ جنگ میں لائے ہیں تاکہ کوئی سپاہی میدان سے بھاگنے کا خیال بھی نہ کر سکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شوال ۸ھ میں بارہ ہزار کا لشکر جمع فرمایا۔ دس ہزار تو مہاجرین و انصار وغیرہ کا وہ لشکر تھا جو مدینہ سے آپ کے ساتھ آیا تھا۔ اور دو ہزار نو مسلم تھے جو فتح مکہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ آپ نے اس لشکر کو

ساتھ لے کر اس شان و شوکت کے ساتھ حنین کا رخ کیا کہ اسلامی افواج کی کثرت اور اس کے جاہ و جلال کو دیکھ کر بے اختیار بعض صحابہ کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا کہ۔

"آج بھلا ہم پر کون غالب آسکتا ہے!"

لیکن خداوند عالم کو صحابہ کرام کا اپنی فوجوں کی کثرت پر ناز کرنا پسند نہیں آیا چنانچہ اس فخر و نازش کا یہ انجام ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں قبیلہ ہوازن و ثقیف کے تیر اندازوں نے جو تیروں کی بارش کی اور ہزاروں کی تعداد میں تلواریں لے کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے تو وہ دو ہزار نو مسلم اور کفارِ مکہ جو لشکرِ اسلام میں شامل ہو کر مکہ سے آئے تھے ایک دم سر پر پیر رکھ کر بھاگ نکلے۔ ان لوگوں کی بھگدڑ دیکھ کر انصار و مہاجرین کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ حضور تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو گنتی کے چند جاں نثاروں کے سوا سب فرار ہو چکے تھے۔ تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ بارہ ہزار کا لشکر فرار ہو چکا تھا مگر خدا کے رسول کے پائے استقامت میں بال برابر بھی لغزش نہیں ہوئی۔ بلکہ آپ اکیلے ایک لشکر بلکہ ایک عالمِ کائنات کا مجموعہ بنے ہوئے نہ صرف پہاڑ کی طرح ڈٹے رہے بلکہ اپنے سفید خچر پر سوار برابر آگے ہی بڑھتے رہے۔ اور آپ کی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے کہ۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ　　　　اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب

میں نبی ہوں۔ یہ جھوٹ نہیں ہے۔　　　　میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

اسی حالت میں آپ نے داہنی طرف دیکھ کر بلند آواز سے پکارا کہ **یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ**۔ فوراً آواز آئی کہ "ہم حاضر ہیں۔ یا رسول اللہ" پھر بائیں جانب رخ کر کے فرمایا کہ "**یَا لَلْمُهَاجِرِیْنَ**" فوراً آواز آئی کہ "ہم حاضر ہیں یا رسول اللہ!" حضرت عباس رضی اللہ عنہ چونکہ بہت ہی بلند آواز تھے۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ انصار و مہاجرین کو پکاریں۔ انہوں نے جو "**یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ**" اور **یَا لَلْمُهَاجِرِیْن** کا نعرہ مارا تو ایک دم تمام فوجیں پلٹ پڑیں اور لوگ اس قدر تیزی کے ساتھ دوڑ پڑے کہ جن لوگوں کے گھوڑے اژدحام کی وجہ سے نہ مڑ سکے انہوں نے ہلکا ہونے کے لیے

اپنی زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود کود کر دوڑے اور کفار کے لشکر پر جھپٹ پڑے اور اس طرح جانبازی کے ساتھ لڑنے لگے کہ دم زدن میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ کفار بھاگ نکلے، کچھ قتل ہو گئے جو رہ گئے گرفتار ہو گئے۔ قبیلہ ثقیف کی فوجیں بڑی بہادری کے ساتھ جم کر مسلمانوں سے لڑتی رہیں۔ یہاں تک کہ ان کے ستر بہادر کٹ گئے لیکن جب ان کا علمبردار عثمان بن عبداللہ قتل ہو گیا تو ان کے پاؤں بھی اکھڑ گئے اور فتح مبین نے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کا بوسہ لیا اور کثیر تعداد و مقدار میں مال غنیمت ہاتھ آیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۲۱ غزوۃ الطائف)

یہی وہ مضمون ہے جس کو قرآن حکیم نے نہایت مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے کہ

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ	اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت
كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا	پر نازاں تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی
وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ	اور زمین اتنی وسیع ہونے کے باوجود
بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم	تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے
مُّدْبِرِينَ ۞ ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ	پھر اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول
سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى	اور مسلمانوں پر اور ایسے لشکروں کو اتار دیا
الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا	جو تمہیں نظر نہیں آئے اور کافروں کو عذاب
لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ	دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔
كَفَرُوا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ	(توبہ)

حنین میں شکست کھا کر کفار کی فوجیں بھاگ کر کچھ تو "اوطاس" میں جمع ہو گئیں اور کچھ "طائف" کے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئیں۔ اس لیے کفار کی فوجوں کو مکمل طور پر شکست دینے کے لیے "اوطاس" اور "طائف" پر بھی حملہ کرنا ضروری ہو گیا۔

جنگ اوطاس

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں تھوڑی سی فوج "اوطاس" کی طرف بھیج دی۔ درید بن الصمہ کئی ہزار کی فوج لے کر نکلا۔ درید بن الصمہ کے بیٹے نے

حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کے زانو پر ایک تیر مارا حضرت ابو عامر اشعری، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ اپنے چچا کو زخمی دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ دوڑ کر اپنے چچا کے پاس آئے۔ اور پوچھا کہ چچا جان! آپ کو کس نے تیر مارا ہے؟ تو حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے اشارہ سے بتایا کہ وہ شخص میرا قاتل ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ جوش میں بھرے ہوئے اُس کافر کو قتل کرنے کے لیے دوڑے تو وہ بھاگ نکلا۔ مگر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کا پیچھا کیا اور یہ کہہ کر کہ اے او۔ بھاگنے والے کیا تجھ کو شرم اور غیرت نہیں آتی؟ جب اُس کافر نے یہ گرم گرم طعنہ سنا تو ٹھہر گیا پھر دونوں میں تلوار کے دو دو ہاتھ ہوئے، اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے آخر اس کو قتل کر کے دم لیا۔ پھر اپنے چچا کے پاس آئے اور خوشخبری سنائی کہ چچا جان! خدا نے آپ کے قاتل کا کام تمام کر دیا۔ پھر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا کے زانو سے وہ تیر کھینچ کر نکالا تو چونکہ زہر میں بجھایا ہوا تھا اس لیے زخم سے بجائے خون کے پانی بہنے لگا۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو فوج کا سپہ سالار بنایا۔ اور یہ وصیت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دینا اور میرے لیے دعا کی درخواست کرنا۔ یہ وصیت کی اور ان کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب اس جنگ سے فارغ ہو کر میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور اپنے چچا کا سلام اور پیغام پہنچایا تو اُس وقت تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بان کی چارپائی پر تشریف فرما تھے اور آپ کی پشت مبارک اور پہلوئے اقدس میں بان کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ آپ نے پانی منگا کر وضو فرمایا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا اونچا اٹھایا کہ میں نے آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی دیکھ لی اور اس طرح آپ نے دعا مانگی کہ "یا اللہ" تو ابو عامر کو قیامت کے دن بہت سے انسانوں سے زیادہ بلند مرتبہ بنا دے۔" یہ کرم دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لیے بھی دعا فرما دیجئے تو یہ دعا فرمائی کہ "یا اللہ! تو

عبداللہ بن قیس کے گناہوں کو بخش دے اور اس کو قیامت کے دن عزت والی جگہ میں داخل فرما۔ عبداللہ بن قیس حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔

(بخاری ج ۲ صہ ۶۱۹ غزوہ اوطاس)

بہر کیف حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے درید بن الصمہ کے بیٹے کو قتل کر دیا اور اسلامی علم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا درید بن الصمہ بڑھاپے کی وجہ سے ایک ہودج پر سوار تھا۔ اس کو حضرت ربیعہ بن رُفیع رضی اللہ عنہ نے خود اُسی کی تلوار سے قتل کر دیا اس کے بعد کفار کی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیا۔ اور سب گرفتار ہو گئے۔ ان قیدیوں میں جن کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت "شیما" رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ حضرت بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔ جب لوگوں نے ان کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے نبی کی بہن ہوں۔ مسلمان ان کو شناخت کے لیے بارگاہِ نبوت میں لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہچان لیا اور جوشِ محبت میں آپ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور آپ نے اپنی چادر مبارک زمین پر بچھا کر ان کو بٹھایا اور کچھ اونٹ کچھ بکریاں ان کو دے کر فرمایا کہ تم آزاد ہو۔ اگر تمہارا جی چاہے تو میرے گھر پر چل کر رہو۔ اور اگر اپنے گھر جانا چاہو تو میں تم کو وہاں پہنچا دوں۔ انہوں نے اپنے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی تو نہایت ہی عزت و احترام کے ساتھ وہ ان کے قبیلے میں پہنچا دی گئیں۔ (طبری ج ۳ صہ ۲۶۸)

طائف کا محاصرہ

یہ تحریر کیا جا چکا ہے کہ حنین سے بھاگنے والی کفار کی فوجیں کچھ تو اوطاس میں جا کر ٹھہری تھیں۔ اور کچھ طائف کے قلعہ میں جا کر پناہ گزیں ہو گئی تھیں اوطاس کی فوجیں تو آپ پڑھ چکے کہ وہ شکست کھا کر ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گئیں اور سب گرفتار ہو گئیں۔ لیکن طائف میں پناہ لینے والوں سے بھی جنگ ضروری تھی۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین اور اوطاس کے اموالِ غنیمت اور قیدیوں کو "مقام جعرانہ" میں جمع کر کے طائف کا رُخ فرمایا۔

طائف خود ایک بہت ہی محفوظ شہر تھا جس کے چاروں طرف شہر پناہ کی دیوار

بنی ہوئی تھی۔ اور یہاں ایک بہت ہی مضبوط قلعہ بھی تھا۔ یہاں کا رئیس اعظم عروہ بن مسعود ثقفی تھا جو ابو سفیان کا داماد تھا۔ یہاں ثقیف کا جو خاندان آباد تھا وہ عزت و شرافت میں قریش کا ہم پلہ شمار کیا جاتا تھا۔ کفار کی تمام فوجیں سال بھر کا راشن لے کر طائف کے قلعہ میں پناہ گزیں ہو گئی تھیں۔ اسلامی افواج نے طائف پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا مگر قلعہ کے اندر سے کفار نے اس زور و شور کے ساتھ تیروں کی بارش شروع کر دی کہ لشکر اسلام اس کی تاب نہ لا سکا اور مجبوراً اس کو پسپا ہونا پڑا۔ اٹھارہ دن تک شہر کا محاصرہ جاری رہا مگر طائف فتح نہیں ہو سکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنگ کے ماہروں سے مشورہ فرمایا تو حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ!

"لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر کوشش جاری رہی تو پکڑ لی جائے گی۔ لیکن اگر چھوڑ دی جائے تو بھی اس سے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔"

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دے دیا۔

(زرقانی ج ۳ ص ۳۳)

طائف کے محاصرہ میں بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور کل بارہ اصحاب شہید ہوئے سات قریش، چار انصار، اور ایک شخص بنی لیث کے۔ زخمیوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما بھی تھے یہ ایک تیر سے زخمی ہو گئے تھے۔ پھر اچھے بھی ہو گئے، لیکن ایک مدت کے بعد پھر ان کا زخم پھٹ گیا اور اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسی زخم سے ان کی وفات ہو گئی۔ (زرقانی ج ۳ ص ۳۰)

طائف کی مسجد

یہ مسجد جس کو حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا تھا۔ ایک تاریخی مسجد ہے اس جنگ طائف میں ازواج مطہرات میں سے دو ساتھ تھیں۔ حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما ان دونوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خیمے گاڑے تھے اور جب تک طائف کا محاصرہ رہا آپ ان

دونوں خیموں کے درمیان میں نمازیں پڑھتے رہے۔ جب بعد میں قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان لوگوں نے اسی جگہ پر مسجد بنالی۔ (زرقانی ج ۳ ص ۱۳)

جنگ طائف میں بت شکنی

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا ارادہ فرمایا تو حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا کہ وہ "ذوالکفین" کے بت خانہ کو برباد کر دیں۔ یہاں عمرو بن حممہ دوسی کا بت تھا جو لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے وہاں جا کر بت خانہ کو منہدم کر دیا اور بت کو جلا دیا۔ بت کو جلاتے وقت وہ ان اشعار کو پڑھتے جاتے تھے۔

يَا ذَا الْكَفَّيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَ

اے ذوالکفین! میں تیرا بندہ نہیں ہوں

مِيلَادُنَا أَكْبَرُ مِنْ مِيلَادِكَ

میری پیدائش تیری پیدائش سے بڑی ہے

اِنِّیْ حَشَوْتُ النَّارَ فِیْ فُؤَادِكَ

میں نے تیرے دل میں آگ لگا دی ہے

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ چار دن میں اس مہم سے فارغ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس طائف میں پہنچ گئے یہ "ذوالکفین" سے قلعہ توڑنے کے آلات منجنیق وغیرہ بھی لائے تھے۔ چنانچہ اسلام میں سب سے پہلی یہی منجنیق ہے جو طائف کا قلعہ توڑنے کے لیے لگائی گئی۔ مگر کفار کی فوجوں نے تیر اندازی کے ساتھ ساتھ گرم گرم لوہے کی سلاخیں پھینکنی شروع کر دیں اس وجہ سے قلعہ توڑنے میں کامیابی نہ ہو سکی۔ (زرقانی ج ۳ ص ۳۱)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ طائف کے اطراف میں جو جا بجا ثقیف کے بت خانے ہیں ان سب کو منہدم کر دیں۔ چنانچہ آپ نے ان سب بتوں اور بت خانوں کو توڑ پھوڑ کر مسمار و برباد کر دیا۔ اور جب لوٹ کر

خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور بہت دیر تک ان سے تنہائی میں گفتگو فرماتے رہے جس سے لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۱۸)

طائف سے روانگی کے وقت صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ قبیلہ ثقیف کے کفار کے لیے ہلاکت کی دعا فرما دیجیے تو آپ نے دعا مانگی کہ۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَّاْتِ بِھِمْ — یا اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس پہنچا دے۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۰۷)

چنانچہ آپ کی یہ دعا مقبول ہوئی کہ قبیلہ ثقیف کا وفد مدینہ پہنچا اور پورا قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

طائف سے محاصرہ اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم "جعرانہ" تشریف لائے۔ یہاں اموالِ غنیمت کا بہت بڑا ذخیرہ جمع تھا۔ چوبیس ہزار اونٹ۔ چالیس ہزار سے زائد بکریاں، کئی من چاندی، اور چھ ہزار قیدی۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۸۸ و زرقانی)

اسیرانِ جنگ کے بارے میں آپ نے ان کے رشتہ داروں کے آنے کا انتظار فرمایا لیکن کئی دن گزرنے کے باوجود جب کوئی نہ آیا تو آپ نے مالِ غنیمت کو تقسیم فرما دینے کا حکم دے دیا۔ مکہ اور اس کے اطراف کے نومسلم رئیسوں کو آپ نے بڑے بڑے انعاموں سے نوازا۔ یہاں تک کہ کسی کو تین سو اونٹ کسی کو دو سو اونٹ، کسی کو سو اونٹ انعام کے طور پر عطا فرما دیا۔ اسی طرح بکریوں کو بھی نہایت فیاضی کے ساتھ تقسیم فرمایا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۸۹)

انصاریوں سے خطاب

جن لوگوں کو آپ نے بڑے بڑے انعامات سے نوازا وہ عموماً مکہ والے نومسلم تھے۔ اس پر بعض نوجوان انصاریوں نے کہا کہ۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو اس قدر عطا فرما رہے ہیں اور ہم

لوگوں کا کچھ بھی خیال نہیں فرما رہے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے۔ (بخاری ج ۲ صفحہ ۶۲۰ غزوۂ طائف)

اور انصار کے کچھ نوجوانوں نے آپس میں یہ بھی کہا اور اپنی دل شکنی کا اظہار کیا کہ جب شدید جنگ کا موقع ہوتا ہے تو ہم انصاریوں کو پکارا جاتا ہے اور غنیمت دوسرے لوگوں کو دی جارہی ہے۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۲۱ غزوۂ طائف)

آپ نے جب یہ چرچا سنا تو تمام انصاریوں کو ایک خیمہ میں جمع فرمایا اور اُن سے ارشاد فرمایا کہ اے انصار! کیا تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے سرداروں میں سے کسی نے بھی کچھ نہیں کہا ہے۔ ہاں چند نئی عمر کے لڑکوں نے ضرور کچھ کہہ دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ۔

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے میرے ذریعہ سے خدا نے تم کو ہدایت دی تم متفرق اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق و اتحاد پیدا فرمایا، تم مفلس تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو غنی بنا دیا۔ (بخاری ج ۲ صفحہ ۶۲۰ غزوۂ طائف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے جاتے تھے، اور انصار آپ کے ہر جملہ کو سُن کر یہ کہتے جاتے تھے کہ۔

"اللہ اور رسول کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے"

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے انصار! تم لوگ یوں مت کہو، بلکہ مجھ کو یہ جواب دو کہ۔

یارسول اللہ! جب لوگوں نے آپ کو جھٹلایا تو ہم لوگوں نے آپ کی تصدیق کی، جب لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا تو ہم لوگوں نے آپ کو ٹھکانا دیا، جب آپ بے سروسامانی کی حالت میں آئے تو ہم نے ہر طرح سے آپ کی

خدمت کی لیکن اے انصاریو! میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں، تم مجھے اس کا جواب دو۔

سوال یہ ہے کہ:۔

کیا تم لوگوں کو یہ پسند نہیں کہ سب لوگ یہاں سے مال و دولت لے کر اپنے گھر جائیں اور تم لوگ اللہ کے نبی کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔ خدا کی قسم! تم لوگ جس چیز کو لے کر اپنے گھر جاؤ گے وہ اس مال و دولت سے بہت بڑھ کر ہے جس کو وہ لوگ لے کر اپنے گھر جائیں گے۔

یہ سن کر انصار بے اختیار چیخ پڑے کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس پر راضی ہیں، ہم کو صرف اللہ کا رسول چاہیے اور اکثر انصار کا تو یہ حال ہو گیا کہ وہ روتے روتے بے قرار ہو گئے اور آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ پھر آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ بالکل ہی نو مسلم ہیں۔ میں نے ان لوگوں کو جو کچھ دیا ہے یہ ان کے استحقاق کی بنا پر نہیں ہے بلکہ صرف ان کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنے کی غرض سے دیا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ:۔

اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ہوتا اور اگر تمام لوگ کسی وادی اور گھاٹی میں چلیں اور انصار کسی دوسری وادی اور گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی وادی اور گھاٹی میں چلوں گا۔

(بخاری ج ۲ ص۶۲۰ و ص۶۲۱ غزوۂ طائف)

قیدیوں کی رہائی

آپ جب اموالِ غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو چکے تو قبیلہ بنی سعد کے رئیس زہیر ابو صرد چند معززین کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسیرانِ جنگ کی رہائی کے بارے میں درخواست پیش کی۔ اس موقع پر زہیر ابو صرد نے ایک بہت مؤثر تقریر کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے ہمارے خاندان کی ایک عورت حلیمہ کا دودھ پیا ہے۔ آپ نے جن عورتوں کو ان چھپروں میں قید کر رکھا ہے

ان میں سے بہت سی آپ کی (رضاعی) پھوپھیاں اور بہت سی آپ کی خالائیں ہیں۔ خدا کی قسم! اگر عرب کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ نے ہمارے خاندان کی کسی عورت کا دودھ پیا ہوتا تو ہم کو اُس سے بہت زیادہ اُمیدیں ہوتیں اور آپ سے تو اور بھی زیادہ ہماری توقعات وابستہ ہیں۔ لہٰذا آپ ان سب قیدیوں کو رہا کر دیجیے۔

زہیر کی تقریر سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ متاثر ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں کا بہت زیادہ انتظار کیا مگر آپ لوگوں نے آنے میں بہت زیادہ دیر لگا دی۔ بہرکیف میرے خاندان والوں کے حصہ میں جس قدر لونڈی غلام آئے ہیں میں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ لیکن اب عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے وقت جب مجمع ہو تو آپ لوگ اپنی درخواست سب کے سامنے پیش کریں۔ چنانچہ نماز ظہر کے وقت ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کے سامنے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھ کو صرف اپنے خاندان والوں پر اختیار ہے لیکن میں تمام مسلمانوں سے سفارش کرتا ہوں کہ قیدیوں کو رہا کر دیا جائے یہ سن کر تمام انصار و مہاجرین اور دوسرے تمام مجاہدین نے بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا حصہ بھی حاضر ہے۔ آپ ان لوگوں کو بھی آزاد فرما دیں۔ اس طرح دفعۃً چھ ہزار اسیرانِ جنگ کی رہائی ہو گئی۔ (سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۴۸۸ و ص ۴۸۹)

بخاری شریف کی روایت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس دنوں تک "ہوازن" کے وفد کا انتظار فرماتے رہے جب وہ لوگ نہ آئے تو آپ نے مال غنیمت، اور قیدیوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ اس کے بعد جب "ہوازن" کا وفد آیا اور انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر کے یہ درخواست پیش کی کہ ہمارے مال اور قیدیوں کو واپس کر دیا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سچی بات ہی پسند ہے۔ لہٰذا سن لو! کہ مال اور قیدی دونوں کو تو میں واپس نہیں کر سکتا۔ ہاں ان دونوں میں سے ایک کو تم اختیار کر لو۔ یا مال لے لو۔ یا قیدی۔ یہ سُن کر وفد نے قیدیوں

کو واپس لینا منظور کیا۔ اس کے بعد آپ نے فوج کے سامنے ایک خطبہ پڑھا اور حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ۔

اے مسلمانو! یہ تمہارے بھائی تائب ہو کر آ گئے ہیں اور میری یہ رائے ہے کہ میں ان کے قیدیوں کو واپس کر دوں تو تم میں سے جو خوشی خوشی اس کو منظور کرے وہ اپنے حصہ کے قیدیوں کو واپس کر دے اور جو یہ چاہے کہ ان قیدیوں کے بدلے میں دوسرے قیدیوں کو لے کر ان کو واپس کرے تو میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ مجھے جو غنیمت عطا فرمائے گا میں اُس میں سے اس کا حصہ دوں گا۔ یہ سن کر ساری فوج نے کہہ دیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سب نے خوشی خوشی سب قیدیوں کو واپس کر دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح پتا نہیں چلتا کہ کس نے اجازت دی اور کس نے نہیں دی؟ لہٰذا تم لوگ اپنے اپنے چودھریوں کے ذریعہ مجھے خبر دو۔ چنانچہ ہر قبیلہ کے چودھریوں نے دربارِ رسالت میں آ کر عرض کر دیا کہ ہمارے قبیلہ والوں نے خوش دلی کے ساتھ اپنے حصہ کے قیدیوں کو واپس کر دیا ہے۔

(بخاری ج ۱ ص ۳۴۵ باب من ملک من العرب و بخاری ج ۲ ص ۳۰۹ باب الوکالۃ فی قضاء الدیون و بخاری ج ۲ ص ۶۱۸)

غیب داں رسول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے وفد سے دریافت فرمایا کہ مالک بن عوف کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ وہ "ثقیف" کے ساتھ طائف میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ مالک بن عوف کو خبر کر دو کہ اگر وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آ جائے تو میں اس کا سارا مال اس کو واپس دے دوں گا۔ اس کے علاوہ اس کو ایک سو اونٹ اور بھی دوں گا مالک بن عوف کو جب یہ خبر ملی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلمان ہو کر حاضر ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کل مال ان کے سپرد فرما دیا

اور وعدہ کے مطابق ایک سو اونٹ اس کے علاوہ بھی عنایت فرمائے۔ مالک بن عوف آپ کے اس خلقِ عظیم سے بے حد متاثر ہوئے اور آپ کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا جس کے دو شعر یہ ہیں۔

مَا اِنْ رَاَیْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِوَاحِدٍ
فِی النَّاسِ کُلِّھِمْ کَمِثْلِ مُحَمَّدٍ
اَوْفٰی فَاَعْطٰی لِلْجَزِیْلِ لِمُجْتَدٍ
وَمَتٰی تَشَاْ یُخْبِرْکَ عَمَّا فِیْ غَدٍ

یعنی تمام انسانوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل نہ میں نے دیکھا نہ سنا جو سب سے زیادہ وعدہ کو پورا کرنے والے اور سب سے زیادہ مال کثیر عطا فرمانے والے ہیں اور جب تم چاہو ان سے پوچھ لو وہ کل آئندہ کی خبر تم کو بتا دیں گے۔

روایت ہے کہ نعت کے یہ اشعار سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے خوش ہو گئے۔ اور ان کے لیے کلماتِ خیر فرماتے ہوئے انہیں بطور انعام ایک حلہ بھی عنایت فرمایا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۴ صہ ۴۹۱ و مدارج ج ۲ صہ ۳۲۴)

عمرۂ جعرانہ

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ ہی سے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور احرام باندھ کر مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد پھر مدینہ واپس تشریف لے گئے اور ذوالقعدہ ۸ھ کو مدینہ میں داخل ہوئے

۸ھ کے متفرق واقعات

(۱) اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے پیدا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے پناہ محبت تھی۔ تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں ان کی وفات ہو گئی۔

اتفاق سے جس دن ان کی وفات ہوئی سورج گرہن ہوا۔ چونکہ عربوں کا عقیدہ تھا کہ کسی عظیم الشان انسان کی موت پر سورج گرہن لگتا ہے۔ اس لیے لوگوں نے یہ خیال

کر لیا کہ یہ سورج گرہن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کا نتیجہ ہے۔ جاہلیت کے اس عقیدہ کو دور فرمانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

چاند اور سورج میں کسی کی موت وحیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اپنے بندوں کو خوف دلاتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے نمازِ کسوف جماعت کے ساتھ پڑھی۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۴۲ ابواب الکسوف)

۲۔ اسی سال حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ یہ صاحبزادی صاحبہ حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کی منکوحہ تھیں۔ انہوں نے ایک فرزند جن کا نام "علی" تھا۔ اور ایک لڑکی جن کا نام "اُمامہ" تھا۔ اپنے بعد چھوڑا۔ حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد آپ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کریں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت پر عمل کیا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۲۵)

۳۔ اسی سال مدینہ میں غلہ کی گرانی بہت زیادہ بڑھ گئی تو صحابہ کرام نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ غلہ کا بھاؤ مقرر فرما دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ کی قیمت پر کنٹرول فرمانے سے انکار فرما دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ۔	اللہ ہی بھاؤ مقرر فرمانے والا ہے وہی روزی کو تنگ کرنے والا، کشادہ کرنے والا، روزی رساں ہے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۲۵)

۴۔ بعض مورخین کے بقول اسی سال مسجد نبوی میں منبر شریف رکھا گیا۔ اس سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے اور بعض

مورخین کا قول ہے کہ منبر ۸ھ میں رکھا گیا۔ یہ منبر لکڑی کا بنا ہوا تھا جو ایک انصاری عورت نے بنوا کر مسجد میں رکھوایا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ میں اس منبر کو تبرکاً ملک شام لے جاؤں مگر انہوں نے جب اس کو اس کی جگہ سے ہٹایا تو اچانک سارے شہر میں ایسا اندھیرا چھا گیا کہ دن میں تارے نظر آنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بہت شرمندہ ہوئے اور صحابہ کرام سے معذرت خواہ ہوئے اور انہوں نے اس منبر کے نیچے تین سیڑھیوں کا اضافہ کر دیا۔ جس سے منبر نبوی کی تینوں پرانی سیڑھیاں اوپر ہو گئیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین جن سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔ اب دوسرا کوئی خطیب ان پر قدم نہ رکھے۔ جب یہ منبر بہت زیادہ پرانا ہو کر انتہائی کمزور ہو گیا تو خلفاء عباسیہ نے بھی اس کی مرمت کرائی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۳۲۷)

۵۔ اسی سال قبیلہ عبدالقیس کا وفد حاضر خدمت ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو خوش آمدید کہا۔ اور ان لوگوں کے حق میں یوں دعا فرمائی کہ "اے اللہ تو عبدالقیس کو بخش دے" جب یہ لوگ بارگاہِ رسالت میں پہنچے تو اپنی سواریوں سے کود کر دوڑ پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس قدم کو چومنے لگے اور آپ نے ان لوگوں کو منع نہیں فرمایا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۳۳)

چودھواں باب

ہجرت کا نواں سال

۹ ھ

۹ ھ بہت سے واقعات عجیبہ سے لبریز ہے۔ لیکن چند واقعات بہت ہی اہم ہیں جن کو مورخین نے بہت ہی بسط و تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ہم ان واقعات کو اپنی مختصر کتاب میں نہایت ہی اختصار کے ساتھ الگ الگ عنوانوں کے ساتھ قلمبند کرتے ہیں۔

آیت تخییر و ایلاء

"تخییر" اور "ایلاء" یہ شریعت کے دو اصطلاحی الفاظ ہیں شوہر اپنی بیوی کو اپنی طرف سے یہ اختیار دے دے کہ وہ چاہے تو طلاق لے لے اور چاہے تو اپنے شوہر ہی کے نکاح میں رہ جائے اس کو "تخییر" کہتے ہیں۔ اور "ایلاء" یہ ہے کہ شوہر یہ قسم کھائے کہ میں اپنی بیوی سے صحبت نہیں کروں گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنی ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ایک مہینہ کا "ایلاء" فرمایا۔ یعنی آپ نے یہ قسم کھائی کہ میں ایک ماہ تک اپنی ازواج مقدسہ سے صحبت نہیں کروں گا۔ پھر اس کے بعد آپ نے اپنی تمام مقدس بیویوں کو طلاق حاصل کرنے کا اختیار بھی سونپ دیا۔ مگر کسی نے بھی طلاق لینا پسند نہیں کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور عتاب کا سبب کیا تھا اور آپ نے "تخییر و ایلاء" کیوں فرمایا؟ اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس بیویاں تقریباً سب مالدار اور بڑے گھرانوں کی لڑکیاں تھیں "حضرت ام حبیبہ" رضی اللہ عنہا رئیس مکہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ "حضرت جویریہ" رضی اللہ عنہا قبیلہ بنی المصطلق کے سردار اعظم حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ "حضرت صفیہ" رضی اللہ عنہا

بنو نضیر اور خیبر کے رئیس اعظم حیی بن اخطب کی نورِ نظر تھیں۔ حضرت عائشہ" رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پیاری بیٹی تھیں۔ "حضرت حفصہ" رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ کی چہیتی صاحبزادی تھیں۔ حضرت زینب بنت جحش اور حضرت "ام سلمہ" رضی اللہ عنہا بھی خاندان قریش کے اونچے اونچے گھروں کی ناز و نعمت میں پلی ہوئی لڑکیاں تھیں۔ ظاہر ہے کہ یہ امیر زادیاں بچپن سے امیرانہ زندگی اور رئیسانہ ماحول کی عادی تھیں اور ان کا رہن سہن، خورد و نوش، لباس و پوشاک سب کچھ امیر زادیوں کی رئیسانہ زندگی کا آئینہ دار تھا اور تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی بالکل ہی زاہدانہ اور دنیاوی تکلفات سے یکسر بے گانہ تھی۔ دو دو مہینے کا شانۂ نبوت میں چولھا نہیں جلتا تھا۔ صرف کھجور اور پانی پر پورے گھرانے کی زندگی بسر ہوتی تھی۔ لباس و پوشاک میں بھی پیغمبرانہ زندگی کی جھلک تھی مکان اور گھر کے ساز و سامان میں بھی نبوت کی سادگی نمایاں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سرمایہ کا اکثر و بیشتر حصہ اپنی امت کے غربا و فقراء پر صرف فرما دیتے تھے اور اپنی ازواج مطہرات کو بقدر ضرورت ہی خرچ عطا فرماتے تھے جو ان رئیس زادیوں کے حسب خواہ زیب و زینت اور آرائش و زیبائش کے لیے کافی نہیں ہوتا تھا اس لیے کبھی کبھی ان امت کی ماؤں کا پیمانۂ صبر و قناعت لبریز ہو کر چھلک جاتا تھا اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید رقموں کا مطالبہ اور تقاضا کرنے لگتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے متفقہ طور پر آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ ہمارے اخراجات میں اضافہ فرمائیں۔ ازواجِ مطہرات کی یہ ادائیں نبوت کے قلب نازک پر بار گزریں اور آپ کے سکونِ خاطر میں اس قدر مخل انداز ہوئیں کہ آپ نے برہم ہو کر یہ قسم کھالی کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے۔ اس طرح ایک ماہ کا آپ نے "ایلا" فرمالیا۔

عجیب اتفاق کہ انہی ایام میں آپ گھوڑے سے گر پڑے جس سے آپ کی مبارک پنڈلی میں موچ آگئی۔ اس تکلیف کی وجہ سے آپ نے بالاخانہ پر گوشہ نشینی اختیار فرمالی اور سب سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔

صحابہ کرام نے واقعات کے قرینوں سے یہ قیاس آرائی کر لی کہ آپ نے اپنی تمام مقدس بیویوں کو طلاق دے دی اور یہ خبر جو بالکل ہی غلط تھی بجلی کی طرح پھیل گئی۔ اور تمام صحابہ کرام رنج و غم سے پریشان حال اور اس صدمۂ جانکاہ سے نڈھال ہونے لگے

اس کے بعد جو واقعات پیش آئے وہ بخاری شریف کی متعدد روایات میں مفصل طور پر مذکور ہیں۔ ان واقعات کا بیان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے سنیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اور میرا ایک پڑوسی جو انصاری تھا۔ ہم دونوں نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ ہم دونوں ایک ایک دن باری باری سے بارگاہِ رسالت میں حاضری دیا کریں گے اور دن بھر کے واقعات سے ایک دوسرے کو مطلع کرتے رہیں گے۔ ایک دن کچھ رات گزرنے کے بعد میرا پڑوسی انصاری آیا۔ اور زور زور سے میرا دروازہ پیٹنے اور چلا چلا کر مجھے پکارنے لگا۔ میں نے گھبرا کر دروازہ کھولا تو اس نے کہا کہ آج غضب ہو گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا غسانیوں نے مدینہ پر حملہ کر دیا؟ (ان دنوں شام کے غسانی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے) انصاری نے جواب دیا کہ اجی اس سے بھی بڑھ کر حادثہ رونما ہو گیا۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام بیویوں کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس خبر سے بے حد متوحش ہو گیا اور علی الصباح میں نے مدینہ پہنچ کر مسجد نبوی میں نماز فجر ادا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوتے ہی بالاخانہ پر جا کر تنہا تشریف فرما ہو گئے اور کسی سے کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ میں مسجد سے نکل کر اپنی بیٹی حفصہ کے گھر گیا تو دیکھا کہ وہ بیٹھی رو رہی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں نے پہلے ہی تم کو سمجھا دیا تھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ مت کیا کرو اور تمہارے اخراجات میں جو کمی ہوا کرے وہ مجھ سے مانگ لیا کرو مگر تم نے میری بات پر دھیان نہیں دیا۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبھوں کو طلاق دے دی ہے؟ حفصہ نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاخانہ پر ہیں آپ ان سے دریافت کریں۔ میں وہاں سے اٹھ کر مسجد میں آیا تو صحابہ کرام کو بھی دیکھا

کہ وہ منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں ان کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا۔ لیکن میری طبیعت میں سکون و قرار نہیں تھا۔ اس لیے میں اٹھ کر بالاخانہ کے پاس آیا۔ اور پہرہ دار غلام "رباح" سے کہا کہ تم میرے لیے اندر آنے کی اجازت طلب کرو۔ رباح نے لوٹ کر جواب دیا کہ میں نے عرض کر دیا۔ لیکن آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میری الجھن اور بے تابی اور زیادہ بڑھ گئی اور میں نے دربان سے دوبارہ اجازت طلب کرنے کی درخواست کی پھر بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ تو میں نے بلند آواز سے کہا کہ اے رباح! تم میرا نام لے کر اجازت طلب کرو۔ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہو کہ میں اپنی بیٹی حفصہ کے لیے کوئی سفارش لے کر آیا ہوں۔ تم عرض کر دو کہ خدا کی قسم! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم فرمائیں تو میں ابھی ابھی اپنی تلوار سے اپنی بیٹی حفصہ کی گردن اڑا دوں۔ اس کے بعد مجھ کو اجازت مل گئی جب میں بارگاہِ رسالت میں باریاب ہوا تو میری آنکھوں نے یہ منظر دیکھا کہ آپ ایک کھری بان کی چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور آپ کے جسم نازک پر بان کے نشان پڑے ہوئے ہیں پھر میں نے نظر اٹھا کر ادھر اُدھر دیکھا تو ایک طرف تھوڑے سے "جو" رکھے ہوئے تھے اور ایک طرف ایک کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خزانہ کی یہ کائنات دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے رونے کا سبب پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بڑھ کر رونے کا اور کونسا موقع ہو گا؟ کہ قیصر و کسریٰ خدا کے دشمن تو نعمتوں میں ڈوبے ہوئے عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور آپ خدا کے رسول معظم ہوتے ہوئے اس حالت میں ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں اور ہم آخرت! اس کے بعد میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مانوس کرنے کے لیے کچھ اور بھی گفتگو کی۔ یہاں تک کہ میری بات سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لب انور پر تبسم کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اس وقت میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کیا آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ "نہیں"، مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ فرطِ مسرت سے میں نے تکبیر کا نعرہ مارا۔ پھر میں یہ گزارش کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کرام مسجد میں غم کے مارے بیٹھے رو رہے ہیں اگر اجازت ہو تو میں جا کر ان لوگوں کو مطلع کر دوں کہ طلاق کی خبر سراسر غلط ہے۔ چنانچہ مجھے اس کی اجازت مل گئی اور میں نے جب آ کر صحابہ کرام کو اس کی خبر دی تو سب لوگ خوش ہو کر ہشاش بشاش ہو گئے اور سب کو سکون و اطمینان حاصل ہو گیا۔

جب ایک مہینہ گزر گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم پوری ہو گئی تو آپ بالاخانہ سے اترائے اس کے بعد ہی آیت تخییر نازل ہوئی جو یہ ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ	اے نبی! اپنی بیویوں سے فرما دیجیے کہ
اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا	اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش
وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ	چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں
وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ○	اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ
وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر
وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ	چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تمہاری
	نیکی والیوں کے لیے بہت بڑا اجر
اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ	تیار کر رکھا ہے۔
مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ○	(احزاب)

ان آیات بینات کا ماحصل اور خلاصہ مطلب یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند قدوس نے یہ حکم دیا کہ آپ اپنی مقدس بیویوں کو مطلع فرما دیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں۔ ایک دنیا کی زینت و آرائش دوسری آخرت کی نعمت۔ اگر تم دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہو تو پیغمبر کی زندگی چونکہ بالکل ہی زاہدانہ زندگی ہے اس لیے پیغمبر کے گھر میں تمہیں یہ دنیاوی زینت و آرائش تمہاری مرضی کے مطابق نہیں مل سکتی لہٰذا تم سب مجھ سے جدائی حاصل کر لو میں تمہیں رخصتی کا جوڑا پہنا کر اور کچھ مال دے کر

رخصت کر دوں گا۔ اور اگر تم خدا و رسول اور آخرت کی نعمتوں کی طلب گار ہو تو پھر رسولِ خدا کے دامنِ رحمت سے چمٹی رہو۔ خدا نے تم نیکو کاروں کے لیے بہت ہی بڑا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے جو تم کو آخرت میں ملے گا۔

(بخاری کتاب الطلاق کتاب العلم، کتاب اللباس، باب موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجہا)

اس آیت کے نزول کے بعد سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک بات رکھتا ہوں مگر تم اس کے جواب میں جلدی مت کرنا۔ اور اپنے والدین سے مشورہ کر کے مجھے جواب دینا۔ اس کے بعد آپ نے مذکورہ بالا تخییر کی آیت تلاوت فرما کر ان کو سنائی تو انہوں نے برجستہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ!

فَفِیْ اَیِّ هٰذَا اَسْتَامِرُ	اس معاملہ میں بھلا میں کیا اپنے والدین
اَبَوَیَّ فَاِنِّیْ اُرِیْدُ اللّٰهَ	سے مشورہ کروں؟ میں اللہ اور اس کے
وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ	رسول اور دار آخرت کے گھر کو چاہتی ہوں۔
الْاٰخِرَةَ۔	(بخاری ج ۲ ص ۷۹۲ باب من خیر نساءہ)

پھر آپ نے یکے بعد دیگرے تمام ازواج مطہرات سے الگ الگ آیت تخییر سنا سنا کر سب کو اختیار دیا اور سب نے وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا تھا۔

اللہ اکبر! یہ واقعہ اس بات کی آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے کہ ازواج مطہرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے کس قدر عاشقانہ شیفتگی اور والہانہ محبت تھی کہ کئی کئی سوکنوں کی موجودگی اور خانۂ نبوت کی سادہ اور زاہدانہ طرزِ معاشرت اور تنگی ترشی کی زندگی کے باوجود یہ رئیس زادیاں ایک لمحہ کے لیے بھی رسول کے دامنِ رحمت سے جدائی گوارا نہیں کر سکتی تھیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

احادیث کی روایتوں اور تفسیروں میں "ایلاء" آیت "تخییر" اور حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما کا

"مظاہرہ" ان واقعات کو عام طور پر الگ الگ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا یہ مختلف زمانوں کے مختلف واقعات ہیں۔ اس سے ایک کم علم و کم فہم اور ظاہر بین انسان کو یہ دھوکہ ہو سکتا ہے کہ شاید رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کے تعلقات خوشگوار نہ تھے اور کبھی "ایلاء" کبھی "تخییر" کبھی "مظاہرہ" ہمیشہ ایک نہ ایک جھگڑا ہی رہتا تھا لیکن اہل علم پر مخفی نہیں کہ یہ تینوں واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف کی چند روایات خصوصاً بخاری کتاب النکاح باب موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجہا) میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جو مفصل روایت ہے۔ اس میں صاف طور پر یہ تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلاء کرنا اور ازواج مطہرات سے الگ ہو کر بالاخانہ پر تنہا نشینی کر لینا، حضرت عائشہ و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کا مظاہرہ کرنا، آیتِ تخییر کا نازل ہونا، یہ سب واقعات ایک دوسرے سے منسلک اور جڑے ہوئے ہیں اور ایک ہی وقت میں یہ سب واقع ہوئے ہیں۔

ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کے خوشگوار تعلقات جس عاشقانہ الفت و محبت کے آئینہ دار رہے ہیں، قیامت تک اس کی مثال نہیں مل سکتی ورغبت کی مقدس زندگی کے بے شمار واقعات اس الفت و محبت کے تعلقات پر گواہ ہیں۔ جو احادیث و سیرت کی کتابوں میں آسمان کے ستاروں کی طرح چمکتے، اور داستانِ عشق و محبت کے چمنستانوں میں موسم بہار کے پھولوں کی طرح مہکتے ہیں

اللهم صل على سيدنا محمد وعلى آله واصحابه و ازواجه الطاهرات امهات المومنين ابد الآبدين برحمتك يا ارحم الراحمين۔

عاملوں کا تقرر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ محرم کے مہینے میں زکوٰۃ و صدقات کی وصولی کے لیے عاملوں اور محصلوں کو مختلف قبائل میں روانہ فرمایا۔ ان امراء و عاملین کی فہرست میں مندرجہ ذیل حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جن کو ابن سعد نے ذکر فرمایا ہے۔

(۱) حضرت عُیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کو	بنی تمیم	کی طرف
(۲) حضرت یزید بن حصین رضی اللہ عنہ کو	اسلم و غفار	"
(۳) حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو	سلیم و مزینہ	"
(۴) حضرت رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ کو	جہینہ	"
(۵) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو	بنی فزارہ	"
(۶) حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کو	بنی کلاب	"
(۷) حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ کو	بنی کعب	
(۸) حضرت ابن اللتبیہ رضی اللہ عنہ کو	بنی ذبیان	"
(۹) حضرت مہاجر بن اُمیہ (ابی) رضی اللہ عنہ کو	صنعاء	"
(۱۰) حضرت زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ کو	حضر موت	"
(۱۱) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو	قبیلہ طی و بنی اسعد	"
(۱۲) حضرت مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ کو	بنی حنظلہ	"
(۱۳) حضرت زبرقان رضی اللہ عنہ کو	بنی سعد کے نصف حصہ	"
(۱۴) حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کو	"	"
(۱۵) حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو	بحرین	کی طرف
(۱۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو	نجران	"

یہ حضور شہنشاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمراء اور عاملین ہیں۔ جن کو آپ نے زکوٰۃ و صدقات اور جزیہ وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ (اصح السیر صہ ۳۳۵)

بنی تمیم کا وفد

محرم ۹ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ کو بنی خزاعہ کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے صدقات وصول کرکے جمع کیا کہ ناگہاں اُن پر بنی تمیم نے حملہ کر دیا وہ اپنی جان بچا کر کسی طرح مدینہ آ گئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی تمیم کی سرکوبی کے لیے حضرت عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ کو پچاس سوار دل کے

ساتھ بھیجا۔ انہوں نے بنی تمیم پر ان کے صحرا میں حملہ کر کے ان کے گیارہ مردوں، اکیس عورتوں، اور تیس لڑکوں کو گرفتار کر لیا۔ اور ان سب قیدیوں کو مدینہ لائے۔

(زرقانی ج ۳ ص ۴۳)

اس کے بعد بنی تمیم کا ایک وفد مدینہ آیا جس میں اس قبیلے کے بڑے بڑے سردار تھے اور ان کا رئیس اعظم اقرع بن حابس اور ان کا خطیب "عطارد" اور شاعر "زبرقان بن بدر" بھی اس وفد میں ساتھ آئے تھے۔ یہ لوگ دندناتے ہوئے کاشانہ نبوت کے پاس پہنچ گئے اور چلانے لگے کہ آپ نے ہماری عورتوں اور بچوں کو کس جرم میں گرفتار کر رکھا ہے۔ اس وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں قیلولہ فرما رہے تھے۔ ہر چند حضرت بلال اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں کو منع کیا کہ تم لوگ کاشانہ نبوی کے پاس شور نہ مچاؤ۔ نماز ظہر کے لیے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لانے والے ہیں۔ مگر یہ لوگ ایک نہ مانے شور مچاتے ہی رہے جب آپ باہر تشریف لا کر مسجد نبوی میں رونق افروز ہوئے تو بنی تمیم کا رئیس اعظم اقرع بن حابس بولا کر۔

اے محمد! ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم گفتگو کریں۔ کیونکہ ہم وہ لوگ ہیں کہ جس کی مدح کر دیں وہ مزین ہو جاتا ہے اور ہم لوگ جس کی مذمت کر دیں وہ عیب سے داغدار ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ غلط کہتے ہو۔ یہ خداوند تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ اس کی مدح زینت اور اس کی مذمت داغ ہے تم لوگ یہ کہو کہ تمہارا مقصد کیا ہے؟ یہ سن کر بنی تمیم کہنے لگے کہ ہم اپنے خطیب اور اپنے شاعر کو لے کر یہاں آئے ہیں تاکہ ہم اپنے قابل فخر کارناموں کو بیان کریں اور آپ اپنے مفاخر کو پیش کریں۔ آپ نے فرمایا کہ نہ میں شعر و شاعری کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ نہ اس طرح کی مفاخرت کا مجھے خدا کی طرف سے حکم ملا ہے۔ میں تو خدا کا رسول ہوں مگر اس کے باوجود اگر تم یہی کرنا چاہتے ہو تو میں تیار ہوں۔ یہ سنتے ہی اقرع بن حابس

نے اپنے خطیب عطارد کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کھڑے ہو کر اپنے مفاخر اور اپنے آباء و اجداد کے مناقب پر بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ ایک دھواں دھار خطبہ پڑھا۔ آپ نے انصار کے خطیب حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کو جواب دینے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے اٹھ کر برجستہ ایسا فصیح و بلیغ اور مؤثر خطبہ دیا کہ بنی تمیم ان کے زور کلام اور مفاخر کی عظمت سن کر دنگ رہ گئے۔ اور ان کا خطیب عطارد بھی ہکا بکا ہو کر شرمندہ ہو گیا۔ پھر بنی تمیم کا شاعر "زبرقان بن بدر" اٹھا۔ اور اس نے ایک قصیدہ پڑھا۔ آپ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اشارہ فرمایا تو انہوں نے فی البدیہہ ایک ایسا مرصع اور فصاحت و بلاغت سے معمور قصیدہ پڑھ دیا کہ بنی تمیم کا شاعر الو بن گیا۔ بالآخر اقرع بن حابس کہنے لگا کہ خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو غیب سے ایسی تائید و نصرت حاصل ہو گئی ہے کہ ہر فضل و کمال ان پر ختم ہے۔ بلاشبہ ان کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔ اس لیے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے۔ اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ پھر ان لوگوں کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیدیوں کو رہا فرما دیا۔ اور یہ لوگ اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے انہی لوگوں کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی کہ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (حجرات)	بے شک وہ جو آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۲ و زرقانی ج ۳ ص ۴۲)

حاتم طائی کی بیٹی اور بیٹا مسلمان

ربیع الآخر ۹ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ایک سو پچاس سواروں کو اس لیے بھیجا کہ وہ قبیلہ "طی" کے بت خانہ کو گرا دیں۔ ان لوگوں نے شہر فلس میں پہنچ کر بت خانہ کو منہدم کر ڈالا۔ اور کچھ اونٹوں اور بکریوں کو پکڑ کر اور چند عورتوں کو گرفتار کر کے یہ لوگ مدینہ لائے۔ ان قیدیوں میں مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ حاتم طائی کا بیٹا عدی بن حاتم بھاگ کر ملک شام چلا گیا حاتم طائی کی لڑکی جب بارگاہِ رسالت میں پیش کی گئی تو اُس نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں "حاتم طائی" کی لڑکی ہوں، میرے باپ کا انتقال ہو گیا اور میرا بھائی "عدی بن حاتم" مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ میں ضعیفہ ہوں۔ آپ مجھ پر احسان کیجیے خدا آپ پر احسان کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھوڑ دیا اور سفر کے لیے ایک اونٹ بھی عنایت فرمایا۔ یہ مسلمان ہو کر اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس پہنچی اور اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق نبوت سے آگاہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ تعریف کی۔ عدی بن حاتم اپنی بہن کی زبانی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلق عظیم اور عادات کریمہ کے حالات سُن کر بے حد متاثر ہوئے اور بغیر کوئی امان طلب کیے ہوئے مدینہ حاضر ہو گئے۔ لوگوں نے بارگاہِ نبوت میں یہ خبر دی کہ عدی بن حاتم آگیا ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی کریمانہ انداز سے عدی بن حاتم کے ہاتھ کو اپنے دست رحمت میں لے لیا اور فرمایا کہ اے عدی! تم کس چیز سے بھاگے؟ کیا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہنے سے تم بھاگے؟ کیا خدا کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟ عدی بن حاتم نے کہا کہ نہیں، پھر کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے ان کے اسلام قبول کرنے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر خوشی ہوئی کہ فرطِ مسرت سے آپ کا چہرۂ انور چمکنے لگا اور آپ نے ان کو خصوصی عنایات سے نوازا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بھی اپنے باپ حاتم کی طرح بہت ہی سخی تھے۔

حضرت امام احمد ناقل ہیں کہ کسی نے ان سے ایک سو درہم کا سوال کیا تو یہ خفا ہو گئے۔ اور کہا کہ تم نے فقط ایک سو درہم ہی مجھ سے مانگا تم نہیں جانتے کہ میں حاتم کا بیٹا ہوں خدا کی قسم میں تم کو اتنی حقیر رقم نہیں دوں گا۔ یہ بہت ہی شاندار صحابی ہیں۔ خلافت صدیق اکبر میں جب بہت سے قبائل نے اپنی زکوٰۃ روک دی اور بہت سے مرتد ہو گئے یہ اُس دور میں بھی پہاڑ کی طرح اسلام پر ثابت قدم رہے اور اپنی قوم کی زکوٰۃ لاکر بارگاہِ خلافت میں پیش کی اور عراق کی فتوحات اور دوسرے اسلامی جہادوں میں مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوئے اور ۶۸ھ میں ایک سو بیس برس کی عمر پاکر وصال فرمایا اور صحاح ستہ کی ہر کتاب میں آپ کی روایت کردہ حدیثیں مذکور ہیں۔ (زرقانی ج ۳ ص ۵۳ و مدارج ج ۲ ص ۳۳۷)

غزوۂ تبوک

"تبوک" مدینہ اور شام کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ سے چودہ منزل دور ہے۔ بعض مؤرخین کا قول ہے کہ "تبوک" ایک قلعہ کا نام ہے اور بعض کا قول ہے کہ "تبوک" ایک چشمہ کا نام ہے۔ ممکن ہے یہ سب باتیں موجود ہوں!

یہ غزوہ سخت قحط کے دنوں میں ہوا۔ طویل سفر، ہوا گرم، سواری کم، کھانے پینے کی تکلیف، لشکر کی تعداد بہت زیادہ، اس لیے اس غزوہ میں مسلمانوں کو بڑی تنگی اور تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑا یہی وجہ ہے کہ اس غزوہ کو "جیش العسرۃ" (تنگ دستی کا لشکر) بھی کہتے ہیں اور چونکہ منافقوں کو اس غزوہ میں بڑی شرمندگی اور شرمساری اٹھانی پڑی تھی۔ اس وجہ سے اس کا ایک نام "غزوہ فاضحہ" (رسوا کرنے والا غزوہ) بھی ہے۔ اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ اس غزوہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رجب ۹ھ جمعرات کے دن روانہ ہوئے۔ (زرقانی ج ۳ ص ۶۳)

غزوۂ تبوک کا سبب

عرب کا غسانی خاندان جو قیصر روم کے زیر اثر ملک شام پر حکومت کرتا تھا۔ چونکہ وہ عیسائی تھا

اس لیے قیصر روم نے اس کو اپنا آلۂ کار بنا کر مدینہ پر فوج کشی کا عزم کر لیا۔ چنانچہ ملکِ شام کے جو سوداگر روغنِ زیتون بیچنے مدینہ آیا کرتے تھے۔ انہوں نے خبر دی کہ قیصر روم کی حکومت نے ملکِ شام میں بہت بڑی فوج جمع کر دی ہے اور اس فوج میں رومیوں کے علاوہ قبائل لخم و جذام اور غسان کے تمام عرب بھی شامل ہیں۔ ان خبروں کا تمام عرب میں ہر طرف چرچا تھا اور رومیوں کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی اس لیے ان خبروں کو غلط سمجھ کر نظر انداز کر دینے کی بھی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فوج کی تیاری کا حکم دے دیا۔

لیکن جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ اس وقت حجاز مقدس میں شدید قحط تھا اور بے پناہ شدت کی گرمی پڑ رہی تھی ان وجوہات سے لوگوں کو گھر سے نکلنا شاق گزر رہا تھا۔ مدینہ کے منافقین جن کے نفاق کا بھانڈا پھوٹ چکا تھا۔ وہ خود بھی فوج میں شامل ہونے سے جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود تیس ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔

مگر ان تمام مجاہدین کے لیے سواریوں اور سامانِ جنگ کا انتظام کرنا ایک بڑا ہی کٹھن مرحلہ تھا۔ کیونکہ لوگ قحط کی وجہ سے انتہائی مفلوک الحال اور پریشان تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبائل عرب سے فوجیں اور مالی امداد طلب فرمائی۔ اس طرح اسلام میں کسی کارِ خیر کے لیے چندہ کرنے کی سنت قائم ہوئی۔

فہرست چندہ دہندگان

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال اور گھر کا تمام اثاثہ یہاں تک کہ بدن کے کپڑے بھی لا کر بارگاہ نبوت میں پیش کر دیئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال اس چندہ میں دے دیا۔ منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنا نصف مال لے کر بارگاہِ اقدس میں چلے تو اپنے دل میں یہ خیال کر کے چلے تھے کہ آج میں حضرت ابوبکر صدیق سے سبقت لے جاؤں گا کیونکہ اس دن کاشانۂ فاروقی میں اتفاق سے بہت زیادہ مال تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اے عمر! کتنا مال یہاں لائے؟ اور کس قدر گھر پر چھوڑا؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آدھا مال حاضر خدمت ہے اور آدھا مال اہل وعیال کے لیے گھر میں چھوڑ دیا ہے اور جب یہی سوال اپنے یار غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ "اِدّخرتُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ" میں نے اللہ اور اس کے رسول کو اپنے گھر کا ذخیرہ بنا دیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مَا بَیْنَکُمَا مَا بَیْنَ کَلِمَتَیْکُمَا۔ تم دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا تم دونوں کے کلاموں میں فرق ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ" ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے مجاہدین کی سواری کے لیے اور ایک ہزار اشرفی فوج کے اخراجات کی مد میں اپنی آستین میں بھر کر لائے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آغوش مبارک میں بکھیر دیا۔ آپ نے ان کو قبول فرما کر یہ دعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ ارْضَ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنِّیْ عَنْہُ رَاضٍ اے اللہ تو عثمان سے راضی ہو جا کیونکہ میں اُس سے خوش ہو گیا ہوں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم دیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے گھر میں اس وقت اسی ہزار درہم تھے۔ آدھا بارگاہِ اقدس میں لایا ہوں اور آدھا گھر پر بال بچوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس میں بھی برکت دے جو تم لائے اور اُس میں بھی برکت عطا فرمائے جو تم نے گھر پر رکھا۔ اس دعاء نبوی کا یہ اثر ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بہت زیادہ مالدار ہو گئے۔

اسی طرح تمام انصار و مہاجرین نے حسب توفیق اس چندہ میں حصہ لیا۔ عورتوں نے اپنے زیورات اُتار اُتار کر بارگاہِ نبوت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

حضرت عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ نے کئی من کھجوریں دیں۔ اور حضرت ابوعقیل انصاری رضی اللہ عنہ جو بہت ہی مفلس تھے فقط ایک صاع کھجور لے کر حاضر خدمت ہوئے اور گزارش کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے دن بھر

پانی بھر کر مزدوری کی تو دو صاع کھجوریں مجھے مزدوری میں ملی ہیں۔ ایک صاع اہل و عیال کو دے دی ہے اور یہ ایک صاع حاضرِ خدمت ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا قلبِ نازک اپنے ایک مفلس جاں نثار کے اس نذرانہ خلوص سے بے حد متاثر ہوا اور آپ نے اس کھجور کو تمام مالوں کے اوپر رکھ دیا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۴۵ تا ص ۳۴۶)

فوج کی تیاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اب تک یہ طریقہ تھا کہ غزوات کے معاملہ میں بہت زیادہ رازداری کے ساتھ تیاری فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ عساکر اسلامیہ کو عین وقت تک یہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا کہ کہاں اور کس طرف جانا ہے؟ مگر جنگ تبوک کے موقع پر سب کچھ انتظام علانیہ طور پر کیا اور یہ بھی بتا دیا کہ تبوک چلنا ہے اور قیصر روم کی فوجوں سے جہاد کرنا ہے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ تیاری کر لیں۔ حضرات صحابہ کرام نے جیسا کہ لکھا جا چکا دل کھول کر چندہ دیا مگر پھر بھی پوری فوج کے لیے سواریوں کا انتظام نہ ہو سکا۔ چنانچہ بہت سے جانباز مسلمان اسی بنا پر اس جہاد میں شریک نہ ہو سکے کہ ان کے پاس سفر کا سامان نہیں تھا یہ لوگ دربارِ رسالت میں سواری طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئے مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس سواری نہیں ہے تو یہ لوگ اپنی بے سروسامانی پر اس طرح بلبلا کر روئے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آہ وزاری اور بے قراری پر رحم آگیا۔ چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ	اور نہ اُن لوگوں پر کچھ حرج ہے کہ وہ جب
لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا	(اے رسول) آپ کے پاس آئے کہ ہم کو
أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ	سواری دیجیے اور آپ نے کہا کہ میرے
تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا	پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں تو وہ
أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ	واپس گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے
(سورۃ التوبہ)	کہ افسوس ہمارے پاس خرچ نہیں ہے

تبوک کو روانگی

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کا لشکر ساتھ لے کر تبوک کے لیے روانہ ہوئے اور مدینہ کا نظم و نسق چلانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی حسرت و افسوس کے ساتھ عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر خود جہاد کے لیے تشریف لیے جا رہے ہیں تو ارشاد فرمایا کہ۔

اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَیْسَ نَبِیَّ بَعْدِیْ۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۳۳ غزوۂ تبوک)

کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر جاتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی امت بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کے لیے اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے اسی طرح میں تم کو اپنی اُمت سونپ کر جہاد کے لیے جا رہا ہوں۔

مدینہ سے چل کر مقام "ثنیۃ الوداع" میں آپ نے قیام فرمایا۔ پھر فوج کا جائزہ لیا اور فوج کا مقدمہ، میمنہ، میسرہ وغیرہ مرتب فرمایا۔ پھر وہاں سے کوچ کیا۔ منافقین قسم قسم کے جھوٹے عذر اور بہانے بنا کر رہ گئے اور مخلص مسلمانوں میں سے بھی چند حضرات رہ گئے۔ اُن میں یہ حضرات تھے۔ کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع، ابوخیثمہ، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے ابوخیثمہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما تو بعد میں جا کر شریکِ جہاد ہو گئے۔ لیکن تین اول الذکر نہیں گئے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پیچھے رہ جانے کا سبب یہ ہوا کہ ان کا گھوڑا بہت ہی کمزور اور تھکا ہوا تھا۔ انہوں نے اس کو چند دن چارہ کھلایا تاکہ وہ چنگا ہو جائے۔ جب روانہ ہوئے تو وہ پھر راستہ میں تھک گیا۔ مجبوراً وہ اپنا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر چل پڑے اور اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے (زرقانی ج ۳ ص ۷۱)

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ جانے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے مگر وہ ایک دن شدید گرمی میں کہیں باہر سے آئے تو ان کی بیوی نے چھپر میں چھڑکاؤ کر رکھا تھا تھوڑی دیر اس سایہ دار اور ٹھنڈی جگہ میں بیٹھے پھر ناگہاں ان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آگیا اپنی بیوی سے کہا کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں تو اپنی چھپر میں ٹھنڈک اور سایہ میں آرام و چین سے میٹھا رہوں اور خدا کے مقدس رسول اس دھوپ کی تمازت اور شدید لو کے تھپیڑوں میں سفر کرتے ہوئے جہاد کے لیے تشریف لے جا رہے ہوں ایک دم ان پر ایسی ایمانی غیرت سوار ہو گئی کہ توشہ کے لیے کھجور لے کر ایک اونٹ پر سوار ہو گئے اور تیزی کے ساتھ سفر کرتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ لشکر والوں نے دور سے ایک شتر سوار کو دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوخیثمہ ہوں گے۔ اسی طرح یہ بھی لشکر اسلام میں پہنچ گئے۔ (زرقانی ج ۳ ص ۷۱)

راستے میں قوم عاد و ثمود کی وہ بستیاں ملیں جو قہر الٰہی کے عذابوں سے الٹ پلٹ کر دی گئی تھیں۔ آپ نے حکم دیا کہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں خدا کا عذاب نازل ہو چکا ہے اس لیے کوئی شخص یہاں قیام نہ کرے بلکہ نہایت تیزی کے ساتھ سب لوگ یہاں سے سفر کر کے ان عذاب کی وادیوں سے جلد باہر نکل جائیں اور کوئی یہاں کا پانی نہ پیے اور نہ کسی کام میں لائے۔

اس غزوہ میں پانی کی قلت، شدید گرمی، سواریوں کی کمی سے مجاہدین نے بے حد تکلیف اٹھائی مگر منزل مقصود پر پہنچ کر ہی دم لیا۔

راستے کے چند معجزات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ سب سے الگ الگ چل رہے ہیں۔ تو ارشاد فرمایا کہ یہ سب سے الگ ہی چلیں گے اور الگ ہی زندگی گزاریں گے اور الگ ہی وفات پائیں گے۔ چنانچہ ٹھیک ایسا ہی ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کو حکم دے دیا کہ آپ "مقام ربذہ" میں رہیں آپ ربذہ میں اپنی بیوی اور غلام کے ساتھ رہنے لگے جب وفات کا وقت آیا تو

آپ نے فرمایا کہ تم دونوں مجھ کو غسل دے کر اور کفن پہنا کر راستہ میں رکھ دینا جب شتر سواروں کا پہلا گروہ میرے جنازہ کے پاس سے گزرے تو تم لوگ اس سے کہنا کہ یہ ابو ذر غفاری کا جنازہ ہے ان پر نماز پڑھ کر ان کو دفن کرنے میں ہماری مدد کرو۔ خدا کی شان کہ سب سے پہلا جو قافلہ گزرا اس میں حضرت عبد اللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے جب یہ سنا کہ یہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ ہے تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور قافلہ کو روک کر اتر پڑے اور کہا کہ بالکل سچ فرمایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ۔

"اے ابو ذر! تو تنہا چلے گا تنہا مرے گا۔ تنہا قبر سے اُٹھے گا"

پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور قافلہ والوں نے ان کو پورے اعزاز کے ساتھ دفن کیا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۵۲۴ و زرقانی ج ۳ ص ۷۴)

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ان کی بیری کے پاس کفن کے لیے کپڑا نہیں تھا تو آنے والے لوگوں میں سے ایک انصاری نے کفن کے لیے کپڑا دیا اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ہوا اڑا لے گئی

جب اسلامی لشکر مقام "حجر" میں پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی شخص اکیلا لشکر سے باہر کہیں دور نہ چلا جائے پورے لشکر نے اس حکم نبوی کی اطاعت کی مگر قبیلہ بنو ساعدہ کے دو آدمیوں نے آپ کے حکم کو نہیں مانا ایک شخص اکیلا ہی رفع حاجت کے لیے لشکر سے دور چلا گیا وہ بیٹھا ہی تھا کہ دفعتہً کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور وہ اُسی جگہ مر گیا اور دوسرا شخص اپنا اونٹ پکڑنے کے لیے اکیلا ہی لشکر سے کچھ دور چلا گیا تو ناگہاں ایک ہوا کا جھونکا آیا اور اس کو اڑا کر قبیلہ "طی" کے دونوں پہاڑوں کے درمیان پھینک دیا اور وہ ہلاک ہو گیا آپ نے ان دونوں کا انجام سُن کر فرمایا کہ کیا میں نے تم لوگوں کو منع نہیں کر دیا تھا؟

(زرقانی ج ۳ ص ۷۳)

گمشدہ اونٹنی کہاں ہے؟

ایک منزل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کہیں چلی گئی اور لوگ اس کی تلاش میں سرگرداں پھرنے لگے تو ایک منافق جس کا نام "زید بن لعیت" تھا کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور میرے پاس آسمان کی خبریں آتی ہیں مگر ان کو یہ پتا ہی نہیں ہے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ایک شخص ایسا ایسا کہتا ہے حالانکہ خدا کی قسم! اللہ تعالے کے بتا دینے سے میں خوب جانتا ہوں کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ وہ فلاں گھاٹی میں ہے اور ایک درخت میں اس کی مہار کی رسی الجھ گئی ہے۔ تم لوگ جاؤ اور اس اونٹنی کو میرے پاس لے کر آجاؤ۔ جب لوگ اس جگہ گئے تو ٹھیک ایسا ہی دیکھا کہ اسی گھاٹی میں وہ اونٹنی کھڑی ہے اور اس کی مہار ایک درخت کی شاخ میں الجھی ہوئی ہے۔

(زرقانی ج ۳ ص۷۶)

تبوک کا چشمہ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے قریب میں پہنچے تو ارشاد فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ کل تم لوگ تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے اور سورج بلند ہونے کے بعد پہنچو گے لیکن کوئی شخص وہاں پہنچے تو پانی کو ہاتھ نہ لگائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وہاں پہنچے تو جوتے کے تسمے کے برابر اس میں ایک پانی کی دھار بہہ رہی تھی۔ آپ نے اس میں سے تھوڑا سا پانی منگا کر ہاتھ منہ دھویا اور اس پانی میں کلی فرمائی۔ پھر حکم دیا کہ اس پانی کو چشمہ میں انڈیل دو۔ لوگوں نے جب اس پانی کو چشمہ میں ڈالا تو چشمہ سے زوردار پانی کی موٹی دھار بہنے لگی اور تیس ہزار کا لشکر اور تمام جانور اس چشمہ کے پانی سے سیراب ہو گئے۔

(زرقانی ج ۳ ص۷۶)

رومی لشکر ڈر گیا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں پہنچ کر لشکر کو پڑاؤ کا حکم دیا۔ مگر دور دور تک رومی لشکروں کا کوئی پتا نہیں چلا۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب رومیوں کے جاسوسوں نے قیصر کو خبر دی کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک میں آ رہے ہیں تو رومیوں کے دلوں پر اس قدر ہیبت چھا گئی کہ وہ جنگ سے ہمت ہار گئے اور اپنے گھروں سے باہر نہ نکل سکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن تبوک میں قیام فرمایا اور اطراف و جوانب میں افواجِ الٰہی کا جلال دکھا کر اور کفار کے دلوں پر اسلام کا رعب بٹھا کر مدینہ واپس تشریف لائے اور تبوک میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

اسی سفر میں "ایلہ" کا سردار جس کا نام "یوحنا" تھا۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا قبول کر لیا اور ایک سفید خچر بھی دربارِ رسالت میں نذر کیا جس کے صلہ میں تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی۔ اور اس کو ایک دستاویز تحریر فرما کر عطا فرمائی کہ وہ اپنے گرد و پیش کے سمندر سے ہر قسم کے فوائد حاصل کرتا رہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۴۸)

اسی طرح "جرباء" اور "اذرح" کے عیسائیوں نے بھی حاضرِ خدمت ہو کر جزیہ دینے پر رضامندی ظاہر کی۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک سو بیس سواروں کے ساتھ "دومۃ الجندل" کے بادشاہ "اکیدر بن عبد الملک" کی طرف روانہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ وہ رات میں نیل گائے کا شکار کر رہا ہوگا تم اس کے پاس پہنچو تو اس کو قتل مت کرنا بلکہ اس کو زندہ گرفتار کر کے میرے پاس لانا۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے چاندنی رات میں اکیدر اور اس کے بھائی حسان کو شکار کرتے ہوئے پالیا۔ حسان نے چونکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے جنگ شروع کر دی۔ اس لیے آپ نے اس کو تو قتل کر دیا مگر اکیدر کو گرفتار کر لیا اور اس شرط پر اس کو رہا کیا کہ وہ مدینہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر صلح کرے۔ چنانچہ وہ مدینہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو امان دی۔ (زرقانی ج ۳ ص ۷۵ و ص ۷۷)

اس غزوہ میں جو لوگ غیر حاضر رہے ان میں اکثر منافقین تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ واپس آئے اور مسجد نبوی میں نزول اجلال فرمایا تو منافقین قسمیں کھا کھا کر

اپنا اپنا عذر بیان کرنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا لیکن تین مخلص صحابیوں حضرت کعب بن مالک و ہلال بن امیہ و مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم کا پچاس دنوں تک آپ نے بائیکاٹ فرما دیا۔ پھر ان تینوں کی توبہ قبول ہوئی اور ان لوگوں کے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہوئی (اس کا مفصل ایک وعظ ہم نے اپنی کتاب "عرفانی تقریریں" میں لکھ دیا ہے۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۳۴ تا ص ۶۳۷ حدیث کعب بن مالک)

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ کے قریب پہنچے اور اُحد پہاڑ کو دیکھا تو فرمایا کہ۔

هٰذَا اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهٗ۔ یہ اُحد ہے۔ یہ ایسا پہاڑ ہے کہ یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں

جب آپ نے مدینہ کی سرزمین میں قدم رکھا تو عورتیں بچے اور لونڈی غلام سب استقبال کے لیے نکل پڑے اور استقبالیہ نظمیں پڑھتے ہوئے آپ کے ساتھ مسجد نبوی تک آئے جب آپ مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھ کر تشریف فرما ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا اور اہل مدینہ نے بخیر و عافیت اس دشوار گزار سفر سے آپ کی تشریف آوری پر انتہائی مسرت و شادمانی کا اظہار کیا اور ان منافقین کے بارے میں جو جھوٹے بہانے بنا کر اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے اور بارگاہ نبوت میں قسمیں کھا کھا کر عذر پیش کر رہے تھے قہر و غضب میں بھری ہوئی قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوئیں۔ اور ان منافقوں کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا۔

ذوالبجادین کی قبر

غزوۂ تبوک میں بجز ایک حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کے نہ کسی صحابی کی شہادت ہوئی نہ وفات۔ حضرت ذوالبجادین کون تھے؟ اور ان کی وفات اور دفن کا کیسا منظر تھا؟ یہ ایک بہت ہی ذوق آفریں اور لذیذ حکایت ہے یہ قبیلہ مزینہ کے ایک یتیم تھے اور اپنے چچا کی پرورش میں تھے۔ جب یہ سن شعور کو پہنچے اور اسلام کا چرچا سنا تو ان کے دل میں بت پرستی

سے نفرت اور اسلام قبول کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ مگر ان کا چچا بہت ہی کٹر کافر تھا۔ اس کے خوف سے یہ اسلام قبول نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن فتح مکہ کے بعد جب لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو انہوں نے اپنے چچا کو ترغیب دی کہ تم بھی دامن اسلام میں آجاؤ کیونکہ میں قبول اسلام کے لیے بہت ہی بے قرار ہوں۔ یہ سن کر ان کے چچا نے ان کو برہنہ کر کے گھر سے نکال دیا۔ یہ اپنی والدہ سے ایک کمبل مانگ کر اس کو دو ٹکڑے کر کے آدھے کو تہبند اور آدھے کو چادر بنالیا۔ اور اسی لباس میں ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ رات بھر مسجد نبوی میں ٹھہرے رہے۔ نماز فجر کے وقت جب جمال محمدی کے انوار سے ان کی آنکھیں منور ہوئیں تو کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام دریافت فرمایا تو انہوں نے اپنا نام عبدالعزیٰ بتا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ آج سے تمہارا نام عبداللہ اور لقب ذوالبجادین (دو کمبلوں والا) ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بہت کرم فرماتے تھے اور یہ مسجد نبوی میں اصحاب صفہ کی جماعت کے ساتھ رہنے لگے اور نہایت بلند آواز سے ذوق و شوق کے ساتھ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو یہ بھی مجاہدین میں شامل ہو کر چل پڑے اور بڑے ہی ذوق و شوق اور انتہائی اشتیاق کے ساتھ درخواست کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دعا فرمائیے کہ مجھے خدا کی راہ میں شہادت نصیب ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کسی درخت کی چھال لاؤ۔ وہ تھوڑی سی ببول کی چھال لائے آپ نے ان کے بازو پر وہ چھال باندھ دی اور دعا کی کہ اے اللہ! میں نے اس کے خون کو کفار پر حرام کر دیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا مقصد تو شہادت ہی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جب تم جہاد کے لیے نکلے ہو تو اگر بخار میں بھی مرو گے جب بھی تم شہید ہی ہو گے۔ خدا کی شان کہ جب حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ تبوک میں پہنچے تو بخار میں مبتلا ہو گئے اور اسی بخار میں ان کی وفات ہو گئی۔

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے دفن کا عجیب

منظر تھا کہ حضرت بلال مؤذن رضی اللہ عنہ ہاتھ میں چراغ لیے ان کی قبر کے پاس کھڑے تھے اور خود بہ نفس نفیس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں اترے اور حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ تم دونوں اپنے اسلامی بھائی کی لاش کو اٹھاؤ، پھر آپ نے ان کو اپنے دست مبارک سے لحد میں سلایا اور خود ہی قبر کی کچی اینٹوں سے بند فرمایا اور پھر یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! میں ذوالبجادین سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت ذوالبجادین کے دفن کا یہ منظر دیکھا تو بے اختیار اُن کے منہ سے نکلا کہ کاش ذوالبجادین کی جگہ یہ میری میت ہوتی۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۵۰ و ص ۳۵۱)

مسجد ضرار

منافقوں نے اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے مسجد قباء کے مقابلہ میں ایک مسجد تعمیر کی تھی جو درحقیقت منافقین کی سازشوں اور اُن کی دسیسہ کاریوں کا ایک زبردست اڈہ تھا۔ ابو عامر راہب جو انصار میں سے عیسائی ہو گیا تھا جس کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر فاسق رکھا تھا۔ اُس نے منافقین سے کہا کہ تم لوگ خفیہ طریقے پر جنگ کی تیاریاں کرتے رہو۔ میں قیصر روم کے پاس جا کر وہاں سے فوجیں لاتا ہوں تاکہ اس ملک سے اسلام کا نام و نشان مٹا دوں۔ چنانچہ اسی مسجد میں بیٹھ بیٹھ کر اسلام کے خلاف منافقین کمیٹیاں کرتے تھے اور اسلام و بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کر دینے کی تدبیریں سوچا کرتے تھے۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنگ تبوک کے لیے روانہ ہونے لگے تو مکار منافقوں کا ایک گروہ آیا اور محض مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے بارگاہ اقدس میں یہ درخواست پیش کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لیے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ چل کر ایک مرتبہ اس مسجد میں نماز پڑھا دیں تاکہ ہماری یہ مسجد خدا کی بارگاہ میں مقبول ہو جائے۔ آپ نے جواب دیا کہ

اس وقت تو میں جہاد کے لیے گھر سے نکل چکا ہوں لہٰذا اس وقت تو مجھے آنا موقع نہیں ہے۔ منافقین نے بہت کافی اصرار کیا مگر آپ نے ان کی اس مسجد میں قدم نہیں رکھا جب آپ جنگِ تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقین کی چالبازیوں اور ان کی مکاریوں، دغا بازیوں کے بارے میں "سورۂ توبہ" کی بہت سی آیات نازل ہوگئیں اور منافقین کے نفاق اور ان کی اسلام دشمنی کے تمام رموز و اسرار بے نقاب ہو کر نظروں کے سامنے آگئے اور ان کی اس مسجد کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ۔

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِیْقًاۢ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ ؕ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ

(توبہ)

اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد ضرر پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی غرض سے بنائی اور اس مقصد سے کہ جو لوگ پہلے ہی سے خدا اور اس کے رسول سے جنگ کر رہے ہیں ان کے لیے ایک کمین گاہ ہاتھ آجائے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی کا ارادہ کیا ہے اور خدا گواہی دیتا ہے کہ بے شک یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ آپ کبھی بھی اس مسجد میں نہ کھڑے ہوں۔ وہ مسجد (مسجد قباء) جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیزگاری پر رکھی ہوئی ہے وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکی کو پسند کرتے ہیں اور خدا پاکی رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت کے نازل ہو جانے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مالک بن دخشم و حضرت معن بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حکم دیا کہ اُس مسجد کو منہدم کر کے اس میں آگ لگا دیں۔

(زرقانی ج ۳ صہ ۸۰)

صدیق اکبر امیر الحج

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذوالقعدہ ۹ ھ میں تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لیے مکہ مکرمہ بھیجا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو "امیر الحج" اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو "نقیبِ اسلام" اور حضرت سعد بن ابی وقاص و حضرت جابر بن عبداللہ و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کو معلم بنا دیا اور اپنی طرف سے قربانی کے لیے بیس اونٹ بھی بھیجے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حرم کعبہ اور عرفات و منیٰ میں خطبہ پڑھا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور "سورۂ براۃ" کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا نہ کوئی برہنہ بدن اور ننگا ہو کر طواف کر سکے گا اور چار مہینے کے بعد کفار و مشرکین کے لیے امان ختم کر دی جائے گی۔ حضرت ابوہریرہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس اعلان کی اس قدر زور زور سے منادی کی کہ ان لوگوں کا گلا بیٹھ گیا۔ اس اعلان کے بعد کفار و مشرکین فوج کی فوج آکر مسلمان ہونے لگے۔ (طبری ج ۲ صہ ۲۱ و زرقانی ج ۳ صہ ۹۱ تا صہ ۹۳)

۹ ھ کے واقعاتِ متفرقہ

(۱) اس سال پورے ملک میں ہر طرف امن و امان کی فضا پیدا ہو گئی اور زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور زکوٰۃ کی وصولی کے لیے عاملین اور محصلوں کا تقرر ہوا۔

(زرقانی ج ۳ صہ ۱۰۱)

۲- جو غیر مسلم قومیں اسلامی سلطنت کے زیر سایہ رہیں ان کے لیے جزیہ کا حکم نازل ہوا اور قرآن کی یہ آیت اُتری کہ

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ۔ وہ چھوٹے بن کر "جزیہ" ادا کریں۔ (توبہ)

۳۔ سود کی حرمت نازل ہوئی اور اس کے ایک سال بعد ۱۰ھ میں "حجۃ الوداع" کے موقع پر اپنے خطبوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خوب اعلان فرمایا۔
(بخاری و مسلم باب تحریم الخمر)

۴۔ حبشہ کا بادشاہ جن کا نام حضرت اصحمہ رضی اللہ عنہ تھا۔ جن کے زیر سایہ مسلمان مہاجرین نے چند سال حبشہ میں پناہ لی تھی۔ ان کی وفات ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگی۔

۵۔ اسی سال منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی مر گیا اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی درخواست پر ان کی دلجوئی کے واسطے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس منافق کے کفن کے لیے اپنا پیرہن عطا فرمایا۔ اور اس کی لاش کو اپنے زانوئے اقدس پر رکھ کر اس کے کفن میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار منع کرنے کے باوجود چونکہ ابھی تک ممانعت نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی لیکن اس کے بعد ہی یہ آیت نازل ہو گئی کہ۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ. (توبہ)	(اے رسول) ان (منافقوں) میں سے جو مریں کبھی آپ ان پر نماز جنازہ نہ پڑھیے اور ان کی قبر کے پاس آپ کھڑے بھی نہ ہوں یقیناً ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور کفر کی حالت میں یہ لوگ مرے ہیں!

اس آیت کے نزول کے بعد پھر کبھی آپ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی نہ اس کی قبر کے پاس کھڑے ہوئے (بخاری ج ۱ ص ۱۶۹ و ص ۱۸۰ و زرقانی ج ۳ ص ۹۵ و ص ۹۶)

وفود العرب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اسلام کے لیے تمام اطراف و اکناف میں مبلغین اسلام

اور عاملین و مجاہدین کو بھیجا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض قبائل تو مبلغین کے سامنے ہی دعوتِ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جاتے تھے مگر بعض قبائل اس بات کے خواہشمند ہوتے تھے کہ براہ راست خود بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کریں۔ چنانچہ کچھ لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے نمائندہ بن کر مدینہ منورہ آتے تھے اور خود بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان سے دعوتِ اسلام کا پیغام سن کر اپنے اسلام کا اعلان کرتے تھے اور پھر اپنے اپنے قبیلوں میں واپس جا کر پورے قبیلہ والوں کو مشرف بہ اسلام کرتے تھے انہی قبائل کے نمائندوں کو ہم "وفود العرب" کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔

اس قسم کے وفود اور نمائندگانِ قبائل مختلف زمانوں میں مدینہ منورہ آتے رہے مگر فتح مکہ کے بعد ناگہاں سارے عرب کے خیالات میں ایک عظیم تغیر واقع ہو گیا اور سب لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے کیونکہ اسلام کی حقانیت واضح اور ظاہر ہو جانے کے باوجود بہت سے قبائل محض قریش کے دباؤ اور اہلِ مکہ کے ڈر سے اسلام قبول نہیں کر سکتے تھے۔ فتح مکہ نے اس رکاوٹ کو بھی دور کر دیا اور اب دعوتِ اسلام اور قرآن کے مقدس پیغام نے گھر گھر پہنچ کر اپنی حقانیت اور اعجازی تصرفات سے سب کے قلوب پر سکہ بٹھا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی لوگ جو ایک لمحہ کے لیے اسلام کا نام سننا اور مسلمانوں کی صورت دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے آج پروانوں کی طرح شمع نبوت پر نثار ہونے لگے اور جوق در جوق بلکہ فوج در فوج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دور دراز کے سفر طے کرتے ہوئے وفود کی شکل میں آنے لگے اور برضا و رغبت اسلام کے حلقہ بگوش بننے لگے چونکہ اس قسم کے وفود اکثر و بیشتر فتح مکہ کے بعد ۹ ھ میں مدینہ منورہ آئے اس لیے ۹ ھ کو لوگ "سنۃ الوفود" (نمائندہ کا سال) کہنے لگے۔

اس قسم کے وفود کی تعداد میں مصنفین سیرت کا بہت زیادہ اختلاف ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے ان وفود کی تعداد ساٹھ سے زیادہ بتائی ہے

(مدارج ج ۲ ص ۳۵۹)

اور علامہ قسطلانی و حافظ ابن قیم نے اس قسم کے چودہ وفدوں کا تذکرہ کیا ہے ہم بھی اپنی اس مختصر کتاب میں چند وفود کا تذکرہ کرتے ہیں۔

استقبالِ وفود

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبائل سے آنے والے وفدوں کے استقبال، اور ان کی ملاقات کا خاص طور پر اہتمام فرماتے تھے۔ چنانچہ ہر وفد کے آنے پر آپ نہایت ہی عمدہ پوشاک زیب تن فرما کر کاشانہ اقدس سے نکلتے اور اپنے خصوصی اصحاب کو بھی حکم دیتے تھے کہ بہترین لباس پہن کر آئیں پھر ان مہمانوں کو اچھے سے اچھے مکانوں میں ٹھہراتے اور ان لوگوں کی مہمان نوازی اور خاطر مدارات کا خاص طور پر خیال فرماتے تھے اور ان مہمانوں سے ملاقات کے لیے مسجد نبوی میں ایک ستون سے ٹیک لگا کر نشست فرماتے پھر ہر ایک وفد سے نہایت ہی خوش روئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو فرماتے اور ان کی حاجتوں اور حالتوں کو پوری توجہ کے ساتھ سنتے اور پھر ان کو ضروری عقائد و احکام اسلام کی تعلیم و تلقین بھی فرماتے اور ہر وفد کو ان کے درجات و مراتب کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ نقد یا سامان بھی تحائف اور انعامات کے طور پر عطا فرماتے!

وفد ثقیف

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ حنین کے بعد طائف سے واپس تشریف لائے اور "جعرانہ" سے عمرہ ادا کرنے کے بعد مدینہ تشریف لے جا رہے تھے تو راستے ہی میں قبیلہ ثقیف کے سردار اعظم "عروہ بن مسعود ثقفی" بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر برضا و رغبت دامن اسلام میں آ گئے۔ یہ بہت ہی شاندار اور باوفا آدمی تھے اور ان کا کچھ تذکرہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہم تحریر کر چکے ہیں۔ انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مجھے اجازت عطا فرمائیں کہ میں اب اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کروں۔ آپ نے اجازت دے دی اور یہ وہیں سے لوٹ کر اپنے قبیلہ میں گئے اور اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور اپنے قبیلہ والوں کو اسلام کی دعوت دی۔ اس علانیہ دعوتِ اسلام کو سن کر قبیلہ ثقیف کے لوگ غیظ و غضب میں بھر کر اس قدر طیش

میں آ گئے کہ چاروں طرف سے ان پر تیروں کی بارش کرنے لگے یہاں تک کہ ان کو ایک تیر لگا اور یہ شہید ہو گئے۔ قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے ان کو قتل تو کر دیا لیکن پھر یہ سوچا کہ تمام قبائل عرب اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اب ہم بھلا اسلام کے خلاف کب تک؟ اور کتنے لوگوں سے لڑتے رہیں گے؟ پھر مسلمانوں کے انتقام اور ایک لمبی جنگ کے انجام کو سوچ کر دن میں تارے نظر آنے لگے۔ اس لیے ان لوگوں نے اپنے ایک معزز رئیس عبدیالیل بن عمرو کو چند ممتاز سرداروں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا۔ اس وفد نے مدینہ پہنچ کر بارگاہِ اقدس میں عرض کیا کہ ہم اس شرط پر اسلام قبول کرتے ہیں کہ تین سال تک ہمارے بت "لات" کو توڑا نہ جائے۔ آپ نے اس شرط کو قبول فرمانے سے صاف انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ اسلام کسی حال میں بھی بت پرستی کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا بت تو ضرور توڑا جائے گا یہ اور بات ہے کہ تم لوگ اس کو اپنے ہاتھ سے نہ توڑو بلکہ میں حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہما) کو بھیج دوں گا وہ اس بت کو توڑ ڈالیں گے۔ چنانچہ یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ کو جو اس قوم کے ایک معزز اور ممتاز فرد تھے اس قبیلے کا امیر مقرر فرما دیا اور ان لوگوں کے ساتھ حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو طائف بھیجا اور ان دونوں حضرات نے ان کے بت "لات" کو توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۶)

وفدِ کندہ

یہ لوگ یمن کے اطراف میں رہتے تھے۔ اس قبیلے کے ساٹھ یا اسّی سوار بڑے ٹھاٹھ باٹ کے ساتھ مدینہ آئے۔ خوب بالوں میں کنگھی کیے ہوئے اور ریشمی گوٹ کے جبے پہنے ہوئے، ہتھیاروں سے سجے سجائے مدینہ کی آبادی میں داخل ہوئے۔ جب یہ لوگ دربارِ رسالت میں باریاب ہوئے تو آپ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ سب نے عرض کیا کہ "جی ہاں"، آپ نے فرمایا کہ پھر تم لوگوں نے یہ ریشمی لباس کیوں پہن رکھا ہے؟ یہ سنتے ہی ان لوگوں نے اپنے جبوں کو بدن سے اتار دیا اور ریشمی گوٹوں کو پھاڑ

پھاڑ کر جبڑوں سے الگ کر دیا۔ (مدارج ج ۲ ص ۳۶۶)

وفدِ بنی اشعر

یہ لوگ یمن کے باشندے اور "قبیلۂ اشعر" کے معزز اور نامور حضرات تھے جب یہ لوگ مدینہ میں داخل ہونے لگے تو جوشِ محبت اور فرطِ عقیدت سے رجز کا یہ شعر آواز ملا کر پڑھتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے کہ

غَدًا نَلْقَى الْاَحِبَّهْ مُحَمَّدًا وَّصَحْبَهْ

کل ہم لوگ اپنے محبوبوں سے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے ملاقات کریں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یمن والے آ گئے۔ یہ لوگ بہت ہی نرم دل ہیں ایمان تو یمنیوں کا ایمان ہے اور حکمت بھی یمنیوں میں ہے۔ بکری پالنے والوں میں سکون و وقار ہے اور اونٹ پالنے والوں میں فخر اور گھمنڈ ہے۔ چنانچہ اس ارشادِ نبوی کی برکت سے اہلِ یمن علم و صفائی قلب اور حکمت و معرفتِ الٰہی کی دولتوں سے ہمیشہ مالا مال رہے۔ خاص کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہ یہ نہایت ہی خوش آواز تھے اور قرآن شریف ایسی خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے کہ صحابہ کرام میں ان کا کوئی ہم مثل نہ تھا۔ علم عقائد میں اہلِ سنت کے امام شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ انہی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۷)

وفدِ بنی اسد

اس قبیلے کے چند اشخاص بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور نہایت ہی خوش دلی کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔ لیکن پھر احسان جتانے کے طور پر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اتنے سخت قحط کے زمانے میں ہم لوگ بہت ہی دور دراز مسافت طے کر کے یہاں آئے ہیں۔ راستے میں ہم لوگوں کو کہیں شکم سیر ہو کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوا۔ اور بغیر اس کے کہ آپ کا لشکر ہم پر حملہ آور ہوا ہو۔ ہم لوگوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا ہے۔ ان لوگوں کے اس احسان جتانے پر خداوند قدوس نے یہ آیت نازل فرمائی کہ۔

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۖ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (حجرات)	اے محبوب! یہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہو گئے۔ آپ فرما دیجیے کہ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو۔

وفدِ فزارہ

یہ لوگ عیینہ بن حصن فزاری کی قوم کے لوگ تھے۔ بیس آدمی دربارِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے اسلام کا اعلان کیا اور بتایا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے دیار میں اتنا سخت قحط اور کال پڑ گیا ہے کہ اب فقر و فاقہ کی مصیبت ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب بارش کے لیے دعا فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن منبر پر دعا فرما دی اور فوراً ہی بارش ہونے لگی اور لگاتار ایک ہفتہ تک موسلا دھار بارش کا سلسلہ جاری رہا پھر دوسرے جمعہ کو جب کہ آپ منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔ ایک اعرابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) چوپائے ہلاک ہونے لگے اور بال بچے بھوک سے بلکنے لگے اور تمام راستے منقطع ہو گئے۔ لہٰذا دعا فرما دیجیے کہ یہ بارش پہاڑوں پر برسے اور کھیتوں بستیوں پر نہ برسے۔ چنانچہ آپ نے دعا فرما دی تو بادل شہر مدینہ اور اس کے اطراف سے کٹ گیا۔ اور آٹھ دن کے بعد مدینہ میں سورج نظر آیا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۵۹)

وفدِ بنی مرہ

اس وفد میں بنی مرہ کے تیرہ آدمی مدینہ آئے تھے۔ ان کا سردار حارث بن عوف بھی اس وفد میں شامل تھا۔ ان سب لوگوں نے بارگاہِ اقدس میں اسلام قبول کیا اور قحط کی شکایت اور بارانِ رحمت کی دعا کے لیے درخواست پیش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لفظوں کے ساتھ دعا مانگی کہ "اَللّٰهُمَّ اسْقِهِمُ الْغَيْثَ" (اے اللہ! ان لوگوں کو بارش سے سیراب فرما دے) پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان میں سے ہر شخص کو ایک ایک

اوقیہ چاندی اور چار چار سو درہم انعام اور تحفہ کے طور پر عطا کریں اور آپ نے ان کے سردار حضرت حارث بن عوف کو بارہ اوقیہ چاندی کا شاہانہ عطیہ مرحمت فرمایا۔

جب یہ لوگ مدینہ سے اپنے وطن پہنچے تو پتا چلا کہ ٹھیک اسی وقت ان کے شہروں میں بارش ہوئی تھی جس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی درخواست پر مدینہ میں بارش کے لیے دعا مانگی تھی۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۳۶۰)

وفد بنی البکاء

اس وفد کے ساتھ حضرت معاویہ بن ثور بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی آئے تھے جو ایک سو برس کی عمر کے بوڑھے تھے۔ ان سب حضرات نے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کیا پھر حضرت معاویہ بن ثور بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کو پیش کیا اور یہ گزارش کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میرے اس بچے کے سر پر اپنا دست مبارک پھرا دیں ان کی درخواست پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فرزند کے سر پر اپنا مقدس ہاتھ پھرا دیا۔ اور ان کو چند بکریاں بھی عطا فرمائیں۔ اور وفد والوں کے لیے خیر و برکت کی دعا فرما دی۔ اس دعائے نبوی کا یہ اثر ہوا کہ ان لوگوں کے دیار میں جب بھی قحط اور فقر و فاقہ کی بلا آئی تو اس قوم کے گھر ہمیشہ قحط اور بھکمری کی مصیبتوں سے محفوظ رہے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۳۶۰)

وفد بنی کنانہ

اس وفد کے امیر کارواں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ سب لوگ دربار رسول علیہ السلام میں نہایت ہی عقیدت مندی کے ساتھ حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیعت اسلام کر کے جب اپنے وطن میں پہنچے تو ان کے باپ نے ان سے ناراض و بیزار ہو کر کہہ دیا کہ میں خدا کی قسم! تجھ سے کبھی کوئی بات نہ کروں گا لیکن ان کی بہن نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا۔ یہ اپنے باپ کی حرکت سے رنجیدہ اور دل شکستہ ہو کر پھر مدینہ منورہ چلے آئے اور جنگ تبوک میں شریک ہوئے اور پھر اصحاب صفہ کی جماعت میں شامل ہو کر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد یہ بصرہ چلے گئے۔ پھر آخر عمر میں شام گئے اور ۸۵ھ میں شہر دمشق کے اندر وفات پائی۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶)

وفد بنی ہلال

اس وفد کے لوگوں نے بھی دربار نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اس وفد میں حضرت زیاد بن عبداللہ بھی تھے یہ مسلمان ہو کر دندناتے ہوئے حضرت ام المومنین بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے کیونکہ وہ ان کی خالہ تھیں۔

یہ اطمینان کے ساتھ اپنی خالہ کے پاس بیٹھے ہوئے گفتگو میں مصروف تھے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں تشریف لائے اور یہ پتا چلا کہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ ام المومنین کے بھانجے ہیں تو آپ نے ازراہ شفقت ان کے سر اور چہرہ پر اپنا نورانی ہاتھ پھیر دیا۔ اس دست مبارک کی نورانیت سے حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کا چہرہ اس قدر پر نور ہو گیا کہ قبیلہ بنی ہلال کے لوگوں کا بیان ہے کہ اس کے بعد ہم لوگ حضرت زیاد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر ہمیشہ ایک نور اور برکت کا اثر دیکھتے رہے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶)

وفد ضمام بن ثعلبہ

یہ قبیلہ سعد بن بکر کے نمائندہ بن کر بارگاہ رسالت میں آئے۔ یہ بہت ہی خوبصورت سرخ و سفید رنگ کے گیسو دراز آدمی تھے۔ مسجد نبوی میں پہنچ کر اپنے اونٹ کو بٹھا کر باندھ دیا پھر لوگوں سے پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ لوگوں نے دور سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ گورے رنگ کے خوبصورت آدمی جو تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں، وہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور کہا کہ اے عبدالمطلب کے فرزند! میں آپ سے چند چیزوں کے بارے میں سوال کروں گا اور میں اپنے سوال میں بہت زیادہ مبالغہ اور سختی برتوں گا آپ اس سے مجھ پر خفا نہ ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم جو چاہو پوچھ لو۔ پھر حسب ذیل مکالمہ ہوا۔

ضمام بن ثعلبہ: میں آپ کو اس خدا کی قسم دے کر جو آپ کا

اور تمام انسانوں کا پروردگار ہے، یہ پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو ہماری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم: "ہاں"

ضمام بن ثعلبہ: میں آپ کو خدا کی قسم دے کر یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کو اللہ نے ہم لوگوں پر فرض کیا ہے؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم: "ہاں"

ضمام بن ثعلبہ: آپ نے جو کچھ فرمایا میں اس پر ایمان لایا اور میں ضمام بن ثعلبہ ہوں۔ میری قوم نے مجھے اس لیے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ میں آپ کے دین کو اچھی طرح سمجھ کر اپنی قوم بنی سعد بن بکر تک اسلام کا پیغام پہنچا دوں۔

حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر اپنے وطن میں پہنچے اور ساری قوم کو جمع کر کے سب سے پہلے اپنی قوم کے تمام بتوں یعنی "لات و عزیٰ" اور "منات و ہبل" کو برا بھلا کہنے لگے اور خوب ان بتوں کی توہین کرنے لگے ان کی قوم نے جب اپنے بتوں کی توہین سنی تو ایک دم سب چونک پڑے اور کہنے لگے کہ اے ثعلبہ کے بیٹے تو کیا کہہ رہا ہے؟ خاموش ہو جا ورنہ ہم کو یہ ڈر ہے کہ ہمارے یہ دیوتا تجھ کو برص اور کوڑھ اور جنون میں مبتلا کر دیں گے۔ آپ یہ سن کر طیش میں آ گئے اور تڑپ کر فرمایا کہ اے بے عقل انسانو! یہ پتھر کے بت بھلا ہم کو کیا نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ سنو! اللہ تعالیٰ جو ہر نفع و نقصان کا مالک ہے اس نے اپنا ایک رسول بھیجا ہے اور ایک کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم انسانوں کو اس گمراہی اور جہالت سے نجات عطا فرمائے میں گواہی دیتا ہوں

کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں میں اللہ کے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام کا پیغام تم لوگوں کے پاس لایا ہوں پھر انہوں نے اعمال اسلام یعنی نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کو ان لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اسلام کی حقانیت پر ایسی پر جوش اور موثر تقریر فرمائی کہ رات بھر میں قبیلے کے تمام مرد و عورت مسلمان ہو گئے اور ان لوگوں نے اپنے بتوں کو توڑ پھوڑ کر پاش پاش کر ڈالا اور اپنے قبیلہ میں ایک مسجد بنالی اور نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کے پابند ہو کر صادق الایمان مسلمان بن گئے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۴)

وفدِ بلّی یہ لوگ جب مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت ابو رویفع رضی اللہ عنہ جو پہلے ہی سے مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں موجود تھے۔ انہوں نے اس وفد کا تعارف کراتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ میری قوم کے افراد ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو اور تمہاری قوم کو "خوش آمدید" کہتا ہوں پھر حضرت ابو رویفع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ سب لوگ اسلام کا اقرار کرتے ہیں اور اپنی پوری قوم کے مسلمان ہونے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو اسلام کی ہدایت دیتا ہے۔

اس وفد میں ایک بہت ہی بوڑھا آدمی بھی تھا جس کا نام "ابو الضبیب" تھا اس نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ مجھے مہمانوں کی مہمان نوازی کا بہت زیادہ شوق ہے تو کیا اس مہمان نوازی کا مجھے کچھ ثواب بھی ملے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان ہونے کے بعد جس مہمان کی بھی مہمان نوازی کرو گے خواہ وہ امیر ہو یا فقیر تم ثواب کے حق دار ٹھہرو گے۔

پھر ابو الضبیب رضی اللہ عنہ نے یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مہمان کتنے دنوں تک مہمان نوازی کا حق دار ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تین دن تک، اس کے بعد وہ جو کھائے گا وہ صدقہ ہو گا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۴)

وفد تجیب

یہ تیرہ آدمیوں کا ایک وفد تھا جو اپنے مالوں اور مویشیوں کی زکوٰۃ لے کر بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحبا اور خوش آمدید کہہ کر ان لوگوں کا استقبال فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اپنے اس مالِ زکوٰۃ کو اپنے وطن میں لے جاؤ اور وہاں کے فقرا و مساکین کو یہ سارا مال دے دو۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اپنے وطن کے فقرا و مساکین کو اس قدر مال دے چکے ہیں کہ یہ مال اُن کی حاجتوں سے زیادہ ہمارے پاس بچ رہا ہے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی اس زکوٰۃ کو قبول فرمالیا اور ان لوگوں پر بہت زیادہ کرم فرماتے ہوئے ان خوش نصیبوں کی خوب خوب مہمان نوازی فرمائی اور بوقت رخصت ان لوگوں کو اکرام و انعام سے بھی نوازا۔ پھر دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری قوم میں کوئی ایسا شخص باقی رہ گیا ہے؟ جس نے میرا دیدار نہیں کیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ جی ہاں۔ ایک جوان کو ہم اپنے وطن میں چھوڑ آئے ہیں جو ہمارے گھروں کی حفاظت کر رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اس جوان کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنے وطن پہنچ کر اس جوان کو مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔ جب وہ جوان بارگاہ عالی میں باریاب ہوا تو اس نے یہ گزارش کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے میری قوم کی حاجتوں کو تو پوری فرما کر انہیں وطن میں بھیج دیا اب میں بھی ایک حاجت لے کر آپ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو گیا ہوں اور اُمیدوار ہوں کہ آپ میری حاجت بھی پوری فرما دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا حاجت ہے؟ اُس نے کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنے گھر سے یہ مقصد لے کر نہیں حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے کچھ مال عطا فرمائیں بلکہ میری فقط اتنی حاجت اور دلی تمنا ہے جس کو دل میں لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اور مجھ پر اپنا رحم فرمائے اور میرے دل میں بے نیازی اور استغنار کی دولت پیدا فرما دے۔ جوان کی اس دلی مراد اور تمنا کو سن کر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اس کے حق میں ان لفظوں کے ساتھ دعا فرمائی کہ۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ ۔ اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم
وَاجْعَلْ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ ۔ فرما اور اس کے دل میں بے نیازی ڈال دے

پھر آپ نے اس جوان کو اس کی قوم کا امیر مقرر فرما دیا۔ اور یہی جوان اپنے قبیلے کی مسجد کا امام ہو گیا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۴)

وفد مزینہ

اس وفد کے سربراہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ کے چار سو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور جب ہم لوگ اپنے گھروں کو واپس ہونے لگے تو آپ نے فرمایا کہ اے عمر! تم ان لوگوں کو کچھ تحفہ عنایت کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے گھر میں بہت ہی تھوڑی سی کھجوریں ہیں یہ لوگ اتنے قلیل تحفہ سے شاید خوش نہ ہوں گے آپ نے پھر یہی ارشاد فرمایا کہ اے عمر! جاؤ ان لوگوں کو ضرور کچھ تحفہ عطا کرو۔ ارشاد نبوی سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان چار سو آدمیوں کو ہمراہ لے کر جب مکان پر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مکان میں کھجوروں کا ایک بہت ہی بڑا تودہ پڑا ہوا ہے آپ نے وفد کے لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ جتنی اور جس قدر چاہو ان کھجوروں میں سے لے لو۔ ان لوگوں نے اپنی حاجت اور مرضی کے مطابق کھجوریں لے لیں۔ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سب سے آخر میں جب میں کھجوریں لینے کے لیے مکان میں داخل ہوا تو مجھے ایسا نظر آیا کہ گویا اس ڈھیر میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی ہے۔

یہ وہی حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ ہیں جو فتح مکہ کے دن قبیلہ مزینہ کے علمبردار تھے۔ یہ اپنے سات بھائیوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کچھ گھر تو ایمان کے ہیں اور کچھ گھر نفاق کے ہیں۔ اور آل مقرن کا گھر ایمان کا گھر ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۴)

وفد دوس

اس وفد کے قائد حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ تھے یہ ہجرت سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ ان کے اسلام

لانے کا واقعہ بھی بڑا ہی عجیب ہے۔ یہ ایک بڑے ہوش مند اور شعلہ بیان شاعر تھے یہ کسی ضرورت سے مکہ آئے تو کفار قریش نے ان سے کہہ دیا کہ خبردار تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ملنا، اور ہرگز ہرگز ان کی بات نہ سننا۔ ان کے کلام میں ایسا جادو ہے کہ جو سُن لیتا ہے وہ اپنا دین و مذہب چھوڑ بیٹھتا ہے اور عزیز و اقارب سے اس کا رشتہ کٹ جاتا ہے یہ کفار مکہ کے فریب میں آگئے اور اپنے کانوں میں انہوں نے روئی بھر لی کہ کہیں قرآن کی آواز کانوں میں نہ پڑ جائے۔ لیکن ایک دن صبح کو یہ حرم کعبہ میں گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں قرات فرمارہے تھے ایک دم قرآن کی آواز جو ان کے کان میں پڑی تو یہ قرآن کی فصاحت و بلاغت پر حیران رہ گئے اور کتاب الٰہی کی عظمت اور اس کی تاثیر ربانی نے ان کے دل کو موہ لیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کاشانہ نبوت کو چلے تو یہ بے تابانہ آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور مکان میں آکر آپ کے سامنے مؤدبانہ بیٹھ گئے اور اپنا اور قریش کی بدگوئیوں کا سارا حال سنا کر عرض کیا کہ خدا کی قسم! میں نے قرآن سے بڑھ کر فصیح و بلیغ آج تک کوئی کلام نہیں سنا۔ لللہ! مجھے بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے چند احکام ان کے سامنے بیان فرما کر ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ فوراً ہی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

پھر انہوں نے درخواست کی یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی علامت و کرامت عطا فرمائیے کہ جس کو دیکھ کر لوگ میری باتوں کی تصدیق کریں تاکہ میں اپنی قوم میں یہاں سے جا کر اسلام کی تبلیغ کروں۔ آپ نے دعا فرمادی کہ الٰہی! تو ان کو ایک خاص قسم کا نور عطا فرما دے۔ چنانچہ اس دعاء نبوی کی بدولت ان کو یہ کرامت عطا ہوئی کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ کے مانند ایک نور چمکنے لگا۔ مگر انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ یہ نور میرے سر میں منتقل ہو جائے۔ چنانچہ ان کا سر قندیل کی طرح چمکنے لگا۔ جب یہ اپنے قبیلہ میں پہنچے اور اسلام کی دعوت دینے لگے تو ان کے ماں باپ اور بیوی نے تو اسلام قبول کر لیا۔ مگر ان کی قوم مسلمان نہیں ہوئی بلکہ اسلام کی مخالفت پر تل گئی یہ اپنی قوم کے اسلام سے مایوس ہو کر پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں چلے گئے اور اپنی قوم کی سرکشی اور سرتابی کا سارا حال بیان کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم پھر اپنی قوم میں چلے جاؤ اور نرمی کے ساتھ ان کو خدا کی طرف بلاتے رہو۔ چنانچہ یہ پھر اپنی قوم میں آ گئے اور لگاتار اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ یہاں تک کہ تریاسی گھرانوں میں اسلام کی روشنی پھیل گئی اور یہ ان سب لوگوں کو ساتھ لے کر خیبر میں تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور آپ نے خوش ہو کر خیبر کے مالِ غنیمت میں سے ان سب لوگوں کو حصہ عطا فرمایا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۷۰)

وفد بنی عبس

قبیلہ بنی عبس کے وفد نے دربارِ اقدس میں جب حاضری دی تو یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے مبلغین نے ہم کو خبر دی ہے کہ جو ہجرت نہ کرے اس کا اسلام مقبول ہی نہیں ہے تو یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ حکم دیں تو ہم اپنے سارے مال و متاع اور مویشیوں کو بیچ کر ہجرت کر کے مدینہ چلے آئیں یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کے لیے ہجرت ضروری نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ تم جہاں بھی رہو خدا سے ڈرتے رہو اور زہد و تقویٰ کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہو۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۷۰)

وفد دارم

یہ وفد دس آدمیوں کا ایک گروہ تھا جن کا تعلق قبیلہ "لخم" سے تھا اور ان کے سربراہ اور پیشوا کا نام "ہانی بن حبیب" تھا۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحفے میں چند گھوڑے اور ایک ریشمین جبہ اور ایک مشک شراب اپنے وطن سے لے کر آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں اور جبہ کے تحائف کو تو قبول فرما لیا لیکن شراب کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام فرما دیا ہے۔ ہانی بن حبیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر اجازت ہو تو میں اس شراب کو بیچ ڈالوں۔ آپ نے فرمایا کہ جس خدا نے شراب کے پینے کو حرام فرمایا ہے اسی نے اس کی خرید و فروخت کو بھی حرام ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا تم شراب کی اس مشک کو لے جا کر کہیں زمین پر اس شراب کو بہا دو۔ ریشمی جبہ آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس کو لے کر کیا کروں گا؟ جب کہ مردوں کے لیے اس کا پہننا ہی حرام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں جس قدر سونا ہے آپ اس کو اس میں سے جدا کر لیجیے

اور اپنی بیویوں کے لیے زیورات بنوا لیجیے اور ریشمی کپڑے کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو اپنے استعمال میں لائیے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس جبہ کو آٹھ ہزار درہم میں بیچا۔

یہ وفد بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر نہایت خوشدلی کے ساتھ مسلمان ہو گیا (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۳۶۵)

وفدِ غامد

یہ دس آدمیوں کی جماعت تھی جو سنہ ۱۰ھ میں مدینہ آئے اور اپنی منزل میں سامانوں کی حفاظت کے لیے ایک جوان لڑکے کو چھوڑ دیا وہ سو گیا اتنے میں ایک چور آیا اور ایک بیگ چرا کر لے بھاگا۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ ناگہاں آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا ایک بیگ چور لے گیا مگر پھر تمہارے جوان نے اس بیگ کو پا لیا۔ جب یہ لوگ بارگاہِ اقدس سے اٹھ کر اپنی منزل پر پہنچے تو ان کے جوان نے بتایا کہ میں سو رہا تھا کہ ایک چور بیگ لے کر بھاگا مگر میں بیدار ہونے کے بعد جب اس کی تلاش میں نکلا تو ایک شخص کو دیکھا وہ مجھ کو دیکھتے ہی فرار ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ وہاں کی زمین کھودی ہوئی ہے جب میں نے مٹی ہٹا کر دیکھا تو بیگ وہاں دفن تھا میں اس کو نکال کر لے آیا۔ یہ سن کر سب بول پڑے کہ بلاشبہ یہ رسول برحق ہیں اور ہم کو انہوں نے اسی لیے اس واقعہ کی خبر دے دی تاکہ ہم لوگ ان کی تصدیق کر لیں ان سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور اس جوان نے بھی دربار رسول میں حاضر ہو کر کلمہ پڑھا اور اسلام کے دامن میں آگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جتنے دنوں ان لوگوں کا مدینہ میں قیام ہے تم ان لوگوں کو قرآن پڑھنا سکھا دو۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۳۷۴)

وفدِ نجران

یہ نجران کے نصاریٰ کا وفد تھا۔ اس میں ساٹھ سوار تھے۔ چوبیس ان کے شرفاء اور معززین تھے اور تین اشخاص اس درجہ کے تھے کہ انہیں کے ہاتھوں میں نجران کے نصاریٰ کا مذہبی اور قومی سارا نظام تھا۔ ایک عاقب جس کا نام "عبد المسیح" تھا دوسرا شخص سید جس کا نام "الیہم" تھا تیسرا شخص "ابو حارثہ بن علقمہ" تھا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے سوالات کیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے جوابات دیے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ پر گفتگو چھڑ گئی۔ ان لوگوں نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کنواری مریم کے شکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے

اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جس کو "آیتِ مباہلہ" کہتے ہیں کہ!

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝ فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْكٰذِبِیْنَ ۔ (آل عمران)	بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی طرح ہے ان کو مٹی سے بنایا پھر فرمایا "ہو جا" وہ فوراً ہو جاتا ہے (اے سننے والے) یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تم شک والوں میں سے نہ ہونا پھر اے محبوب) جو تم سے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرما دو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر ہم گڑگڑا کر دعا مانگیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان لوگوں کو اس مباہلہ کی دعوت دی تو ان نصرانیوں نے رات بھر کی مہلت مانگی۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن، حضرت حسین حضرت علی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لیے کاشانہ نبوت سے نکل پڑے مگر نجران کے نصرانیوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے کا اقرار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی۔ (تفسیر جلالین وغیرہ)

پندرھواں باب

ہجرت کا دسواں سال

سنہ ۱۰ ھ

حجۃ الوداع :۔

اس سال کے تمام واقعات میں سب سے زیادہ شاندار اور اہم ترین واقعہ حجۃ الوداع ہے یہ آپ کا آخری حج تھا اور ہجرت کے بعد یہی آپ کا پہلا حج تھا۔ ذوقعدہ سنہ ۱۰ ھ میں آپ نے حج کے لیے روانگی کا اعلان فرمایا۔ یہ خبر بجلی کی طرح سارے عرب میں ہر طرف پھیل گئی اور تمام عرب شرف ہمرکابی کے لیے اُمنڈ پڑا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر ذوقعدہ میں جمعرات کے دن مدینہ میں غسل فرما کر تہبند اور چادر زیب تن فرمایا اور نمازِ ظہر مسجد نبوی میں ادا فرما کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور اپنی تمام ازواجِ مطہرات کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ مدینہ منورہ سے چھ میل دور اہل مدینہ کی میقات "ذوالحلیفہ" پر پہنچ کر رات بھر قیام فرمایا پھر احرام کے لیے غسل فرمایا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے جسمِ اطہر پر خوشبو لگائی پھر آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور اپنی اونٹنی "قصواء" پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے "لبیک" پڑھا اور روانہ ہو گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں حدِ نگاہ تک آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ بیہقی کی روایت ہے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار اور دوسری روایتوں میں ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان حجۃ الوداع میں آپ کے ساتھ تھے۔

(زرقانی ج ۳ ص ۱۰۶ و مدارج ج ۲ ص ۳۸۶)

چوتھی ذوالحجہ کو آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے آپ کے خاندان بنی ہاشم کے لڑکوں

نے تشریف آوری کی خبر سنی تو خوشی سے دوڑ پڑے اور آپ نے نہایت ہی محبت و پیار کے ساتھ کسی کو آگے کسی کو پیچھے اپنی اونٹنی پر بٹھا لیا۔

(نسائی باب استقبال الحاج ج ۲ صہ ۲۶ مطبوعہ رحیمیہ)

فجر کی نماز آپ نے مقام "ذی طوی" میں ادا فرمائی اور غسل فرمایا پھر آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور چاشت کے وقت یعنی جب آفتاب بلند ہو چکا تھا تو آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ جب کعبہ معظمہ پر نگاہِ نبوت پڑی تو آپ نے یہ دعا پڑھی کہ۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وَّتَعْظِيْمًا وَّتَكْرِيْمًا وَّمَهَابَةً وَّزِدْ مَنْ حَجَّهٗ وَاعْتَمَرَهٗ تَكْرِيْمًا وَّتَشْرِيْفًا وَّتَعْظِيْمًا۔	اے اللہ! تو سلامتی دینے والا ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ہے۔ اے رب! ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔ اے اللہ اس گھر کی عظمت و شرف اور عزت و ہیبت کو زیادہ کر۔ اور جو اس گھر کا حج اور عمرہ کرے تو اس کی بزرگی اور شرف و عظمت کو زیادہ کر۔

جب حجر اسود کے سامنے آپ تشریف لے گئے تو حجر اسود پر ہاتھ رکھ کر اس کو بوسہ دیا۔ پھر خانہ کعبہ کا طواف فرمایا۔ شروع کے تین پھیروں میں آپ نے "رمل" کیا اور باقی چار چکروں میں معمولی چال سے چلے ہر چکر میں جب حجر اسود کے سامنے پہنچتے تو اپنی چھڑی سے حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے چھڑی کو چوم لیتے تھے۔ حجر اسود کا استلام کبھی آپ نے چھڑی کے ذریعہ سے کیا کبھی ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوم لیا کبھی لبِ مبارک کو حجر اسود پر رکھ کر بوسہ دیا اور یہ بھی ثابت ہے کہ کبھی رکنِ یمانی کا بھی آپ نے استلام کیا۔ (نسائی ج ۲ صہ ۳۰ و صہ ۳۱)

جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کے پاس تشریف لائے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر حجر اسود کا استلام فرمایا اور سامنے کے دروازہ سے صفا کی جانب روانہ ہوئے۔ قریب پہنچے تو اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ — بے شک صفا اور مروہ اللہ کے دین کے نشانوں میں سے ہیں۔

پھر صفا اور مروہ کی سعی فرمائی اور چونکہ آپ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لیے عمرہ ادا کرنے کے بعد آپ نے احرام نہیں اتارا۔

آٹھویں ذوالحجہ جمعرات کے دن آپ منیٰ تشریف لے گئے اور پانچ نمازیں ظہر، عصر مغرب، عشاء، فجر، منیٰ میں ادا فرما کر نویں ذوالحجہ جمعہ کے دن آپ عرفات میں تشریف لے گئے۔

زمانہ جاہلیت میں چونکہ قریش اپنے کو سارے عرب میں افضل و اعلیٰ شمار کرتے تھے، اس لیے وہ عرفات کی بجائے "مزدلفہ" میں قیام کرتے تھے اور دوسرے تمام عرب "عرفات" میں ٹھہرتے تھے، لیکن اسلامی مساوات نے قریش کے لیے اس تخصیص کو گوارا نہیں کیا اور اللہ عزوجل نے یہ حکم دیا کہ۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔ — (اے قریش) تم بھی وہیں (عرفات) سے پلٹ کر آؤ جہاں سے سب لوگ پلٹ کر آتے ہیں۔

✥

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات پہنچ کر ایک کمبل کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے اپنی اونٹنی "قصواء" پر سوار ہو کر خطبہ پڑھا۔ اس خطبہ میں آپ نے بہت سے ضروری احکامِ اسلام کا اعلان فرمایا، اور زمانہ جاہلیت کی تمام برائیوں اور بیہودہ رسموں کو آپ نے مٹاتے ہوئے اعلان فرمایا کہ

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ۔ — سن لو! جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں قدموں کے نیچے پامال ہیں۔

(ابو داؤد ج ۱ ص ۲۶۳ و مسلم ج ۱ ص ۳۹۷ باب حجۃ النبی)

اسی طرح زمانۂ جاہلیت کے خاندانی تفاخر اور رنگ و نسل کی برتری اور قومیت میں نیچ اونچ وغیرہ تصوراتِ جاہلیت کے بتوں کو پاش پاش کرتے ہوئے اور

مساوات اسلام کا علم بلند فرماتے ہوئے تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس تاریخی خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ۔

اَیُّهَا النَّاسُ اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی (مسند امام احمد)	اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ سن لو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی سرخ کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر تقویٰ کے سبب سے۔

اسی طرح تمام دنیا میں امن و امان قائم فرمانے کے لیے امن و سلامتی کے شہنشاہ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خدائی فرمان جاری فرمایا کہ

اِنَّ دِمَاءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا اِلٰی یَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ	تمہارا خون اور تمہارا مال تم پر تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارا یہ دن، تمہارا یہ مہینہ، تمہارا یہ شہر محترم ہے۔ (بخاری و مسلم و ابو داؤد)

اپنا خطبہ ختم فرماتے ہوئے آپ نے سامعین سے فرمایا کہ۔

وَاَنْتُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عَنِّیْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ	تم سے خدا کے یہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تو تم لوگ کیا جواب دو گے؟

تمام سامعین نے کہا کہ ہم لوگ خدا سے کہہ دیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔ اور رسالت کا حق ادا کر دیا۔ یہ سن کر آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا کہ۔

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ	اے اللہ! تو گواہ رہنا۔

(ابو داؤد ج ۱ ص ۲۶۳ باب صفتہ حج النبی)

عین اسی حالت میں جب کہ خطبہ میں آپ اپنا فرضِ رسالت ادا فرما رہے تھے۔ یہ آیت نازل ہوئی کہ۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

شہنشاہِ کونین کا تختِ شاہی

یہ حیرت انگیز و عبرت خیز واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت شہنشاہِ کونین خدا کے نائب اکرم اور خلیفۂ اعظم ہونے کی حیثیت سے فرمان ربانی کا اعلان فرما رہے تھے آپ کے تختِ شہنشاہی یعنی اونٹنی کا کجاوہ اور عرق گیر شاید دس روپے سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔ اس اونٹنی پر کوئی شاندار کجاوہ تھا نہ کوئی ہودج نہ کوئی محمل نہ کوئی چتر نہ کوئی تاج۔

کیا تاریخ عالم میں کسی اور بادشاہ نے بھی ایسی سادگی کا نمونہ پیش کیا ہے؟ اس کا جواب یہی اور فقط یہی ہے کہ "نہیں"

یہ وہ زاہدانہ شہنشاہی ہے جو صرف شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہنشاہیت کا طرۂ امتیاز ہے!

خطبہ کے بعد آپ نے ظہر و عصر ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی پھر "موقف" میں تشریف لے گئے اور جبلِ رحمت کے نیچے غروبِ آفتاب تک دعاؤں میں مصروف رہے۔ غروبِ آفتاب کے بعد عرفات سے ایک لاکھ سے زائد حجاج کے اژدحام میں "مزدلفہ" پہنچے۔ یہاں پہلے مغرب پھر عشاء ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی۔ مشعرِ حرام کے پاس رات بھر امت کے لیے دعائیں مانگتے رہے اور سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منٰی کے لیے روانہ ہو گئے اور وادیِ محسر کے راستہ سے منٰی میں آپ "جمرہ" کے پاس تشریف لائے اور کنکریاں ماریں، پھر آپ نے بآوازِ بلند فرمایا کہ۔

لِتَاخُذُوْا مَنَاسِکَکُمْ فَاِنِّیْ

حج کے مسائل سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا کہ

لَا اَدْرِیْ لَعَلِّیْ لَا اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِیْ هٰذِہٖ۔ شاید اس کے بعد میں دوسرا حج نہ کروں گا۔

(مسلم ج ۱ ص ۴۱۹ باب رمی جمرۃ العقبہ)

منیٰ میں بھی آپ نے ایک طویل خطبہ دیا۔ جس میں عرفات کے خطبہ کی طرح بہت سے مسائل واحکام کا اعلان فرمایا۔ پھر قربان گاہ میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ قربانی کے ایک سو اونٹ تھے کچھ کو تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرمایا اور باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا اور گوشت پوست، جھول، نکیل سب کو خیرات کردینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ قصاب کی مزدوری بھی اس میں سے نہ ادا کی جائے بلکہ الگ سے دی جائے۔

موئے مبارک

قربانی کے بعد حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے آپ نے سر کے بال اتروائے اور کچھ حصہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ اور باقی موئے مبارک کو مسلمانوں میں تقسیم کردینے کا حکم صادر فرمایا۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۲۱ باب بیان ان السنۃ یوم النحر الخ)

اس کے بعد آپ مکہ تشریف لائے اور طوافِ زیارت فرمایا۔

ساقیِ کوثر چاہ زمزم پر

پھر چاہ زمزم کے پاس تشریف لائے۔ خاندان عبدالمطلب کے لوگ حاجیوں کو زمزم پلا رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی بھر کر پینے لگیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی بھر کر پیتا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے زمزم شریف پیش کیا اور آپ نے قبلہ رخ کھڑے کھڑے زمزم شریف نوش فرمایا۔ پھر منیٰ واپس تشریف لے گئے اور بارہ ذوالحجہ تک منیٰ میں مقیم رہے اور ہر روز سورج ڈھلنے کے بعد جمروں کو کنکری مارتے رہے۔ تیرہ ذوالحجہ منگل کے دن آپ نے سورج ڈھلنے کے بعد منیٰ سے روانہ ہو کر "محصب" میں رات بھر قیام فرمایا اور صبح کو نماز فجر کعبہ کی مسجد میں ادا فرمائی

اور طوافِ وداع کر کے انصار و مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

غدیر خم کا خطبہ

راستہ میں مقام "غدیر خم" پر جو ایک تالاب ہے یہاں تمام ہمراہیوں کو جمع فرما کر ایک مختصر خطبہ ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی ایک آدمی ہوں ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ (ملک الموت) جلد آجائے اور مجھے اس کا پیغام قبول کرنا پڑے میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس میں ہدایت اور روشنی ہے اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔

(مسلم ج ۲ ص ۲۷۹ باب من فضائل علی)

اس خطبہ میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ۔

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ

(مشکوٰۃ ص ۵۶۵ مناقب علی)

جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کے مولیٰ خداوندا! جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔

غدیر خم کے خطبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اس کی کوئی تصریح کہیں حدیثوں میں نہیں ملتی۔ ہاں البتہ بخاری کی ایک روایت سے پتا چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اختیار سے کوئی ایسا کام کر ڈالا تھا جس کو ان کے یمن سے آنے والے ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے بارگاہِ رسالت میں اس کی شکایت بھی کر دی جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا کہ علی کو اس سے زیادہ کا حق ہے۔ ممکن ہے اسی قسم کے شبہات و شکوک کو مسلمان یمنیوں کے دلوں سے دور کرنے کے لیے اس موقع

پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے فضائل بھی بیان کر دیے ہوں۔

(بخاری باب بعث علی الی الیمن ج ۲ صہ ۶۲۳ و ترمذی مناقب علی)

روافض کا ایک شبہ

بعض شیعہ صاحبان نے اس موقع پر لکھا ہے کہ "غدیر خم" کا خطبہ یہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلافصل کا اعلان تھا مگر اہلِ فہم پر روشن ہے کہ یہ محض ایک "تک بندی" کے سوا کچھ بھی نہیں کیونکہ اگر واقعی حضرت علی کے لیے خلافت بلافصل کا اعلان کرنا تھا تو عرفات یا منیٰ کے خطبوں میں یہ اعلان زیادہ مناسب تھا۔ جہاں ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کا اجتماع تھا نہ کہ غدیر خم پر جہاں یمن اور مدینہ والوں کے سوا کوئی بھی نہ تھا۔

مدینہ کے قریب پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ذوالحلیفہ میں رات بسر فرمائی اور صبح کو مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا۔

سولھواں باب

ہجرت کا گیارھواں سال

سنہ ۱۱ھ

جیشِ اُسامہ:

اس لشکر کا دوسرا نام "سریہ اُسامہ" بھی ہے یہ سب سے آخری فوج ہے جس کے روانہ کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ ۲۶ صفر سنہ ۱۱ھ دوشنبہ کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور دوسرے دن حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلا کر فرمایا کہ میں نے تم کو اس فوج کا امیر لشکر مقرر کیا۔ تم اپنے باپ کی شہادت گاہ مقام "اُبنیٰ" میں جاؤ اور نہایت تیزی کے ساتھ سفر کر کے ان کفار پر اچانک حملہ کر دو تا کہ وہ لوگ جنگ کی تیاری نہ کر سکیں۔ باوجودیکہ مزاج اقدس ناساز تھا۔ مگر اسی حالت میں آپ نے خود اپنے دست مبارک سے جھنڈا باندھا اور یہ نشانِ اسلام حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے کر ارشاد فرمایا کہ۔

اُغْزُ بِسْمِ اللّٰهِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَاتِلْ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ۔	اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور کافروں کے ساتھ جنگ کرو۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ کو علمبردار بنایا اور مدینہ سے نکل کر ایک کوس دور مقام "جرف" میں پڑاؤ کیا تا کہ وہاں پورا لشکر جمع ہو جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کے تمام معززین کو بھی اس لشکر میں شامل ہو جانے کا حکم دے دیا۔ بعض لوگوں پر یہ شاق گزرا کہ ایسا لشکر جس میں انصار و مہاجرین کے اکابر و عمائد موجود ہیں۔ ایک نوعمر لڑکا جس کی عمر بیس برس سے زائد نہیں کس طرح امیر لشکر بنا دیا گیا؟ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعتراض

کی خبر ملی تو آپ کے قلب نازک پر صدمہ گزرا اور آپ نے علالت کے باوجود سر میں پٹی باندھے ہوئے ایک چادر اوڑھ کر منبر پر ایک خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگوں نے اسامہ کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی کی ہے تو تم لوگوں نے اس سے قبل اس کے باپ کے سپہ سالار ہونے پر بھی طعنہ زنی کی تھی۔ حالانکہ خدا کی قسم اس کا باپ (زید بن حارثہ) سپہ سالار ہونے کے لائق تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا (اُسامہ بن زید) بھی سپہ سالار ہونے کے قابل ہے اور یہ میرے نزدیک میرے محبوب ترین صحابہ میں سے ہے۔ جیسا کہ اس کا باپ میرے محبوب ترین اصحاب میں سے تھا لہٰذا اُسامہ (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں تم لوگ میری نیک وصیت کو قبول کرو کہ وہ تمہارے بہترین لوگوں میں سے ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ خطبہ دے کر مکان میں تشریف لے گئے اور آپ کی علالت میں کچھ اور بھی اضافہ ہو گیا۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حکم نبوی کی تکمیل کرتے ہوئے مقام جرف میں پہنچ گئے تھے اور وہاں لشکر اسلام کا اجتماع ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک عظیم لشکر تیار ہو گیا۔ ۱۰ ربیع الاول ۱۱ھ کو جہاد میں جانے والے خواص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہونے کے لیے آئے اور رخصت ہو کر مقام جرف میں پہنچ گئے۔ اس کے دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت نے اور زیادہ شدت اختیار کر لی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کی مزاج پرسی اور رخصت ہونے کے لیے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا مگر ضعف کی وجہ سے کچھ بول نہ سکے۔ بار بار دست مبارک کو آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور ان کے بدن پر اپنا مقدس ہاتھ پھیرتے تھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس سے میں نے یہ سمجھا کہ حضور میرے لیے دعا فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ رخصت ہو کر اپنی فوج میں تشریف لے گئے اور ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو کوچ کرنے کا اعلان بھی فرما دیا۔ اب سوار ہونے کے [illegible] کر رہے تھے کہ ان کی والدہ حضرت ام [illegible] کا فرستادہ آدمی پہنچا کہ حضور [illegible] اللہ علیہ وسلم نزع کی حالت میں ہیں۔ یہ ہوش ربا خبر سن کر حضرت اسامہ و حضرت عمر و حضرت ابو عبیدہ وغیرہ

رضی اللہ عنہم فوراً ہی مدینہ آگئے تو یہ دیکھا کہ آپ سکرات کے عالم میں ہیں اور اسی دن دوپہر کو یا سہ پہر کے وقت آپ کا وصال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ خبر سن کر حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر مدینہ واپس چلا آیا مگر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر رونق افروز ہو گئے تو آپ نے بعض لوگوں کی مخالفت کے باوجود ربیع الآخر کی آخری تاریخوں میں اس لشکر کو روانہ فرمایا۔ اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ مقام "اُبنیٰ" میں تشریف لے گئے اور وہاں بہت ہی خونریز جنگ کے بعد لشکرِ اسلام فتح یاب ہوا۔ اور آپ نے اپنے باپ کے قاتل اور دوسرے کفار کو قتل کیا اور بے شمار مالِ غنیمت لے کر چالیس دن کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۹ تا ص ۴۱۱ و زرقانی ج ۳ ص ۱۰۷ تا ص ۱۱۲)

وفاتِ اقدس

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عالم میں تشریف لانا صرف اس لیے تھا کہ آپ خدا کے آخری اور قطعی پیغام یعنی دین اسلام کے احکام اس کے بندوں تک پہنچا دیں اور خدا کی حجت تمام فرما دیں۔ اس کام کو آپ نے کیونکر انجام دیا؟ اور اس میں آپ کو کتنی کامیابی حاصل ہوئی؟ اس کا اجمالی جواب یہ ہے کہ جب سے یہ دنیا عالمِ وجود میں آئی ہزاروں انبیاء و رسل علیہم السلام اس عظیم الشان کام کو انجام دینے کے لیے اس عالم میں تشریف لائے مگر تمام انبیاء و مرسلین کے تبلیغی کارناموں کو اگر جمع کر لیا جائے تو وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی شاہکاروں کے مقابلہ میں ایسے ہی نظر آئیں گے جیسے آفتابِ عالم تاب کے مقابلہ میں ایک چراغ یا ایک صحرا کے مقابلہ میں ایک ذرہ یا ایک سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ آپ کی تبلیغ نے عالم میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا کہ کائنات ہستی کی ہر پستی کو معراجِ کمال کی سربلندی عطا فرما کر ذلت کی زمین کو عزت کا آسمان بنا دیا اور دینِ حنیف کے اُس مقدس اور نورانی محل کو جس کی تعمیر کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء و رُسل معمار بنا کر بھیجے جاتے رہے آپ نے

خاتم النبیین کی شان سے اُس قصرِ ہدایت کو اس طرح مکمل فرمادیا کہ حضرت حق جل جلالہٗ نے اُس پر اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی مہر لگادی۔

جب دین اسلام مکمل ہوچکا اور دنیا میں آپ کے تشریف لانے کا مقصد پورا ہوچکا تو اللہ تعالیٰ کے وعدہ محکم اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ کے پورا ہونے کا وقت آگیا۔

حضور کو اپنی وفات کا علم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پہلے سے اپنی وفات کا علم حاصل ہوگیا تھا اور آپ نے مختلف مواقع پر لوگوں کو اس کی خبر بھی دے دی تھی۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے لوگوں کو یہ فرماکر رخصت فرمایا تھا کہ۔

"شاید اس کے بعد میں تمہارے ساتھ حج نہ کرسکوں گا"

اسی طرح "غدیرخم" کے خطبہ میں اسی انداز سے کچھ اسی قسم کے الفاظ آپ کی زبانِ اقدس سے ادا ہوئے تھے اگرچہ ان دونوں خطبات میں لفظ لَعَلَّ (شاید) فرماکر ذرا پردہ ڈالتے ہوئے اپنی وفات کی خبر دی مگر حجۃ الوداع سے واپس آکر آپ نے جو خطبات ارشاد فرمائے اس میں لعل (شاید) کا لفظ آپ نے نہیں فرمایا بلکہ صاف صاف اور یقین کے ساتھ اپنی وفات کی خبر سے لوگوں کو آگاہ فرمادیا۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے گئے اور شہداء اُحد کی قبروں پر اس طرح نماز پڑھی جیسے میت پر نماز پڑھی جاتی ہے پھر پلٹ کر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہارا پیش رو تم سے پہلے وفات پانے والا ہوں۔ اور تمہارا گواہ ہوں اور میں خدا کی قسم اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں۔ (بخاری کتاب الحوض ج ۲ صہ ۹۷۵)

اس حدیث میں اِنِّیْ فَرَطٌ لَّکُمْ فرمایا۔ یعنی میں اب تم لوگوں سے پہلے ہی وفات پاکر جارہا ہوں تاکہ وہاں جاکر تم لوگوں کے لیے حوض کوثر وغیرہ کا انتظام کروں۔

یہ قصہ مرضِ وفات شروع ہونے سے پہلے کا ہے لیکن اس قصہ کو بیان فرماتے کے

وقت آپ کو اس کا یقینی علم حاصل ہو چکا تھا کہ میں کب اور کس وقت دنیا سے جانے والا ہوں اور مرضِ وفات شروع ہونے کے بعد تو اپنی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو صاف صاف لفظوں میں بغیر "شاید" کا لفظ فرماتے ہوئے اپنی وفات کی خبر دے دی چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ۔

اپنے مرضِ وفات میں آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور چپکے چپکے ان سے کچھ فرمایا تو وہ رو پڑیں۔ پھر بلایا اور چپکے چپکے کچھ فرمایا تو وہ ہنس پڑیں جب ازواجِ مطہرات نے اس کے بارے میں حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ آہستہ مجھ سے یہ فرمایا کہ میں اسی بیماری میں وفات پا جاؤں گا تو میں رو پڑی۔ پھر چپکے چپکے مجھ سے فرمایا کہ میرے بعد میرے گھر والوں میں سے سب سے پہلے تم وفات پا کر میرے پیچھے آؤ گی تو میں ہنس پڑی۔

(بخاری باب مرض النبی ج ۲ ص ۶۳۸)

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات سے پہلے اپنی وفات کے وقت کا علم حاصل ہو چکا تھا۔ کیونکہ جب دوسرے لوگوں کی وفات کے اوقات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے آگاہ فرما دیا تھا تو اگر خداوند علام الغیوب کے بتا دینے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کے وقت کا قبل از وقت علم ہو گیا تو اس میں کونسا استبعاد ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو علم ماکان ومایکون عطا فرمایا۔ یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کا علم عطا فرما کر آپ کو دنیا سے اٹھایا۔ چنانچہ اس مضمون کو ہم نے اپنی کتاب "قرآنی تقریریں" میں مفصل تحریر کر دیا ہے۔

علالت کی ابتداء

مرض کی ابتداء کب ہوئی؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنے دنوں تک علیل رہے؟ اس میں مورخین کا اختلاف ہے۔ بہر حال ۲۰ یا ۲۲ صفر سن ۱۱ھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں جو عام مسلمانوں کا قبرستان ہے۔ آدھی رات میں تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو مزاج اقدس

ناساز ہو گیا۔ یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص۴۱۷ و زرقانی ج ۳ ص۱۱۰)

دو شنبہ کے دن آپ کی علالت بہت شدید ہو گئی۔ آپ کی خواہش پر تمام ازواجِ مطہرات نے اجازت دے دی کہ آپ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں قیام فرمائیں۔ چنانچہ حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ عنہما نے سہارا دے کر آپ کو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں پہنچا دیا۔ جب تک طاقت رہی آپ خود مسجد نبوی میں نمازیں پڑھاتے رہے جب کمزوری بہت زیادہ بڑھ گئی تو آپ نے حکم دیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے مصلی پر امامت کریں۔ چنانچہ سترہ نمازیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھائیں۔

ایک دن ظہر کی نماز کے وقت مرض میں کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ سات پانی کی مشکیں میرے اوپر ڈالی جائیں۔ جب آپ غسل فرما چکے تو حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آپ کا مقدس بازو تھام کر آپ کو مسجد میں لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے آہٹ پا کر پیچھے ہٹنے لگے مگر آپ نے اشارہ سے ان کو روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ آپ کو دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مقتدی لوگ ارکانِ نماز ادا کرتے رہے۔ نماز کے بعد آپ نے ایک خطبہ بھی دیا جس میں بہت سی وصیتیں اور احکامِ اسلام بیان فرما کر انصار کے فضائل اور ان کے حقوق کے بارے میں کچھ کلمات ارشاد فرمائے اور سورۂ والعصر اور ایک آیت بھی تلاوت فرمائی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص۴۲۵ و بخاری ج ۲ ص۶۳۹)

گھر میں سات دینار رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم ان دیناروں کو لاؤ تاکہ میں ان دیناروں کو خدا کی راہ میں خرچ کر دوں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے آپ نے ان دیناروں کو تقسیم کر دیا اور اپنے گھر میں ایک ذرہ بھر بھی سونا یا چاندی نہیں چھوڑا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص۴۲۴)

آپ کے مرض میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ خاص وفات کے دن یعنی دو شنبہ کے روز طبیعت اچھی تھی۔ حجرہ مسجد سے متصل ہی تھا۔ آپ نے پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ نماز فجر

پڑھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر خوشی سے آپ ہنس پڑے۔ لوگوں نے سمجھا کہ آپ مسجد میں آنا چاہتے ہیں۔ مارے خوشی کے تمام لوگ بے قابو ہو گئے مگر آپ نے اشارہ سے روکا، اور حجرہ میں داخل ہو کر پردہ ڈال دیا۔ یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ کرام نے جمال نبوت کی زیارت کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کا رخِ انور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا قرآن کا کوئی ورق ہے۔ یعنی سفید ہو گیا تھا۔

(بخاری ج ۲ صفحہ ۶۴۰ باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ)

اس کے بعد بار بار غشی کا دورہ پڑنے لگا۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی زبان سے شدتِ غم میں یہ لفظ نکل گیا "وَاکَرْبَ اَبَاہُ" ہائے رے میرے باپ کی بے چینی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بیٹی! تمہارا باپ آج کے بعد کبھی بے چین نہ ہوگا۔

(بخاری ج ۲ صفحہ ۶۴۱ باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اس کے بعد بار بار آپ یہ فرماتے رہے کہ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ یعنی اُن لوگوں کے ساتھ جن پر خدا کا انعام ہے اور کبھی یہ فرماتے کہ "اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الاعلی ------ خداوندا! بڑے رفیق میں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ بھی پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ بے شک موت کے لیے سختیاں ہیں۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ تندرستی کی حالت میں آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ وفات کو قبول کریں یا حیاتِ دنیا کو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہوئے تو میں نے سمجھ لیا کہ آپ نے آخرت کو قبول فرمالیا۔

(بخاری ج ۲ صفحہ ۶۴۰ وصفحہ ۶۴۱ باب آخر ما تکلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

وفات سے تھوڑی دیر پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبد الرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ تازہ مسواک ہاتھ میں لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کی طرف نظر جما کر دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سمجھا کہ مسواک کی خواہش ہے۔ انہوں نے فوراً ہی مسواک لے کر اپنے دانتوں سے نرم کی اور دستِ اقدس میں دے دی۔ آپ نے مسواک فرمائی۔ سہ پہر کا وقت تھا کہ سینۂ اقدس میں سانس کی گھرگھراہٹ محسوس ہونے لگی اتنے میں لب مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے کہ۔

اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ نماز اور لونڈی غلاموں کا خیال رکھو۔

پاس میں پانی کی ایک لگن تھی اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرۂ اقدس پر ملتے اور کلمہ پڑھتے چادر مبارک کو کبھی منہ پر ڈالتے کبھی ہٹا دیتے تھے۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سر اقدس کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی ہوئی تھیں۔ اتنے میں آپ نے ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ فرمایا اور تین مرتبہ یہ فرمایا کہ۔

بَلِ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی۔ (اب کوئی نہیں) بلکہ وہ بڑا رفیق چاہیے۔

یہی الفاظ زبانِ اقدس پر تھے کہ ناگہاں مقدس ہاتھ لٹک گئے اور آنکھیں چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کھلی کی کھلی رہیں اور آپ کی قدسی روح عالم قدس میں پہنچ گئی۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون) اللھم صل وسلم وبارک علی سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۴۰ و ص ۶۴۱ باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

تاریخِ وفات میں مورخین کا بڑا اختلاف ہے۔ لیکن اس پر تمام علماء سیرت کا اتفاق ہے کہ دوشنبہ کا دن اور ربیع الاول کا مہینہ تھا۔ بہر حال عام طور پر یہی مشہور ہے کہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ دوشنبہ کے دن تیسرے پہر آپ نے وصال فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وفات کا اثر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے حضرات صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ عظام کو کتنا بڑا صدمہ پہنچا؟ اور اہلِ مدینہ کا کیا حال ہو گیا؟ اس کی تصویر کشی کے لیے ہزاروں صفحات بھی متحمل نہیں ہو سکتے۔ وہ شمع نبوت کے پروانے جو چند دنوں تک جمالِ نبوت کا دیدار نہ کرتے تو ان کے دل بے قرار اور ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ان عاشقانِ رسول پر جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی فراق کا کتنا روح فرسا، اور کس قدر جانکاہ صدمہ عظیم ہوا ہو گا؟ جلیل القدر صحابہ کرام بلا مبالغہ ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ ان کی عقلیں گم ہو گئیں، آوازیں بند ہو گئیں اور وہ اس قدر مخبوط الحواس ہو گئے کہ ان کے لیے یہ سوچنا بھی مشکل ہو گیا کہ کیا کہیں؟ اور کیا کریں؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر ایسا سکتہ طاری ہو گیا کہ وہ ادھر اُدھر بھاگے بھاگے پھرتے تھے مگر کسی سے نہ کچھ کہتے تھے نہ کسی کی کچھ

سنتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رنج و ملال میں نڈھال ہو کر اس طرح بیٹھ رہے کہ ان میں اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کی سکت ہی نہیں رہی۔ حضرت عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کے قلب پر ایسا دھچکا لگا کہ وہ اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکے۔ اور ان کا ہارٹ فیل ہو گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر ہوش و حواس کھو بیٹھے کہ انہوں نے تلوار کھینچ لی اور ننگی تلوار لے کر مدینہ کی گلیوں میں ادھر اُدھر آتے جاتے تھے اور یہ کہتے پھرتے تھے کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو میں اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ وفات کے بعد حضرت عمر و حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما اجازت لے کر مکان میں داخل ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کہ بہت ہی سخت غشی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ جب وہ وہاں سے چلنے لگے تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے عمر! تمہیں کچھ خبر بھی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا ہے۔ یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپے سے باہر ہو گئے اور تڑپ کر بولے کہ اے مغیرہ! تم جھوٹے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت تک انتقال نہیں ہو سکتا جب تک دنیا سے ایک ایک منافق کا خاتمہ نہ ہو جائے۔

مواہب لدنیہ میں طبری سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ "سُنح" میں تھے جو مسجد نبوی سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ ان کی بیوی حضرت حبیبہ بنت خارجہ رضی اللہ عنہا وہیں رہتی تھیں۔ چونکہ دو شنبہ کی صبح کو مرض میں کمی نظر آئی اور کچھ سکون معلوم ہوا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی تھی کہ تم "سُنح" چلے جاؤ اور بیوی بچوں کو دیکھتے آؤ۔

بخاری شریف وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر "سُنح" سے آئے اور کسی سے کوئی بات نہ کہی نہ سنی۔ سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں چلے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور سے چادر ہٹا کر آپ پر

جھکے اور آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان نہایت گرم جوشی کے ساتھ ایک بوسہ دیا۔ اور کہا کہ آپ اپنی حیات اور وفات دونوں حالتوں میں پاکیزہ رہے۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ ہرگز خداوند تعالےٰ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں فرمائے گا۔ آپ کی جو موت لکھی ہوئی تھی آپ اُس موت کے ساتھ وفات پاچکے اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمر! بیٹھ جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں چھوڑ دیا۔ اور خود لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے خطبہ دینا شروع کر دیا کہ۔

اما بعد۔ جو شخص تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ اور جو شخص تم میں سے خدا کی پرستش کرتا تھا تو خدا زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔

پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سورہ آل عمران کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤی اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيَجْزِی اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (آل عمران)

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا، اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب اللہ شکر ادا کرنے والوں کو ثواب دے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوئی اس آیت کو جانتا ہی نہ تھا ان سے سن کر ہر شخص اسی آیت کو پڑھنے لگا۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۶۶ باب الدخول علی المیت الخ و مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۳۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے سورۂ آل عمران کی یہ آیت سنی تو مجھے معلوم ہو گیا کہ واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اضطراب کی حالت میں ننگی شمشیر لے کر جو اعلان کرتے پھرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا اس سے رجوع کیا اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ گویا ہم پر ایک پردہ پڑا ہوا تھا کہ اس آیت کی طرف ہمارا دھیان ہی نہیں گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ نے اس پردہ کو اٹھا دیا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۳۴)

تجہیز و تکفین

چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمادی تھی کہ میری تجہیز و تکفین میرے اہل بیت اور اہل خاندان کریں۔ اس لیے کہ یہ خدمت آپ کے خاندان ہی کے لوگوں نے انجام دی۔ چنانچہ حضرت فضل بن عباس و حضرت قثم بن عباس و حضرت علی و حضرت عباس و حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے مل جل کر آپ کو غسل دیا اور ناف مبارک اور پلکوں پر جو پانی کے قطرات اور تری جمع تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جوشِ محبت اور فرطِ عقیدت سے اس کو زبان سے چاٹ کر پی لیا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۲۸ و ص ۴۲۹)

غسل کے بعد تین سوتی کپڑوں کا جو "سحول" گاؤں کے بنے ہوئے تھے کفن بنایا گیا ان میں قمیص و عمامہ نہ تھا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۶۹ باب الثیاب البیض للکفن)

نمازِ جنازہ

جنازہ تیار ہوا تو لوگ نمازِ جنازہ کے لیے ٹوٹ پڑے۔ پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے نماز جنازہ پڑھی جنازہ مبارکہ حجرۂ مقدسہ کے اندر ہی تھا۔ باری باری سے تھوڑے تھوڑے لوگ اندر جاتے تھے اور نماز پڑھ کر چلے آتے تھے لیکن کوئی امام نہ تھا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۰ و ابن ماجہ ص ۱۱۸ باب ذکر وفاتہ)

قبر انور

حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے قبر شریف تیار کی جو بغلی تھی جسمِ اطہر کو حضرت علی و حضرت فضل بن عباس و حضرت عباس، و حضرت قثم بن

عباس رضی اللہ عنہم نے قبر منور میں آتارا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص۴۴۲)

لیکن ابوداؤد کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُسامہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما بھی قبر میں اترے تھے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص۴۵۸ باب کم یدخل القبر)

صحابہ کرام میں یہ اختلاف رونما ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے کچھ لوگوں نے کہا کہ مسجد نبوی میں آپ کا مدفن ہونا چاہیے اور کچھ نے یہ رائے دی کہ آپ کو صحابہ کرام کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ ہر نبی اپنی وفات کے بعد اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جس جگہ اس کی وفات ہوئی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو سن کر لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچھونے کو اٹھایا اور اسی جگہ (حجرہ عائشہ) میں آپ کی قبر تیار کی۔ اور آپ اسی میں مدفون ہوئے۔ (ابن ماجہ ص۱۱۸ باب ذکر وفاتہ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل شریف اور تجہیز و تکفین کی سعادت میں حصہ لینے کے لیے ظاہر ہے کہ شمع نبوت کے پروانے کس قدر بے قرار رہے ہوں گے! مگر جیسا کہ ہم تحریر کر چکے کہ چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ہی یہ وصیت فرمادی تھی کہ میرے غسل اور تجہیز و تکفین میرے اہل بیت ہی کریں۔ پھر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی بحیثیت امیر المومنین ہونے کے یہی حکم دیا کہ "یہ اہلِ بیت ہی کا حق ہے" اس لیے حضرت عباس اور اہل بیت نے کواڑ بند کر کے غسل دیا اور کفن پہنایا مگر شروع سے آخر تک خود حضرت امیر المومنین اور دوسرے تمام صحابہ کرام حجرہ مقدسہ کے باہر حاضر رہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص۴۴۲)

حضور کا ترکہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی اس قدر زاہدانہ تھی کہ کچھ اپنے پاس رکھتے ہی نہیں تھے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ آپ نے وفات کے بعد کیا چھوڑا ہوگا؟ چنانچہ حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ۔

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِہٖ دِرْھَمًا وَلَا دِیْنَارًا وَلَا عَبْدًا وَلَا اَمَۃً وَلَا شَیْئًا اِلَّا بَغْلَتَہُ الْبَیْضَاءَ وَسِلَاحَہٗ وَاَرْضًا جَعَلَھَا صَدَقَۃً۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت نہ درہم و دینار چھوڑا نہ لونڈی و غلام نہ اور کچھ، صرف اپنا سفید خچر اور ہتھیار، اور کچھ زمین جو عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔ چھوڑا تھا۔

(بخاری ج ۱ ص ۳۸۲ کتاب الوصایا)

بہر حال پھر بھی آپ کے متروکات میں تین چیزیں تھیں (۱) بنو نضیر، فدک، خیبر کی زمینیں (۲) سواری کا جانور (۳) ہتھیار، یہ تینوں چیزیں قابل ذکر ہیں۔

زمین بنو نضیر، فدک، خیبر کی زمینوں کے باغات وغیرہ کی آمدنیاں آپ اپنے اور اپنی ازواجِ مطہرات کے سال بھر کے اخراجات اور فقراء و مساکین اور عام مسلمانوں کی حاجات میں صرف فرماتے تھے (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۵ و ابوداؤد ج ۲ ص ۴۱۲ باب صفایا رسول اللہ)

• حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عباس اور حضرت فاطمہ اور بعض ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہم چاہتی تھیں کہ ان جائدادوں کو میراث کے طور پر وارثوں کے درمیان تقسیم ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے ان لوگوں نے اس کی درخواست پیش کی مگر آپ اور حضرت عمر وغیرہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں کو یہ حدیث سنا دی کہ۔

لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ

ہم (انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ مسلمانوں پر صدقہ ہے۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۴۱۳ و بخاری ج ۱ ص ۴۳۶ باب فرض الخمس)

اور اس حدیث کی روشنی میں صاف صاف کہہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے بموجب یہ جائدادیں وقف ہو چکی ہیں۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مقدس زندگی میں جن مدات و مصارف میں ان کی آمدنیاں خرچ فرمایا کرتے تھے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اصرار سے بنو نضیر کی جائداد کا ان دونوں کو اس شرط پر متولی بنا دیا تھا کہ

اس جائداد کی آمدنیاں انہیں مصارف میں خرچ کرتے رہیں گے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ فرمایا کرتے تھے پھر ان دونوں میں کچھ ان بن ہوگئی اور ان دونوں حضرات نے یہ خواہش ظاہر کی کہ بنو نضیر کی جائداد تقسیم کر کے آدھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تولیت میں دے دی جائے اور آدھی کے متولی حضرت علی رضی اللہ عنہ رہیں مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخواست کو نامنظور فرما دیا۔ (ابوداؤد ج ۲ صہ ۴۱۳ باب فی وصایا رسول اللہ و بخاری ج ا صہ ۴۳۶ باب فرض الخمس)

لیکن خیبر اور فدک کی زمینیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانے تک خلفاء ہی کے ہاتھوں میں رہیں حاکم مدینہ مروان بن الحکم نے اس کو اپنی جاگیر بنالی تھی مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں پھر وہی عملدرآمد جاری کر دیا جو حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں تھا۔

(ابوداؤد ج ۲ صہ ۴۱۲ باب فی وصایا رسول اللہ مطبوعہ نامی پریس)

سواری کے جانور

زرقانی علی المواہب وغیرہ میں لکھا ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں سات گھوڑے پانچ خچر تین گدھے دو اونٹنیاں تھیں۔ (زرقانی ج ۳ صہ ۳۸۶ تا صہ ۳۹۱)

لیکن اس میں یہ تشریح نہیں ہے کہ بوقت وفات ان میں سے کتنے جانور موجود تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانور دوسروں کو عطا فرماتے رہتے تھے کچھ نئے خریدتے کچھ ہدایا اور نذرانوں میں ملتے بھی رہے۔

بہر حال روایات صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات اقدس کے وقت جو سواری کے جانور موجود تھے ان میں ایک گھوڑا تھا جس کا نام "لحیف" تھا ایک سفید خچر تھا جس کا نام "دلدل" تھا یہ بہت ہی عمر دراز ہوا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے تک زندہ رہا آننا بڈھا ہو گیا تھا کہ اس کے تمام دانت گر گئے تھے اور آخر میں اندھا بھی ہو گیا تھا ابن عساکر کی تاریخ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جنگ خوارج میں اس پر سوار ہوئے تھے۔ (زرقانی ج ۳ صہ ۳۸۹)

ایک عربی گدھا تھا جس کا نام "عفیر" تھا ایک اونٹنی تھی جس کا نام "عضباء و قصواء" تھا یہ وہی اونٹنی تھی جس کو بوقت ہجرت آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا اس اونٹنی پر آپ نے ہجرت فرمائی اور اسی کی پشت پر حجۃ الوداع میں آپ نے عرفات و منیٰ کا خطبہ پڑھا تھا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ہتھیار

چونکہ جہاد کی ضرورت ہر وقت درپیش رہتی تھی اس لیے آپ کے اسلحہ خانہ میں نو یا دس تلواریں، سات لوہے کی زرہیں چھ کمانیں، ایک تیردان، ایک ڈھال، پانچ برچھیاں، دو مغفر، تین جبے ایک سیاہ رنگ کا بڑا جھنڈا باقی سفید و زرد رنگ کے چھوٹے چھوٹے جھنڈے تھے ایک خیمہ بھی تھا۔

ہتھیاروں میں تلواروں کے بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں کہ یہ سب تلواریں بیک وقت جمع تھیں یا مختلف اوقات میں آپ کے پاس رہیں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۹۵)

ظروف و مختلف سامان

ظروف اور برتنوں میں کئی پیالے تھے ایک شیشہ کا پیالہ بھی تھا، ایک پیالہ لکڑی کا تھا جو پھٹ گیا تھا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کے شگاف کو بند کرنے کے لیے ایک چاندی کی زنجیر سے اس کو جکڑ دیا تھا۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۳۸ باب ما ذکر من درع النبی)

چمڑے کا ایک ڈول، ایک پرانی مشک، ایک پتھر کا تغار، ایک بڑا سا پیالہ جس کا نام "السعہ" تھا، ایک چمڑے کا تھیلا جس میں آپ آئینہ، قینچی اور مسواک رکھتے تھے، ایک کنگھی ایک سرمہ دانی، ایک بہت بڑا پیالہ جس کا نام "الغراء" تھا صاع اور مد دو ناپنے کے پیمانے۔ ان کے علاوہ ایک چارپائی جس کے پائے سیاہ لکڑی کے تھے۔ یہ چارپائی حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ہدیۃً خدمتِ اقدس میں پیش کی تھی، بچھونا اور تکیہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، مقدس جوتیاں، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسباب و سامانوں کی ایک فہرست ہے جن کا تذکرہ احادیث میں متفرق طور پر آتا ہے۔

تبرکاتِ نبوت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان متروکہ سامانوں کے علاوہ بعض یادگاری تبرکات بھی تھے جن کو عاشقانِ رسول فرطِ عقیدت سے اپنے اپنے گھروں میں محفوظ کیے ہوئے تھے اور ان کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے چنانچہ موئے مبارک، نعلین شریفین اور ایک لکڑی کا پیالہ جو چاندی کے تاروں سے جوڑا ہوا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان تینوں آثار متبرکہ کو اپنے گھر میں محفوظ رکھا تھا۔

(بخاری ج ۱ ص ۴۳۸ باب ما ذکر من درع النبی الخ)

اسی طرح ایک موٹا کمبل حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جن کو وہ بطور تبرک اپنے پاس رکھے ہوئے تھیں۔ اور لوگوں کو اس کی زیارت کراتی تھیں چنانچہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمتِ مبارکہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا تو انہوں نے ایک موٹا کمبل نکالا اور فرمایا کہ یہ وہی کمبل ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔

(بخاری ج ۱ ص ۴۳۸ باب ما ذکر من درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تلوار جس کا نام "ذوالفقار" تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ اس کے بعد ان کے خاندان میں رہی۔ یہاں تک کہ یہ تلوار کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ اس کے بعد ان کے فرزند و جانشین حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس رہی۔ چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ کے پاس سے رخصت ہو کر مدینہ تشریف لائے تو مشہور صحابی حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ کو کوئی حاجت ہو یا میرے لائق کوئی کارِ خدمت ہو تو آپ مجھے حکم دیں میں آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں آپ نے فرمایا مجھے کوئی حاجت نہیں پھر حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے یہ گزارش کی کہ آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تلوار (ذوالفقار) ہے کیا آپ وہ مجھے عنایت فرما سکتے ہیں؟ کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یزید کی قوم آپ پر غالب آ جائے اور یہ تبرک آپ کے ہاتھ

سے جاتا رہے اور اگر آپ نے اس مقدس تلوار کو مجھے عطا فرما دیا تو خدا کی قسم جب تک میری ایک سانس باقی رہے گی ان لوگوں کی اس تلوار تک رسائی بھی نہیں ہو سکتی مگر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اس مقدس تلوار کو اپنے سے جدا کرنا گوارا نہیں فرمایا۔

(بخاری ج ا ص ۴۳۹ باب ما ذکر من درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ کی انگوٹھی اور عصائے مبارک پر جانشین ہونے کی بنا پر خلفائے کرام حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم اپنے اپنے دورِ خلافت میں تابعق رہے مگر انگوٹھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کنوئیں میں گر کر ضائع ہو گئی۔ اس کنوئیں کا نام "بیر اریس" ہے جس کو لوگ "بیر خاتم" بھی کہتے ہیں۔

(بخاری ج ۲ ص ۸۷۲ باب خاتم الفضۃ)

اور عصائے مبارک اس طرح ضائع ہوا کہ حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسی مقدس عصائے نبوی کو اپنے دستِ مبارک میں لے کر مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ بالکل ناگہاں بد نصیب "جہجاہ غفاری" اٹھا اور اچانک آپ کے ہاتھ سے اس مبارک تبرک کو لے کر توڑ ڈالا۔ اس بے ادبی سے اس پر یہ قہر الٰہی ٹوٹ پڑا کہ اس کے ہاتھ میں کینسر ہو گیا اور پورا ہاتھ سڑ گل کر ٹوٹ پڑا اور اسی عذاب میں وہ ہلاک ہو گیا۔ (دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۱۱)

اسی قسم کے دوسرے اور بھی تبرکاتِ نبویہ ہیں جو مختلف صحابہ کرام کے پاس محفوظ تھے، جن کا تذکرہ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں جا بجا متفرق طور پر مذکور ہے اور ان مقدس تبرکات سے صحابہ کرام اور تابعین عظام کو اس قدر والہانہ محبت تھی کہ وہ ان کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔

سترہواں باب

شمائل و خصائل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح کمالِ سیرت میں تمام اولین و آخرین سے ممتاز اور افضل و اعلیٰ بنایا اسی طرح آپ کو جمالِ صورت میں بھی بے مثل و بے مثال پیدا فرمایا ہم اور آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بے مثال کو بھلا کیا سمجھ سکتے ہیں؟ حضرات صحابہ کرام جو دن رات سفر و حضر میں جمالِ نبوت کی تجلیاں دیکھتے رہے. انہوں نے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ بے مثال کے فضل و کمال کی جو مصوری کی ہے اس کو سن کر یہی کہنا پڑتا ہے جو کسی مداحِ رسول نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

لَمْ یَخْلُقِ الرَّحْمٰنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ

اَبَدًا وَّ عِلْمِیْ اَنَّهٗ لَا یَخْلُقُ

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل پیدا فرمایا ہی نہیں اور میں یہی جانتا ہوں کہ وہ کبھی نہ پیدا کرے گا۔ (حیوٰۃ الحیوان دمیری ج ۱ ص ۴۲)

صحابیِ رسول اور تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درباری شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے قصیدۂ ہمزیہ میں جمالِ نبوت کی شانِ بے مثال کو اس شان کے ساتھ بیان فرمایا کہ ؎

وَاَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِیْ!

وَاَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

یعنی یا رسول اللہ! آپ سے زیادہ حسن و جمال والا میری آنکھ نے کبھی کسی کو دیکھا ہی نہیں اور آپ سے زیادہ کمال والا کسی عورت نے جنا ہی نہیں۔

⁂

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ !
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

(یا رسول اللہ) آپ ہر عیب و نقصان سے پاک پیدا کیے گئے ہیں گویا آپ ایسے ہی پیدا کیے گئے جیسے حسین و جمیل پیدا ہونا چاہتے تھے۔

حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ بردہ میں فرمایا کہ ؎

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِيْ مَحَاسِنِهٖ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمٖ

یعنی حضرت محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خوبیوں میں ایسے یکتا ہیں کہ اس معاملہ میں ان کا کوئی شریک ہی نہیں ہے کیونکہ ان میں جو حسن کا جوہر ہے وہ قابلِ تقسیم ہی نہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب قبلہ بریلوی قدس سرہ العزیز نے بھی اس مضمون کی عکاسی فرماتے ہوئے کتنے نفیس انداز میں فرمایا ہے کہ ؎

ترے خلق کو حق نے "جمیل" کہا ترے خُلق کو حق نے "عظیم" کہا
نہ ہوا ہے نہ ہو کوئی مثل ترا، تیرے خالقِ حسن و ادا کی قسم

بہر حال اس پر تمام اُمت کا ایمان ہے کہ تناسبِ اعضاء اور حسن و جمال میں حضور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل و بے مثال ہیں چنانچہ حضرات محدثین و مصنفینِ سیرت نے روایات صحیحہ کے ساتھ آپ کے ہر ہر عضو شریفہ کے تناسب اور حسن و جمال کو بیان کیا ہے۔ ہم بھی اپنی اس مختصر کتاب میں "حلیہ مبارکہ" کے ذکر جمیل سے حسن و جمال پیدا کرنے کے لیے اس عنوان پر حضرت مولانا محمد کامل صاحب چراغ ربانی نعمانی ولید پوری رحمۃ اللہ علیہ کے منظوم حلیہ مبارکہ کے چند اشعار نقل کرتے ہیں تاکہ اس عالم کامل کی برکتوں سے بھی یہ کتاب سرفراز ہو جائے۔ حضرت مولانا موصوف نے اپنی کتاب "پنجہ نور" میں تحریر فرمایا کہ:۔

حلیۂ مقدسہ

روحِ حق کا میں سراپا کیا لکھوں
حلیۂ نورِ خدا میں کیا لکھوں

پر جمالِ رحمۃ للعالمیں
جلوہ گر ہوگا مکانِ قبر میں

اس لیے ہے آگیا مجھ کو خیال
مختصر لکھ دوں جمالِ بے مثال

تاکہ یاروں کو مرے پہچان ہو
اور اس کی یاد بھی آسان ہو

تھا میانہ قد داوسط پاک تن
پر سپید و سرخ تھا رنگِ بدن

چاند کے ٹکڑے تھے اعضاء آپ کے
تھے حسین و گول سانچے میں ڈھلے

تھی جبیں روشن کشادہ آپ کی
چاند میں ہے داغ وہ بے داغ تھی

دونوں ابرو تھیں مثالِ دو ہلال
اور دونوں کو ہوا تھا اتصال

اتصالِ دو مہ "عیدین" تھا
یا کہ ادنیٰ قرب تھا قوسین کا

تھیں بڑی آنکھیں حسین و سرمگیں
دیکھ کر قرباں تھیں سب حوریں

کان دونوں خوب صورت ارجمند
ساتھ خوبی کے دہن بینی بلند

صاف آئینہ تھا چہرہ آپ کا
صورت اپنی اس میں ہر اک دیکھتا

تا بہ سینہ ریش محبوبِ الٰہ
خوب تھی گنجان مو، رنگ سیاہ

تھا سپید اکثر لباسِ پاک تن
ہو ازار و جبہ دیا پیرہن

سبز رہتا تھا عمامہ آپ کا
پر کبھی سود و سپید و صاف تھا

میں کہوں پہچان عمدہ آپ کی
دونوں عالم میں نہیں ایسا کوئی

جسمِ اطہر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اقدس کا رنگ گورا سپید تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کا مقدس بدن چاندی سے ڈھال کر بنایا گیا ہے۔ (شمائل ترمذی ص ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ کا جسمِ مبارک نہایت نرم و نازک تھا۔ میں نے دیبا و حریر (ریشمی کپڑوں) کو بھی آپ کے بدن سے زیادہ نرم و نازک

نہیں دیکھا اور آپ کے جسمِ مبارک کی خوشبو سے زیادہ اچھی کبھی کوئی خوشبو نہیں سونگھی

(بخاری ج ۱ ص ۵۰۳ باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ انور اس طرح چمک اٹھتا تھا کہ گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے اور ہم لوگ اسی کیفیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادمانی و مسرت کو پہچان لیتے تھے۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۰۲ باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ کے رخِ انور پر پسینہ کے قطرات موتیوں کی طرح ڈھلکتے تھے اور اس میں مشک و عنبر سے بڑھکر خوشبو رہتی تھی چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت بی بی ام سلیم رضی اللہ عنہا ایک چمڑے کا بستر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بچھا دیتی تھیں اور آپ اس پر دوپہر کو قیلولہ فرمایا کرتے تھے تو آپ کے جسمِ اطہر کے پسینے کو وہ ایک شیشی میں جمع فرما لیتی تھیں پھر اس کو اپنی خوشبو میں ملا لیا کرتی تھیں چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد میرے بدن اور کفن میں وہی خوشبو لگائی جائے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کا پسینہ ملا ہوا ہے۔

(بخاری ج ۲ ص ۹۲۹ باب من زار قوما فقال عندہم و بخاری ج ۱ ص ۳۶۵ حدیث الافک)

جسمِ انور کا سایہ نہ تھا

آپ کے تنِ مبارک کا سایہ نہ تھا حکیم ترمذی (متوفی ۲۵۵ھ) نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں حضرت ذکوان تابعی سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں پڑتا تھا امام ابن سبع کا قول ہے کہ یہ آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور آپ نور تھے اس لیے جب آپ دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا اور بعض کا قول ہے کہ اس کی شاہد وہ حدیث ہے جس میں آپ کی اس دعا کا ذکر ہے کہ آپ نے یہ دعا مانگی کہ خداوندا! تو میرے تمام اعضاء کو نور بنا دے اور آپ نے اپنی اس دعا کو اس قول پر ختم فرمایا کہ "وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا" یعنی یا اللہ تو مجھ کو سراپا نور بنا دے ظاہر ہے کہ

جب آپ سراپا نور تھے تو پھر آپ کا سایہ کہاں سے پڑتا؟

اسی طرح عبداللہ بن مبارک اور ابن الجوزی نے بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔

(زرقانی ج ۵ ص ۲۴۹)

مکھی، مچھر، جوؤں سے محفوظ

حضرت امام فخرالدین رازی نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے اور علامہ حجازی وغیرہ سے بھی یہی منقول ہے کہ بدن تو بدن، آپ کے کپڑوں پر بھی کبھی مکھی نہیں بیٹھی اور کپڑوں میں کبھی جوئیں پڑیں، نہ کبھی کھٹمل یا مچھر نے آپ کو کاٹا۔ اس مضمون کو ابوالربیع سلیمان بن سبیع نے اپنی کتاب "شفاء الصدور فی اعلام نبوۃ الرسول" میں بیان فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ نور تھے۔ پھر مکھیوں کی آمد، جوؤں کا پیدا ہونا چونکہ گندگی، بدبو وغیرہ کی وجہ سے ہوا کرتا ہے اور آپ چونکہ ہر قسم کی گندگیوں سے پاک اور آپ کا جسم اطہر خوشبودار تھا۔ اس لیے آپ ان چیزوں سے محفوظ رہے امام سبتی نے بھی اس مضمون کو "اعظم الموارد" میں مفصل لکھا ہے (زرقانی ج ۵ ص ۲۴۹)

مہر نبوت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان کبوتر کے انڈے کے برابر مہر نبوت تھی۔ یہ بظاہر سرخی مائل ابھرا ہوا گوشت تھا۔ چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے بیچ میں مہر نبوت کو دیکھا جو کبوتر کے انڈے کی مقدار میں سرخ ابھرا ہوا ایک غدود تھا۔

(شمائل ترمذی ص ۳ و ترمذی ج ۲ ص ۲۰۷)

لیکن ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مہر نبوت کبوتر کے انڈے کے برابر تھی اور اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی کہ:۔

اَللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ تَوَجَّهْ حَيْثُ كُنْتَ فَاِنَّكَ مَنْصُوْرٌ

یعنی ایک اللہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں (اے رسول!) آپ جہاں بھی

رہیں گے آپ کی مدد کی جائے گی اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ :۔

"کَانَ نُوْرًا یَتَلَأْلَأُ"

یعنی مہر نبوت ایک چمکتا ہوا نور تھا۔ راویوں نے اس کی ظاہری شکل و صورت اور مقدار کو کبوتر کے انڈے سے تشبیہ دی ہے (حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۲۰۵ باب ما جاء فی خاتم النبوۃ)

قد مبارک

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت زیادہ لمبے تھے نہ پستہ قد بلکہ آپ درمیانی قد والے تھے اور آپ کا مقدس بدن انتہائی خوب صورت تھا جب چلتے تھے تو کچھ خمیدہ ہو کر چلتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص ۱)

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نہ طویل القامت تھے نہ پستہ قد بلکہ آپ میانہ قد تھے۔ بوقت رفتار ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کسی بلندی سے اتر رہے ہیں میں نے آپ کا مثل نہ آپ سے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۱)

اس پر صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ آپ میانہ قد تھے لیکن یہ آپ کی معجزانہ شان ہے کہ میانہ قد ہونے کے باوجود اگر آپ ہزاروں انسانوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو آپ کا سر مبارک سب سے زیادہ اونچا نظر آتا تھا۔

قد بے سایہ کے سایۂ مرحمت ظلِ ممدودِ رافت پہ لاکھوں سلام
طائران قفس جس کی ہیں قمریاں اسی شہی سروِ قامت پہ لاکھوں سلام

سر اقدس

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا حلیہ مبارکہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "ضخم الراس" یعنی آپ کا سر مبارک بڑا تھا (جو شاندار اور وجیہ ہونے کا نشان ہے۔ (شمائل ترمذی ص ۱)

جس کے آگے سر سروراں خم رہیں اس سرِ تاج رفعت پہ لاکھوں سلام

مقدس بال

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک نہ گھونگھر دار تھے نہ بالکل سیدھے، بلکہ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان تھے آپ کے مقدس بال پہلے کانوں کی لو تک تھے پھر شانوں تک خوبصورت گیسو لٹکتے

رہتے تھے۔ مگر حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے اپنے بالوں کو اتروا دیا۔ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قبلہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مقدس بالوں کی ان تینوں صورتوں کو اپنے دو شعروں میں بہت ہی نفیس و لطیف انداز میں بیان فرمایا ہے کہ:

گوش تک سنتے تھے فریاد اب آئے تا دوش
تا بنیں خانہ بدوشوں کو سہارے گیسو
آخری حج غم امت میں پریشاں ہو کر
تیرہ بختوں کی شفاعت کو سدھارے گیسو

آپ اکثر بالوں میں تیل بھی ڈالتے تھے اور کبھی کبھی کنگھی بھی کرتے تھے اور اخیر زمانہ میں بیچ سر میں مانگ بھی نکالتے تھے آپ کے مقدس بال آخر عمر تک سیاہ رہے سر اور داڑھی شریف میں بیس بالوں سے زیادہ سفید نہیں ہوئے تھے۔
(شمائل ترمذی ص ۴۔۵)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں جب اپنے مقدس بال اتروائے تو وہ صحابہ کرام میں بطور تبرک تقسیم ہوئے اور صحابہ کرام نے نہایت ہی عقیدت کے ساتھ اس موئے مبارک کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور اس کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان مقدس بالوں کو ایک شیشی میں رکھ لیا تھا جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا کوئی مرض ہوتا تو آپ اس شیشی کو پانی میں ڈبو کر دیتی تھیں اور اس پانی سے شفا حاصل ہوتی تھی۔
(بخاری ج ۲ ص ۸۷۵ باب ما یذکر فی الشیب)

وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا
لکۂ ابر رحمت پہ لاکھوں سلام

رخ انور

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ منور جمال الٰہی کا آئینہ اور انوار تجلی کا مظہر تھا نہایت ہی وجیہ، پر گوشت اور کسی قدر گولائی لیے ہوئے تھا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ چاندنی رات میں دیکھا میں ایک مرتبہ چاند کی طرف دیکھتا اور ایک مرتبہ

آپ کے چہرۂ انور کو دیکھتا تو مجھے آپ کا چہرہ چاند سے بھی زیادہ خوب صورت نظر آتا تھا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ (چمک دمک) میں تلوار کی مانند تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ آپ کا چہرہ چاند کے مثل تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے حلیۂ مبارکہ کو بیان کرتے ہوئے یہ کہا کہ،

مَنْ رَاٰہُ بَدَاھَۃً ھَابَہٗ — جو آپ کو اچانک دیکھتا وہ آپ کے رعب

وَمَنْ خَالَطَہٗ مَعْرِفَۃً — داب سے ڈر جاتا اور پہچاننے کے بعد آپ

اَحَبَّہٗ (شمائل ترمذی ص ۲) — سے ملتا وہ آپ سے محبت کرنے لگتا تھا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں سے بڑھ کر خوبرو اور سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۰۲ باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرۂ انور کے بارے میں یہ کہا فلما تبینت وجھہ عرفت ان وجھہ لیس بوجہ کذاب۔ یعنی میں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو بغور دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ آپ کا چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہے (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۶۸ باب فضل الصدقہ)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب کہا کہ ؎

چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود — نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام

جس سے تاریک دل جگمگانے لگے — اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

عربی زبان میں بھی کسی مداح رسول نے آپ کے رخ انور کے حسن و جمال کا کتنا حسین منظر اور کتنی بہترین تشریح پیش کی ہے ؎

نَبِیُّ جَمَالٍ کُلُّ مَا فِیْہِ مُعْجِزٌ مِّنَ
الْحُسْنِ لٰکِنْ وَجْھُہُ الْاٰیَۃُ الْکُبْرٰی
یُنَادِیْ بَلَالُ الْخَالِ فِیْ صَحْنِ خَدِّہٖ
یُطَالِعُ مِنْ لَّاْلَاءِ غُرَّتِہِ الْفَجْرَا

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم حسن و جمال کے بھی نبی ہیں یوں تو ان کی ہر ہر چیز حسن کا معجزہ ہے لیکن خاص کر ان کا چہرہ تو آیت کبریٰ (بہت ہی بڑا معجزہ) ہے۔

ان کے رخسار کے صحن میں ان کے تل کا بلال ان کی روشن پیشانی کی چمک سے صبح صادق کو دیکھ کر اذان کہا کرتا تھا۔

محراب ابرو

آپ کی بھویں دراز و باریک اور گھنے بال والی تھیں اور دونوں بھویں اس قدر متصل تھیں کہ دور سے دونوں ملی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اور ان دونوں بھوؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی۔

(شمائل ترمذی ص ۲)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ابروئے مبارک کی مدح میں فرماتے ہیں کہ ؎

جن کے سجدہ کو محراب کعبہ جھکی ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

اور حضرت محسن کاکوروی علیہ الرحمۃ نے چہرۂ انور میں محراب ابرو کے حسن کی تصویر کشی کرتے ہوئے یہ لکھا کہ ؎

مہ کامل میں مہ نو کی یہ تصویریں ہیں یا کھنچی معرکۂ بدر میں شمشیریں ہیں

نورانی آنکھ

آپ کی چشمان مبارک بڑی بڑی اور قدرتی طور پر سرمگیں تھیں پلکیں گھنی اور دراز تھیں، پتلی کی سیاہی خوب سیاہ اور آنکھ کی سفیدی خوب سفید تھی جن میں باریک باریک سرخ ڈورے تھے۔

(شمائل ترمذی ص ۲ و دلائل النبوۃ ص ۴ ۵)

آپ کی مقدس آنکھوں کا یہ اعجاز ہے کہ آپ بیک وقت آگے، پیچھے، دائیں بائیں اوپر نیچے، دن رات، اندھیرے اجالے میں یکساں دیکھا کرتے تھے۔

(زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۲۴۶ و خصائص کبریٰ ج ا ص ۶۱)

چنانچہ بخاری و مسلم کی روایات میں آیا ہے کہ اَقِیْمُوا الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَوَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ مِنْ بَعْدِیْ۔ (مشکوٰۃ ص ۸۲ باب الرکوع)

یعنی اے لوگو! تم رکوع و سجود کو درست طریقے سے ادا کرو۔ کیونکہ خدا کی قسم

میں تم لوگوں کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں۔

صاحب مرقاۃ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ وَھِیَ مِنَ الْخَوَارِقِ الَّتِیْ اُعْطِیَھَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۸۲ باب الرکوع)

یعنی یہ باب آپ کے ان معجزات میں سے ہے جو آپ کو عطا کیے گئے ہیں۔

پھر آپ کی آنکھوں کا دیکھنا محسوسات ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ غیر مرئی وغیر محسوس چیزوں کو بھی جو آنکھوں سے دیکھنے کے لائق ہی نہیں ہیں دیکھ لیا کرتے تھے چنانچہ بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ وَاللّٰہِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُکُوْعُکُمْ وَلَا خُشُوْعُکُمْ (بخاری ج ۱ ص ۵۹)

یعنی خدا کی قسم تمہارا رکوع و خشوع میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہتا سبحان اللہ پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی آنکھوں کے اعجاز کا کیا کہنا؟ کہ پیٹھ کے پیچھے سے نمازیوں کے رکوع بلکہ ان کے خشوع کو بھی دیکھ رہے ہیں۔

"خشوع" کیا چیز ہے؟ خشوع دل میں خوف اور عاجزی کی ایک کیفیت کا نام ہے جو آنکھ سے دیکھنے کی چیز ہی نہیں ہے مگر نگاہ نبوت کا یہ معجزہ دیکھو کہ ایسی چیز کو بھی آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا جو آنکھ سے دیکھنے کے قابل ہی نہیں ہے۔ سبحان اللہ! چشمان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز کی شان کا کیا کوئی بیان کر سکتا ہے؟ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب قبلہ بریلوی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے

شش جہت سمت مقابل شب و روز ایک ہی حال
دھوم "والنجم" میں ہے آپ کی بینائی کی
فرش تا عرش سب آئینہ، ضمائر حاضر
بس قسم کھائیے امی! تیری دانائی کی

بینی مبارک

آپ کی متبرک ناک خوبصورت دراز اور بلند تھی جس پر ایک نور چمکتا تھا، جو شخص بغور نہیں دیکھتا تھا وہ یہ سمجھتا تھا کہ آپ کی

مبارک ناک بہت اونچی ہے حالانکہ آپ کی ناک بہت زیادہ اونچی نہ تھی بلکہ بلندی اس نور کی وجہ سے محسوس ہوتی تھی جو آپ کی مقدس ناک کے اوپر جلوہ فگن تھا۔

(شمائل ترمذی ص ۲ وغیرہ)

نیچی آنکھوں کی شرم وحیا پر درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

مقدس پیشانی

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ آپ کے چہرہ انور کا حلیہ بیان کرتے ہیں کہ "واسع الجبین" یعنی آپ کی مبارک پیشانی کشادہ اور چوڑی تھی۔ (شمائل ترمذی ص ۲)

قدرتی طور سے آپ کی پیشانی پر ایک نورانی چمک تھی چنانچہ دربار رسالت کے شاعر مداحِ رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی حسین وجمیل نورانی منظر کو دیکھ کر یہ کہا ہے کہ ؎

مَتٰی تَبْدُ فِی الدَّاجِی الْبَھِیْمِ جَبِیْنُہٗ !
یَلُحْ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجَی الْمُتَوَقِّدِ

یعنی جب اندھیری رات میں آپ کی مقدس پیشانی ظاہر ہوتی ہے تو اس طرح چمکتی ہے جس طرح رات کی تاریکی میں روشن چراغ چمکتے ہیں۔

گوش مبارک

آپ کی آنکھوں کی طرح آپ کے کان میں بھی معجزانہ شان تھی چنانچہ آپ نے خود اپنی زبانِ اقدس سے ارشاد فرمایا کہ اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۷) یعنی میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم میں سے کوئی نہیں دیکھتا اور میں ان آوازوں کو سنتا ہوں جن کو تم میں سے کوئی نہیں سنتا۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے سمع وبصر کی قوت بے مثال، اور معجزانہ شان رکھتی تھی۔ کیونکہ آپ دور و نزدیک کی آوازوں کو یکساں طور پر سن لیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے حلیف بنی خزاعہ نے جیسا کہ فتح مکہ کے بیان میں آپ پڑھ چکے ہیں

تین دن کی مسافت سے آپ کو اپنی امداد و نصرت کے لیے پکارا تو آپ نے ان کی فریاد سن لی۔ علامہ زرقانی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ لَا بُعْدَ فِیْ سَمَاعِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَدْ کَانَ یَسْمَعُ اَطِیْطَ السَّمَآءِ یعنی اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کی مسافت سے ایک فریادی کی فریاد سن لی تو یہ آپ سے کوئی بعید نہیں ہے کیونکہ آپ تو زمین پر بیٹھے ہوئے آسمانوں کی چرچراہٹ کو سن لیا کرتے تھے بلکہ عرش کے نیچے چاند کے سجدہ میں گرنے کی آواز کو بھی سن لیا کرتے تھے۔

(خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۵۳ وحاشیہ الدولۃ المکیۃ ص ۱۸۰)

دور و نزدیک سے سننے والے وہ کان

کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

دہن شریف

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کے رخسار نرم و نازک اور ہموار تھے اور آپ کا منہ فراخ، دانت کشادہ اور روشن تھے جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے دونوں اگلے دانتوں کے درمیان سے ایک نور نکلتا تھا۔ اور جب کبھی اندھیرے میں آپ مسکرا دیتے تو دندانِ مبارک کی چمک سے روشنی ہو جاتی تھی (شمائل ترمذی ص ۲ وخصائص کبریٰ ج ۱ ص ۷۴)

آپ کو کبھی جمائی نہیں آئی اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے کہ ان کو کبھی جمائی نہیں آتی۔ کیونکہ جمائی شیطان کی طرف سے ہوا کرتی ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام شیطان کے تسلط سے محفوظ و معصوم ہیں۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۴۸)

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا

چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

زبانِ اقدس

آپ کی زبانِ اقدس وحی الٰہی کی ترجمان اور سرچشمۂ آیات و مخزنِ معجزات ہے اس کی فصاحت و بلاغت اس قدر حدِ اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے کہ بڑے بڑے فصحاء و بلغاء آپ کے کلام کو سن کر دنگ رہ جاتے تھے۔

ترے آگے یوں ہیں دبے پچکے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

آپ کی مقدس زبان کی حکمرانی اور شان کا یہ اعجاز تھا کہ زبان سے جو فرما دیا وہ ایک آن میں معجزہ بن کر عالم وجود میں آگیا ؎

وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
اس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود
اس کی دلکش بلاغت پہ لاکھوں سلام

لعابِ دہن

آپ کا لعابِ دہن (تھوک) زخمیوں اور بیماریوں کے لیے شفاء اور زہروں کے لیے تریاقِ اعظم تھا۔ چنانچہ آپ کے معجزات کے بیان میں پڑھیں گے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں غارِ ثور کے اندر سانپ نے کاٹا۔ اس کا زہر آپ کے لعابِ دہن سے اُتر گیا اور زخم اچھا ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آشوبِ چشم کے لیے یہ لعابِ دہن "شفاء العین" بن گیا حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں جنگ بدر کے دن تیر لگا اور پھوٹ گئی۔ مگر آپ کے لعابِ دہن سے ایسی شفا حاصل ہوئی کہ درد بھی جاتا رہا اور آنکھ کی روشنی بھی برقرار رہی۔ (زاد المعاد غزوۂ بدر)

حضرت ابوقتادہ کے چہرے پر تیر لگا، آپ نے اس پر اپنا لعابِ دہن لگا دیا فوراً ہی خون بند ہو گیا اور پھر زندگی بھر ان کو کبھی تیر و تلوار کا زخم نہ لگا۔
(اصابہ تذکرۂ ابوقتادہ)

شفاء کے علاوہ اور بھی لعابِ دہن سے بڑی بڑی معجزانہ برکات کا ظہور ہوا۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک کنواں تھا۔ آپ نے اس میں اپنا لعابِ دہن ڈال دیا تو اس کا پانی اتنا شیریں ہو گیا کہ مدینہ منورہ میں اس سے بڑھ کر کوئی شیریں کنواں نہ تھا۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۴۶)

امام بیہقی نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاشوراء کے دن دودھ پیتے بچوں کو بلاتے تھے اور ان کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈال دیتے تھے

اور ان کی ماؤں کو حکم دیتے تھے کہ وہ رات تک اپنے بچوں کو دودھ نہ پلائیں۔ آپ کا یہی لعابِ دہن ان بچوں کو اس قدر شکم سیر اور سیراب کر دیتا تھا کہ ان بچوں کو دن بھر نہ بھوک لگتی تھی نہ پیاس۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۴۶)

جس کے پانی سے شاداب جان جنان — اس دہن کی ترادت پہ لاکھوں سلام
جس سے کھاری کنوئیں شیرۂ جاں بنے — اس زلال حلاوت پہ لاکھوں سلام

آوازِ مبارک

یہ حضرت انبیاء کرام کے خصائص میں سے ہے کہ وہ خوب صورت اور خوش آواز ہوتے ہیں لیکن حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ خوبرو اور سب سے بڑھ کر خوش گلو خوش آواز اور خوش کلام تھے۔ خوش آوازی کے ساتھ ساتھ آپ اس قدر بلند آواز بھی تھے کہ خطبوں میں دور اور نزدیک والے سب یکساں اپنی اپنی جگہ پر آپ کا مقدس کلام سن لیا کرتے تھے۔ (زرقانی ج ۴ ص ۱۷۸)

جس میں نہریں ہیں شیر و شکر کی رواں
اس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام

پُر نور گردن

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک نہایت ہی معتدل، صراحی دار اور سڈول تھی۔ خوبصورتی اور صفائی میں نہایت ہی بے مثل خوب صورت اور چاندی کی طرح صاف و شفاف تھی۔ (شمائل ترمذی ص ۲)

دستِ رحمت

آپ کی مقدس ہتھیلیاں چوڑی پر گوشت کلائیاں لمبی بازو دراز اور گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی ص ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی ریشم اور دیبا کو آپ کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم و نازک نہیں پایا اور نہ کسی خوشبو کو آپ کی خوشبو سے بہتر اور بڑھ کر خوشبودار پایا۔ (بخاری ج ا ص ۵۰۲ باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومسلم ج ۲ ص ۲۵۷)

جس شخص سے آپ مصافحہ فرماتے وہ دن بھر اپنے ہاتھوں کو خوشبودار پاتا۔

جس بچے کے سر پر آپ اپنا دستِ اقدس پھرا دیتے تھے وہ خوشبو میں تمام بچوں سے ممتاز ہوتا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ظہر ادا کی۔ پھر آپ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ ہی نکلا۔ آپ کو دیکھ کر چھوٹے چھوٹے بچے آپ کی طرف دوڑ پڑے تو آپ ان میں سے ہر ایک کے رخسار پر اپنا دستِ رحمت پھیرنے لگے میں سامنے آیا تو میرے رخسار پر بھی آپ نے اپنا دست مبارک لگا دیا تو میں نے اپنے گالوں پر آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک محسوس کی اور ایسی خوشبو آئی کہ گویا آپ نے اپنا ہاتھ کسی عطر فروش کی صندوقچی میں سے نکالا ہے۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۵۶ باب طیب ریحہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اس دستِ مبارک سے کیسے کیسے معجزات و تصرفات عالم ظہور میں آئے ان کا کچھ تذکرہ آپ معجزات کے بیان میں پڑھیں گے۔ ؎

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا
موجِ بحرِ سخاوت پہ لاکھوں سلام

جس کو بارِ دو عالم کی پروا نہیں
ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

کعبۂ دین و ایماں کے دونوں ستون
ساعدینِ رسالت پہ لاکھوں سلام

جس کے ہر خط میں ہے موجِ نورِ کرم
اس کفِ بحرِ ہمت پہ لاکھوں سلام

نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں
انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

شکم و سینہ

آپ کا شکم و سینہ اقدس دونوں ہموار اور برابر تھے نہ سینہ شکم سے اونچا تھا نہ شکم سینہ سے۔ آپ کا سینہ چوڑا تھا اور سینہ کے اوپر کے حصے سے ناف تک مقدس بالوں کی ایک پتلی سی لکیر چلی گئی تھی۔ مقدس چھاتیاں اور پورا شکم بالوں سے خالی تھا ہاں شانوں اور کلائیوں پر قدرے بال تھے۔ (شمائل ترمذی ص ۲)

آپ کا شکم صبر و قناعت کی ایک دنیا اور آپ کا سینہ معرفت الٰہی کے انوار کا سفینہ اور وحی الٰہی کا گنجینہ تھا۔ ؎

کل جہاں ملک، اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

پائے اقدس

آپ کے مقدس پاؤں چوڑے، پر گوشت ایڑیاں کم گوشت والی تلوا اونچا جو زمین میں نہ لگتا تھا دونوں پنڈلیاں قدرے پتلی اور صاف وشفاف، پاؤں کی نرمی اور نزاکت کا یہ عالم تھا کہ ان پر پانی ذرا بھی نہیں ٹھہرتا تھا۔
(شمائل ترمذی ص ۲ و مدارج النبوۃ وغیرہ)

آپ چلنے میں بہت ہی وقار و تواضع کے ساتھ قدم شریف کو زمین پر رکھتے تھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ چلنے میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا گویا زمین آپ کے لیے لپیٹی جاتی تھی ہم لوگ آپ کے ساتھ دوڑا کرتے تھے اور تیز چلنے سے مشقت میں پڑ جاتے تھے مگر آپ نہایت ہی وقار و سکون کے ساتھ چلتے رہتے تھے۔ مگر پھر بھی ہم سب لوگوں سے آپ آگے ہی رہتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص ۲ وغیرہ)

ساقِ اصلِ قدم شاخِ نخلِ کرم ۔۔۔ شمع راہ ہدایت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآن نے خاکِ گزر کی قسم ۔۔۔ اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

لباس

حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر سوتی لباس پہنتے تھے، اون اور کتان کا لباس بھی کبھی کبھی آپ نے استعمال فرمایا ہے۔ لباس کے بارے میں کسی خاص پوشاک یا امتیازی لباس کی پابندی نہیں فرماتے تھے۔ جبہ، قبا، پیرہن، تہبند، حلہ، چادر، عمامہ، ٹوپی، موزہ ان سب کو آپ نے زیب تن فرمایا ہے پائجامہ کو آپ نے پسند فرمایا اور منٰی کے بازار میں ایک پائجامہ خریدا بھی تھا۔ لیکن یہ ثابت نہیں کہ کبھی آپ نے پائجامہ پہنا ہو۔

عمامہ

آپ عمامہ میں شملہ چھوڑتے تھے جو کبھی ایک شانہ پر اور کبھی دونوں شانوں کے درمیان پڑا رہتا تھا آپ کا عمامہ سفید، سبز، زعفرانی، سیاہ رنگ کا تھا۔ فتح مکہ کے دن آپ کالے رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے تھے (شمائل ترمذی ص ۹ وغیرہ)
عمامہ کے نیچے ٹوپی ضرور ہوتی تھی فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اور مشرکین کے عماموں میں یہی فرق و امتیاز ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔ (ابوداؤد باب العمائم ص ۲۰۹ ج ۲ مجتبائی)

چادر یمن کی تیار شدہ سوتی دھاری دار چادریں جو عرب میں "حبرہ" یا برد یمانی کہلاتی تھیں آپ کو بہت زیادہ پسند تھیں اور آپ ان چادروں کو بکثرت استعمال فرماتے تھے کبھی کبھی سبز رنگ کی چادر بھی آپ نے استعمال فرمائی ہے۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۷ باب فی الخضرۃ مجتبائی)

کملی آپ کملی بھی بکثرت استعمال فرماتے تھے یہاں تک کہ بوقت وفات بھی ایک کملی اوڑھے ہوئے تھے حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موٹا کمبل اور ایک موٹے کپڑے کا تہبند نکالا اور فرمایا کہ انہی دونوں کپڑوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔

(ترمذی ج ۱ ص ۲۰۶ باب ماجاء فی الثوب)

نعلین اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین اقدس کی شکل و صورت اور نقشہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے ہندوستان میں چپل ہوتے ہیں چمڑے کا ایک تلا ہوتا تھا جس میں تسمے لگے ہوتے تھے آپ کی مقدس جوتیوں میں دو تسمے عام طور پر لگے ہوتے تھے جو کردم چمڑے کے ہوا کرتے تھے۔

(شمائل ترمذی ص ۷ وغیرہ)

پسندیدہ رنگ آپ نے سفید، سیاہ، سبز، زعفرانی رنگوں کے کپڑے استعمال فرمائے ہیں مگر سفید کپڑا آپ کو بہت زیادہ محبوب و مرغوب تھا، سرخ رنگ کے کپڑوں کو آپ بہت زیادہ ناپسند فرماتے تھے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سرخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ناگواری ظاہر فرماتے ہوئے دریافت فرمایا کہ یہ کپڑا کیسا ہے؟ انہوں نے ان کپڑوں کو جلا دیا، آپ نے سنا تو فرمایا کہ اس کو جلانے کی ضرورت نہیں تھی کسی عورت کو دے دینا چاہیے تھا کیونکہ عورتوں کے لیے سرخ لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو دو سرخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا اس نے آپ کو سلام کیا، تو

آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ (ابو داؤد ج ۲ ص ۲۰۷، ۲۰۸ باب فی الحمرۃ)

انگوٹھی جب آپ نے بادشاہوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے کہا کہ سلاطین بغیر مہر والے خطوط کو قبول نہیں کرتے، تو آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس پر اوپر تلے تین سطروں میں "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کندہ کیا ہوا تھا۔ (محمد رسول اللہ) (شمائل ترمذی ص ۷، وغیرہ)

خوشبو آپ کو خوشبو بہت زیادہ پسند تھی آپ ہمیشہ عطر کا استعمال فرمایا کرتے تھے حالانکہ خود آپ کے جسمِ اطہر سے ایسی خوشبو نکلتی تھی کہ جس گلی میں سے آپ گزر جاتے تھے وہ گلی معطر ہو جاتی تھی آپ فرمایا کرتے تھے کہ مردوں کی خوشبو ایسی ہونی چاہیے کہ خوشبو پھیلے اور رنگ نظر نہ آئے اور عورتوں کے لیے وہ خوشبو بہتر ہے کہ وہ خوشبو نہ پھیلے اور رنگ نظر آئے کوئی آپ کے پاس خوشبو بھیجتا تو آپ کبھی رد نہ فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ خوشبو کے تحفہ کو رد مت کرو۔ کیونکہ یہ جنت سے نکلی ہوئی ہے (شمائل ترمذی ص ۱۵)

سُرمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ رات کو "اثمد" کا سرمہ لگایا کرتے تھے آپ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی اس میں سے تین تین سلائی دونوں آنکھوں میں لگایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اثمد کا سرمہ لگایا کرو یہ نگاہ کو روشن اور تیز کرتا ہے اور پلک کے بال اگاتا ہے۔ (شمائل ترمذی ص ۵)

سواری گھوڑے کی سواری آپ کو بہت پسند تھی، گھوڑوں کے علاوہ اونٹ، خچر، حمار (عربی گدھا جو گھوڑے سے زیادہ خوبصورت ہوتا ہے) پر بھی سواری فرمائی ہے۔ (صحیحین وغیرہ کتب احادیث و سیر)

نفاست پسندی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج اقدس نہایت ہی لطیف اور نفاست پسند تھا ایک آدمی کو آپ نے میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو ناگواری کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اس سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ یہ اپنے کپڑوں کو دھو لیا کرے اسی طرح ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال الجھے

ہوئے ہیں تو فرمایا کہ کیا اس کو کوئی ایسی چیز (تیل کنگھی) نہیں ملتی کہ یہ اپنے بالوں کو سنوار لے۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۷ باب فی الخلقان اصح مجتبائی)

اسی طرح ایک آدمی آپ کے پاس بہت ہی خراب قسم کے کپڑے پہنے ہوئے آگیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کیا کچھ مال بھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ جی ہاں میرے پاس اونٹ بکریاں گھوڑے غلام سبھی قسم کے مال ہیں تو آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو مال دیا ہے تو چاہیے کہ تمہارے اوپر اس کی نعمتوں کا کچھ نشان بھی نظر آئے (یعنی اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہنو (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۷ مجتبائی)

مرغوب غذائیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی چونکہ بالکل ہی زاہدانہ اور صبر و قناعت کا مکمل نمونہ تھی اس لیے آپ کبھی لذیذ اور پرتکلف کھانوں کی خواہش ہی نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ کبھی آپ نے چپاتی نہیں کھائی پھر بھی بعض کھانے آپ کو بہت پسند تھے جن کو بڑی رغبت کے ساتھ آپ تناول فرماتے تھے مثلاً عرب میں ایک کھانا ہوتا ہے جو "حیس" کہلاتا ہے یہ گھی پنیر اور کھجور ملا کر پکایا جاتا ہے اس کو آپ بڑی رغبت کے ساتھ کھاتے تھے۔

جو کی موٹی موٹی روٹیاں اکثر غذا میں استعمال فرماتے سالنوں میں گوشت سرکہ، شہد روغن زیتون، کدو خصوصیت کے ساتھ مرغوب تھے گوشت میں کدو پڑا ہوتا تو پیالہ میں سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے کھاتے تھے۔

آپ نے بکری، دنبہ، بھیڑ، اونٹ، گورخر، خرگوش، مرغ بٹیر مچھلی کا گوشت کھایا ہے اسی طرح کھجور اور ستو بھی بکثرت تناول فرماتے تھے تر بوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھجور کے ساتھ ککڑی ملا کر روٹی کے ساتھ کھجور بھی کبھی کبھی تناول فرمایا کرتے تھے انگور انار وغیرہ پھل فروٹ بھی کھایا کرتے تھے

ٹھنڈا پانی بہت مرغوب تھا دودھ میں کبھی پانی ملا کر اور کبھی خالص دودھ نوش فرماتے کبھی کشمش اور کھجور پانی میں ملا کر اس کا رس پیتے تھے جو کچھ پیتے تین سانس میں نوش فرماتے۔

ٹیبل (میز) پر کبھی کھانا تناول نہیں فرمایا، ہمیشہ کپڑے یا چمڑے کے دستر خوان پر کھانا کھاتے ہے۔ مسند یا تکیہ پر ٹیک لگا کر یا لیٹ کر کبھی کچھ نہ کھاتے نہ اس کو پسند

فرماتے۔ کھانا صرف انگلیوں سے تناول فرماتے، چمچہ کانٹا وغیرہ سے کھانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ہاں اُبلے ہوئے گوشت کو کبھی کبھی چھری سے کاٹ کاٹ کر بھی کھاتے تھے (شمائل ترمذی)

روزمرہ کے معمولات

احادیث کریمہ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے اپنے دن رات کے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا ایک خدا کی عبادت کے لیے، دوسرا عام مخلوق کے لیے تیسرا اپنی ذات کے لیے۔

عام طور پر آپ کا یہ معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد آپ اپنے مصلی پر بیٹھ جاتے۔ یہاں تک کہ آفتاب خوب بلند ہو جاتا عام لوگوں سے ملاقات کا یہی خاص وقت تھا لوگ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے اور اپنی حاجات وضروریات کو آپ کی بارگاہ میں پیش کرتے آپ ان کی ضروریات کو پوری فرماتے اور لوگوں کو مسائل واحکامِ اسلام کی تعلیم و تلقین فرماتے اپنے اور لوگوں کے خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے اس کے بعد مختلف قسم کی گفتگو فرماتے کبھی کبھی لوگ زمانہ جاہلیت کی باتوں اور رسموں کا تذکرہ کرتے اور ہنستے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی مسکرا دیتے، کبھی کبھی صحابہ کرام آپ کو اشعار بھی سناتے۔

(مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۰۷ باب الضحک) (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۸ باب فی الرجل یجلس متربعًا)

اکثر اسی وقت میں مال غنیمت اور وظائف کی تقسیم بھی فرماتے جب سورج خوب بلند ہو جاتا تو کبھی چار رکعت کبھی آٹھ رکعت نماز چاشت ادا فرماتے پھر ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے جاتے اور گھریلو ضروریات کے بندوبست میں مصروف ہو جاتے اور گھر کے کام کاج میں ازواجِ مطہرات کی مدد فرماتے۔

(بخاری ج ۱ ص ۹۳ باب من کان فی حاجۃ اہلہ)

نمازِ عصر کے بعد آپ تمام ازواج مطہرات کو شرفِ ملاقات سے سرفراز فرماتے اور سب کے حجروں میں تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہر کر کچھ گفتگو فرماتے پھر جس کی باری ہوتی وہیں رات بسر فرماتے، تمام ازواجِ مطہرات وہیں جمع ہو جاتیں، عشاء تک آپ ان سے بات چیت فرماتے رہتے پھر نمازِ عشاء کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے اور مسجد سے واپس آ کر آرام فرماتے اور عشاء کے بعد بات چیت کو ناپسند فرماتے

(مسلم ج اص ۴۷۲ باب القسم بین الزوجات)

سونا جاگنا نماز عشاء پڑھ کر آرام کرنا عام طور پر یہی آپ کا معمول تھا، سونے سے پہلے قرآن مجید کی کچھ سورتیں ضرور تلاوت فرماتے اور کچھ دعاؤں کا بھی ورد فرماتے۔ پھر اکثر یہ دعا پڑھ کر داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے کہ۔

اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى — یا اللہ! تیرا نام لے کر وفات پاتا ہوں اور زندہ رہتا ہوں۔

نیند سے بیدار ہوتے تو اکثر یہ دعا پڑھتے کہ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔ — اس خدا کے لیے حمد ہے جس نے موت کے بعد ہم کو زندہ کیا اور اسی کی طرف حشر ہوگا۔

آدھی رات یا پہر رات رہے بستر سے اٹھ جاتے مسواک فرماتے پھر وضو کرتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے تلاوت فرماتے، مختلف دعاؤں کا وظیفہ فرماتے، خصوصیت کے ساتھ نماز تہجد ادا فرماتے تہجد کی نماز میں کبھی لمبی لمبی کبھی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتے ضعف پیری میں کبھی کچھ رکعتیں بیٹھ کر بھی ادا فرماتے، نماز تہجد کے بعد وتر پڑھتے اور پھر صبح صادق طلوع ہو جانے کے بعد سنتِ فجر ادا فرما کر نماز فجر کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے کبھی کبھی کئی کئی بار رات میں سوتے اور جاگتے اور قرآن مجید کی آیات تلاوت فرماتے اور کبھی ازواجِ مطہرات سے گفتگو بھی فرماتے۔ (صحاح ستہ وغیرہ)

رفتار حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی باوقار رفتار کے ساتھ چلتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بوقتِ رفتار حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذرا جھک کر چلتے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کسی بلندی سے اتر رہے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ اس قدر تیز چلتے تھے کہ گویا زمین آپ کے قدموں کے نیچے سے لپٹی جا رہی ہے ہم لوگ آپ کے ساتھ چلنے میں ہانپنے لگتے اور مشقت میں پڑ جاتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلا تکلف بغیر کسی مشقت کے تیز رفتاری کے ساتھ چلتے رہتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص ۹)

کلام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت تیزی کے ساتھ جلدی جلدی گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ نہایت ہی متانت اور سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کر کلام فرماتے تھے بلکہ کلام اتنا صاف اور واضح ہوتا تھا کہ سننے والے اس کو سمجھ کر یاد کر لیتے تھے۔ اگر کوئی اہم بات ہوتی تو اس جملہ کو کبھی کبھی تین تین مرتبہ فرما دیتے تاکہ سامعین اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ آپ کو "جوامع الکلم" کا معجزہ عطا کیا گیا تھا کہ مختصر سے جملہ میں لمبی چوڑی بات کو بیان فرما دیا کرتے تھے۔ حضرت ہند بن ابوہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ بلا ضرورت گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ اکثر خاموش ہی رہتے تھے۔

(شمائل ترمذی ص ۱۵)

دربارِ نبوت

حضور تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار سلاطین اور بادشاہوں جیسا دربار نہ تھا یہ دربار تخت و تاج، نقیب و دربان، پہرہ دار اور باڈی گارڈ وغیرہ کے تکلفات سے قطعاً بے نیاز تھا مسجد نبوی کے صحن میں صحابہ کرام نے ایک چھوٹا سا مٹی کا چبوترہ بنا دیا تھا یہی تاجدار رسالت کا وہ تخت شاہی تھا جس پر ایک چٹائی بچھا کر دونوں عالم کے تاجدار اور شہنشاہ کونین رونق افروز ہوتے تھے مگر اس سادگی کے باوجود جلال نبوت سے ہر شخص اس دربار میں پیکر تصویر نظر آتا تھا بخاری شریف وغیرہ کی روایات میں آیا ہے کہ لوگ آپ کے دربار میں بیٹھتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں کوئی ذرا جنبش نہیں کرتا تھا۔

(بخاری ج ۱ ص ۳۹۸)

آپ اپنے اس دربار میں سب سے پہلے اہل حاجت کی طرف توجہ فرماتے اور سب کی درخواستوں کو سن کر ان کی حاجت روائی فرماتے قبائل کے نمائندوں سے ملاقاتیں فرماتے تمام حاضرین کمال ادب سے سر جھکائے رہتے اور جب آپ کچھ ارشاد فرماتے تو مجلس پر سناٹا چھا جاتا اور سب لوگ ہمہ تن گوش ہو کر شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان نبوت کو سنتے۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۸۰ شروط فی الجہاد)

آپ کے دربار میں آنے والوں کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں تھی امیر و فقیر شہری اور بدوی سب قسم کے لوگ حاضر دربار ہوتے اور اپنے اپنے لہجوں میں سوال و جواب کرتے کوئی شخص اگر بولتا تو خواہ وہ کتنا ہی غریب و مسکین کیوں نہ ہو مگر دوسرا شخص اگرچہ وہ کتنا ہی بڑا امیر کبیر نہ ہو اس کی بات کاٹ کر بول نہیں سکتا تھا۔ سبحان اللہ! ؎

وہ عادل جس کے میزان عدالت میں برابر ہیں
غبار مسکنت ہو، یا وقار تاج سلطانی

جو لوگ سوال و جواب میں حد سے زیادہ بڑھ جاتے تو آپ کمال حلم سے برداشت فرماتے اور سب کو مسائل و احکام اسلام کی تعلیم و تلقین اور مواعظ و نصائح فرماتے رہتے اور اپنے مخصوص اصحاب سے مشورہ بھی فرماتے رہتے اور صلح و جنگ اور امامت کے نظام و انتظام کے بارے میں ضروری احکام بھی صادر فرمایا کرتے تھے۔ اسی دربار میں آپ مقدمات کا فیصلہ بھی فرماتے تھے۔

تاجدار دو عالم کے خطبات

نبی و رسول چونکہ دین کے داعی اور شریعت ملت کے مبلغ ہوتے ہیں اور تعلیم شریعت اور تلقین دین کا بہترین ذریعہ خطبہ اور وعظ ہی ہے اس لیے ہر نبی و رسول کا خطیب اور واعظ ہونا ضروریات و لوازم نبوت میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی رسالت سے سرفراز فرما کر فرعون کے پاس بھیجا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت یہ دعا مانگی کہ۔

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۙ	اے میرے رب میرا سینہ کھول دے
وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۙ وَاحْلُلْ	میرے لیے میرا کام آسان کر اور میری
عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۙ يَفْقَهُوا	زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ لوگ میری
قَوْلِي ۝ (طٰهٰ)	بات سمجھیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام رسولوں کے سردار اور سب نبیوں کے خاتم ہیں اس لیے خداوند قدوس نے آپ کو خطابت و تقریر میں ایسا بے مثال

کمال عطا فرمایا کہ آپ افصح العرب (تمام عرب میں سب سے بڑھ کر فصیح) ہوئے اور آپ کو جوامع الکلم کا معجزہ بخشا گیا کہ آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ میں معانی و مطالب کا سمندر موجیں مارتا ہوا نظر آتا تھا اور آپ کے جوش تکلم کی تاثیرات سے سامعین کے دلوں کی دنیا میں انقلابِ عظیم پیدا ہو جاتا تھا۔

چنانچہ جمعہ و عیدین کے خطبوں کے سوا سینکڑوں مواقع پر آپ نے ایسے ایسے فصیح و بلیغ خطبات اور موثر مواعظ ارشاد فرمائے کہ فصحاء عرب حیران رہ گئے اور ان خطبوں کے اثرات و تاثیرات سے بڑے بڑے سنگدلوں کے دل موم کی طرح پگھل گئے اور دم زدن میں ان کے قلوب کی دنیا ہی بدل گئی۔

چونکہ آپ مختلف حیثیتوں کے جامع تھے اس لیے آپ کی یہ مختلف حیثیات آپ کے خطبات کے طرز بیان پر اثر انداز ہوا کرتی تھیں۔ آپ ایک دین کے داعی بھی تھے۔ فاتح بھی تھے، امیر لشکر بھی تھے۔ مصلح قوم بھی تھے فرماں روا بھی تھے اس لیے ان حیثیتوں کے لحاظ سے آپ کے خطبات میں قسم قسم کا زور بیان اور طرح طرح کا جوشِ کلام ہوا کرتا تھا۔ جوشِ بیان کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات خطبہ کے دوران میں آپ کی آنکھیں سرخ اور آواز بہت ہی بلند ہو جاتی تھی اور جلالِ نبوت کے جذبات سے آپ کے چہرۂ انور پر غضب کے آثار نمودار ہو جاتے تھے بار بار انگلیوں کو اُٹھا اُٹھا کر اشارہ فرماتے تھے گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی لشکر کو للکار رہے ہیں۔ (مسلم جلد ۱ ص ۲۸۴ کتاب الجمعہ)

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ کے پرجوش خطبہ اور تقریر کے جوش و خروش کی بہترین تصویر کھینچتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر خطبہ دیتے سُنا، آپ فرما رہے تھے کہ خداوند جبار آسمانوں اور زمین کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا، پھر فرمائے گا کہ میں جبار ہوں، میں بادشاہ ہوں، کہاں ہیں جبار لوگ؟ کدھر ہیں متکبرین؟ یہ فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مٹھی بند کر لیتے کبھی مٹھی کھول دیتے، اور آپ کا جسم اقدس (جوش میں) کبھی دائیں

کبھی بائیں جھک جھک جاتا یہاں تک کہ میں نے یہ دیکھا کہ منبر کا نچلا حصہ بھی اس قدر ہل رہا تھا کہ میں دل ہی دل میں یہ کہنے لگا کہ کہیں یہ منبر آپ کو لے کر گر تو نہیں پڑے گا۔

(ابن ماجہ ص ۳۲۶ ذکر البعث)

آپ نے منبر پر، زمین پر، اونٹ کی پیٹھ پر کھڑے ہو کر جیسا موقع پیش آیا خطبہ دیا ہے کبھی کبھی آپ نے طویل خطبات بھی دیے۔ لیکن عام طور پر آپ کے خطبات بہت مختصر مگر جامع ہوتے تھے۔

میدانِ جنگ میں آپ کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے اور مسجدوں میں جمعہ کا خطبہ پڑھتے وقت دستِ مبارک میں "عصا" ہوتا تھا (ابن ماجہ ص ۷۹ باب ماجاء فی الخطبہ یوم الجمعہ)

آپ کے خطبوں کے اثرات کا یہ عالم ہوتا تھا کہ بعض مرتبہ سخت سے سخت اشتعال انگیز موقعوں پر آپ کے چند جملے محبت کا دریا بہا دیتے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن آپ نے ایسا اثر انگیز اور ولولہ خیز خطبہ پڑھا کہ میں نے کبھی ایسا خطبہ نہیں سنا تھا۔ درمیان خطبہ میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! جو میں جانتا ہوں اگر تم جان لیتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ۔ زبان مبارک سے اس جملہ کا نکلنا تھا کہ سامعین کا یہ حال ہو گیا کہ لوگ کپڑوں میں منہ چھپا چھپا کر زار و قطار رونے لگے (بخاری جلد ۲ ص ۶۶۵ تفسیر سورۂ مائدہ)

سرورِ کائنات کی عبادات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم باوجود بے شمار مشاغل کے اتنے بڑے عبادت گزار تھے کہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی مقدس زندگیوں میں اس کی مثال ملنی دشوار ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تمام انبیاء سابقین کے بارے میں صحیح طور سے یہ بھی نہیں معلوم ہو سکتا کہ ان کا طریقہ عبادت کیا تھا؟ اور ان کے کون کون سے اوقات عبادتوں کے لیے مخصوص تھے؟ تمام انبیاء کرام کی امتوں میں یہ فخر و شرف صرف حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہی کو حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے پیارے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات کے تمام طریقوں، ان کے اوقات وکیفیات غرض اس کے ایک ایک جزئیہ کو محفوظ رکھا ہے گھروں کے اندر اور راتوں کی تاریکیوں میں آپ جو اور جس قدر عبادتیں فرماتے تھے ان کو ازواج مطہرات نے دیکھ کر یاد رکھا اور ساری امت کو بتا دیا اور گھر کے باہر کی عبادتوں کو حضرات صحابہ کرام نے نہایت ہی اہتمام کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر اپنے ذہنوں میں محفوظ کر لیا اور آپ کے قیام وقعود، رکوع وسجود اور ان کی کمیات وکیفیات، اذکار اور دعاؤں کے بعینہٖ الفاظ یہاں تک کہ آپ کے ارشادات، اور خضوع وخشوع کی کیفیات کو بھی اپنی یادداشت کے خزانوں میں محفوظ کر لیا۔ پھر امت کے سامنے ان عبادتوں کا اس قدر چرچا کیا کہ نہ صرف کتابوں کے اوراق میں وہ محفوظ ہو کر رہ گئے بلکہ امت کے ایک ایک فرد، یہاں تک کہ پردہ نشین خواتین کو بھی ان کا علم حاصل ہو گیا اور آج مسلمان کا ایک ایک بچہ خواہ وہ کرۂ زمین کے کسی بھی گوشہ میں رہتا ہو اس کو اپنے نبی کی عبادتوں کے مکمل حالات معلوم ہیں، اور وہ ان عبادتوں پر اپنے نبی کی اتباع میں جوش ایمان اور جذبۂ عمل کے ساتھ کاربند ہے آپ کی عبادتوں کا ایک اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے۔

نماز

اعلانِ نبوت سے قبل بھی آپ غارِ حرا میں قیام ومراقبہ اور ذکر وفکر کے طور پر خدا کی عبادت میں مصروف رہتے تھے، نزولِ وحی کے بعد ہی آپ کو نماز کا طریقہ بھی بتا دیا گیا، پھر شبِ معراج میں نماز پنجگانہ فرض ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پنجگانہ کے علاوہ نمازِ اشراق، نمازِ چاشت، تحیۃ الوضوء، تحیۃ المسجد، صلوٰۃ الاوابین وغیرہ سنن ونوافل بھی ادا فرماتے تھے۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ تمام عمر نماز تہجد کے پابند رہے، راتوں کے نوافل کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ آپ نماز عشاء کے بعد کچھ دیر سوتے۔ پھر کچھ دیر تک اٹھ کر نماز پڑھتے۔ پھر سو جاتے۔ پھر اٹھ کر نماز پڑھتے۔ غرض صبح تک یہی حالت قائم رہتی۔ کبھی دو تہائی رات گزر جانے کے بعد بیدار ہوتے اور صبح صادق تک نمازوں میں مشغول رہتے۔ کبھی نصف رات گزر جانے کے بعد بستر سے اٹھ جاتے

اور پھر ساری رات بستر پر بیٹھے نہیں لگاتے تھے اور لمبی لمبی سورتیں نمازوں میں پڑھا کرتے کبھی رکوع وسجود طویل ہوتا کبھی قیام طویل ہوتا کبھی چھ رکعت، کبھی آٹھ رکعت کبھی اس سے کم، کبھی اس سے زیادہ، اخیر عمر شریف میں کچھ رکعتیں کھڑے ہو کر، کچھ بیٹھ کر ادا فرماتے، نماز وتر نماز تہجد کے ساتھ ادا فرماتے، رمضان شریف خصوصًا آخری عشرہ میں آپ کی عبادت بہت زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ آپ ساری رات بیدار رہتے اور اپنی ازواج مطہرات سے بے تعلق ہو جاتے تھے اور گھر والوں کو نمازوں کے لیے جگایا کرتے تھے اور عموماً اعتکاف فرماتے تھے۔ نمازوں کے ساتھ ساتھ کبھی کھڑے ہو کر، کبھی بیٹھ کر، کبھی سربسجود ہو کر، نہایت آہ و زاری اور گریہ و بکا کے ساتھ گڑگڑا گڑگڑا کر راتوں میں دعائیں بھی مانگا کرتے، رمضان شریف میں حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن عظیم کا دور بھی فرماتے۔ اور تلاوت قرآن مجید کے ساتھ ساتھ طرح طرح کی مختلف دعاؤں کا ورد بھی فرماتے تھے اور کبھی کبھی ساری رات نمازوں اور دعاؤں میں کھڑے رہتے یہاں تک کہ پائے اقدس میں ورم آجایا کرتا تھا۔

(صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث)

روزہ رمضان شریف کے روزوں کے علاوہ شعبان میں بھی قریب قریب مہینہ بھر آپ روزہ دار ہی رہتے تھے۔ سال کے باقی مہینوں میں بھی یہی کیفیت رہتی تھی کہ اگر روزہ رکھنا شروع فرما دیتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہیں چھوڑیں گے۔ پھر ترک فرما دیتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہیں رکھیں گے۔ خاص کر ہر مہینے میں تین دن ایام بیض کے روزے، دو شنبہ و جمعرات کے روزے۔ عاشوراء کے روزے عشرہ ذوالحجہ کے روزے، شوال کے چھ روزے۔ معمولاً رکھا کرتے تھے، کبھی کبھی آپ "صوم وصال" بھی رکھتے تھے۔ یعنی کئی کئی دن رات کا ایک روزہ، مگر اپنی امت کو ایسا روزہ رکھنے سے منع فرماتے تھے، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں ارشاد فرمایا کہ تم میں مجھ جیسا کون ہے؟ میں اپنے رب کے دربار میں رات بسر کرتا ہوں اور وہ مجھ کو روحانی غذا

کھلاتا اور پلاتا ہے۔

(بخاری و مسلم صوم وصال)

زکوٰۃ چونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر خداوند قدوس نے زکوٰۃ فرض ہی نہیں فرمائی ہے اس لیے آپ پر زکوٰۃ فرض ہی نہیں تھی۔ (زرقانی ج ۸ ص ۹۰) لیکن آپ کے صدقات وخیرات کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے پاس سونا چاندی یا تجارت کا کوئی سامان یا مویشیوں کا کوئی ریوڑ رکھتے ہی نہیں تھے بلکہ جو کچھ بھی آپ کے پاس آتا سب خدا کی راہ میں مستحقین پر تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ آپ کو یہ گوارا ہی نہیں تھا کہ رات بھر کوئی مال و دولت کاشانۂ نبوت میں رہ جائے ایک مرتبہ ایسا اتفاق پڑا کہ خراج کی رقم اس قدر زیادہ آگئی کہ وہ شام تک تقسیم کرنے کے باوجود ختم نہ ہو سکی تو آپ رات بھر مسجد ہی میں رہ گئے۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر یہ خبر دی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ساری رقم تقسیم ہو چکی تو آپ نے اپنے مکان میں قدم رکھا۔

(ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین)

حج اعلان نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں آپ نے دو یا تین حج کیے۔

(ترمذی باب کم حج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابن ماجہ)

لیکن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ سے ۱۰ھ میں آپ نے ایک حج فرمایا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے جس کا مفصل تذکرہ گزر چکا۔

حج کے علاوہ ہجرت کے بعد آپ نے چار عمرے بھی ادا فرمائے۔

(ترمذی و بخاری و مسلم کتاب الحج)

ذکر الٰہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ ہر وقت ہر گھڑی ، ہر لحظہ ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔

(ابوداؤد کتاب الطہارۃ وغیرہ)

اٹھتے ، بیٹھتے ، چلتے ، پھرتے ، کھاتے پیتے ، سوتے جاگتے ، وضو کرتے

نئے کپڑے پہنتے، سوار ہوتے، سواری سے اترتے، سفر میں جاتے، سفر سے واپس ہوتے۔ بیت الخلاء میں داخل ہوتے اور نکلتے، مسجد میں آتے جاتے، جنگ کے وقت آندھی، بارش، بجلی کڑکتے وقت، ہر وقت ہر حال میں دعائیں وردِ زبان رہتی تھیں، خوشی اور غمی کے اوقات میں، صبح صادق طلوع ہونے کے وقت، غروبِ آفتاب کے وقت، مرغ کی آواز سُن کر، گدھے کی آواز سن کر، غرض کون سا ایسا موقع تھا کہ آپ کوئی دعا نہ پڑھتے دن ہی میں نہیں بلکہ رات کے سناٹوں میں بھی برابر دعاخوانی اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ یہاں تک کہ بوقت وفات بھی جو فقرہ بار بار ورد زبان رہا وہ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی کی دعا تھی۔

(صحاح ستہ و حصن حصین وغیرہ کتب احادیث)

اٹھارہواں باب

اخلاقِ نبوت

آپ کے اخلاق حسنہ کے بارے میں خلق خدا سے کیا پوچھنا؟ جب کہ خود خالق اخلاق نے یہ فرما دیا کہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ یعنی اے حبیب! بلاشبہ آپ اخلاق کے بڑے درجہ پر ہیں، آج تقریباً چودہ سو برس گزر جانے کے بعد دشمنانِ رسول کی کیا مجال کہ آپ کو بداخلاق کہہ سکیں اس وقت جب کہ آپ اپنے دشمنوں کے مجمعوں میں اپنے عملی کردار کا مظاہرہ فرما رہے تھے خداوند قدوس نے قرآن میں اعلان فرمایا کہ:۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران)	(اے حبیب) خدا کی رحمت سے آپ لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آتے ہیں اگر آپ کہیں بداخلاق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے ہٹ جاتے۔

دشمنانِ رسول نے قرآن کی زبان سے یہ خدائی اعلان سنا، مگر کسی کی مجال نہیں ہوئی کہ اس کے خلاف کوئی بیان دیتا یا اس آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت کو جھٹلاتا، بلکہ آپ کے بڑے سے بڑے دشمن نے بھی اس کا اعتراف کیا کہ آپ بہت ہی بلند اخلاق، نرم خو اور رحیم و کریم ہیں۔

بہرحال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محاسن اخلاق کے تمام گوشوں کے جامع تھے یعنی حلم وعفو، رحم وکرم، عدل و انصاف، جود وسخا، ایثار و قربانی، مہمان نوازی، عدم تشدد شجاعت، ایفاء عہد، حسنِ معاملہ، صبر و قناعت، نرم گفتاری، خوش روئی، ملنساری، مساوات غمخواری، سادگی و بے تکلفی، تواضع و انکساری، حیاداری کی اتنی بلند منزلوں پر آپ فائز سرفراز ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک جملے میں اس کی صحیح تصویر کھینچتے ہوئے

ارشاد فرمایا کہ "کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ" یعنی تعلیمات قرآن پر پورا پورا عمل یہی آپ کے اخلاق تھے۔

اخلاق نبوت کا ایک مفصل وعظ ہم نے اپنی کتاب "حقانی تقریریں" میں تحریر کر دیا ہے یہاں بھی ہم اخلاق نبوت کے "شجرۃ الخلد" کی چند شاخوں کے کچھ پھول پھل پیش کر دیتے ہیں تاکہ ہم اور آپ ان پر عمل کر کے اپنی اسلامی زندگی کو کامل و اکمل بنا کر عالم اسلام میں مکمل مسلمان بن جائیں اور دار العمل سے دار الجزاء تک خداوند عز و جل کے شامیانہ رحمت میں اس کے اعلیٰ و افضل انعاموں کے میٹھے میٹھے پھل کھاتے رہیں۔ واللہ تعالیٰ ھو الموفق والمعین

حضورؐ کی عقل

چونکہ تمام علمی و عملی اور اخلاقی کمالات کا دار و مدار عقل ہی پر ہے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عقل کے بارے میں بھی کچھ تحریر کر دینا انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ہم یہاں صرف ایک حوالہ تحریر کرتے ہیں۔

وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اکہتر کتابوں میں یہ پڑھا ہے کہ جب سے دنیا عالمِ وجود میں آئی ہے، اس وقت سے قیامت تک کے تمام انسانوں کی عقلوں کا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل شریف سے موازنہ کیا جائے تو تمام انسانوں کی عقلوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عقل شریف سے وہی نسبت ہوگی جو ایک ریت کے ذرے کو تمام دنیا کے ریگستانوں سے نسبت ہے یعنی تمام انسانوں کی عقلیں ایک ریت کے ذرے کے برابر ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل شریف تمام دنیا کے ریگستانوں کے برابر ہے۔ اس حدیث کو ابو نعیم محدث نے حلیہ میں روایت کیا اور محدث ابن عساکر نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(زرقانی ج ۴ ص ۲۵۰ و شفا شریف ج ۱ ص ۴۲)

حلم و عفو

حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ جو پہلے ایک یہودی عالم تھے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کھجوریں خریدی تھیں۔ کھجوریں دینے

کی مدت میں ابھی ایک دو دن باقی تھے کہ انہوں نے بھرے مجمع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی تلخ و ترش لہجے میں سختی کے ساتھ تقاضا کیا اور آپ کا دامن اور چادر پکڑ کر نہایت تند و تیز نظروں سے آپ کی طرف دیکھا اور چلا چلا کر یہ کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم سب عبدالمطلب کی اولاد کا یہی طریقہ ہے کہ تم لوگ ہمیشہ لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں دیر لگایا کرتے ہو اور ٹال مٹول کرنا تم لوگوں کی عادت بن چکی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپے سے باہر ہو گئے اور نہایت غضب ناک اور زہریلی نظروں سے گھور گھور کر کہا کہ اے خدا کے دشمن! تو خدا کے رسول سے ایسی گستاخی کر رہا ہے؟ خدا کی قسم! اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب مانع نہ ہوتا تو میں ابھی ابھی اپنی تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اے عمر! تم کیا کہہ رہے ہو؟ تمہیں تو یہ چاہیے تھا کہ مجھ کو ادائے حق کی ترغیب دے کر اور اس کو نرمی کے ساتھ تقاضا کرنے کی ہدایت کر کے ہم دونوں کی مدد کرتے پھر آپ نے حکم دیا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! اس کو اس کے حق کے برابر کھجوریں دے دو! اور کچھ زیادہ بھی دے دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حق سے زیادہ کھجوریں دیں تو حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے عمر! میرے حق سے زیادہ کیوں دے رہے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ چونکہ میں نے ٹیڑھی ترچھی نظروں سے دیکھ کر تم کو خوفزدہ کر دیا تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری دلجوئی و دلداری کے لیے تمہارے حق سے کچھ زیادہ دینے کا مجھے حکم دیا ہے یہ سن کر حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے عمر! کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ میں زید بن سعنہ ہوں آپ نے فرمایا کہ تم وہی زید بن سعنہ ہو جو یہودیوں کا بہت بڑا عالم ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ پھر تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی گستاخی کیوں کی؟ حضرت زید بن سعنہ نے جواب دیا کہ اے عمر! دراصل بات یہ ہے کہ میں نے توراۃ میں نبی آخر الزمان کی جتنی نشانیاں پڑھی تھیں ان سب کو میں نے ان کی ذات میں دیکھ لیا مگر دو نشانیوں کے بارے میں مجھے ان کا امتحان کرنا باقی رہ گیا تھا ایک یہ کہ ان کا حلم جہل پر غالب رہے گا اور جس قدر زیادہ ان کے ساتھ جہل

کا برتاؤ کیا جائے گا اسی قدر ان کا حلم بڑھتا جائے گا۔ چنانچہ میں نے اس ترکیب سے ان دونوں نشانیوں کو بھی ان میں دیکھ لیا۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ یقیناً یہ نبی برحق ہیں اور اے عمر! میں بہت ہی مالدار آدمی ہوں میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا آدھا مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر صدقہ کر دیا پھر یہ بارگاہِ رسالت میں آئے اور کلمہ پڑھ کر دامن اسلام میں آ گئے۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۳ و زرقانی ج ۴ ص ۲۵۳)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ حنین سے واپسی پر دیہاتی لوگ آپ سے چمٹ گئے اور آپ سے مال کا سوال کرنے لگے، یہاں تک آپ کو چمٹے کہ آپ پیچھے ہٹتے ہٹتے ایک ببول کے درخت کے پاس ٹھہر گئے اتنے میں ایک بدوی آپ کی چادر مبارک اچک کر لے بھاگا پھر آپ نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم لوگ میری چادر تو مجھے دے دو اگر میرے پاس ان جھاڑیوں کے برابر چوپائے ہوتے تو میں ان سب کو تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا، تم لوگ مجھے نہ بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا نہ بزدل۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۴۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چل رہا تھا اور آپ ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کے کنارے موٹے اور کھردرے تھے ایک دم ایک بدوی نے آپ کو پکڑ لیا اور اتنے زبردست جھٹکے سے چادر مبارک کو اس نے کھینچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم و نازک گردن پر چادر کی کنارے سے خراش آ گئی پھر اس بدوی نے یہ کہا کہ اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے آپ حکم دیجیے کہ اس میں سے مجھے کچھ مل جائے۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس بدوی کی طرف توجہ فرمائی تو کمال حلم و عفو سے اس کی طرف دیکھ کر ہنس پڑے اور پھر اس کو کچھ مال عطا فرمانے کا حکم صادر فرمایا۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۴۶ باب ما کان یعطی النبی المؤلفۃ)

جنگ احد میں عتبہ بن ابی وقاص نے آپ کے دندان مبارک کو شہید کر دیا اور عبداللہ بن قمیہ نے چہرۂ انور کو زخمی اور خون آلود کر دیا مگر آپ نے ان لوگوں کے لیے اس کے سوا کچھ بھی نہ فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ لوگ مجھے جانتے نہیں۔

خیبر میں زینب نامی یہودی عورت نے آپ کو زہر دیا مگر آپ نے اس سے کوئی انتقام نہیں لیا، لبید بن اعصم نے آپ پر جادو کیا اور بذریعہ وحی اس کا سارا حال معلوم ہوا مگر آپ نے اس سے کچھ مواخذہ نہیں فرمایا، غورث بن الحارث نے آپ کے قتل کا ارادہ سے آپ کی تلوار لے کر نیام سے کھینچ لی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے تو غورث کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچالے گا؟ آپ نے فرمایا کہ "اللہ"، نبوت کی ہیبت سے تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ بول اب تجھ کو میرے ہاتھ سے کون بچانے والا ہے؟ غورث گڑگڑا کر کہنے لگا کہ آپ ہی میری جان بچادیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا اور معاف فرمادیا۔ چنانچہ غورث اپنی قوم میں آکر کہنے لگا کہ اے لوگو! میں ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو تمام دنیا کے انسانوں میں سب سے بہتر ہے۔

(شفا قاضی عیاض جلد ا ص ۶۲)

کفار مکہ نے وہ کون سا ایسا ظالمانہ برتاؤ تھا جو آپ کے ساتھ نہ کیا ہو مگر فتح مکہ کے دن جب یہ سب جبارانِ قریش انصار و مہاجرین کے لشکروں کے محاصرہ میں محصور و مجبور ہو کر حرم کعبہ میں خوف و دہشت سے کانپ رہے تھے اور انتقام کے ڈر سے ان کے جسم کا ایک ایک بال لرز رہا تھا رسولِ رحمت نے ان مجرموں اور پاپیوں کو یہ فرما کر چھوڑ دیا اور معاف فرما دیا کہ۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ	آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ جاؤ
فَاذْهَبُوا أَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ	تم سب آزاد ہو۔

ایک کافر کو صحابہ کرام پکڑ کر لائے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا تھا وہ شخص خوف و دہشت سے لرزہ بر اندام ہو گیا، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کوئی خوف نہ رکھو بالکل مت ڈرو اگر تم نے میرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا تو کیا ہوا؟ تم کبھی میرے اوپر غالب نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمالیا ہے۔ (شفاء قاضی عیاض جلد ا ص ۶۳ وغیرہ)

الغرض اس طرح کے نبی رحمت کی حیاتِ طیبہ میں ہزاروں واقعات ہیں جن سے پتا چلتاہے کہ حلم وعفو یعنی ایذاؤں کا برداشت کرنا اور مجرموں کو قدرت کے باوجود بغیر انتقام کے چھوڑ دینا اور معاف کردینا آپ کی یہ عادت کریمہ بھی آپ کے اخلاقِ حسنہ کا وہ عظیم شاہکار ہے جو ساری دنیا میں عدیم المثال ہے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهٖ اِلَّا اَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ (شفاء شریف جلد ۱ ص ۷۶ وغیرہ) (بخاری جلد ۱ ص ۵۰۳)

اپنی ذات کے لیے کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں البتہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کا اگر کوئی مرتکب ہوتا تو ضرور اس سے مواخذہ فرماتے۔

تواضع

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ تواضع بھی سارے عالم سے نرالی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اختیار عطا فرمایا کہ اے حبیب! اگر آپ چاہیں تو شاہانہ زندگی بسر فرمائیں اور اگر آپ چاہیں تو ایک بندے کی زندگی گزاریں تو آپ نے بندہ بن کر زندگی گزارنے کو پسند فرمایا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے آپ کی یہ تواضع دیکھ کر فرمایا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی اس تواضع کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ جلیل القدر مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ آپ تمام اولادِ آدم میں سب سے زیادہ بزرگ اور بلند مرتبہ ہیں اور قیامت کے دن سب سے پہلے آپ اپنی قبر انور سے اٹھائے جائیں گے اور میدان حشر میں سب سے پہلے آپ شفاعت فرمائیں گے۔

(زرقانی جلد ۴ ص ۲۶۲ و شفاء جلد ۱ ص ۸۶)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عصاء مبارک پر ٹیک لگاتے ہوئے کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لائے تو ہم سب صحابہ تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے یہ دیکھ کر تواضع کے طور پر ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس طرح نہ کھڑے رہا کرو جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے رہتے ہیں میں تو ایک بندہ ہوں بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں۔ (شفاء شریف جلد ۱ ص ۸۶)

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضور تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنے پیچھے سواری پر اپنے کسی خادم کو بھی بٹھا لیا کرتے تھے ترمذی شریف کی روایت ہے کہ جنگِ قریظہ کے دن آپ کی سواری کے جانور کی لگام چھال کی رسی سے بنی ہوئی تھی۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۲۶۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غلاموں کی دعوت کو بھی قبول فرماتے تھے جو کی روٹی اور پرانی چربی کھانے کی دعوت دی جاتی تھی تو آپ اس دعوت کو قبول فرماتے تھے۔ مسکینوں کی بیمار پرسی فرماتے۔ فقراء کے ساتھ ہم نشینی فرماتے اور اپنے صحابہ کے درمیان مل جل کر نشست فرماتے۔ (شفاء شریف جلد ۱ ص ۷۷)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر یلو کام خود اپنے دستِ مبارک سے کر لیا کرتے تھے۔ اپنے خادموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور گھر کے کاموں میں آپ اپنے خادموں کی مدد فرمایا کرتے تھے۔ (شفاء شریف جلد ۱ ص ۷۷)

ایک شخص دربارِ رسالت میں حاضر ہوا تو جلالتِ نبوت کی ہیبت سے ایک دم خائف ہو کر لرزہ براندام ہو گیا اور کانپنے لگا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم بالکل مت ڈرو۔ میں نہ کوئی بادشاہ ہوں، نہ کوئی جبار حاکم، میں تو قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کی بوٹیاں کھایا کرتی تھی۔ (زرقانی ج ۴ ص ۲۷۶ و شفاء جلد ۱ ص ۷۸)

فتح مکہ کے دن جب فاتحانہ شان کے ساتھ آپ اپنے لشکروں کے ہجوم میں شہر مکہ کے اندر داخل ہونے لگے تو اس وقت آپ پر تواضع اور انکسار کی ایسی تجلی نمودار تھی کہ آپ اونٹنی کی پیٹھ پر اس طرح سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے کہ آپ کا سر مبارک کجاوہ کے اگلے حصہ سے لگا ہوا تھا۔ (شفاء جلد ۱ ص ۷۷)

اسی طرح جب حجۃ الوداع میں آپ ایک لاکھ شمع نبوت کے پروانوں کے ساتھ اپنی مقدس زندگی کے آخری حج میں تشریف لے گئے تو آپ کی اونٹنی پر ایک پرانا پالان تھا اور آپ کے جسمِ انور پر ایک چادر تھی جس کی قیمت چار درہم سے زیادہ نہ تھی اسی اونٹنی کی پشت پر اور اسی لباس میں آپ نے خداوند ذوالجلال کے نائب اکرم اور

تاجدارِ دو عالم ہونے کی حیثیت سے اپنا شہنشاہی خطبہ پڑھا جس کو ایک لاکھ سے زائد فرزندانِ توحید ہمہ تن گوش بن کر سن رہے تھے۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۲۶۸)

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کی نعلین اقدس کا تسمہ ٹوٹ گیا اور آپ اپنے دستِ مبارک سے اس کو درست فرمانے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے دیجیے میں اس کو درست کردوں، میری اس درخواست پر ارشاد فرمایا کہ یہ صحیح ہے کہ تم اس کو ٹھیک کردو گے مگر میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں تم لوگوں پر اپنی برتری اور بڑائی ظاہر کروں، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو کسی کام میں مشغول دیکھ کر بار بار درخواست عرض کرتے کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ خود یہ کام نہ کریں اس کام کو ہم لوگ انجام دیں گے مگر آپ یہی فرماتے کہ یہ سچ ہے کہ تم لوگ میرا سب کام کردو گے مگر مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ میں تم لوگوں کے درمیان کسی امتیازی شان کے ساتھ رہوں۔

(زرقانی جلد ۴ ص ۲۶۵)

حُسنِ معاشرت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات اپنے احباب، اپنے اصحاب، اپنے رشتہ داروں، اپنے پڑوسیوں ہر ایک کے ساتھ اتنی خوش اخلاقی اور ملنساری کا برتاؤ فرماتے تھے کہ ان میں سے ہر ایک آپ کے اخلاقِ حسنہ کا گرویدہ اور مداح تھا، خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے دس برس تک سفر و وطن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل کیا مگر کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مجھے ڈانٹا نہ جھڑکا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تو نے فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا؟ (زرقانی جلد ۴ ص ۲۶۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی خوش اخلاق نہیں تھا آپ کے اصحاب یا آپ کے گھر والوں میں سے جو کوئی بھی آپ کو پکارتا تو آپ لبیک (حاضر جناب) کہہ کر جواب دیتے حضرت جریر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں جب سے مسلمان ہوا کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پاس

اُنہوں نے نہیں روکا اور جس وقت بھی مجھے دیکھتے تو مسکرا دیتے تھے اور آپ اپنے اصحاب سے خوش طبعی بھی فرماتے اور سب کے ساتھ مل جل کر رہتے اور ہر ایک سے گفتگو فرماتے اور صحابہ کرام کے بچوں سے بھی خوش طبعی فرماتے اور ان بچوں کو اپنی مقدس گود میں بٹھا لیتے اور آزاد نیز لونڈی غلام اور مسکین سب کی دعوتیں قبول فرماتے اور مدینہ کے انتہائی حصہ میں رہنے والے مریضوں کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے جاتے اور عذر پیش کرنے والوں کے عذر کو قبول فرماتے۔ (شفاء شریف جلد ۱ ص ۷۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں کوئی سرگوشی کی بات کرتا تو آپ اس وقت تک اپنا سر اس کے منہ سے الگ نہ فرماتے جب تک وہ کان میں کچھ کہتا رہتا اور آپ اپنے اصحاب کی مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے اور جو آپ کے سامنے آتا آپ سلام کرنے میں پہل کرتے اور ملاقاتیوں سے مصافحہ فرماتے اور اکثر اوقات اپنے پاس آنے والے ملاقاتیوں کے لیے آپ اپنی چادر مبارک بچھا دیتے اور اپنی مسند بھی پیش کر دیتے اور اپنے اصحاب کو ان کی کنیتوں اور اچھے ناموں سے پکارتے کبھی کسی بات کرنے والے کی بات کو کاٹتے نہیں تھے۔ ہر شخص سے خوش روئی کے ساتھ مسکرا کر ملاقات فرماتے۔ مدینہ کے خدام اور نوکر چاکر برتنوں میں صبح کو پانی لے کر آتے تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے برتنوں میں دستِ مبارک ڈبو دیں۔ اور پانی متبرک ہو جائے تو سخت جاڑے کے موسم میں بھی صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے برتن میں اپنا مقدس ہاتھ ڈال دیا کرتے تھے اور جاڑے کی سردی کے باوجود کسی کو محروم نہیں فرماتے تھے۔ (شفاء شریف جلد ۱ ص ۷۲)

حضرت عمرو بن سائب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ کے رضاعی باپ یعنی حضرت بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تشریف لائے تو آپ نے اپنے کپڑے کا ایک حصہ ان کے لیے بچھا دیا اور وہ اس پر بیٹھ گئے پھر آپ کی رضاعی ماں حضرت بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو آپ نے اپنے کپڑے کا باقی حصہ ان کے لیے بچھا دیا۔ پھر آپ کے رضاعی بھائی آئے تو آپ نے

اور اپنے سامنے بٹھایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہمیشہ کپڑا وغیرہ بھیجتے رہتے تھے۔ یہ ابولہب کی لونڈی تھیں اور چند دنوں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے بھی دودھ پلایا تھا۔ (شفا شریف ج ا ص ۵)

آپ اپنے لیے کوئی مخصوص بستر نہیں رکھتے تھے بلکہ ہمیشہ ازواج مطہرات کے بستروں ہی پر آرام فرماتے تھے اور اپنے پیار و محبت سے ہمیشہ اپنی مقدس بیویوں کو خوش رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں پیالے میں پانی پی کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پیالہ دیتی تو آپ پیالے میں اسی جگہ اپنا لب مبارک لگا کر پانی نوش فرماتے جہاں میرے ہونٹ لگے ہوتے اور میں گوشت سے بھری کوئی ہڈی اپنے دانتوں سے نوچ کر وہ ہڈی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی تو آپ بھی اسی جگہ سے گوشت کو اپنے دانتوں سے نوچ کر تناول فرماتے جس جگہ میرا منہ لگا ہوتا۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۲۶۹)

آپ روزانہ اپنی ازواج مطہرات سے ملاقات فرماتے اور اپنی صاحبزادیوں کے گھروں پر بھی رونق افروز ہو کر ان کی خبر گیری فرماتے۔ اور اپنے نواسوں اور نواسیوں کو بھی اپنے پیار و شفقت سے بار بار نوازتے اور سب کی دلجوئی و رواداری فرماتے اور بچوں سے بھی گفتگو فرما کر ان کی بات چیت سے اپنا دل خوش کرتے اور ان کا بھی دل بہلاتے اپنے پڑوسیوں کی بھی خبر گیری اور ان کے ساتھ انتہائی کریمانہ اور مشفقانہ برتاؤ فرماتے الغرض آپ نے اپنے طرزِ عمل اور اپنی سیرت مقدسہ سے ایسے اسلامی معاشرہ کی تشکیل فرمائی کہ اگر آج دنیا آپ کی سیرتِ مبارکہ پر عمل کرنے لگے تو تمام دنیا میں امن و سکون اور محبت و رحمت کا دریا بہنے لگے اور سارے عالم سے جدال و قتال اور نفاق و شقاق کا جہنم بجھ جائے اور عالم کائنات امن و راحت اور پیار و محبت کی بہشت بن جائے۔

حیاء

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی "حیا" کے بارے میں حضرت حق جل جلالہٗ کا قرآن میں یہ فرمان سب سے بڑا گواہ ہے کہ:۔

اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ ۔

بے شک تمہاری یہ بات نبی کو ایذا پہنچاتی ہے لیکن وہ تم لوگوں سے حیا کرتے ہیں (اور تم

کو کچھ کہہ نہیں سکتے)

آپ کی شانِ حیاء کی تصویر کھینچتے ہوئے ایک معزز صحابی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:-

"آپ کنواری پردہ نشین عورت سے بھی کہیں زیادہ حیادار تھے"

(زرقانی جلد ۴ ص ۲۴۸ و بخاری جلد ۱ ص ۵۰۳ باب صفۃ النبی)

اس لیے ہر قبیح قول و فعل، اور قابلِ مذمت حرکات و سکنات سے عمر بھر ہمیشہ آپ کا دامنِ عصمت پاک و صاف ہی رہا۔ اور پوری حیاتِ مبارکہ میں وقار و مروت کے خلاف آپ سے کوئی عمل سرزد نہیں ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ فحش کلام تھے نہ بے ہودہ گو، نہ بازاروں میں شور مچانے والے تھے برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا کرتے تھے بلکہ معاف فرما دیا کرتے تھے آپ یہ بھی فرمایا کرتی تھیں کہ کمالِ حیا کی وجہ سے میں نے کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ نہیں دیکھا۔

(شفا شریف جلد ۱ ص ۶۹)

وعدہ کی پابندی

ایفاء عہد اور وعدہ کی پابندی بھی درختِ اخلاق کی ایک بہت ہی اہم اور نہایت ہی ہری بھری شاخ ہے، اس خصوصیت میں بھی رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلقِ عظیم بے مثال ہی ہے حضرت ابوالحمساء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اعلانِ نبوت سے پہلے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سامان خریدا اسی سلسلے میں آپ کی کچھ رقم میرے ذمے باقی رہ گئی میں نے آپ سے کہا کہ آپ یہیں ٹھہریے میں ابھی ابھی گھر سے رقم لا کر اسی جگہ پر آپ کو دیتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ ٹھہرے رہنے کا وعدہ فرمایا مگر میں گھر آ کر اپنا وعدہ بھول گیا پھر تین دن کے بعد مجھے جب خیال آیا تو رقم لے کر اس جگہ پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ ٹھہرے ہوئے میرا انتظار فرما رہے ہیں مجھے دیکھ کر ذرا بھی آپ کی پیشانی پر بل نہیں آیا اور اس کے سوا آپ نے اور کچھ نہیں فرمایا کہ اے نوجوان تم نے تو مجھے مشقت میں ڈال دیا کیونکہ میں اپنے وعدے کے مطابق تین دن سے یہاں

تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (شفاء شریف ص ۷۴)

عدل خدا کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان میں سب سے زیادہ امین، سب سے بڑھ کر عادل اور پاک دامن وراست باز تھے وہ روشن حقیقت ہے کہ آپ کے بڑے بڑے دشمنوں نے بھی اس کا اعتراف کیا، چنانچہ اعلان نبوت سے قبل تمام اہل مکہ آپ کو "صادق الوعد" اور "امین" کے معزز لقب سے یاد کرتے تھے۔ حضرت ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مکہ والوں کا اس بات پر اتفاق تھا کہ آپ اعلیٰ درجہ کے امین اور عادل ہیں اسی لیے اعلانِ نبوت سے پہلے اہل مکہ اپنے مقدمات اور جھگڑوں کا آپ سے فیصلہ کرایا کرتے تھے اور آپ کے تمام فیصلوں کو انتہائی احترام کے ساتھ بلا چون وچرا تسلیم کر لیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ امین کا فیصلہ ہے۔ (شفاء شریف جلد۱ص ۷۸، ۷۹)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر بلند مرتبہ عادل تھے اس بارے میں بخاری شریف کی ایک روایت سب سے بڑھ کر شاہد عدل ہے قبیلہ قریش کے خاندان بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی، اسلام میں چوری کی یہ سزا ہے کہ اس کا دایاں ہاتھ پہنچوں سے کاٹ ڈالا جائے، قبیلہ قریش کو اس واقعہ سے بڑی فکر دامن گیر ہو گئی کہ اگر ہمارے قبیلہ کی اس عورت کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا تو یہ ہماری خاندانی شرافت پر ایسا بدنما داغ ہو گا، جو کبھی مٹ نہ سکے گا، اور ہم لوگ تمام عرب کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہو جائیں گے اسی لیے ان لوگوں نے یہ طے کیا کہ بارگاہ رسالت میں کوئی زبردست سفارش پیش کر دی جائے تاکہ آپ اس عورت کا ہاتھ نہ کاٹیں چنانچہ ان لوگوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو جو نگاہِ نبوت میں انتہائی محبوب تھے دباؤ ڈال کر اس بات کے لیے آمادہ کر لیا کہ وہ دربارِ اقدس میں سفارش پیش کریں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے اشراف قریش کے اصرار سے متاثر ہو کر بارگاہِ رسالت میں سفارش عرض کر دی یہ سن کر پیشانی نبوت پر جلال کے آثار نمودار ہو گئے اور آپ نے نہایت ہی غضب ناک لہجہ میں فرمایا کہ اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ کہ اے اسامہ تو

اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی سزاؤں میں سے ایک سزا کے بارے میں سفارش کرتا ہے؟ پھر اس کے بعد آپ نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا اور اس خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ:۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا ضَلَّ مَنْ قَبْلَكُمْ اَنَّهُمْ كَانُوا اِذَا سَرَقَ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَاِذَا سَرَقَ الضَّعِيْفُ فِيْهِمْ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحُدُوْدَ وَاَيْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ يَدَهَا (بخاری جلد ۲ ص ۱۰۰۳ باب کراہیۃ الشفاعت فی الحدود)	اے لوگو! تم سے پہلے کے لوگ اس وجہ سے گمراہ ہو گئے کہ جب ان میں کوئی شریف چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر سزائیں قائم کرتے تھے۔ خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو یقیناً محمد اس کا ہاتھ کاٹ لے گا (صلی اللہ علیہ وسلم)

وقار

حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی مجلسوں میں جس قدر وقار کے ساتھ رونق افروز رہتے تھے بڑے سے بڑے بادشاہوں کے دربار میں بھی اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ کی مجلس حلم وحیا اور خیر و امانت کی مجلس ہوا کرتی تھی۔ آپ کی مجلس میں کبھی کوئی بلند آواز سے گفتگو نہیں کر سکتا تھا اور جب آپ کلام فرماتے تھے تو تمام اہلِ مجلس اس طرح سر جھکائے ہوئے ہمہ تن گوش بن کر آپ کو کلام سنتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی وقار کے ساتھ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص آپ کے جملوں کو گننا چاہتا تو وہ گن سکتا تھا۔ (شفاء شریف جلد ۱ ص ۸۰، ۸۱ و بخاری جلد ۱ ص ۵۰۳)

آپ کی نشست و برخاست، رفتار و گفتار، ہر ادا میں ایک خالص پیغمبرانہ وقار پایا جاتا تھا جس سے آپ کی عظمتِ نبوت کا جاہ و جلال آفتابِ عالم تاب کی طرح ہر خاص و عام کی نظروں میں نمودار رہتا تھا۔

☆

زاہدانہ زندگی

آپ شہنشاہِ کونین اور تاجدارِ دو عالم ہوتے ہوئے ایسی زاہدانہ اور سادہ زندگی بسر فرماتے تھے کہ تاریخ نبوت میں اس کی مثال نہیں مل سکتی، خوراک و پوشاک، مکان و سامان، رہن سہن غرض حیات مبارکہ کے ہر گوشہ میں آپ کا زہد اور دنیا سے بے رغبتی کا عالم اس درجہ نمایاں تھا کہ جس کو دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی نعمتیں اور لذتیں آپ کی نگاہ نبوت میں ایک مچھر کے پر سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی میں کبھی تین دن لگاتار ایسے نہیں گزرے کہ آپ نے شکم سیر ہو کر روٹی کھائی ہو۔ ایک ایک مہینہ تک کاشانہ نبوت میں چولہا نہیں جلتا تھا، اور کھجور و پانی کے سوا آپ کے گھر والوں کی کوئی دوسری خوراک نہیں ہوا کرتی تھی۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ اے حبیب! اگر آپ چاہیں تو میں مکہ کی پہاڑیوں کو سونا بنا دوں، اور وہ آپ کے ساتھ ساتھ چلتی رہیں اور آپ ان کو جس طرح چاہیں خرچ کرتے رہیں مگر آپ نے اس کو پسند نہیں کیا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھے یہی زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھانا کھاؤں تاکہ بھوک کے دن خوب گڑگڑا کر تجھ سے دعائیں مانگوں اور آسودگی کے دن تیری حمد کروں اور تیرا شکر بجا لاؤں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس بستر پر سوتے تھے وہ چمڑے کا گدا تھا جس میں روئی کی جگہ درختوں کی چھال بھری ہوئی تھی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میری باری کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک موٹے ٹاٹ پر سویا کرتے تھے جس کو میں دو تہ کر کے بچھا دیا کرتی تھی، ایک مرتبہ میں نے اس ٹاٹ کو چار تہ کر کے بچھا دیا تو صبح کو آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے کی طرح اس ٹاٹ کو تم دوہرا کر کے بچھا دیا کرو کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اس بستر کی نرمی سے کہیں مجھ پر گہری نیند کا حملہ ہو جائے تو میری نماز تہجد میں خلل پیدا ہو جائے گا، روایت ہے

کہ کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی چارپائی پر بھی آرام فرمایا کرتے تھے جو کھردرے بان سے بُنی ہوئی تھی رجب آپ بغیر بچھونے کے اس چارپائی پر لیٹتے تھے تو جسمِ نازک پر بان کے نشان پڑ جایا کرتے تھے۔ (شفار شریف جلد ا ص ۸۲، ۸۳ وغیرہ)

شجاعت

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال شجاعت کا یہ عالم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے بہادر صحابی کا یہ قول ہے کہ جب لڑائی خوب گرم ہو جاتی تھی اور جنگ کی شدت دیکھ کر بڑے بڑے بہادروں کی آنکھیں پتھرا کر سُرخ پڑ جایا کرتی تھیں اس وقت میں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں کھڑے ہو کر اپنا بچاؤ کیا کرتے تھے اور آپ ہم سب لوگوں سے زیادہ آگے بڑھ کر اور دشمنوں کے بالکل قریب پہنچ کر جنگ فرماتے تھے اور ہم لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر وہ شخص شمار کیا جاتا تھا جو جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہ کر دشمنوں سے لڑتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بہادر اور طاقت ور سخی اور پسندیدہ میری آنکھوں نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت براء بن عازب اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا ہے کہ جنگ حنین میں بارہ ہزار مسلمانوں کا لشکر کفار کے حملوں کی تاب نہ لا کر بھاگ گیا تھا اور کفار کی طرف سے لگاتار تیروں کا مینہ برس رہا تھا اس وقت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ بلکہ ایک سفید خچر پر سوار تھے اور حضرت ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ آپ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور آپ اکیلے دشمنوں کے دل بادل لشکروں کے ہجوم کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے اور رجز کے یہ کلمات.. زبانِ اقدس پر جاری تھے کہ:۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ — میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں ہے۔

اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ — میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

(بخاری جلد ۲ ص ۶۱۷ باب قول اللہ ویوم حنین و زرقانی جلد ۴ ص ۲۹۳)

طاقت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی طاقت بھی حد اعجاز کو پہنچی ہوئی تھی اور آپ نے اپنی اس معجزانہ طاقت و قوت سے ایسے ایسے محیر العقول کارناموں اور کمالات کا مظاہرہ فرمایا کہ عقل انسانی اس کے تصور سے حیران رہ جاتی ہے غزوہ احزاب کے موقع پر صحابہ کرام جب خندق کھود رہے تھے ایک ایسی چٹان ظاہر ہو گئی جو کسی طرح کسی شخص سے بھی نہیں ٹوٹ سکی۔ مگر جب آپ نے اپنی طاقتِ نبوت سے اس پر پھاوڑا مارا تو وہ ریت کے بھر بھرے ٹیلے کی طرح بکھر کر پاش پاش ہو گئی، جس کا مفصل تذکرہ جنگ خندق میں ہم تحریر کر چکے ہیں۔

رکانہ پہلوان سے کشتی

عرب کا مشہور پہلوان رکانہ آپ کے سامنے سے گزرا آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی وہ کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ مجھ سے کشتی لڑ کر مجھے پچھاڑ دیں تو میں آپ کی دعوتِ اسلام کو قبول کر لوں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیار ہو گئے اور اس سے کشتی لڑ کر اس کو پچھاڑ دیا، پھر اس نے دوبارہ کشتی لڑنے کی دعوت دی آپ نے دوسری مرتبہ بھی اپنی پیغمبرانہ طاقت سے اسکو اس زور کے ساتھ زمین پر پٹک دیا کہ وہ دیر تک اٹھ نہ سکا اور حیران ہو کر کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم آپ کی عجیب شان ہے کہ آج تک عرب کا کوئی پہلوان میری پیٹھ زمین پر نہیں لگا سکا مگر آپ نے دم زدن میں مجھے دو مرتبہ زمین پر پچھاڑ دیا۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ رکانہ فوراً ہی مسلمان ہو گیا مگر بعض مورخین نے لکھا ہے کہ رکانہ نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(زرقانی جلد ۴ ص ۲۹۱)

یزید بن رکانہ سے مقابلہ

اسی رکانہ کا بیٹا یزید بن رکانہ بھی مانا ہوا پہلوان تھا یہ تین سو بکریاں لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مجھ سے کشتی لڑیے آپ نے فرمایا کہ اگر میں نے تمہیں پچھاڑ دیا تو تم کتنی بکریاں مجھے انعام میں دو گے

اس نے کہا کہ ایک سو بکریاں میں آپ کو دے دوں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیار ہو گئے اور اس سے ہاتھ ملاتے ہی اس کو زمین پر پٹک دیا اور وہ حیرت سے آپ کا منہ تکنے لگا اور وعدہ کے مطابق ایک سو بکریاں اس نے آپ کو دے دیں، مگر پھر دوبارہ اس نے کشتی لڑنے کے لیے چیلنج دیا، آپ نے دوسری مرتبہ بھی اس کی پیٹھ زمین پر لگا دی اس نے پھر ایک سو بکریاں آپ کو دے دیں، پھر تیسری بار اس نے کشتی کے لیے للکارا، آپ نے اس کا چیلنج قبول فرمایا اور کشتی لڑ کر اس زور کے ساتھ اس کو زمین پر دے مارا کہ وہ چت ہو گیا، اس نے باقی ایک سو بکریوں کو بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، مگر کہنے لگا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) سارا عرب گواہ ہے کہ آج تک کوئی پہلوان مجھ پر غالب نہیں آسکا، مگر آپ نے تین بار جس طرح مجھے کشتی میں پچھاڑا ہے اس سے میرا دل مان گیا کہ یقیناً آپ خدا کے نبی ہیں، یہ کہا اور کلمہ پڑھ کر دامن اسلام میں آگیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مسلمان ہو جانے سے بے حد خوش ہوئے اور اس کی تین سو بکریاں واپس کر دیں۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۲۹۲)

ابوالاسود سے زور آزمائی

اس طرح ابوالاسود جمحی اتنا بڑا طاقت ور پہلوان تھا کہ وہ ایک چمڑے پر بیٹھ جاتا تھا اور دس پہلوان اس چمڑے کو کھینچتے تھے تاکہ وہ چمڑا اس کے نیچے سے نکل جائے مگر وہ چمڑا پھٹ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے باوجود اس کے نیچے سے نکل نہیں سکتا تھا اس نے بھی بارگاہِ اقدس میں آکر یہ چیلنج دیا کہ اگر آپ مجھے کشتی میں پچھاڑ دیں، تو میں مسلمان ہو جاؤں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کشتی لڑنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور اس کا ہاتھ پکڑتے ہی اس کو زمین پر پچھاڑ دیا۔ وہ آپ کی اس طاقت نبوت سے حیران ہو کر فوراً ہی مسلمان ہو گیا۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۲۹۲)

سخاوت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ سخاوت محتاج بیان نہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں سے زیادہ بڑھ کر سخی تھے خصوصاً ماہِ رمضان میں آپ کی سخاوت اس قدر بڑھ

جاتی تھی کہ برسنے والی بدلیوں کو اٹھانے والی ہواؤں سے بھی زیادہ آپ سخی ہو جاتے تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سائل کے جواب میں خواہ وہ کتنی ہی بڑی چیز کا سوال کیوں نہ کرے آپ نے لا (نہیں) کا لفظ نہیں فرمایا۔ (شفاء شریف جلد ا ص ۶۵)

یہی وہ مضمون ہے جس کو فرزدق شاعر تابعی متوفی ۱۱۰ھ نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَهُّدِہٖ
لَوْ لَا التَّشَهُّدُ کَانَتْ لَاءُہٗ نَعَمُ

اسی کا ترجمہ کسی فارسی کے شاعر نے اسی طرح کیا ہے کہ ؎

نہ رفت لا بزبان مبارکش ہرگز
مگر در اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سائل کے جواب میں لا (نہیں) کا لفظ نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ نعم (ہاں) ہی کہا۔ مگر کلمہ شہادت میں لا (نہیں) کا لفظ ضرور آپ کی زبانِ مبارک پر آتا تھا اور اگر کلمہ شہادت میں لا کہنے کی ضرورت نہ ہوتی تو اس میں بھی لا (نہیں) کی جگہ آپ نعم (ہاں) ہی فرماتے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کسی سائل کے سوال ہی پر محدود و منحصر نہیں تھی بلکہ بغیر مانگے ہوئے بھی آپ نے لوگوں کو اس قدر زیادہ مال عطا فرمادیا کہ عالمِ سخاوت میں اس کی مثال نادر و نایاب ہے۔ آپ کے بہت بڑے دشمن اُمیہ بن خلف کافر کا بیٹا صفوان بن امیہ جب مقام "جعرانہ" میں حاضر دربار ہوا۔ تو آپ نے اس کو اتنی کثیر تعداد میں اونٹوں اور بکریوں کا ریوڑ عطا فرمادیا کہ دو پہاڑیوں کے درمیان کا میدان بھر گیا۔ چنانچہ صفوان مکہ جا کر چلا چلا کر اپنی قوم سے کہنے لگا کہ اے لوگو! دامنِ اسلام میں آجاؤ، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قدر زیادہ مال عطا فرماتے ہیں کہ فقیری کا کوئی اندیشہ ہی باقی نہیں رہتا۔ اس کے بعد یہ صفوان خود بھی مسلمان ہو گئے رضی اللہ عنہ (زرقانی ج ۴ ص ۲۹۵)

بہر حال آپ کے جود و نوال اور سخاوت کے احوال اس قدر عدیم المثال اور اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان کا تذکرہ تحریر کیا جائے تو بہت سی کتابوں کا انبار تیار ہو سکتا ہے مگر اس سے پہلے کے اوراق میں ہم جتنا اور جس قدر لکھ چکے ہیں وہ سخاوت نبوت کو سمجھنے کے لیے بہت کافی ہے۔ خداوند کریم ہم سب مسلمانوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

اسماء مبارکہ

عرب کا مشہور مقولہ ہے کہ "کَثْرَۃُ الْاَسْمَآءِ تَدُلُّ عَلٰی شَرَفِ الْمُسَمّٰی" یعنی کسی چیز کے ناموں کا بہت زیادہ ہونا اس بات کی دلیل ہوا کرتی ہے کہ وہ چیز عزت و شرف والی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ خلاق عالم جل جلالہ نے اس قدر اعزاز و اکرام اور عزت و شرف سے سرفراز فرمایا ہے کہ آپ امام الانبیاء، سید المرسلین، محبوب رب العالمین ہیں اس لیے آپ کے اسماء مبارکہ اور القاب بہت زیادہ ہیں۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں میں "محمد" و "احمد" ہوں اور میں "ماحی" ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹاتا ہے اور میں "حاشر" ہوں کہ میرے قدموں پر سب لوگوں کا حشر ہوگا اور "عاقب" ہوں (یعنی سب سے آخری نبی)

(بخاری ج ۱ ص ۵۰۱ باب ما جاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب و اسماء بہت زیادہ تعداد میں مذکور ہیں۔ چنانچہ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ خداوند قدوس کے ناموں کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ننانوے نام ہیں اور علامہ ابن دحیہ نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام ناموں کو شمار کیا جائے جو قرآن و حدیث اور اگلی کتابوں میں مذکور ہیں تو آپ کے ناموں کی گنتی تین سو تک پہنچتی ہے اور بعض صوفیاء کرام کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھی ایک ہزار نام ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کی تعداد بھی ایک ہزار ہے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۱۸)

بہر حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اسماءِ مبارکہ میں سے دو نام سب سے زیادہ مشہور ہیں ایک "محمد" دوسرا "احمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کا نام "محمد" رکھا اور اسی نام پر آپ کا عقیقہ کیا ب لوگوں نے پوچھا کہ اے عبدالمطلب! آپ نے اپنے پوتے کا نام "محمد" کیوں رکھا پ کے آباؤ اجداد میں کسی کا بھی یہ نام نہیں رہا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے ا نیت سے اور اس اُمید پر اس بچے کا نام "محمد" رکھا ہے کہ تمام روئے زمین کے گ اس کی تعریف کریں گے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے یہ کہا کہ میں نے ں امید پر "محمد" نام رکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اس کی تعریف فرمائے گا اور زمین ں خدا کی تمام مخلوق اس کی تعریف کرے گی، اور حضرت عبدالمطلب کی اس نیت اور ید کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میری پیٹھ سے ایک چاندی ں زنجیر نکلی جس کا ایک کنارہ زمین میں ہے اور ایک سرا آسمان کو چھو رہا ہے اور ام شرق و مغرب کے انسان اس زنجیر سے چمٹے ہوئے ہیں حضرت عبدالمطلب نے ب قریش کے کاہنوں سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو انہوں نے اس خواب کی ہ تعبیر بتائی کہ اے عبدالمطلب! آپ کی نسل سے عنقریب ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا کہ ام اہل مشرق و مغرب اس کی پیروی کریں گے اور تمام آسمان و زمین والے اس کی ح و ثنا کا خطبہ پڑھیں گے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۱۴ تا ۱۱۵)

اور بعض کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام "محمد" رکھا ہے کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شکم مبارک میں رونق افروز تھے و انہوں نے خواب میں ایک فرشتہ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ اے آمنہ! سارے جہان کے سردار تمہارے شکم میں تشریف فرما ہیں جب یہ پیدا ہوں تو تم ان کا نام "محمد" رکھنا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۱۵)

ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے اور حضرت بی بی آمنہ کے خوابوں کی وجہ سے دونوں نے باہمی مشورہ سے "حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کا نام "محمد" رکھا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ آپ کو "محمد" کے نام سے ذکر فرمایا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام "احمد" کے نام سے تمام زندگی آپ کے ذکرِ جمیل کا ڈنکا بجاتے رہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ ط یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ خوشخبری سناتے ہوئے تشریف لائے تھے کہ میرے بعد ایک رسول تشریف لانے والے ہیں جن کا نامِ نامی واسمِ گرامی "احمد" ہے۔

آپ کی کنیت

آپ کی مشہور کنیت "ابو القاسم" ہے۔ چنانچہ بہت سی احادیث میں آپ کی یہ کنیت مذکور ہے، مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ آپ کی کنیت "ابو ابراهیم" بھی ہے چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لفظوں سے سلام کیا کہ "السلام علیک یا ابا ابراهیم" یعنی اے ابراہیم کے والد آپ پر سلام۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۱۵۱)

طبِ نبوی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے اللہ کے بندو! تم لوگ دوائیں استعمال کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بیماری کے سوا تمام بیماریوں کے لیے دوا پیدا فرمائی ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کونسی بیماری ہے جس کی کوئی دوا نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ "بڑھاپا" ہے۔

(ترمذی جلد ۲ ص ۲۵ ابواب الطب)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ جن جن طریقوں سے علاج کرتے ہو ان میں سب سے بہتر چار طریقہ علاج ہیں سعوط ناک کے ذریعہ دوا چڑھانا، لدود منہ کے کسی ایک جانب سے دوا پلانا

حجامة کسی عضو پر پچھنا لگوا کر خون نکلوا دینا مَشِیُّ جلاب لینا۔

(ترمذی جلد ۲ ص ۲۶ ابواب الطب)

بعض دوائیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمائی ہیں اور بعض دواؤں کے اوصاف اور ان کے فوائد سے اپنی اُمت کو آگاہ فرمایا ہے۔ ہم یہاں ان میں سے تبرکاً چند دواؤں کا ذکر تحریر کرتے ہیں تاکہ ہماری اس مختصر کتاب کے صفحات "طب نبویؐ" کے اہم باب سے محروم نہ رہ جائیں۔

"اثمد" (سرمہ سیاہ اصفہانی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اثمد کو استعمال میں رکھو یہ نگاہ کو تیز کرتا ہے اور پلک کے بال اُگاتا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۸ باب الکحل بالاثمد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں اثمد کا سرمہ رہتا تھا اور آپ سونے سے پہلے ہر رات تین تین سلائی دونوں آنکھوں میں لگایا کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص ۵)

حِنّا یعنی مہندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی پھنسی نکلتی یا کانٹا چبھ جاتا تو آپ اس پر مہندی رکھ دیا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۸ ابواب الطب)

اَلْحَبَّةُ السَّوْدَآءُ (کلونجی جس کو شونیز بھی کہتے ہیں اور بعض جگہ اس کو منگریلا بھی کہا جاتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے استعمال کو لازم پکڑو کیونکہ اس میں موت کے سوا سب بیماریوں سے شفا ہے۔

(ابن ماجہ ص ۲۵۴ ابواب الطب و بخاری جلد ۲ ص ۸۴۸)

اَلتَّلْبِیْنَة (آٹا پانی شہد تیل ملا کر حریرہ کی طرح بنایا جاتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں جب کوئی شخص جاڑا بخار میں مبتلا ہوتا تھا تو آپ اس طعام کے تیار کرنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ کھانا غمگین آدمی کے دل کو تقویت دیتا ہے اور بیمار کے دل سے تکلیف کو اس طرح دور کر دیتا ہے جس طرح تم لوگ پانی سے اپنے چہروں کے میل کچیل کو دور کر دیتے ہو۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۴ ابواب الطب و بخاری جلد ۲ ص ۸۴۹)

اَلْعَسَل (شہد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ اس کے بھائی کو دست آرہے ہیں آپ نے فرمایا کہ اس کو شہد پلاؤ پھر وہ دوبارہ آیا اور کہنے لگا کہ دست بند نہیں ہوتے ارشاد فرمایا کہ اس کو شہد پلاؤ پھر وہ تیسری بار آکر کہنے لگا کہ دست کا سلسلہ جاری ہے آپ نے پھر شہد پلانے کا حکم دیا اس نے کہا کہ یہ علاج تو میں کرچکا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اس کو شہد پلاؤ اس نے جاکر شہد پلایا تو وہ شفایاب ہوگیا۔

(بخاری جلد۲ ص ۸۴۸ باب الدواء بالعسل)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر مہینہ میں تین دن صبح کے وقت شہد چاٹ لیا کرے اس کو کوئی بڑی بلا نہ پہنچے گی۔

(ابن ماجہ ص ۲۵۵ ابواب الطب)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ دو شفاؤں کو لازم پکڑو، ایک شہد، دوسری قرآن شریف۔

(ابن ماجہ ص ۲۵۵ باب العسل)

خَلّ (سرکہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین سالن سرکہ ہے۔ اے اللہ! سرکہ میں برکت عطا فرما، کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کا سالن ہے اور جس گھر میں سرکہ ہوگا وہ گھر کبھی محتاج نہیں ہوگا۔ (ابن ماجہ ص ۲۴۶ باب الائتدام بالخل)

زیت (روغن زیتون) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ روغن زیتون کو سالن کے طور پر استعمال کرو۔ اور اس کو بدن پر بھی ملتے رہو کیونکہ یہ مبارک درخت سے نکلا ہوا ہے اور دوسری حدیث میں یوں وارد ہوا کہ تم لوگ روغن زیتون کو کھاؤ اور اس کو بدن میں لگاؤ کیونکہ یہ برکت والی چیز ہے۔

(ابن ماجہ ص ۲۴۶ باب الزیت)

مُسَمِّن۔ (بدن کو فربہ کرنے والی دوا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میری والدہ نے جب میری رخصتی کا ارادہ کیا تو میرا علاج کرنے لگیں کہ میں ذرا فربہ بدن ہوجاؤں مگر کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔ مگر جب میں نے ککڑی کو تازہ کھجوروں کے ساتھ

کھانا شروع کر دیا تو میں خوب فربہ بدن والی ہو گئی (ابن ماجہ ص ۲۴۶) حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی تازہ کھجوروں کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ ص ۲۴۶ باب القثاء والرطب)

عَشاء (رات کا کھانا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رات کا کھانا ترک نہ کرو، کچھ نہ ملے تو ایک مٹھی کھجور ہی کھا لیا کرو، کیونکہ رات کو کھانا چھوڑ دینے سے جلد بڑھاپا آجاتا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۴۸ باب ترک العشاء)

حِمْیَہ (مضر چیزوں سے پرہیز) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لے کر حضرت ام المنذر صحابیہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے انہوں نے کچی پکی کھجوروں کا ایک خوشہ پیش کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے کھانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہاتھ بڑھایا تو آپ نے فرمایا اے علی! تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو اور نقاہت باقی ہے اس لیے تم اس کو مت کھاؤ۔ اس کے بعد حضرت ام المنذر رضی اللہ عنہا نے جو اور چقندر ملا کر کھانا پکایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم یہ کھاؤ یہ تمہارے لیے بہت زیادہ مفید غذا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۴ باب الحمیہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ زبردستی کر کے اپنے مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور مت کیا کرو، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کھلا پلا دیا کرتا ہے۔

(ابن ماجہ ص ۲۵۴ باب لا تکرہوا المریض علی الطعام)

زَنجبیل (سونٹھ) بادشاہِ روم نے ایک گھڑا زنجبیل سے بھرا ہوا آپ کے پاس ہدیۃً بھیجا تھا آپ نے اس میں سے ایک ایک ٹکڑا اپنے اصحاب کو کھانے کے لیے دیا اس روایت کو ابو نعیم محدث نے اپنی کتاب "طب نبوی" میں بیان کیا ہے (نشر الطیب)

عَجوہ مدینہ منورہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور کا نام ہے اس کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ "عجوہ" جنت سے ہے۔ اور وہ جنون یا زہر سے شفاء ہے۔

(ابن ماجہ ص ۲۵۵ باب الکمأۃ والعجوۃ)

کمأۃ جس کو بعض لوگ گکرمتا اور بعض لوگ سانپ کی چھتری کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کماۃ "من" کے مثل ہے جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا (یعنی جیسے وہ مفت کی چیز اور بہت ہی مفید چیز تھی ایسی ہی یہ ہے) اور اس کا عرق آنکھوں کے لیے شفاء ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۵ باب الکماۃ و بخاری وغیرہ)

سَنَا (سنا کی ایک دوا ہے) حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم کس دوا سے جلاب لیتی ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ "شبرم" سے۔ آپ نے فرمایا یہ تو بہت ہی گرم دوا ہے پھر آپ نے اس کو سنا کا جلاب لینے کے لیے حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر موت سے شفاء دینے والی کوئی چیز ہوتی تو وہ سنا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۵ باب دواء المشی)

سَنُّوت اس کے معنی میں شارحین حدیث کا اختلاف ہے مگر اطباء نے ایک خاص تفسیر کو ترجیح دی ہے یعنی وہ شہد جو گھی کے برتن میں رکھا گیا ہو اور اس میں گھی کے کچھ اثرات پہنچ گئے ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ سنا اور سنوت کو استعمال کرتے رہو کہ ان دونوں میں موت کے سوا تمام امراض سے شفاء ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۵ باب السناء والسنوت)

بعض اطباء نے وجہ ترجیح میں کہا ہے کہ شہد اور گھی سے سنا کی اصلاح اور سہال کی اعانت ہو جاتی ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)

سَمّ (زہر) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث دوا یعنی زہر سے منع فرمایا ہے۔

(ابن ماجہ ص ۲۵۵ باب النہی عن الدواء الخبیث)

عُودِ ھِندی (قسط شیریں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس عود ہندی کو استعمال میں لایا کرو۔ کیونکہ اس میں سات شفائیں ہیں، حلق میں کوّے کے لیے اس کا سعوط کرنا چاہیے اور نمونیہ کے لیے اس کا جوشاندہ پلانا چاہیے۔

(ابن ماجہ ص ۲۵۶ باب دواء ذات الجنب)

دوا عِرقُ النِّساء۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جنگل میں چرنے والی بکری کے سرین کو گلا کر تین ٹکڑے کر لیے جائیں اور تین دن نہار منہ ایک ٹکڑا کھائیں اس میں "عرق النساء" کی شفاء ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۶ باب دوا عرق النساء)

حرام دوائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری بھی اتاری ہے اور دوا بھی، اور ہر بیماری کی دوا بنادی ہے لہٰذا تم لوگ دوا کرو مگر حرام چیز سے دوا علاج مت کرو۔

شراب۔ حضرت سوید بن طارق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شراب کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا پھر دوبارہ پوچھا تو آپ نے منع فرمایا تیسری بار انہوں نے عرض کیا یا نبی اللہ! یہ تو دوا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ "نہیں" یہ بیماری ہے۔ (ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۸۵ مجتبائی)

زخموں کا علاج حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگِ اُحد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوگئے اور لوہے کی ٹوپی آپ کے سرِ اقدس پر توڑ ڈالی گئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چہرۂ انور سے خون دھو رہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی رکھ کر زخم پر بہا رہے تھے لیکن جب خون بہنے کا سلسلہ بڑھتا ہی رہا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کھجور کی چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا اور اس کو جلا کر راکھ بنا ڈالا، پھر اسی راکھ کو زخموں پر چپکا دیا تو خون بہنا بند ہوگیا۔

(ابن ماجہ ص ۲۵۶ ابواب الطب)

طاعون (پلیگ) کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک عذاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بھیجا تھا جب تم سنو کہ کسی زمین میں طاعون پھیل گیا ہے تو تم لوگ اس زمین میں داخل نہ ہوا کرو۔ اور جب تمہاری زمین میں طاعون آجائے تو تم اس زمین سے نکل کر نہ بھاگو۔

(مسلم جلد ۲ ص ۲۲۸ باب الطاعون)

اناڑی طبیب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص علم طب کو نہیں جانتا اور علاج کرتا ہے تو وہ (مریض کو اگر کوئی نقصان پہنچا) ضامن ہے یعنی اس سے نقصان کا تاوان لیا جائے گا۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۶)

بخار۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بخار کو گالی دی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم بخار کو گالی مت دو، بخار کی بیماری مریض کے گناہوں کو اس طرح دور کر دیتی ہے جس طرح لوہے کے میل کو آگ دور کر دیتی ہے۔

(ابن ماجہ ص ۲۵۶ باب الحمٰی)

بخار کا ایک علاج۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بخار جہنم کے جوش مارنے سے ہے، لہٰذا تم لوگ اس کو پانی سے (پلا کر اور غسل کرا کر) ٹھنڈا کرو۔

(ابن ماجہ ص ۲۵۶ باب الحمٰی)

(نوٹ) بخار کا یہ علاج ایک خاص قسم کے بخار کا علاج ہے جو عرب میں ہوتا ہے جس کو اطباء صفراوی بخار، یا حمٰی ناریہ (لو لگنے کا بخار کہتے ہیں) یہ ہر قسم کے بخار کا علاج نہیں ہے۔ (حاشیہ ابن ماجہ ص ۲۵۶)

اس لیے ہر قسم کے بخاروں میں یہ علاج کامیاب نہیں ہو سکتا لہٰذا کسی طبیب حاذق سے اچھی طرح بخار کی تشخیص کرا لینے کے بعد ہی اس کا علاج کرانا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پیغمبری دعائیں

خداوند قدوس کے دربار میں بندوں کی دعاؤں کا بہت ہی بڑا درجہ ہے اور دواؤں کی طرح دعاؤں میں بھی خلاقِ عالم جل جلالہ نے بڑی بڑی خاص خاص تاثیرات پیدا فرما دی ہیں، چنانچہ پروردگار عالم نے قرآن مجید میں بار بار بندوں کو دعائیں مانگنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی اے بندو! تم لوگ مجھ سے دعائیں مانگو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعاؤں کی اہمیت اور ان کے فوائد کا ذکر فرماتے ہوئے اپنی امت کو دعائیں مانگنے

کی ترغیب دلائی اور فرمایا کہ لَیْسَ شَیْئٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَاءِ یعنی اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعا سے بڑھ کر عزت والی کوئی چیز نہیں ہے (ترمذی باب فضل الدعاء ص ۱۷۲ جلد ۲) اور دعاؤں کی فضیلت واہمیت کا اظہار فرماتے ہوئے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۷۲) یعنی دعا عبادت کا مغز ہے اور یہ بھی فرمایا مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ جو خدا سے دعا نہیں مانگتا خدا اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔

(ترمذی جلد ۲ ص ۱۷۲ ابواب الدعوات)

اس لیے طبِ نبوی کی طرح حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ان چند دعاؤں کا تذکرہ بھی ہم اس کتاب میں تحریر کرتے ہیں جو آپ کے معمولات میں رہی ہیں اور جن کے فضائل وفوائد سے آپ نے اپنی امت کو آگاہ فرما کر ان کے ورد کا حکم فرمایا ہے تاکہ سیرتِ نبویہ کے اس مقدس باب سے بھی یہ کتاب مشرف ہو جائے اور مسلمان ان دعاؤں کا ورد کر کے دنیا وآخرت کے بے شمار منافع وفوائد سے مالا مال ہوتے رہیں۔

ہر بلا سے نجات

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح شام کو تین مرتبہ یہ دعا پڑھے تو اس کو دنیا کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔

(ترمذی جلد ۲ ص ۱۷۳ باب ماجاء فی الدعاء اذا صبح واذا مسی)

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْئٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ؕ

سوتے وقت کی دعائیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بچھونے پر یہ دعا تین مرتبہ پڑھ کر سوئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دے گا اگرچہ اس کے گناہ درختوں کے پتوں اور ٹیلوں کی ریت کی تعداد میں ہوں۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۷۴)

أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ ط

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وَأَحْيٰى اور جب نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيٰى نَفْسِي بَعْدَ مَا أَمَاتَهَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔

(ترمذی جلد۲ ص ۱۷۷)

رات میں جاگے تو کیا پڑھے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات میں نیند سے بیدار ہو تو یہ دعا پڑھے پھر اس کے بعد جو دعا مانگے گا وہ قبول ہوگی اور وضو کر کے جو نماز پڑھے گا وہ نماز بھی مقبول ہو جائے گی (ترمذی جلد۲ ص ۱۷۷)

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَسُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ۝

گھر سے نکلتے وقت کی دُعا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے باہر نکلتے وقت یہ دعا پڑھ لے تو اس کی مشکلات دور ہو جائیں گی اور وہ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہے گا اور شیطان اس سے الگ ہٹ جائے گا۔ (ترمذی جلد۲ ص ۱۸۰)

بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ۝

بازار میں داخل ہو تو یہ پڑھے

ارشاد نبوی ہے کہ جو شخص بازار میں داخل ہوتے وقت ان کلمات کو پڑھ لے، تو خداوند تعالیٰ دس لاکھ نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھنے کا حکم فرمائے گا اور اس کے دس لاکھ گناہوں کو مٹادے گا اور اس کے دس لاکھ درجے بلند فرمائے گا۔

(ترمذی جلد۲ ص ۱۸۰)

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ ہ

دُعاءِ سفر

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سفر کے لیے روانہ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے (ترمذی جلد ۲ ص ۱۸۱)

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ اَللّٰھُمَّ اَصْحِبْنَا فِیْ سَفَرِنَا وَاخْلُفْنَا فِیْ اَھْلِنَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَاٰبَۃِ الْمُنْقَلَبِ وَمِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْکَوْرِ ہ

سفر سے آنے کی دُعاء

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے لوٹ کر اپنے کاشانۂ نبوت پر مدینہ تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے (ترمذی جلد ۲ ص ۱۸۲)

اٰیِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ہ

منزل پر اس دُعا کا ورد کرے

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص سفر میں کسی جگہ پڑاؤ کرے اور یہ دعا پڑھے تو اس کو اس جگہ کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا (ترمذی جلد ۲ ص ۱۸۱)

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

بے چینی کے وقت کی دُعاء

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی بے چینی اور پریشانی لاحق ہوا کرتی تھی تو اس وقت آپ اس دعا کا ورد فرماتے تھے۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۸۱)

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ ہ

کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر یہ پڑھے

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی بلا

میں مبتلا ہونے والے کو دیکھے (بیمار یا مصیبت زدہ کو) تو یہ دعا پڑھ لے تو تمام عمر وہ اس بلا (بیماری یا مصیبت) سے بچا رہے گا۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۸۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا ۝

کسی کو رخصت کرنے کی دُعاء

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی انسان کو رخصت فرماتے تھے تو یہ کلمات زبان مبارک سے ارشاد فرماتے تھے کہ۔

اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِیْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِیْمَ عَمَلِكَ

(ترمذی جلد ۲ ص ۱۸۲)

کھانا کھا کر کیا پڑھے

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے جب دستر خوان اٹھایا جاتا تھا تو آپ یہ دعا پڑھتے تھے۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۸۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَكًا فِیْهِ غَیْرَ مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًی عَنْهُ رَبَّنَا۔

آندھی کے وقت کی دُعاء

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب آندھی چلتی تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۸۳)

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِهَا وَخَیْرِ مَا فِیْهَا وَخَیْرِ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِیْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ

بجلی گرجنے کی دُعاء

حضور علیہ الصلوٰۃ بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۸۳)

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ

کسی قوم سے ڈرے تو کیا پڑھے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی قوم یا کسی لشکر سے جان ومال وغیرہ کا خوف ہو تو یہ دعا پڑھے۔ (ابو داؤد جلد ۱ ص ۲۲۲ مجتبائی)

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ

قرض ادا ہونے کی دعا

مشہور صحابی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مسجد میں تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں حضرت ابو امامہ انصاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ نے فرمایا کہ اے ابو امامہ! تم اس وقت میں جب کہ نماز کا وقت نہیں ہے مسجد میں کیوں اور کیسے بیٹھے ہوئے ہو حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بہت سی افکار اور قرضوں کے بارے دیر بار ہو رہا ہوں ارشاد فرمایا کہ کیا میں تم کو ایک ایسا کلام نہ تعلیم کردوں کہ جب تم اس کو پڑھو تو اللہ تعالےٰ تمہاری فکر کو دفع فرمادے اور تمہارے قرض کو ادا کر دے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور مجھے ارشاد فرمایئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم روزانہ صبح وشام کو یہ دعا پڑھ لیا کرو۔

(ابو داؤد جلد ۱ ص ۲۲۴)

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس دعا کو پڑھا تو میری فکر جاتی رہی اور خداوند تعالیٰ نے میرے قرض کو بھی ادا فرمادیا۔

جمعہ کے دن بکثرت درود شریف پڑھو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے لہٰذا اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ

تم لوگوں کا درود شریف میرے حضور پیش کیا جاتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب قبر شریف میں آپ کا جسم مبارک بکھر کر پرانی ہڈیوں کی صورت میں ہو جائے گا تو ہم لوگوں کا درود شریف کیسے آپ کے دربار میں پیش ہوا کرے گا؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو زمین پر حرام فرما دیا ہے۔ (ابوداؤد جلد ا ص ۲۲۱ مجتبائی)

ضروری تنبیہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کے مقدس اجسام ان کی مبارک قبروں میں سلامت رہتے ہیں اور زمین پر حضرت حق جل جلالہٗ نے حرام فرما دیا ہے کہ ان کے مقدس جسموں پر کسی قسم کا تغیر و تبدل پیدا کرے جب تمام انبیاء علیہم السلام کی یہ شان ہے تو پھر بھلا حضور سید الانبیاء و سید المرسلین اور امام الانبیاء و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس جسم انور کو زمین کیونکر کھا سکتی ہے؟ اس لیے تمام علماء اُمت و اولیاء اُمت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں اور خدا کے حکم سے بڑے بڑے تصرفات فرماتے رہتے ہیں اور اپنی خدا داد پیغمبرانہ قوتوں اور معجزانہ طاقتوں سے اپنی اُمت کی مشکل کشائی اور ان کی فریاد رسی فرماتے رہتے ہیں۔

خوب یاد رکھیے کہ جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھے وہ یقیناً بارگاہِ اقدس کا گستاخ بد عقیدہ، گمراہ اور اہلِ سنت کے مذہب سے خارج ہے۔

مرغ کی آواز سن کر دُعاء

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب تم لوگ مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے (یعنی یہ دعا پڑھو کہ اَسْئَلُ اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہِ الْعَظِیْمِ ہ (مسلم جلد ۲ ص ۳۵۱)

گدھا بولے تو کیا پڑھے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ گدھے

کی آواز سن کر شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو یعنی (اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ

(مسلم جلد ۲ ص ۳۵۱)

جنت کا خزانہ حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تیری رہنمائی ایسے کلمہ پر نہ کروں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون سا کلمہ ہے تو ارشاد فرمایا کہ وہ کلمہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ہے

(مسلم جلد ۲ ص ۳۴۶)

بہشت کا ٹکٹ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس دعا کو پڑھتا رہے اس کے لیے جنت واجب ہو گئی ۔ وہ دعا یہ ہے :۔

رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا

(ابو داؤد جلد ۱ ص ۲۲۱ مجتبائی)

سیّد الاستغفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان یقین قلب کے ساتھ دن میں اس دعا کو پڑھ لے گا اگر اس دن شام سے پہلے مرے گا تو جنتی ہو گا۔ اور اگر رات میں پڑھ لے گا اور صبح سے پہلے مرے گا تو جنتی ہو گا اس دعا کا نام سیّد الاستغفار ہے جو یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَااسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ لَکَ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔

(بخاری جلد ۲ ص ۹۳۳)

جماع کی دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنی بیوی سے صحبت کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لے تو اس صحبت سے جو اولاد پیدا ہو گی اس کو کبھی ہرگز شیطان کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا دُعا یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔

(بخاری جلد۲ ص ۹۴۵)

شفاء امراض کے لیے

روایت ہے کہ عبدالعزیز بن صہیب اور ثابت بنانی رضی اللہ عنہما دونوں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ثابت بنانی نے عرض کیا کہ اے ابوحمزہ (انس) میں بیمار ہوگیا ہوں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں اس دعا سے تمہارے مرض کا جھاڑ پھونک نہ کردوں جس دعا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مریضوں پر شفا کے لیے دم فرمایا کرتے تھے ثابت بنانی نے کہا کہ کیوں نہیں؟ اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ دعا پڑھی کہ:۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُذْھِبَ الْبَاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شَافِیَ اِلَّا اَنْتَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَمًا۔

(بخاری جلد۲ ص ۸۵۵ باب رقیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

مصیبت پر نعم البدل ملنے کی دعاء

حضرت ام المؤمنین بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تھا کہ کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو اس کی ضائع شدہ چیز سے بہتر چیز عطا فرمائے گا۔

حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو میں نے (دل میں) کہا کہ بھلا ابوسلمہ سے بہتر کون مسلمان ہوگا یہ پہلا گھر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچا لیکن پھر میں نے اس دعا کو پڑھ دیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر شوہر عطا فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح فرمالیا۔

(مسلم جلد۱ ص ۳۰۰ کتاب الجنائز)

الحمد للہ تعالیٰ

کہ فرید بک سٹال لاہور اشاعت و طباعت کے عظیم تر توسیعی پروگرام کے تحت انشاء اللہ برصغیر کے نامور عالم دین اور عظیم سُنی مفکر شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبد المصطفےٰ اعظمی صاحب کے رشحاتِ فکر کو زیورِ طبع سے آراستہ کر رہا ہے۔ انشاء اللہ حضرت علامہ مدظلہ العالی کی جملہ تصنیفات بہت جلد منصہ شہود پر آجائینگی۔

کارکنانِ فرید بک سٹال لاہور ربِ ذوالجلال کے بے پایاں فضل و کرم کیلئے سراپا سپاس گزار ہیں کہ اس نے انہیں اکابر اہلسنت کی تصنیفات و تالیفات کو شائع کرنیکی توفیق بخشی، الحمد للہ علیٰ ذالک اس سلسلہ میں خلیل ملت حضرت مولانا مفتی محمد خلیل خاں برکاتی صاحب قدس سرہٗ اور سلطان الواعظین حضرت مولانا محمد بشیر صاحب کوٹلی لوہاراں کی تصنیفات نیز تراجم صحاح ستہ از علامہ مولینا عبد الحکیم خانصاحب اختر شاہجہانپوری مدظلہ اور حضرت مولانا محمد صدیق ہزاروی صاحب مدظلہ شائع ہو چکے ہیں علاوہ ازیں بیسیوں کتب مشتمل بر تفسیر، حدیث، تاریخ، تصوف، فقہ، سیرت اور دیگر موضوعات پر شائع ہو چکی ہیں اور بیسیوں اپنی تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم اور حبیبِ ربِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضانِ نظر ہے

کہاں میں اور کہاں نکہتِ گل نسیم صبح تیری مہربانی

فون ۲۱۲۸ فرید بک سٹال ۴۰۔ اردو بازار لاہور۲

انیسواں باب

متعلقینِ رسالت

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام

پارہائے صحف، غنچہائے قدس
اہل بیتِ نبوت پہ لاکھوں سلام

اہلِ اسلام کی مادرانِ شفیق!
بانوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام

ازواجِ مطہرات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبتِ مبارکہ کی وجہ سے ازواجِ مطہرات کا بھی بہت ہی بلند مرتبہ ہے ان کی شان میں قرآن کی بہت سی آیاتِ بینات نازل ہوئیں جن میں ان کی عظمتوں کا تذکرہ اور ان کی رفعتِ شان کا بیان ہے۔ چنانچہ خداوند قدوس نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ (احزاب)

اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر اللہ سے ڈرو۔

دوسری آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ:۔

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (احزاب)

اور اس (نبی) کی بیویاں ان (مومنین) کی مائیں ہیں۔

یہ تمام امت کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس بیویاں دو باتوں میں حقیقی ماں کے مثل ہیں ایک یہ کہ ان کے ساتھ ہمیشہ کے لیے کسی کا نکاح جائز نہیں دوم یہ کہ ان کی تعظیم و تکریم ہر امتی پر اسی طرح لازم ہے جس طرح حقیقی ماں کی بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ لیکن نظر اور خلوت کے معاملہ میں ازواجِ مطہرات کا حکم حقیقی ماں کی طرح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں حضرت حق جل جلالہٗ کا ارشاد ہے کہ:۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ (احزاب)

جب نبی کی بیویوں سے تم لوگ کوئی چیز مانگو، تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

مسلمان اپنی حقیقی ماں کو تو دیکھ بھی سکتا ہے اور تنہائی میں بیٹھ کر اس سے بات چیت بھی کر سکتا ہے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس بیویوں سے ہر مسلمان کے لیے پردہ فرض ہے اور تنہائی میں ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا حرام ہے۔

اسی طرح حقیقی ماں کے ماں باپ، لڑکوں کے نانی نانا اور حقیقی ماں کے بھائی، بہن

لڑکوں کے ماموں اور خالہ ہوا کرتے ہیں، مگر ازواجِ مطہرات کے ماں باپ امت کے نانی نانا اور ازواجِ مطہرات کے بھائی بہن امت کے ماموں خالہ نہیں ہوا کرتے۔

یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تمام ازواجِ مطہرات کے لیے ہے جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح فرمایا، چاہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان کا انتقال ہوا ہو یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد انہوں نے وفات پائی ہو، یہ سب کی سب امت کی مائیں ہیں اور ہر امتی کے لیے اس کی حقیقی ماں سے بڑھ کر لائقِ تعظیم و واجب الاحترام ہیں۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۱۶)

ازواجِ مطہرات کی تعداد اور ان کے نکاحوں کی ترتیب کے بارے میں مؤرخین کا قدرے اختلاف ہے مگر گیارہ امہات المؤمنین کے بارے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ان میں سے حضرت خدیجہ اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما کا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ہی انتقال ہو گیا تھا مگر نو بیویاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفاتِ اقدس کے وقت موجود تھیں ان گیارہ امت کی ماؤں میں سے چھ خاندانِ قریش کے اونچے گھرانوں کی چشم و چراغ تھیں جن کے اسماءِ مبارکہ یہ ہیں۔

۱۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد ۔ ۲۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر صدیق ۔ ۳۔ حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر فاروق ۔
۴۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان ۔ ۵۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بنت ابوامیہ ۔ ۶۔ سودہ رضی اللہ عنہا بنتِ زمعہ

اور چار ازواجِ مطہرات خاندانِ قریش سے نہیں تھیں بلکہ عرب کے دوسرے قبائل سے تعلق رکھتی تھیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش ۔ ۲۔ میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث ۔ ۳۔ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ ۔ ام المساکین ۔ ۴۔ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث اور ایک بیوی یعنی صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی یہ عربی النسل نہیں تھیں، بلکہ خاندان بنی اسرائیل کی ایک شریف النسب رئیس زادی تھیں۔

اس بات میں بھی کسی مؤرخ کا اختلاف نہیں ہے کہ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے کسی دوسری عورت سے عقد نہیں فرمایا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۱۸ تا ۲۱۹)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی رفیقۂ حیات ہیں ان کے والد کا نام خویلد بن اسد اور ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ ہے۔ یہ خاندانِ قریش کی بہت ہی معزز اور نہایت ہی دولت مند خاتون تھیں ہم اس کتاب کے تیسرے باب میں لکھ چکے ہیں کہ اہلِ مکہ ان کی پاک دامنی اور پارسائی کی بنا پر ان کو "طاہرہ" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق و عادات اور جمالِ صورت و کمالِ سیرت کو دیکھ کر خود ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی رغبت ظاہر کی اور پھر باقاعدہ نکاح ہو گیا جس کا مفصل تذکرہ گزر چکا۔ علامہ ابن اثیر اور امام ذہبی کا بیان ہے کہ اس بات پر تمام اُمت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے یہی ایمان لائیں اور ابتداء اسلام میں جب کہ ہر طرف سے آپکی مخالفت کا طوفان اُٹھ رہا تھا۔ ایسے کٹھن وقت میں صرف انہیں کی ایک ذات تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مونسِ حیات بن کر تسکین خاطر کا باعث تھی۔ انہوں نے اتنے خوفناک اور خطرناک اوقات میں جس استقلال اور استقامت کے ساتھ خطرات و مصائب کا مقابلہ کیا اور جس طرح تن من دھن سے بارگاہِ نبوت میں اپنی قربانی پیش کی، اس خصوصیت میں تمام ازواجِ مطہرات پر ان کو ایک خصوصی فضیلت حاصل ہے چنانچہ ولی الدین عراقی کا بیان ہے کہ قول صحیح اور مذہب مختار یہی ہے کہ امہات المومنین میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ افضل ہیں۔

ان کے فضائل میں چند حدیثیں وارد بھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ خدیجہ ہیں جو آپ کے پاس ایک برتن لے کر آرہی ہیں جس میں کھانا ہے جب یہ آپ کے پاس آجائیں تو آپ ان سے ان کے رب کا اور میرا سلام کہہ دیں اور ان کو یہ خوشخبری سنا دیں کہ جنت میں ان کے لیے موتی کا ایک گھر بنا ہے جس میں نہ کوئی شور ہو گا نہ کوئی تکلیف ہو گی۔

(بخاری جلد۱ ص ۵۳۹ باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

امام احمد و ابو داؤد و نسائی، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ اہل جنت کی عورتوں میں سب سے افضل حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ، حضرت مریم و حضرت آسیہ ہیں۔ (رضی اللہ عنہن) (زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۳ تا ۲۲۴)

اسی طرح روایت ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہت زیادہ تعریف سنی تو انہیں غیرت آگئی اور انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اب تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بہتر بیوی عطا فرما دی ہے یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں خدا کی قسم خدیجہ سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی جب سب لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا اس وقت وہ مجھ پر ایمان لائیں اور جب سب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے اس وقت انہوں نے میری تصدیق کی اور جس وقت کوئی شخص مجھے کوئی چیز دینے کے لیے تیار نہ تھا اس وقت خدیجہ نے مجھے اپنا سارا مال دے دیا اور انہیں کے شکم سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ مجھے حضرت خدیجہ کے بارے میں غیرت آیا کرتی تھی۔ حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں تھا غیرت کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ ان کا ذکر خیر فرماتے رہتے تھے اور اکثر ایسا ہوا کرتا تھا کہ آپ جب کوئی بکری ذبح فرماتے تھے تو کچھ گوشت حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے گھروں میں ضرور بھیج دیا کرتے تھے اس سے میں چڑ جایا کرتی تھی۔ اور کبھی کبھی یہ کہہ دیا کرتی تھی کہ " دنیا میں بس ایک خدیجہ ہی تو آپ کی بیوی تھیں، میرا یہ جملہ سن کر آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہاں ہاں بے شک وہ تھیں وہ تھیں انہیں کے شکم سے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۳۹ ذکر خدیجہ)

امام طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دنیا میں جنت کا انگور کھلایا۔ اس حدیث کو امام سہیلی نے بھی نقل فرمایا ہے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۶)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پچیس سال تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت گزاری سے سرفراز رہیں، ہجرت سے تین برس قبل پینسٹھ برس کی عمر پاکر ماہِ رمضان میں مکہ معظمہ کے اندر انہوں نے وفات پائی۔ حضور اقدس ﷺ نے مکہ مکرمہ کے مشہور قبرستان حجون (جنت المعلیٰ) میں خود بہ نفس نفیس انکی قبر میں اتر کر اپنے مقدس ہاتھوں سے انکو سپردِ خاک فرمایا چونکہ اسوقت تک نمازِ جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے آپ نے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۷ و اکمال فی اسماء الرجال ص ۵۹۳)

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

ان کے والد کا نام "زمعہ" اور ان کی والدہ کا نام شموس بنتِ عمرو ہے یہ پہلے اپنے چچازاد بھائی سکران بن عمرو سے بیاہی گئی تھیں یہ میاں بیوی دونوں ابتدائے اسلام میں ہی مسلمان ہوگئے تھے اور ان دونوں نے حبشہ کی ہجرت ثانیہ میں حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی تھی لیکن جب حبشہ سے واپس آ کر یہ دونوں میاں بیوی مکہ مکرمہ آئے تو ان کے شوہر سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ وفات پاگئے اور یہ بیوہ ہوگئیں ان کے ایک لڑکا بھی تھا جن کا نام "عبدالرحمٰن" تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چلتے ہوئے ان کی طرف تشریف لائے اور ان کی گردن پر اپنا مقدس پاؤں رکھ دیا۔ جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اس خواب کو اپنے شوہر سے بیان کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ اگر تیرا خواب سچا ہے تو میں یقیناً عنقریب ہی مر جاؤں گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے نکاح فرمائیں گے اس کے بعد دوسری رات میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے یہ خواب دیکھا کہ ایک چاند ٹوٹ کر ان کے سینے پر گرا ہے صبح کو انہوں نے اس خواب کا بھی اپنے شوہر سے ذکر کیا تو ان کے شوہر حضرت سکران رضی اللہ عنہ نے چونک کر کہا کہ اگر تیرا یہ خواب سچا ہے تو میں اب بہت جلد انتقال کر جاؤں گا اور تم میرے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر وگی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسی دن حضرت سکران رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے اور چند

دنوں کے بعد وفات پاگئے۔ (زرقانی جلد۳ ص ۲۲۷)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے ہر وقت بہت زیادہ مغموم اور اداس رہا کرتے تھے، یہ دیکھ کر حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیں تاکہ آپ کا خانۂ معیشت آباد ہو جائے اور ایک وفادار اور خدمت گزار بیوی کی صحبت و رفاقت سے آپ کا غم مٹ جائے۔

آپ نے ان کے اس مخلصانہ مشورہ کو قبول فرمالیا، چنانچہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے باپ سے بات چیت کر کے نسبت طے کرا دی اور نکاح ہو گیا، اور یہ امہات المومنین کے زمرے میں داخل ہو گئیں اور اپنی زندگی بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے شرف سے سرفراز رہیں اور انتہائی والہانہ عقیدت و محبت کے ساتھ آپ کی وفادار اور خدمت گزار رہیں، یہ بہت ہی فیاض اور سخی تھیں، ایک مرتبہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے درہموں سے بھرا ہوا ایک تھیلا ان کی خدمت میں بھیجا آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لانے والے نے بتایا کہ درہم ہیں آپ نے فرمایا کہ بھلا درہم کھجوروں کے تھیلے میں بھیجے جاتے ہیں یہ کہا اور اٹھ کر اسی وقت ان تمام درہموں کو مدینہ کے فقرا و مساکین پر تقسیم کر دیا۔

حدیث کی مشہور کتابوں میں ان کی روایت کی ہوئی پانچ حدیثیں مذکور ہیں جن میں سے ایک حدیث بخاری شریف میں بھی ہے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت یحییٰ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما ان کے شاگردوں میں بہت ہی ممتاز ہیں۔

ان کی وفات کے سال میں مختلف اور متضاد اقوال ہیں، امام ذہبی اور امام بخاری نے اس روایت کو صحیح بتایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری دور خلافت ۲۳ھ میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی لیکن واقدی نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ ان کی وفات کا سال ۵۴ھ ہے اور صاحب اکمال نے بھی ان کا سنہ وفات شوال ۵۴ھ ہی تحریر کیا ہے مگر حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب

تقریب التہذیب میں یہ لکھا ہے کہ ان کی وفات شوال ۵۵ھ میں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۹ واکمال ص ۵۹۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

یہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نورِ نظر اور دختر نیک اختر ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام "ام رومان" ہے یہ چھ برس کی تھیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت کے دسویں سال ماہ شوال میں ہجرت سے تین سال قبل نکاح فرمایا۔ اور شوال ۲ھ میں مدینہ منورہ کے اندر یہ کاشانہ نبوت میں داخل ہو گئیں اور نو برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے سرفراز رہیں ازواجِ مطہرات میں یہی کنواری تھیں اور سب سے زیادہ بارگاہ نبوت میں محبوب ترین بیوی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ کسی بیوی کے لحاف میں میرے اوپر وحی نازل نہیں ہوئی مگر حضرت عائشہ جب میرے ساتھ بستر نبوت پر سوتی رہتی ہیں تو اس حالت میں بھی مجھ پر وحی الٰہی اترتی رہتی ہے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۳۲ فضل عائشہ)

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تین راتیں میں خواب میں یہ دیکھتا رہا کہ ایک فرشتہ تم کو ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر میرے پاس لاتا رہا۔ اور مجھ سے یہ کہتا رہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں، جب میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا ہٹا کر دیکھا تو ناگہاں وہ تم ہی تھیں۔ اس کے بعد میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اس خواب کو پورا کر دکھائے گا۔ (مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۵۷۳)

فقہ و حدیث کے علوم میں ازواجِ مطہرات کے اندر ان کا درجہ بہت ہی بلند ہے دو ہزار دو سو دس حدیثیں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں میں سے ایک سو چوہتر حدیثیں ایسی ہیں جو بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں ہیں اور چون حدیثیں ایسی ہیں جو صرف بخاری شریف میں ہیں اور اڑسٹھ حدیثیں وہ ہیں جن کو صرف امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں تحریر کیا ہے ان کے علاوہ

باقی حدیثیں احادیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔

ابن سعد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے تمام ازواجِ مطہرات پر ایسی دس فضیلتیں حاصل ہیں جو دوسری ازواجِ مطہرات کو حاصل نہیں ہوئیں۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سوا کسی دوسری کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔

۲۔ میرے سوا ازواجِ مطہرات میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس کے ماں باپ دونوں مہاجر ہوں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے میری برأت اور پاک دامنی کا بیان آسمان سے قرآن میں نازل فرمایا۔

۴۔ نکاح سے قبل حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک ریشمی کپڑے میں میری صورت لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلادی تھی۔ اور آپ تین راتیں خواب میں مجھے دیکھتے رہے

۵۔ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن میں سے پانی لے لے کر غسل کیا کرتے تھے یہ شرف میرے سوا ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔

۶۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ تہجد پڑھتے تھے اور میں آپ کے آگے سوئی رہتی تھی۔ امہات المومنین میں سے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کریمانہ نسبت سے سرفراز نہیں ہوئی۔

۷۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لحاف میں سوتی رہتی تھی اور آپ پر خدا کی وحی نازل ہوا کرتی تھی یہ وہ اعزازِ خداوندی ہے جو میرے سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجہ مطہرہ کو حاصل نہیں ہوا۔

۸۔ وفات اقدس کے وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لیے ہوئے بیٹھی تھی اور آپ کا سرِ انور میرے سینے اور حلق کے درمیان تھا اور اسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔

۹۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری باری کے دن وفات پائی۔

۱۰۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور خاص میرے گھر میں بنی۔

(زرقانی جلد۳ ص ۲۲۳)

عبادت میں بھی آپ کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے آپ کے بھتیجے حضرت امام قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روزانہ بلا ناغہ نماز تہجد پڑھنے کی پابند تھیں اور اکثر روزہ دار بھی رہا کرتی تھیں۔

سخاوت اور صدقات وخیرات کے معاملہ میں بھی تمام امہات المومنین میں خاص طور پر بہت ممتاز تھیں۔ اُم دُرّہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی۔ اس وقت ایک لاکھ درہم کہیں سے آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اسی وقت ان سب درہموں کو لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اور ایک درہم بھی گھر میں باقی نہیں چھوڑا اس دن میں وہ روزہ دار تھیں میں نے عرض کیا کہ آپ نے سب درہموں کو بانٹ دیا اور ایک درہم بھی باقی نہیں رکھا تاکہ آپ گوشت خرید کر روزہ افطار کرتیں تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اگر مجھ سے پہلے کہا ہوتا تو میں ایک درہم کا گوشت منگا لیتی۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جو آپ کے بھانجے تھے ان کا بیان ہے کہ فقہ وحدیث کے علاوہ میں نے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے بڑھ کر کسی کو اشعار عرب کا جاننے والا نہیں پایا۔ وہ دورانِ گفتگو میں ہر موقع پر کوئی نہ کوئی شعر پڑھ دیا کرتی تھیں جو بہت ہی برمحل ہوا کرتا تھا۔

علم طب اور مریضوں کے علاج معالجہ میں بھی انہیں کافی بہت مہارت تھی حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن حیران ہو کر حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ اے اماں جان! مجھے آپ کے علم حدیث وفقہ پر کوئی تعجب نہیں کیونکہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت اور صحبت کا شرف پایا ہے اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوب ترین زوجہ مقدسہ ہیں اسی طرح مجھے اس پر بھی کوئی تعجب نہیں ہے کہ آپ کو اس قدر زیادہ عرب کے اشعار کیوں اور کس طرح یاد ہو گئے؟ اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ آپ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نور نظر ہیں ، اور وہ اشعار عرب کے بہت بڑے حافظ و ماہر تھے مگر میں اس بات پر بہت ہی حیران ہوں کہ آخر یہ طبی معلومات اور علاج و معالجہ کی مہارت آپ کو کہاں سے اور کیسے حاصل ہو گئی ۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری عمر شریف میں اکثر علیل ہو جایا کرتے تھے اور عرب و عجم کے اطبا آپ کے لیے دوائیں تجویز کرتے تھے اور میں ان دواؤں سے آپ کا علاج کیا کرتی تھی اس لیے مجھے طبی معلومات بھی حاصل ہو گئیں ۔

آپ کے شاگردوں میں صحابہ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت ہے اور آپ کے فضائل و مناقب میں بہت سی حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں ۔

۱۷ رمضان شب سہ شنبہ ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں مدینہ منورہ کے اندر آپ کا وصال ہوا ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق رات میں لوگوں نے آپ کو جنت البقیع کے قبرستان میں دوسری ازواج مطہرات کی قبروں کے پہلو میں دفن کیا ۔

(اکمال و حاشیہ اکمال ص ۶۱۲ و زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۴ تا ۲۳۵)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا ہیں جو ایک مشہور صحابیہ ہیں ۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی حضرت خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ طیبہ کو ہجرت بھی کی تھی لیکن ان کے شوہر جنگ بدر یا جنگ احد میں زخمی ہو کر وفات پا گئے اور یہ بیوہ ہو گئیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳ھ میں ان سے نکاح فرمایا اور یہ ام المومنین کی حیثیت سے کاشانۂ نبوی کی سکونت سے مشرف ہو گئیں ۔

یہ بہت ہی شاندار ، بلند ہمت اور سخاوت شعار خاتون ہیں ۔ حق گوئی ، حاضر جوابی اور فہم و فراست میں اپنے والد بزرگوار کا مزاج پایا تھا ۔ اکثر روزہ دار رہا کرتی تھیں ، اور

تلاوت قرآن مجید اور دوسری قسم قسم کی عبادتوں میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ ان کے مزاج میں کچھ سختی تھی اسی لیے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کہیں ان کی کسی سخت کلامی سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری نہ ہو جائے چنانچہ آپ بار بار ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اے حفصہ! تم کو جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے طلب کر لیا کرو، خبردار کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا تقاضا نہ کرنا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کبھی ہرگز ہرگز دل آزاری کرنا ورنہ یاد رکھو کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم سے ناراض ہو گئے تو تم خدا کے غضب میں گرفتار ہو جاؤ گی۔

یہ بہت بڑی عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ و حدیث میں بھی ایک ممتاز درجہ رکھتی ہیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساٹھ حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے پانچ حدیثیں بخاری شریف میں مذکور ہیں باقی احادیث دوسری کتب حدیث میں درج ہیں۔

علم حدیث میں بہت سے صحابہ اور تابعین ان کے شاگردوں کی فہرست میں نظر آتے ہیں جن میں خود ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بہت مشہور ہیں۔ شعبان ۴۵ھ میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا زمانہ تھا اور مروان بن حکم مدینہ کا حاکم تھا اسی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک ان کے جنازہ کو بھی اٹھایا پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ قبر تک جنازہ کو کاندھا دیے چلتے رہے ان کے دو بھائی حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے تین بھتیجے حضرت سالم بن عبداللہ و حضرت عبداللہ بن عبداللہ و حضرت حمزہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہم نے ان کو قبر میں اتارا اور یہ جنت البقیع میں دوسری ازواج مطہرات کے پہلو میں مدفون ہوئیں بوقت وفات ان کی عمر ساٹھ یا تریسٹھ برس کی تھی۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۳۶ تا ۲۳۸)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ان کا نام ہند ہے اور کنیت ''ام سلمہ'' ہے مگر یہ اپنی کنیت کے ساتھ ہی زیادہ مشہور ہیں

ان کے باپ کا نام "حذیفہ" اور بعض مؤرخین کے نزدیک "سہیل" ہے مگر اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ ان کی والدہ "عاتکہ بنت عامر" ہیں۔ ان کا نکاح پہلے حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن اسد رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے یہ دونوں میاں بیوی اعلانِ نبوت کے بعد جلد ہی دامن اسلام میں آ گئے تھے اور سب سے پہلے ان دونوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی پھر یہ دونوں حبشہ سے مکہ مکرمہ آ گئے اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا۔ چنانچہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے اونٹ پر کجاوہ باندھا اور حضرت بی بی ام سلمہ اور اپنے فرزند سلمہ کو کجاوہ میں سوار کر دیا مگر جب اونٹ کی نکیل پکڑ کر حضرت ابوسلمہ روانہ ہوئے تو حضرت ام سلمہ کے میکے والے بنو مغیرہ دوڑ پڑے اور ان لوگوں نے یہ کہا کہ ہم اپنے خاندان کی اس لڑکی کو ہرگز ہرگز مدینہ نہیں جانے دیں گے اور زبردستی ان کو اونٹ سے اتار لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے خاندانی لوگوں کو بھی طیش آ گیا اور ان لوگوں نے غضب ناک ہو کر کہا کہ تم لوگ ام سلمہ کو محض اس بنا پر روکتے ہو کہ یہ تمہارے خاندان کی لڑکی ہے تو ہم ان کے بچہ "سلمہ" کو ہرگز ہرگز تمہارے پاس نہیں رہنے دیں گے اس لیے کہ یہ بچہ ہمارے خاندان کا ایک فرد ہے یہ کہہ کر ان لوگوں نے بچہ کو اس کی ماں کی گود سے چھین لیا مگر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ ترک نہیں کیا بلکہ بیوی اور بچہ دونوں کو چھوڑ کر تنہا مدینہ منورہ چلے گئے۔ حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر اور بچے کی جدائی پر صبح سے شام تک مکہ کی پتھریلی زمین میں کسی چٹان پر بیٹھی ہوئی تقریباً سات دنوں تک زار و قطار روتی رہیں ان کا یہ حال دیکھ کر ان کے ایک چچا زاد بھائی کو ان پر رحم آ گیا اور اس نے بنو مغیرہ کو سمجھا بجھا کر یہ کہا کہ آخر اس مسکینہ کو تم لوگوں نے اس کے شوہر اور بچے سے کیوں جدا کر رکھا ہے؟ تم لوگ کیوں نہیں اس کو اجازت دے دیتے کہ وہ اپنے بچہ کو ساتھ لے کر اپنے شوہر کے پاس چلی جائے بالآخر بنو مغیرہ اس پر رضامند ہو گئے کہ یہ مدینہ چلی جائے پھر حضرت سلمہ کے خاندان والے بنو عبدالاسد نے بھی بچے کو حضرت ام سلمہ کے سپرد کر دیا۔ اور حضرت ام سلمہ

رضی اللہ عنہا بچہ کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور اکیلی مدینہ کو چل پڑیں مگر جب مقام "تنعیم" میں پہنچیں تو عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہو گئی جو مکہ کا مانا ہوا ایک نہایت ہی شریف انسان تھا اس نے پوچھا کہ اے ام سلمہ کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں۔ اس نے کہا کہ کیا تمہارے ساتھ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ حضرت ام سلمہ نے درد بھری آواز میں جواب دیا کہ نہیں میرے ساتھ اللہ اور میرے اس بچہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ یہ سن کر عثمان بن طلحہ کی رگِ شرافت پھڑک اٹھی اور اس نے کہا کہ خدا کی قسم میرے لیے یہ زیب نہیں دیتا کہ تمہاری جیسی ایک شریف زادی اور ایک شریف انسان کی بیوی کو تنہا چھوڑ دوں یہ کہہ کر اس نے اونٹ کی مہار اپنے ہاتھ میں لے لی اور پیدل چلنے لگا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ خدا کی قسم میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف کسی عرب کو نہیں پایا۔ جب ہم کسی منزل پر اترتے تو وہ الگ کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتا اور میں اپنے اونٹ کے پاس سو رہتی۔ پھر روانگی کے وقت جب میں اپنے بچہ کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو جاتی تو وہ اونٹ کی مہار پکڑ کر چلنے لگتا اسی طرح اس نے مجھے قبا تک پہنچا دیا اور وہاں سے وہ یہ کہہ کر مکہ چلا گیا کہ اب تم چلی جاؤ تمہارا شوہر اسی گاؤں میں ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ اس طرح بخیریت مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۳۹)

یہ دونوں میاں بیوی عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہنے لگے مگر ۴ ہجری میں جب ان کے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو باوجودیکہ ان کے چند بچے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرما لیا اور یہ اپنے بچوں کے ساتھ کاشانہ نبوت میں رہنے لگیں اور ام المومنین کے معزز لقب سے سرفراز ہو گئیں۔

حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا حسن و جمال کے ساتھ ساتھ عقل و فہم کے کمال کا بھی ایک بے مثال نمونہ تھیں۔ امام الحرمین کا بیان ہے کہ میں حضرت ام سلمہ کے سوا کسی عورت کو نہیں جانتا کہ اس کی رائے ہمیشہ درست ثابت ہوئی ہو۔ صلح حدیبیہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی قربانیاں کر کے سب

لوگ احرام کھول دیں اور بغیر عمرہ ادا کیے سب لوگ مدینہ واپس چلے جائیں کیونکہ اسی شرط پر صلح حدیبیہ ہوئی ہے تو لوگ اس قدر رنج وغم میں تھے کہ ایک شخص بھی قربانی کے لیے تیار نہیں تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کے اس طرزِ عمل سے روحانی کوفت ہوئی اور آپ نے معاملہ کا حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے تذکرہ کیا تو انہوں نے یہ رائے دی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کسی سے کچھ بھی نہ فرمائیں اور خود اپنی قربانی ذبح کر کے اپنا احرام اتار دیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا یہ دیکھ کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کھول دیا ہے سب صحابہ کرام مایوس ہو گئے کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو ہرگز ہرگز نہ بدلیں گے اس لیے سب صحابہ نے بھی اپنی اپنی قربانیاں کر کے احرام اتار دیا اور سب لوگ مدینہ منورہ واپس چلے گئے۔

حسن وجمال اور عقل ورائے کے ساتھ ساتھ فقہ وحدیث میں بھی ان کی مہارت خصوصی طور پر ممتاز تھی۔ تین سو اٹھہتر حدیثیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں اور بہت سے صحابہ وتابعین حدیث میں ان کے شاگرد ہیں اور ان کے شاگردوں میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں۔ مدینہ منورہ میں چوراسی برس کی عمر پا کر وفات پائی اور ان کی وفات کا سال ۵۳ھ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ جنت البقیع میں ازواجِ مطہرات کے قبرستان میں مدفون ہوئیں بعض مورخین کا قول ہے کہ ان کے وصال کا سال ۵۹ھ ہے اور ابراہیم حربی نے فرمایا کہ ۶۲ھ میں ان کا انتقال ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ ۶۳ھ کے بعد ان کی وفات ہوئی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۳۸ تا ۲۴۲ واکمال وحاشیۂ اکمال ص ۵۹۹)

حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا

ان کا اصلی نام "رملہ" ہے یہ سردارِ مکہ ابوسفیان بن حرب کی صاحبزادی ہیں۔ اور ان کی والدہ کا نام صفیہ بنت العاص ہے جو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہیں۔

یہ پہلے عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں اور میاں بیوی دونوں نے اسلام قبول کیا اور دونوں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے، لیکن حبشہ پہنچ کر ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش پر ایسی بدنصیبی سوار ہو گئی کہ وہ اسلام سے مرتد ہو کر نصرانی ہو گیا اور شراب پیتے پیتے نصرانیت ہی پر وہ مر گیا۔

ابن سعد نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے حبشہ میں ایک رات یہ خواب دیکھا کہ ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش کی صورت اچانک بہت ہی بدنما اور بدشکل ہو گئی وہ اس خواب سے بہت زیادہ گھبرا گئیں۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اچانک یہ دیکھا کہ ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش نے اسلام سے مرتد ہو کر نصرانی دین قبول کر لیا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کو اپنا خواب سنا کر ڈرایا اور اسلام کی طرف بلایا مگر اس بدنصیب نے اس پر کان نہیں دھرا۔ اور مرتد ہونے ہی کی حالت میں مر گیا مگر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے اسلام پر استقامت کے ساتھ ثابت قدم رہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی حالت معلوم ہوئی تو قلب نازک پر بے حد صدمہ گزرا۔ اور آپ نے ان کی دلجوئی کے لیے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی بادشاہِ حبشہ کے پاس بھیجا اور خط لکھا کہ تم میرے وکیل بن کر حضرت ام حبیبہ کے ساتھ میرا نکاح کر دو۔ نجاشی کو جب یہ فرمانِ نبوت پہنچا تو اس نے اپنی ایک خاص لونڈی کو جس کا نام "ابرہہ" تھا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی خبر دی۔ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہ اس خوشخبری کو سن کر اس قدر خوش ہوئیں کہ اپنے کچھ زیورات اس بشارت کے انعام میں ابرہہ لونڈی کو انعام کے طور پر دے دیے اور حضرت خالد بن سعید بن ابی العاص کو جو ان کے ماموں کے لڑکے تھے اپنے نکاح کا وکیل بنا کر نجاشی کے پاس بھیج دیا نجاشی نے اپنے شاہی محل میں نکاح کی مجلس منعقد کی اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو اس وقت حبشہ میں موجود تھے اس مجلس میں بلایا اور خود ہی خطبہ پڑھ کر سب کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

کے ساتھ نکاح کر دیا اور چار سو دینار اپنے پاس سے مہر ادا کیا جو اسی وقت حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی گئی۔ جب صحابہ کرام اس نکاح کی مجلس سے اٹھنے لگے تو نجاشی بادشاہ نے کہا کہ آپ لوگ بیٹھے رہیے انبیاء علیہم السلام کا یہ طریقہ ہے کہ نکاح کے وقت کھانا کھلایا جاتا ہے یہ کہہ کر نجاشی نے کھانا منگایا اور تمام صحابہ کرام شکم سیر کھانا کھا کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے پھر نجاشی نے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حرم نبوی میں داخل ہو کر ام المومنین کا معزز لقب پا لیا۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بہت پاکیزہ ذات و حمیدہ صفات کی جامع اور نہایت ہی بلند ہمت اور سخی طبیعت کی مالک تھیں اور بہت ہی قوی الایمان تھیں ان کے والد ابو سفیان جب کفر کی حالت میں تھے اور صلح حدیبیہ کی تجدید کے لیے مدینہ آئے تو بے تکلف ان کے مکان میں جا کر بستر نبوت پر بیٹھ گئے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔ اور یہ کہہ کر اپنے باپ کو بستر سے اٹھا دیا کہ یہ بستر نبوت ہے۔ میں کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ ایک ناپاک مشرک اس پاک بستر پر بیٹھے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پینسٹھ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں جن میں سے دو حدیثیں بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں موجود ہیں اور ایک حدیث وہ ہے جس کو تنہا مسلم نے روایت کی ہے باقی حدیثیں حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں ان کے شاگردوں میں ان کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی صاحبزادی حضرت حبیبہ اور ان کے بھانجے ابو سفیان بن سعید رضی اللہ عنہم بہت مشہور ہیں۔

۴۴ھ میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں ازواج مطہرات کے حظیرہ میں مدفون ہوئیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۴۲ تا ۲۴۵ و مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۸۱ تا ۴۸۲)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کرا دیا تھا مگر چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا خاندان قریش کی ایک بہت ہی شاندار خاتون تھیں اور حسن و جمال میں بھی یہ خاندان قریش کی بے مثال عورت تھیں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو گو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر کے اپنا متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنا لیا تھا مگر پھر بھی چونکہ وہ پہلے غلام تھے اس لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان سے خوش نہیں تھیں اور اکثر میاں بیوی میں ان بن رہا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی۔ اس واقعہ سے فطری طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب نازک پر صدمہ گزرا چنانچہ جب ان کی عدت گزر گئی تو محض حضرت زینب کی دلجوئی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کے پاس اپنے نکاح کا پیغام بھیجا۔ روایت ہے کہ یہ پیغامِ بشارت سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دو رکعت نماز ادا کی اور سجدہ میں سر رکھ کر یہ دعا مانگی کہ خداوندا! تیرے رسول نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے اگر میں تیرے نزدیک ان کی زوجیت میں داخل ہونے کے لائق عورت ہوں تو یا اللہ! تو ان کے ساتھ میرا نکاح فرما دے ان کی یہ دعا فوراً ہی قبول ہو گئی اور یہ آیت نازل ہو گئی کہ:۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ (احزاب)

جب زید نے اس سے حاجت پوری کر لی (زینب کو طلاق دے دی اور عدت گزر گئی) تو ہم نے اس (زینب) کا آپ کے ساتھ نکاح کر دیا۔

اس آیت کے نزول کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ کون ہے جو زینب کے پاس جائے اور اس کو یہ خوشخبری سنائے کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح اس کے ساتھ فرما دیا ہے یہ سن کر آپ کی ایک خادمہ دوڑتی ہوئی

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچیں اور یہ آیت سنا کر خوشخبری دی حضرت زینب اس بشارت سے اس قدر خوش ہوئیں کہ اپنا زیور اتار کر اس خادمہ کو انعام میں دے دیا اور خود سجدہ میں گر پڑیں اور اس نعمت کے شکریہ میں دو ماہ لگاتار روزہ دار رہیں۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد ناگہاں حضرت زینب کے مکان میں تشریف لے گئے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بغیر خطبہ اور بغیر گواہ کے آپ نے میرے ساتھ نکاح فرما لیا؟ ارشاد فرمایا کہ تیرے ساتھ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام اور دوسرے فرشتے اس نکاح کے گواہ ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے نکاح پر جتنی بڑی دعوت ولیمہ فرمائی اتنی بڑی دعوت ولیمہ ازواج مطہرات میں سے کسی کے نکاح کے موقع پر بھی نہیں فرمائی آپ نے حضرت زینب کے ساتھ نکاح کی دعوتِ ولیمہ میں تمام صحابہ کرام کو نان و گوشت کھلایا۔

ان کے فضائل و مناقب میں چند احادیث بھی مروی ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد تم ازواجِ مطہرات میں سے میری وہ بیوی سب سے پہلے وفات پا کر مجھ سے آن ملے گی جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہے یہ سن کر تمام ازواج مطہرات نے ایک لکڑی سے اپنا ہاتھ ناپا تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا نکلا لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ازواجِ مطہرات میں سے سب سے پہلے حضرت زینب نے وفات پائی تو اس وقت لوگوں کو پتا چلا کہ ہاتھ لمبا ہونے سے مراد کثرت سے صدقہ دینا تھا کیونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے کچھ دستکاری کا کام کرتی تھیں اور اس کی آمدنی فقراء و مساکین پر صدقہ کیا کرتی تھیں۔

ان کی وفات کی خبر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچی تو انہوں نے کہا کہ ہائے ایک قابلِ تعریف عورت جو سب کے لیے نفع بخش تھی اور یتیموں اور بوڑھی عورتوں کا دل خوش کرنے والی تھی آج دنیا سے چلی گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے بھلائی اور سچائی میں اور رشتہ داروں کے ساتھ مہربانی کے

معاملہ میں حضرت زینب سے بڑھ کر کسی عورت کو نہیں دیکھا۔

منقول ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ازواجِ مطہرات سے اکثر یہ کہا کرتی تھیں کہ مجھ کو خداوند تعالیٰ نے ایک ایسی فضیلت عطا فرمائی ہے جو ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی کیونکہ تمام ازواجِ مطہرات کا نکاح تو ان کے باپ داداؤں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔

انہوں نے گیارہ حدیثیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی ہیں جن میں سے دو حدیثیں بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں مذکور ہیں۔ باقی نو حدیثیں دوسری کتب احادیث میں لکھی ہوئی ہیں۔

منقول ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات کا حال امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دے دیا کہ مدینہ کے ہر کوچہ و بازار میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ تمام اہلِ مدینہ اپنی مقدس ماں کی نمازِ جنازہ کے لیے حاضر ہو جائیں۔ امیر المومنین نے خود ہی ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور یہ جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ سنہ ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں ۵۳ برس کی عمر پا کر مدینہ منورہ میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۷۶ تا ۴۷۸ وغیرہ)

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

زمانہ جاہلیت میں چونکہ یہ غرباء اور مساکین کو بکثرت کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ اس لیے ان کا لقب "ام المساکین" (مسکینوں کی ماں) ہے پہلے ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا مگر جب وہ جنگ اُحد میں شہید ہو گئے تو ۳ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمالیا اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے بعد صرف دو مہینے یا تین مہینے زندہ رہیں اور ربیع الآخر ۴ھ میں تیس برس کی عمر پا کر وفات پا گئیں اور جنت البقیع کے قبرستان میں دوسری ازواجِ مطہرات کے ساتھ دفن ہوئیں یہ ماں کی جانب سے حضرت ام المومنین

بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۴۹)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

ان کے والد کا نام حارث بن حزن ہے اور ان کی والدہ ہند بنت عوف ہیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نام پہلے "برہ" تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر "میمونہ" (برکت دہندہ) رکھ دیا۔

یہ پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو یہ بیوہ ہو چکی تھیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور آپ نے ان سے نکاح فرمالیا اور عمرۃ القضاء سے واپسی پر مقام "سرف" میں ان کو اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہنیں چار ہیں جن کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ ام الفضل لبابۃ الکبریٰ:۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان ہی کے شکم سے پیدا ہوئے۔

۲۔ لبابۃ الصغریٰ:۔ یہ حضرت خالد بن الولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

۳۔ عصماء:۔ یہ ابی بن خلف سے بیاہی گئی تھیں انہوں نے اسلام قبول کیا اور صحابیات میں ان کا شمار ہے۔

۴۔ عزہ:۔ یہ بھی صحابیہ ہیں جو زیاد بن مالک کے گھر میں تھیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ان سگی بہنوں کے علاوہ وہ بہنیں جو صرف ماں کی جانب سے ہیں وہ بھی چار ہیں جن کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ اسماء بنت عمیس:۔ یہ پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں ان سے عبداللہ وعون و محمد رضی اللہ عنہم تین فرزند پیدا ہوئے پھر جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تو ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا اور ان سے محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے پھر حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے عقد فرمالیا اور ان سے بھی ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام "یحییٰ" تھا۔

۲۔ سلمیٰ بنت عمیس :۔ یہ پہلے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں اور ان سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جن کا نام "امۃ اللہ" تھا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان سے شداد بن الہاد رضی اللہ عنہ نے نکاح کرلیا اور ان سے عبداللہ و عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما دو فرزند پیدا ہوئے۔

۳۔ سلامہ بنت عمیس :۔ ان کا نکاح عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔

۴۔ ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا جو ام المساکین کے لقب سے مشہور ہیں جن کا ذکر خیر اوپر گزر چکا ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی والدہ "ہند بنت عوف" کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ دامادوں کے اعتبار سے روئے زمین پر کوئی بڑھیا ان سے زیادہ خوش نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ ان کے دامادوں کی فہرست میں مندرجہ ذیل ہستیاں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت شداد بن الہاد یہ سب کے سب بزرگوار "ہند بنت عوف" رضی اللہ عنہا کے داماد ہیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۱ و مدارج جلد ۲ ص ۴۸۴)

حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا سے کل چھہتر حدیثیں مروی ہیں جن میں سے سات حدیثیں ایسی ہیں جو بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور ایک حدیث صرف بخاری میں ہے اور ایک ایسی حدیث ہے جو صرف مسلم میں ہے اور باقی حدیثیں احادیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زوجۂ مبارکہ ہیں ان کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں فرمایا ان کے انتقال کے سال

میں مورخین کا اختلاف ہے مگر قول مشہور یہ ہے کہ انہوں نے ۵۱ھ میں بمقام "سرف" وفات پائی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے زفاف فرمایا تھا۔ ابن سعد نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ۶۱ھ میں وفات پائی۔ اور ابن اسحاق کا قول ہے کہ ۶۳ھ ان کے انتقال کا سال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان کی وفات کے وقت ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما موجود تھے اور انہوں ہی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو قبر میں اتارا، محدث عطا کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شریک تھے جب جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بہ آواز بلند فرمایا کہ اے لوگو! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں۔ تم لوگ ان کے جنازہ کو بہت آہستہ آہستہ لے کر چلو۔ اور ان کی مقدس لاش کو نہ جھنجھوڑو، حضرت یزید بن اصم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کو مقام سرف میں اسی چھپر کی جگہ میں دفن کیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہلی بار اپنی قربت سے سرفراز فرمایا تھا۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۳)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

یہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار اعظم حارث بن ضرار کی بیٹی ہیں "غزوہ مریسیع" میں جو کفار مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر قیدی بنائے گئے تھے ان ہی قیدیوں میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جب قیدیوں کو لونڈی غلام بنا کر مجاہدین پر تقسیم کر دیا گیا تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا، حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں انہوں نے ان سے مکاتبت کر لی یعنی یہ لکھ کر دے دیا کہ تم اتنی اتنی رقم مجھے دے دو تو میں تم کو آزاد کر دوں گا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، میں اپنے قبیلے کے سردار اعظم حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں اور مسلمان ہو چکی ہوں، ثابت بن قیس نے مجھے

مکاتبہ بنا دیا ہے مگر میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ میں بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہو جاؤں اس لیے آپ اس وقت میں میری مالی امداد فرمائیں کیونکہ میرا تمام خاندان اس جنگ میں گرفتار ہو چکا ہے اور ہمارے تمام مال و سامان مسلمانوں کے ہاتھوں میں مالِ غنیمت بن چکے ہیں اور میں اس وقت بالکل ہی مفلسی و بے کسی کے عالم میں ہوں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی فریاد سن کر ان پر رحم آگیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کروں تو کیا تم اس کو منظور کر لو گی؟

انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ میرے ساتھ اس سے بہتر سلوک کیا فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے بدل کتابت کی تمام رقم میں خود تمہاری طرف سے ادا کر دوں اور پھر تم کو آزاد کر کے میں خود تم سے نکاح کر لوں تاکہ تمہارا خاندانی اعزاز و وقار برقرار رہ جائے یہ سن کر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی شادمانی و مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے اس اعزاز کو خوشی خوشی منظور کر لیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کتابت کی ساری رقم ادا فرما کر اور ان کو آزاد کر کے اپنی ازواج مطہرات میں شامل فرما لیا اور یہ ام المومنین کے اعزاز سے سرفراز ہو گئیں۔

جب اسلامی لشکر میں یہ خبر پھیلی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما لیا تو تمام مجاہدین ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرما لیا اس خاندان کا کوئی فرد لونڈی غلام نہیں رہ سکتا، چنانچہ اس خاندان کے جتنے لونڈی غلام مجاہدین اسلام کے قبضہ میں تھے فوراً ہی سب کے سب آزاد کر دیے گئے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرمایا کرتی تھیں کہ دنیا میں کسی عورت کا نکاح حضرت جویریہؓ کے نکاح سے بڑھ کر مبارک نہیں ثابت ہوا کیونکہ اس نکاح کی وجہ سے تمام خاندانِ بنی مصطلق کو غلامی سے نجات حاصل ہو گئی۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۴)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میرے قبیلے میں تشریف لانے سے تین رات پہلے میں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ مدینہ کی جانب سے ایک چاند چلتا ہوا آیا اور میری گود میں گر پڑا۔ میں نے کسی سے اس خواب کا تذکرہ نہیں کیا لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح فرما لیا تو میں نے سمجھ لیا کہ یہی اس خواب کی تعبیر ہے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۴)

ان کا اصلی نام "برہ" (نیکوکار) تھا لیکن چونکہ اس نام سے بزرگی اور بڑائی کا اظہار ہوتا تھا۔ اس لیے آپ نے ان کا نام بدل کر "جویریہ" (چھوٹی لڑکی) رکھ دیا۔ یہ بہت ہی عبادت گزار عورت تھیں نمازِ فجر سے نمازِ چاشت تک ہمیشہ اپنے ورد و وظائف میں مشغول رہا کرتی تھیں۔ (مدارج جلد ۲ ص ۴۷۹)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے دو بھائی عبداللہ بن حارث اور ان کی ایک بہن عمرہ بنت حارث یہ تینوں بھی مسلمان ہو کر شرفِ صحابیت سے سربلند ہوئے۔

ان کے بھائی عبداللہ بن حارث کے اسلام لانے کا واقعہ بہت ہی تعجب خیز بھی ہے اور دلچسپ بھی، یہ اپنی قوم کے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے ان کے ساتھ چند اونٹنیاں اور لونڈی تھی۔ انہوں نے ان سب کو ایک پہاڑ کی گھاٹی میں چھپا دیا۔ اور تنہا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسیرانِ جنگ کی رہائی کے لیے درخواست پیش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم قیدیوں کے فدیہ کے لیے کیا لائے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تمہاری وہ اونٹنیاں کیا ہوئیں؟ اور تمہاری وہ لونڈی کدھر گئی؟ جسے تم فلاں گھاٹی میں چھپا کر آئے ہو۔ زبانِ رسالت سے یہ علم غیب کی خبر سن کر عبداللہ بن حارث حیران رہ گئے کہ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میری لونڈی اور اونٹنیوں کی خبر کس طرح ہو گئی۔ ایک دم ان کے اندھیرے دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور آپ کی نبوت کا نور چمک اٹھا۔ اور وہ فوراً ہی کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (کتاب الاستیعاب)۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے سات حدیثیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں جن میں سے دو حدیثیں بخاری شریف میں اور دو حدیثیں مسلم شریف میں ہیں باقی تین حدیثیں دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت عبید بن صباغ اور ان کے بھتیجے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۸۱ و زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۵)

سنہ ۵۰ھ میں پینسٹھ برس کی عمر پاکر انہوں نے مدینہ طیبہ میں وفات پائی اور حاکم مدینہ مروان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ جنت البقیع کے قبرستان میں مدفون ہوئیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۵ و مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۸۱)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

ان کا اصلی نام زینب تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام "صفیہ" رکھ دیا۔

یہ یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کے سردار اعظم حیی بن اخطب کی بیٹی ہیں اور ان کی ماں کا نام "ضرہ" بنت سموئل ہے یہ خاندان بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کا شوہر کنانہ بن ابی الحقیق بھی بنو نضیر کا رئیس اعظم تھا جو جنگ خیبر میں قتل ہو گیا۔

محرم ۷ھ میں جب خیبر کو مسلمانوں نے فتح کر لیا اور تمام اسیران جنگ گرفتار کر کے اکٹھا جمع کیے گئے تو اس وقت حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور ایک لونڈی طلب کی آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی پسند سے ان قیدیوں میں سے کوئی لونڈی لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے لیا مگر ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت صفیہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی شاہزادی ہیں۔ ان کے خاندانی اعزاز کا تقاضا ہے کہ آپ ان کو اپنی ازواج مطہرات میں شامل فرمالیں۔ چنانچہ آپ نے ان کو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے لے لیا اور ان کے بدلے میں انہیں ایک دوسری لونڈی عطا فرمادی پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد فرما کر ان سے نکاح فرمالیا۔ اور جنگ خیبر

سے واپسی میں تین دنوں تک منزلِ صہبا میں ان کو اپنے خیمہ کے اندر اپنی قربت سے سرفراز فرمایا اور دعوتِ ولیمہ میں کھجور، گھی، پنیر کا مالیدہ صحابہ کرام کو کھلایا جس کا مفصل تذکرہ جنگ خیبر میں گزر چکا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا پر بہت ہی خصوصی توجہ اور انتہائی کریمانہ عنایت فرماتے تھے اور اس قدر ان کا خیال رکھتے تھے کہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر غیرت سوار ہو جایا کرتی تھی۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بی بی صفیہ کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ "وہ تو پست قد ہے" تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! تو نے ایسی بات کہہ دی کہ اگر تیرے اس کلام کو دریا میں ڈال دیا جائے تو دریا متغیر ہو جائے گا (یعنی یہ غیبت ہے جو بہت ہی گندی بات ہے) اسی طرح ایک مرتبہ ایک سفر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ زخمی ہو گیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ایک فاضل اونٹ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے زینب! تم اپنا اونٹ صفیہ کو دے دو، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے طیش میں آکر کہہ دیا کہ میں اس یہودیہ کو اپنی کوئی چیز نہیں دوں گی۔ یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب پر اس قدر خفا ہو گئے کہ دو تین ماہ تک ان کے بستر پر آپ نے قدم نہیں رکھا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۸۳)

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی ہیں آپ نے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا ہے کہ ہم دونوں دربارِ رسالت میں تم سے بہت زیادہ عزت دار ہیں کیونکہ ہمارا خاندان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے صفیہ رضی اللہ عنہا! تم نے ان دونوں سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم دونوں مجھ سے بہتر کیونکر ہو سکتی ہو حضرت ہارون علیہ السلام میرے باپ ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے چچا ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے شوہر ہیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۹)

انہوں نے دس حدیثیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں جن میں سے ایک حدیث بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں ہے اور باقی نو حدیثیں دوسری کتابوں میں درج ہیں۔

ان کی وفات کے سال میں اختلاف ہے واقدی کا قول ہے کہ ۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ ۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ بوقت رحلت ان کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ یہ بھی مدینہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۹ و مدارج جلد ۲ ص ۴۸۳)

یہ شہنشاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ گیارہ ازواجِ مطہرات ہیں جن پر تمام مورخین کا اتفاق ہے ان میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تو ہجرت سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا جن کا لقب "ام المساکین" ہے، ہم پہلے بھی تحریر کر چکے ہیں کہ نکاح کے دو تین ماہ بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ہی یہ وفات پا گئی تھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے وقت آپ کی نو بیویاں موجود تھیں۔ جن میں سے آٹھ کی آپ باریاں مقرر فرماتے رہے۔ کیونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا۔ ان نو مقدس ازواج میں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اور سب کے بعد آخر میں ۶۲ھ یا ۶۳ھ میں حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی۔ ان کی وفات کے بعد دنیا امہات المومنین سے خالی ہو گئی۔

مقدس باندیاں

مذکورہ بالا ازواجِ مطہرات کے علاوہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی چار باندیاں بھی تھیں جو آپ کے زیر تصرف تھیں جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

ان کو مصر و سکندریہ کے بادشاہ مقوقس قبطی نے بارگاہِ اقدس میں چند ہدایا اور تحائف کے ساتھ بطور ہبہ کے نذر کیا تھا۔ ان کی ماں رومی تھیں اور باپ مصری اس لیے یہ بہت ہی حسین و خوبصورت تھیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمِ وَلَد ہیں کیونکہ آپ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ان ہی کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے تھے۔

کنیز ہونے کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پردہ میں رکھتے تھے اور ان کے لیے مدینہ طیبہ کے قریب مقام عالیہ میں آپ نے ایک الگ گھر بنوا دیا تھا جس میں یہ رہا کرتی تھیں، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ واقدی کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زندگی بھر ان کے نان و نفقہ کا انتظام کرتے رہے اور ان کے بعد حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۵ھ یا ۱۶ھ میں ان کی وفات ہو گئی، اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے خاص طور پر لوگوں کو جمع فرمایا اور خود ہی ان کی نمازِ جنازہ پڑھا کر ان کو جنت البقیع میں مدفون کیا۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۷۱ تا ۲۷۲)

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا

یہ یہود کے خاندانِ بنو قریظہ سے تھیں گرفتار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں مگر انہوں نے کچھ دنوں تک اسلام قبول نہیں کیا جس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض رہا کرتے تھے مگر ناگہاں ایک دن ایک صحابی نے آکر یہ خوشخبری سنائی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ریحانہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس خبر سے آپ بے حد خوش ہوئے اور آپ نے ان سے فرمایا کہ اے ریحانہ! اگر تم چاہو تو میں تم کو آزاد کر کے تم سے نکاح کر لوں مگر انہوں نے یہ گزارش کی

کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مجھے اپنی لونڈی ہی بنا کر رکھیں یہی میرے اور آپ دونوں کے حق میں اچھا اور آسان رہے گا۔

یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ہی جب آپ حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے سنہ ۱۰ھ میں وفات پا کر جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۷۳)

حضرت نفیسہ رضی اللہ عنہا

یہ پہلے حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کی مملوکہ لونڈی تھیں۔ انہوں نے ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بطور ہبہ کے نذر کر دیا۔ اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاشانۂ نبوت میں باندی کی حیثیت سے رہنے لگیں۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۷۴)

چوتھی باندی صاحبہ

مذکورہ بالا باندیوں کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک چوتھی باندی صاحبہ بھی تھیں۔ جن کے بارے میں عام طور پر مورخین نے لکھا ہے کہ ان کا نام معلوم نہیں یہ بھی کسی جہاد میں گرفتار ہو کر بارگاہِ اقدس میں آئی تھیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی بن کر آپ کی صحبت سے سرفراز ہوتی رہیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۷۴)

اولادِ کرام

اس بات پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کرام کی تعداد چھ ہے دو فرزند حضرت قاسم وحضرت ابراہیم اور چار صاحبزادیاں حضرت زینب وحضرت رقیہ وحضرت اُمِ کلثوم وحضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہم وعنہن) لیکن بعض مورخین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ کے ایک صاحبزادے عبداللہ بھی ہیں جن کا لقب طیب وطاہر ہے۔ اس قول کی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

مقدس اولاد کی تعداد سات ہے تین صاحبزادگان اور چار صاحبزادیاں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو زیادہ صحیح بتایا ہے۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس اولاد کے بارے میں دوسرے اقوال بھی ہیں جن کا تذکرہ طوالت سے خالی نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ساتوں مقدس اولاد میں سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے تولد ہوئے تھے۔ باقی تمام اولاد کرام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئیں۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۳ و مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۵۱)

اب ہم ان اولادِ کرام کے ذکرِ جمیل پر قدرے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

یہ سب سے پہلے فرزند ہیں جو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آغوش مبارک میں اعلانِ نبوت سے قبل پیدا ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ان ہی کے نام پر ہے جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ یہ پاؤں پر چلنا سیکھ گئے تھے کہ ان کی وفات ہو گئی اور ابنِ سعد کا بیان ہے کہ ان کی عمر شریف دو برس کی ہوئی مگر علامہ غلابی کہتے ہیں کہ یہ فقط سترہ ماہ زندہ رہے۔ واللہ اعلم۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۴)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

ان ہی کا لقب طیب و طاہر ہے۔ اعلانِ نبوت سے قبل مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں وفات پا گئے۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد مبارکہ میں سب سے آخری فرزند ہیں۔ یہ ذوالحجہ ۸ھ میں مدینہ منورہ کے قریب مقام "عالیہ" کے اندر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے اس لیے مقام عالیہ کا دوسرا نام "مشربۂ ابراہیم" بھی ہے

ان کی ولادت کی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے مقام عالیہ سے مدینہ آکر بارگاہ اقدس میں سنائی۔ یہ خوش خبری سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انعام کے طور پر حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو ایک غلام عطا فرمایا۔ اس کے بعد فوراً ہی حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ کو "یا ابا ابراھیم" (اے ابراہیم کے باپ) کہہ کر پکارا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے حد خوش ہوئے اور ان کے عقیقہ میں دو مینڈھے آپ نے ذبح فرمائے اور ان کے سر کے بال کے وزن کے برابر چاندی خیرات فرمائی اور ان کے بالوں کو دفن کرا دیا۔ اور "ابراہیم" نام رکھا، پھر ان کو دودھ پلانے کے لیے حضرت "ام سیف" رضی اللہ عنہا کے سپرد فرمایا ان کے شوہر حضرت ابوسیف رضی اللہ عنہ لوہاری کا پیشہ کرتے تھے آپ کو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ محبت تھی اور کبھی کبھی آپ ان کو دیکھنے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوسیف رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے تو یہ وہ وقت تھا کہ حضرت ابراہیم جان کنی کے عالم میں تھے یہ منظر دیکھ کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس وقت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ بھی روتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عوف کے بیٹے! یہ میرا رونا ایک شفقت کا رونا ہے۔ اس کے بعد پھر دوبارہ جب چشمانِ مبارک سے آنسو بہے تو آپ کی زبانِ مبارک پر یہ کلمات جاری ہو گئے کہ۔

إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ
يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يُرْضِيْ
رَبَّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا
اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ

آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمزدہ ہے مگر ہم وہی بات زبان سے نکالتے ہیں جس سے ہمارا رب خوش ہو جائے اور بلاشبہ اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی سے بہت زیادہ غمگین ہیں۔

جس دن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اتفاق سے اُسی دن سورج میں گرہن لگا۔ عربوں کے دلوں میں زمانۂ جاہلیت کا یہ عقیدہ جما ہوا تھا کہ کسی بڑے آدمی کی موت سے چاند اور سورج میں گرہن لگتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ غالباً یہ سورج گرہن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے ہوا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ایک خطبہ دیا جس میں جاہلیت کے اس عقیدہ کا رد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ لَا یَنْکَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیَاتِہٖ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْھَا فَادْعُوا اللّٰہَ وَصَلُّوْا حَتّٰی یَنْجَلِیَ۔	یقیناً چاند اور سورج اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کے مرنے یا جینے سے ان دونوں میں گرہن نہیں لگتا جب تم لوگ گرہن دیکھو تو دعائیں مانگو اور نمازِ کسوف پڑھو۔ یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے۔
(بخاری جلد ا ص ۱۴۵ باب الدعاء فی الکسوف)	

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میرے فرزند ابراہیم نے دودھ پینے کی مدت پوری نہیں کی اور دنیا سے چلا گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہشت میں ایک دودھ پلانے والی کو مقرر فرما دیا ہے جو مدتِ رضاعت بھر اس کو دودھ پلاتی رہے گی۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۵۴)

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس دفن فرمایا اور اپنے دستِ مبارک سے ان کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۵۳)

بوقتِ وفات حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی عمر شریف ۱۷ یا ۱۸ ماہ کی تھی۔ واللہ اعلم۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ اعلانِ نبوت

سے دس سال قبل جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تیس سال کی تھی۔ مکہ مکرمہ میں ان کی ولادت ہوئی۔ یہ ابتداء اسلام ہی میں مسلمان ہوگئی تھیں اور جنگِ بدر کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ بلا لیا تھا اور یہ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئیں۔

اعلانِ نبوت سے قبل ہی ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع سے ہوگئی تھی۔ ابو العاص حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ہالہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سفارش سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ابو العاص کے ساتھ نکاح فرما دیا تھا حضرت زینب تو مسلمان ہوگئی تھیں مگر ابو العاص شرک و کفر پر اڑا رہا۔ رمضان ۲ھ میں جب ابو العاص جنگِ بدر سے گرفتار ہو کر مدینہ آئے اس وقت تک حضرت زینب رضی اللہ عنہا مسلمان ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ ہی میں مقیم تھیں چنانچہ ابو العاص کو قید سے چھڑانے کے لیے انہوں نے مدینہ میں اپنا وہ ہار بھیجا جو ان کی ماں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو جہیز میں دیا تھا یہ ہار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ پا کر صحابہ کرام نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس واپس بھیج دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص سے یہ وعدہ لے کر ان کو رہا کر دیا کہ وہ مکہ پہنچ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ بھیج دیں گے۔ چنانچہ ابو العاص نے اپنے وعدہ کے مطابق حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے بھائی کنانہ کی حفاظت میں "بطن یا جج" تک بھیج دیا۔ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک انصاری کے ساتھ پہلے ہی مقام "بطن یا جج" میں بھیج دیا تھا چنانچہ یہ دونوں حضرات "بطن یا جج" سے اپنی حفاظت میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ لائے۔

منقول ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئیں تو کفار قریش نے ان کا راستہ روکا۔ یہاں تک کہ ایک بدنصیب ظالم "ہبار بن الاسود" نے ان کو نیزہ سے ڈرا کر اونٹ سے گرا دیا جس کے صدمہ سے ان کا حمل ساقط ہوگیا، مگر

ان کے دیور کنانہ نے اپنے ترکش سے تیروں کو باہر نکال کر یہ دھمکی دی کہ جو شخص بھی حضرت زینب کے اونٹ کا پیچھا کرے گا وہ میرے ان تیروں سے بچ کر نہ جائے گا۔ یہ سن کر کفار قریش سہم گئے۔ پھر سردار مکہ ابو سفیان نے درمیان میں پڑ کر حضرت زینب کے لیے مدینہ منورہ کی روانگی کے لیے راستہ صاف کرا دیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ہجرت کرنے میں یہ دردناک مصیبت پیش آئی اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فضائل میں یہ ارشاد فرمایا کہ هِيَ اَفْضَلُ بَنَاتِي اُصِيبَتْ فِيَّ۔ یعنی یہ میری بیٹیوں میں اس اعتبار سے بہت ہی زیادہ فضیلت والی ہیں کہ میری جانب ہجرت کرنے میں اتنی بڑی مصیبت اٹھائی۔ اس کے بعد ابو العاص محرم ۷ھ میں مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہنے لگے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۵ تا ۱۹۶)

۸ھ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی اور حضرت ام ایمن و حضرت سودہ بنت زمعہ و حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن نے ان کو غسل دیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کفن کے لیے اپنا تہبند شریف عطا فرمایا اور اپنے دست مبارک سے ان کو قبر میں اتارا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد میں ایک لڑکا جس کا نام "علی" اور ایک لڑکی حضرت "امامہ" تھیں "علی" کے بارے میں ایک روایت ہے کہ اپنی والدہ ماجدہ کی حیات ہی میں بلوغ کے قریب پہنچ کر وفات پا گئے لیکن ابن عساکر کا بیان ہے کہ نسب ناموں کے بیان کرنے والے بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ جنگ یرموک میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۷)

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بڑی محبت تھی آپ ان کو اپنے دوش مبارک پر بٹھا کر مسجد نبوی میں تشریف لے جاتے تھے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ کے ایک حلہ بھیجا جس کے ساتھ سونے کی ایک انگوٹھی بھی تھی جس کا نگینہ

حبشی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انگوٹھی حضرت امامہ کو عطا فرمائی۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک بہت ہی خوبصورت سونے کا ہار کسی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کیا جس کی خوبصورتی کو دیکھ کر تمام ازواج مطہرات حیران رہ گئیں آپ نے اپنی مقدس بیویوں سے فرمایا کہ میں یہ ہار اس کو دوں گا جو میرے گھر والوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تمام ازواج مطہرات نے یہ خیال کر لیا کہ یقیناً یہ ہار حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائیں گے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کو قریب بلایا۔ اور اپنی پیاری نواسی کے گلے میں اپنے دست مبارک سے یہ ہار ڈال دیا۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۷)

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

یہ اعلان نبوت سے سات برس پہلے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کا تینتیسواں سال تھا پیدا ہوئیں۔ اور ابتداء اسلام ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ پہلے ان کا نکاح ابولہب کے بیٹے "عتبہ" سے ہوا تھا لیکن ابھی ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ "سورہ تبت یدا" نازل ہو گئی۔ ابولہب قرآن میں اپنی اس دائمی رسوائی کا بیان سن کر غصہ میں آگ بگولہ ہو گیا اور اپنے بیٹے عتبہ کو مجبور کر دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دے۔ چنانچہ عتبہ نے طلاق دے دی۔

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ نکاح کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر حبشہ سے مکہ واپس آ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ اور یہ میاں بیوی دونوں "صاحب الہجرتین" (دو ہجرتوں والے) کے معزز لقب سے سرفراز ہو گئے۔

جنگ بدر کے دنوں میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بہت سخت بیمار تھیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنگ بدر میں شریک ہونے سے

روک دیا۔ اور یہ حکم دیا کہ وہ حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کریں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جس دن جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح مبین کی خوشخبری لے کر مدینہ پہنچے اسی دن حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا نے بیس سال کی عمر پاکر وفات پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے سبب سے ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اگرچہ جنگ بدر میں شریک نہ ہوئے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنگ بدر کے مجاہدین میں شمار فرمایا۔ اور جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے ان کو مجاہدین کے برابر حصہ بھی عطا فرمایا۔ اور شرکاء جنگ بدر کے برابر اجر عظیم کی بشارت بھی دی۔

حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کے شکم مبارک سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند بھی پیدا ہوئے تھے۔ جن کا نام "عبداللہ" تھا۔ یہ اپنی ماں کے بعد ۴ھ میں چھ برس کی عمر پاکر انتقال کر گئے (رضی اللہ عنہ)

(زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۸ تا ۱۹۹)

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

یہ پہلے ابولہب کے بیٹے "عتیبہ" کے نکاح میں تھیں لیکن ابولہب کے مجبور کر دینے سے بدنصیب عتیبہ نے ان کو رخصتی کے قبل ہی طلاق دے دی اور اس ظالم نے بارگاہ نبوت میں انتہائی گستاخی بھی کی۔ یہاں تک کہ بدزبانی کرتے ہوئے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر جھپٹ پڑا۔ اور آپ کے مقدس پیراہن کو پھاڑ ڈالا اس گستاخ کی بے ادبی سے آپ کے قلب نازک پر انتہائی رنج و صدمہ گزرا اور جوش غم میں آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل پڑے کہ

"یا اللہ! اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو اس پر مسلط فرما دے"۔

اس دعاء نبوی کا یہ اثر ہوا کہ ابولہب اور عتیبہ دونوں تجارت کے لیے ایک قافلہ کے ساتھ ملک شام گئے اور مقام "زرقا" میں ایک راہب کے پاس رات میں ٹھہرے راہب نے قافلہ والوں کو بتایا کہ یہاں درندے بہت ہیں آپ لوگ ذرا ہوشیار ہو کر

سوئیں۔ یہ سن کر ابولہب نے قافلہ والوں سے کہا کہ "اے لوگو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے بیٹے عتیبہ کے لیے ہلاکت کی دعا کردی ہے۔ لہٰذا تم لوگ تمام تجارتی سامانوں کو اکٹھا کر کے اس کے اوپر عتیبہ کا بستر لگا دو۔ اور سب لوگ اس کے اردگرد چاروں طرف سو رہو۔ تاکہ میرا بیٹا درندوں کے حملہ سے محفوظ رہے۔ چنانچہ قافلہ والوں نے عتیبہ کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کیا۔ لیکن رات میں بالکل ناگہاں ایک شیر آیا اور سب کو سونگھتے ہوئے کود کر عتیبہ کے بستر پر پہنچا اور اس کے سر کو چبا ڈالا۔ لوگوں نے ہر چند شیر کو تلاش کیا مگر کچھ بھی پتا نہیں چل سکا کہ یہ شیر کہاں سے آیا تھا؟ اور کدھر چلا گیا۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۷ تا ۱۹۸)

خدا کی شان دیکھیے کہ ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں شہزادیوں کو اپنے باپ کے مجبور کرنے سے طلاق دے دی۔ مگر عتبہ نے چونکہ بارگاہ نبوت میں کوئی گستاخی اور بے ادبی نہیں کی تھی۔ اس لیے وہ قہر الٰہی میں مبتلا نہیں ہوا۔ بلکہ فتح مکہ کے دن اس نے اور اس کے ایک دوسرے بھائی "معتب" دونوں نے اسلام قبول کرلیا اور دست اقدس پر بیعت کر کے شرف صحابیت سے سرفراز ہوگئے اور "عتیبہ" نے اپنی خباثت سے چونکہ بارگاہ اقدس میں گستاخی و بے ادبی کی تھی اس لیے وہ قہر قہار و غضب جبار میں گرفتار ہو کر کفر کی حالت میں ایک خونخوار شیر کے حملہ کا شکار بن گیا

(والعیاذ باللہ تعالیٰ منہ)

حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بی بی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیا۔ مگر ان کے شکم مبارک سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ شعبان ۹ھ میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور یہ جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۰۲)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

یہ شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی مگر سب سے زیادہ پیاری اور لاڈلی شہزادی ہیں۔ ان کا نام "فاطمہ" اور لقب "زہرا" اور "بتول" ہے۔ ان کی پیدائش کے سال میں علماء مورخین کا اختلاف ہے۔ ابو عمر کا قول ہے کہ اعلان نبوت کے پہلے سال جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اکتالیس برس کی تھی یہ پیدا ہوئیں اور بعض نے لکھا ہے کہ اعلان نبوت سے ایک سال قبل ان کی ولادت ہوئی، اور علامہ ابن الجوزی نے یہ تحریر فرمایا کہ اعلان نبوت سے پانچ سال قبل ان کی پیدائش ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (زرقانی جلد ۳ ص۲۰۲ تا ص۲۰۳)

اللہ اکبر! ان کے فضائل و مناقب کا کیا کہنا؟ ان کے مراتب و درجات کے حالات سے کتب احادیث کے صفحات مالامال ہیں جن کا تذکرہ ہم نے اپنی کتاب "حقانی تقریریں" میں تحریر کر دیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ سیدۃ نساء العالمین (تمام جہان کی عورتوں کی سردار) اور سیدۃ نساء اہل الجنۃ (اہل جنت کی تمام عورتوں کی سردار) ہیں۔ ان کے حق میں ارشاد نبوی ہے کہ فاطمہ میری بیٹی میرے بدن کی ایک بوٹی ہے جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

(مشکوٰۃ ص۵۶۸ مناقب اہل بیت و زرقانی جلد ۳ ص۲۰۲)

۲ھ میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ہوا۔ اور ان کے شکم مبارک سے تین صاحبزادگان حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت محسن رضی اللہ عنہم اور تین صاحبزادیوں زینب و ام کلثوم و رقیہ رضی اللہ عنہن کی ولادت ہوئی۔ حضرت محسن و رقیہ تو بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا جن کے شکم مبارک سے آپ کے ایک فرزند حضرت زید اور ایک صاحبزادی حضرت رقیہ کی پیدائش ہوئی۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۴۶۰)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کا حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قلب مبارک پر بہت ہی جانکاہ صدمہ گذرا۔ چنانچہ وصال اقدس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کبھی ہنستی ہوئی نہیں دیکھی گئیں۔ یہاں تک کہ وصال نبوی کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان سنہ ۱۱ھ منگل کی رات میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ حضرت علی یا حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ پڑھائی اور سب سے زیادہ صحیح اور مختار قول یہی ہے۔ کہ جنۃ البقیع میں مدفون ہوئیں۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۶۱)

چچاؤں کی تعداد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں کی تعداد میں مورخین کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک ان کی تعداد نو، بعض نے کہا کہ دس، اور بعض کا قول ہے کہ گیارہ، مگر صاحب مواہب لدنیہ نے "ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ" سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کے علاوہ عبدالمطلب کے بارہ بیٹے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں:-
حارث۔ ابوطالب۔ زبیر۔ حمزہ۔ عباس۔ ابولہب۔ غیداق۔ مقوم۔ ضرار۔ قثم۔ عبدالکعبہ جحل۔

ان میں سے صرف حضرت حمزہ و حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بہت ہی طاقتور اور بہادر تھے۔ ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسد اللہ واسد الرسول (اللہ و رسول کا شیر) کے معزز و ممتاز لقب سے سرفراز فرمایا یہ سنہ ۳ھ میں جنگ احد کے اندر شہید ہو کر سید الشہداء کے لقب سے مشہور ہوئے اور مدینہ منورہ سے تین میل دور خاص جنگ احد کے میدان میں آپ کا مزار پر انوار زیارت گاہ عالم اسلام ہے!

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ان کی اولاد کے بارے میں بہت سی بشارتیں دیں اور اچھی اچھی دعائیں بھی فرمائی ہیں۔

۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ستاسی یا اٹھاسی برس کی عمر پا کر وفات پائی اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۸۷ تا ص ۲۸۵ و مدارج جلد ۲ ص ۵۰۸)

آپ کی پھوپھیاں

آپ کی پھوپھیوں کی تعداد چھ ہے جن کے نام یہ ہیں۔ عاتکہ [۱]۔ امیمہ [۲]۔ ام حکیم [۳]۔ برہ [۴]۔ صفیہ [۵]۔ اروی [۶]۔ ان میں سے تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا۔ یہ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ یہ بہت ہی بہادر اور حوصلہ مند خاتون تھیں۔ غزوہ خندق میں انہوں نے ایک مسلح اور حملہ آور یہودی کو تنہا ایک چوب سے مار کر قتل کر دیا تھا جس کا تذکرہ غزوہ خندق میں گزر چکا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ جنگ احد میں بھی جب مسلمانوں کا لشکر بکھر چکا تھا یہ اکیلی کفار پر نیزہ چلاتی رہیں۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی غیر معمولی شجاعت پر انتہائی تعجب ہوا۔ اور آپ نے ان کے فرزند حضرت زبیر کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ذرا اس عورت کی بہادری اور جان نثاری تو دیکھو۔ ۲۰ھ میں تہتر برس کی عمر پاکر مدینہ منورہ میں وفات پاکر جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۸۶ تا ص ۲۸۸)

حضرت صفیہ کے علاوہ اروی و عاتکہ و امیمہ کے اسلام میں مورخین کا اختلاف ہے بعضوں نے ان تینوں کو مسلمان تحریر کیا ہے۔ اور بعضوں کے نزدیک ان کا اسلام ثابت نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۸۹)

خدامِ خاص

یوں تو تمام ہی صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع نبوت کے پروانے تھے اور انتہائی جان نثاری کے ساتھ آپ کی خدمت گزاری کے لیے سبھی تن من دھن سے حاضر رہتے تھے۔ مگر پھر بھی چند ایسے خوش نصیب ہیں جن کا شمار حضور تاجدار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی خدام میں ہے۔ ان خوش بختوں کی مقدس فہرست میں مندرجہ ذیل صحابہ کرام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مشہور و ممتاز خادم ہیں۔ انہوں نے دس برس مسلسل ہر سفر و حضر میں آپ کی وفادارانہ

خدمت گزاری کا شرف حاصل کیا ہے۔ ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر یہ دعا فرمائی تھی کہ اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَہٗ وَوَلَدَہٗ وَاَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ یعنی اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں کثرت عطا فرما، اور اس کو جنت میں داخل فرما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کی ان تین دعاؤں میں سے دو دعاؤں کی مقبولیت کا جلوہ تو میں نے دیکھ لیا کہ ہر شخص کا باغ سال میں ایک مرتبہ پھلتا ہے اور میرا باغ سال میں دو مرتبہ پھلتا ہے اور پھلوں میں مشک کی خوشبو آتی ہے اور میری اولاد کی تعداد ایک سو چھ ہے جن میں ستر لڑکے اور باقی لڑکیاں ہیں۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ میں تیسری دعا کا جلوہ بھی ضرور دیکھوں گا۔ یعنی جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔ انہوں نے دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں اور حدیث میں ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کی عمر سو برس سے زائد ہوئی۔ بصرہ میں سنہ ۹۱ھ یا سنہ ۹۲ھ یا سنہ ۹۳ھ میں وفات پائی۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۹۶ تا ص ۲۹۷)

(۲) حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ، یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے وضو کرانے کی خدمت انجام دیتے تھے یعنی پانی اور مسواک وغیرہ کا انتظام کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی تھی۔ سنہ ۶۳ھ میں وفات پائی۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۹۷)

(۳) حضرت ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک چھوٹی مشک جس سے آپ استنجا اور وضو فرمایا کرتے تھے ہمیشہ آپ ہی کی تحویل میں رہا کرتی تھی یہ جنگ حنین کے دن شہادت سے سرفراز ہوئے۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۹۷)

(۴) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ نعلین شریفین اور وضو کا برتن اور مسند و مسواک اپنے پاس رکھتے تھے اور سفر و حضر میں ہمیشہ یہ خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ ساٹھ برس سے زیادہ عمر پاکر سنہ ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں بعض کا قول ہے۔ کہ مدینہ میں اور بعض کے

نزدیک کوفہ میں وصال فرمایا۔ (زرقانی جلد ۳ ص۲۹۷ تا ص۲۹۸)

(۵) حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ: یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے خچر کی لگام تھامے رہتے تھے۔ قرآن مجید اور فرائض کے علوم میں بہت ہی ماہر تھے۔ اور اعلیٰ درجہ کے فصیح خطیب، اور شعلہ بیان شاعر تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت کے دور میں ان کو مصر کا گورنر بنا دیا تھا۔ ۵۸ھ میں مصر کے اندر ہی ان کا وصال ہوا۔ (زرقانی جلد ۳ ص۲۹۹)

(۶) حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ: یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پر کجاوہ باندھنے کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔

(۷) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ: یہ بہت ہی قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ انتہائی تارک الدنیا اور عابد و زاہد تھے۔ اور دربار نبوت کے بہت ہی خاص خادم تھے ان کے فضائل میں چند حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں۔ ۳۱ھ میں مدینہ منورہ سے کچھ دور "ربذہ" نامی گاؤں میں ان کا وصال ہوا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (زرقانی جلد ۳ ص۳۰۰)

(۸) حضرت مہاجر مولیٰ ام سلمہ رضی اللہ عنہا: یہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے۔ شرف صحابیت کے ساتھ ساتھ پانچ برس تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا بھی شرف حاصل کیا۔ بہت ہی بہادر مجاہد بھی تھے۔ مصر کو فتح کرنے والی فوج میں شامل تھے کچھ دنوں تک مصر میں رہے۔ پھر "طحا" چلے گئے اور وہاں اپنی وفات تک مقیم رہے۔ (زرقانی جلد ۳ ص۳۰۱)

(۹) حضرت حنین مولیٰ عباس رضی اللہ عنہما: یہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ اور دن رات آپ کی خدمت کرتے تھے۔ پھر آپ نے انہیں اپنے چچا حضرت عباس کو عطا فرما دیا اور یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام ہو گئے۔ لیکن چند ہی دنوں کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو اس لیے آزاد کر دیا تا کہ یہ دن رات بارگاہ نبوت میں حاضر رہیں اور خدمت کرتے رہیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص۳۰۱)

(۱۰) حضرت نعیم بن ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ یہ بھی خادمان بارگاہِ رسالت کی فہرست خاص میں شمار کیے جاتے ہیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۰۱)

(۱۱) حضرت ابو الحمراء رضی اللہ عنہ۔ ان کا نام ہلال بن الحارث تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص ہیں۔ وفات نبوی کے بعد یہ مدینہ سے "حمص" چلے گئے تھے اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۰۱)

(۱۲) حضرت ابو السمح رضی اللہ عنہ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے پھر آپ نے ان کو آزاد فرما دیا۔ مگر یہ دربار نبوت سے جدا نہیں ہوئے۔ بلکہ ہمیشہ خدمت گزاری میں مصروف رہے۔ حضور علیہ السلام کو اکثر یہی غسل کرایا کرتے تھے ان کا نام "ایاد" تھا۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۳۰۱)

خصوصی محافظین

کفار چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے اور ہر وقت اس تاک میں لگے رہتے تھے کہ اگر ذرا بھی موقع مل جائے تو آپ کو شہید کر ڈالیں بلکہ بار ہا قاتلانہ حملہ بھی کر چکے تھے۔ اس لیے کچھ جان نثار صحابہ کرام باری باری سے راتوں کو آپ کی مختلف خوابگاہوں اور قیام گاہوں کا شمشیر بکف ہو کر پہرہ دیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب کہ یہ آیت نازل ہو گئی۔ کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ "آپ کو لوگوں سے بچائے گا" اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے فرمایا کہ اب پہرہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرما لیا ہے کہ وہ مجھ کو میرے تمام دشمنوں سے بچائے گا ان جان نثار پہرہ داروں میں چند خوش نصیب صحابہ کرام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں!

(۱) حضرت ابوبکر صدیق (۲) حضرت سعد بن معاذ انصاری (۳) حضرت محمد بن مسلمہ (۴) حضرت ذکوان بن عبد اللہ (۵) حضرت زبیر بن العوام (۶) حضرت سعد بن ابی وقاص (۷) حضرت عباد بن بشر (۸) حضرت ابو ایوب انصاری (۹) حضرت بلال (۱۰) حضرت مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

کاتبین وحی

جو صحابہ کرام قرآن کی نازل ہونے والی آیتوں اور دوسری خاص خاص

تحریروں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق لکھا کرتے تھے ان معتمد کاتبوں میں خاص طور پر مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق (۲) حضرت عمر فاروق (۳) حضرت عثمان غنی (۴)، حضرت علی مرتضیٰ (۵) حضرت طلحہ بن عبید اللہ (۶) حضرت سعد بن ابی وقاص (۷) حضرت زبیر بن العوام (۸) حضرت عامر بن فہیرہ (۹) حضرت ثابت بن قیس (۱۰) حضرت حنظلہ بن ربیع (۱۱) حضرت زید بن ثابت (۱۲) حضرت ابی بن کعب (۱۳) حضرت امیر معاویہ (۱۴) حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہم اجمعین (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۵۲۹ تا ص ۵۴۰)

دربار نبوت کے شعراء

یوں تو بہت سے صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا میں قصائد لکھنے کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔ مگر دربار نبوی کے مخصوص شعراء کرام تین ہیں جو نعت گوئی کے ساتھ ساتھ کفار کے شاعرانہ حملوں کا اپنے قصائد کے ذریعہ دندان شکن جواب بھی دیا کرتے تھے۔

(۱) حضرت کعب بن مالک انصاری سلمی رضی اللہ عنہ جو جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے معتوب ہوئے۔ مگر پھر ان کی توبہ کی مقبولیت قرآن مجید میں نازل ہوئی۔ ان کا بیان ہے کہ ہم لوگوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ مشرکین کی ہجو کرو کیونکہ مومن اپنی جان اور مال سے جہاد کرتا رہتا ہے اور تمہارے اشعار گویا کفار کے حق میں تیروں کی مار کے برابر ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سلطنت کے دور میں ان کی وفات ہوئی۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن رواحہ انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ ان کے فضائل و مناقب میں چند احادیث بھی ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "سید الشعراء" کا لقب عطا فرمایا تھا۔ یہ جنگ موتہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

(۳) حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن عمرو انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ یہ دربار رسالت کے شعراء کرام میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ یعنی یا اللہ! حضرت جبریل علیہ السلام

کے ذریعہ ان کی مدد فرما۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب تک یہ میری طرف سے کفار مکہ کو اپنے اشعار کے ذریعہ جواب دیتے رہتے ہیں۔ اس وقت تک حضرت جبریل علیہ السلام انکے ساتھ رہا کرتے ہیں۔ ایک سو بیس برس کی عمر پاکر ۵۴ھ میں وفات پائی۔ ساٹھ برس کی عمر زمانہ جاہلیت میں گزاری اور ساٹھ برس کی عمر خدمت اسلام میں صرف کی۔ یہ ایک تاریخی لطیفہ ہے کہ ان کی اور ان کے والد "ثابت" اور ان کے دادا "منذر" اور نگر دادا "حرام" سب کی عمریں ایک سو بیس برس کی ہوئیں۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۳۷۲ تا ص ۳۷۳)

خصوصی موذنین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی مُوذنوں کی تعداد چار ہے۔

(۱) حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا۔ یہ دونوں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے موذن ہیں۔

(۳) حضرت سعد بن عائذ رضی اللہ عنہ جو "سعد قرظ" کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ مسجد قبا کے موذن ہیں۔

(۴) حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ یہ مکہ مکرمہ کی مسجد حرام میں اذان پڑھا کرتے تھے۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۳۶۹ تا ص ۳۷۱)

بیسواں باب

معجزاتِ نبوّت

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر!
نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
فرش تا عرش ہے جس کے زیرِ نگیں
اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

معجزہ کیا ہے؟ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ان کی نبوت کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے کسی ایسی تعجب خیز چیز کا ظاہر ہونا جو عادۃً نہیں ہوا کرتی۔ اسی خلاف ظاہر ہونے والی چیز کا نام معجزہ ہے۔

معجزہ چونکہ نبی کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے ایک خداوندی نشان ہوا کرتا ہے اس لیے معجزہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ خارقِ عادت ہو۔ یعنی ظاہری علل و اسباب اور عادات جاریہ کے بالکل ہی خلاف ہو ورنہ ظاہر ہے کہ کفار اس کو دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو فلاں سبب سے ہوا ہے اور ایسا تو ہمیشہ عادۃً ہوا ہی کرتا ہے۔ اس بنا پر معجزہ کے لیے یہ لازمی شرط ہے بلکہ یہ معجزہ کے مفہوم میں داخل ہے کہ وہ کسی نہ کسی اعتبار سے اسباب عادیہ اور عادات جاریہ کے خلاف ہو اور ظاہری اسباب و علل کے عمل دخل سے بالکل ہی بالاتر ہو تاکہ اس کو دیکھ کر کفار یہ ماننے پر مجبور ہو جائیں کہ چونکہ اس چیز کا کوئی ظاہری سبب بھی نہیں ہے اور عادۃً کبھی ایسا ہوا بھی نہیں کرتا۔ اس لیے بلاشبہ اس چیز کا کسی شخص سے ظاہر ہونا انسانی طاقتوں سے بالاتر کارنامہ ہے۔ لہٰذا یقیناً یہ شخص اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا اور اس کا نبی ہے۔

معجزات کی چار قسمیں جب معجزہ کے لیے یہ ضروری اور لازمی شرط ہے۔ کہ وہ کسی نہ کسی لحاظ سے انسانی طاقتوں سے بالاتر اور عادات جاریہ کے خلاف ہو۔ اس بنا پر اگر بغور دیکھا جائے تو خارقِ عادت ہونے کے اعتبار سے معجزات کی چار قسمیں ملیں گی جو حسب ذیل ہیں۔

اول :- بذاتِ خود وہ چیز ہی ایسی ہو جو ظاہری اسباب و عادات کے بالکل ہی خلاف ہو جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھا دینا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن کر جادوگروں کے سانپوں کو نگل جانا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کر دینا۔ وغیرہ وغیرہ۔

دوم :- بذات خود وہ چیز تو خلاف عادت نہیں ہوتی۔ مگر کسی خاص وقت پر بالکل ہی ناگہاں نبی سے اس کا ظہور ہو جانا اس اعتبار سے یہ چیز خارق عادت ہو جایا کرتی ہے لہٰذا یہ بھی معجزہ ہی کہلائے گا۔ مثلاً جنگ خندق میں اچانک ایک خوفناک آندھی کا آجانا

جس سے کفار کے خیمے اکھڑ اکھڑ اڑ گئے اور بھاری بھاری دیگیں چولھوں پر سے الٹ پلٹ کر دور جا کر گر پڑیں۔ یا جنگ بدر میں تین سو تیرہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کے ایک ہزار لشکر جرار کا جو مکمل طور پر مسلح تھے۔ شکست کھا کر مقتول و گرفتار ہو جانا ظاہر ہے کہ آندھی کا آنا۔ یا کسی لشکر کا شکست کھا جانا یہ بذات خود کوئی خلاف عادت بات نہیں ہے بلکہ یہ تو ہمیشہ ہوا ہی کرتا ہے۔ لیکن اس ایک خاص موقع پر جب کہ رسول کو تائید ربانی کی خاص ضرورت محسوس ہوئی بغیر کسی ظاہری سبب کے بالکل ہی اچانک آندھی کا آجانا اور کفار کا باوجود کثرت تعداد کے قلیل مسلمانوں سے شکست کھا جانا اس کو تائید خداوندی اور غیبی امداد و نصرت کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اس لحاظ سے یقیناً یہ عادات جاریہ کے خلاف اور ظاہری اسباب وعلل سے بالاتر ہے۔ لہٰذا یہ بھی یقیناً معجزہ ہے۔

سوم :۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ نہ تو بذات خود وہ واقعہ خلاف عادت ہوتا ہے نہ اس کے ظاہر ہونے کے وقت خاص میں خلافِ عادت کوئی بات ہوتی ہے۔ مگر اس واقعہ کے ظاہر ہونے کا طریقہ بالکل ہی نادر الوجود، اور خلاف عادت ہوا کرتا ہے۔ مثلاً انبیاء علیہم السّلام کی دعاؤں سے بالکل ہی ناگہاں پانی کا برسنا۔ بیماروں کا شفایاب ہو جانا۔ آفتوں کا ٹل جانا۔

ظاہر ہے کہ یہ باتیں نہ تو خلاف عادت ہیں۔ نہ ان کے ظاہر ہونے کا کوئی خاص وقت ہے بلکہ یہ باتیں تو ہمیشہ ہوا ہی کرتی ہیں۔ لیکن جن طریقوں اور جن اسباب سے یہ چیزیں وقوع پذیر ہوئیں کہ ایک دم ناگہاں نبی نے دعا مانگی اور بالکل ہی اچانک یہ چیزیں ظہور میں آگئیں اس اعتبار سے یقیناً بلاشبہ یہ ساری چیزیں خارق عادات، اور ظاہری اسباب سے الگ اور بالاتر ہیں۔ لہٰذا یہ چیزیں بھی معجزات ہی کہلائیں گے۔

چہارم :۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نہ تو خود واقعہ عاداتِ جاریہ کے خلاف ہوتا ہے۔ نہ اس کا طریقہ ظہور خارق عادت ہوتا ہے۔ لیکن بلا کسی ظاہری سبب کے نبی کو اس واقعہ کا قبل از وقت علم غیب حاصل ہو جانا، اور واقعہ کے وقوع سے پہلے ہی نبی کا اس واقعہ کی خبر دے دینا یہ خلاف عادت ہوتا ہے مثلاً حضرات انبیاء علیہم السلام نے واقعات کے

ظہور سے بہت پہلے جو غیب کی خبریں دی ہیں یہ سب واقعات اس اعتبار سے خارقِ عادات اور معجزات ہیں چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے کہ ایک روز بہت ہی زوردار آندھی چلی راس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف فرما تھے۔ آپ نے اسی جگہ فرمایا کہ یہ آندھی مدینہ کے ایک منافق کی موت کے لیے چلی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب لوگ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مدینہ کا ایک منافق اس آندھی سے ہلاک ہوگیا۔

(مشکوٰۃ شریف جلد ۲ ص ۵۳۷ باب المعجزات)

غور کیجیے کہ اس واقعہ میں نہ تو آندھی کا چلنا خلاف عادت ہے۔ نہ کسی آدمی کا آندھی سے ہلاک ہونا اسباب و عادات کے خلاف ہے کیونکہ آندھی ہمیشہ آتی ہی رہتی ہے اور آندھی میں ہمیشہ آدمی مرتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن اس واقعہ کا قبل از وقت حضور علیہ السلام کو علم ہو جانا اور آپ کا لوگوں کو اس غیب کی خبر پر قبل از وقت مطلع کر دینا یقیناً بلاشبہ یہ خرقِ عادات اور معجزات میں سے ہے۔

انبیاءِ سابقین اور خاتم النبیین کے معجزات

ہر نبی کا معجزہ چونکہ اس کی نبوت کے ثبوت کی دلیل ہوا کرتا ہے اس لیے خداوند عالم نے ہر نبی کو اس دور کے ماحول اور اس کی امت کے مزاج عقل و فہم کے مناسب معجزات سے نوازا، چنانچہ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں چونکہ جادو اور ساحرانہ کارنامے اپنی ترقی کی اعلیٰ ترین منزل پر پہنچے ہوئے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو "ید بیضا" اور "عصا" کے معجزات عطا فرمائے جن سے آپ نے جادوگروں کے ساحرانہ کارناموں پر اس طرح غلبہ حاصل فرمایا کہ تمام جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور آپ کی نبوت پر ایمان لائے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علم طب انتہائی معراج ترقی پر پہنچا ہوا تھا اور اس دور کے طبیبوں اور ڈاکٹروں نے بڑے بڑے امراض کا علاج کر کے اپنی فنی مہارت سے تمام انسانوں کو مسحور کر رکھا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دینے، اور مردوں کو زندہ کر دینے کا معجزہ

عطا فرمایا جس کو دیکھ کر دور مسیحی کے اطباء اور ڈاکٹروں کے ہوش اڑ گئے اور وہ حیران و ششدر رہ گئے اور بالآخر انہوں نے ان معجزات کو انسانی کمالات سے بالاتر مان کر آپ کی نبوت کا اقرار کر لیا۔

اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کے دور بعثت میں سنگ تراشی اور مجسمہ سازی کے کمالات کا بہت ہی چرچا تھا۔ اس لیے خداوند قدوس نے آپ کو یہ معجزہ عطا فرما کر بھیجا کہ آپ نے ایک پہاڑی کی طرف اشارہ فرما دیا تو اس کی ایک چٹان شق ہو گئی اور اس میں سے ایک بہت ہی خوبصورت اور تندرست اونٹنی اور اس کا بچہ نکل پڑا اور آپ نے فرمایا کہ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے معجزہ بن کر آئی ہے) حضرت صالح علیہ السلام کی قوم آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر ایمان لائی۔

الغرض اسی طرح ہر نبی کو اس دور کے ماحول کے مطابق، اور اس کی قوم کے مزاج اور ان کی افتاد طبع کے مناسب کسی کو ایک، کسی کو دو، کسی کو اس سے زیادہ معجزات ملے۔ مگر ہمارے حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام نبیوں کے بھی نبی ہیں۔ اور آپ کی سیرت مقدسہ تمام انبیاء علیہم السلام کی مقدس زندگیوں کا خلاصہ، اور آپ کی تعلیم تمام انبیاء کرام کی تعلیمات کا عطر ہے اور آپ دنیا میں ایک عالمگیر اور ابدی دین لے کر تشریف لائے تھے اور عالم کائنات میں اولین و آخرین کے تمام اقوام و ملل آپ کی مقدس دعوت کے مخاطب تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات مقدسہ کو انبیاء سابقین کے تمام معجزات کا مجموعہ بنا دیا۔ اور آپ کو قسم قسم کے ایسے بے شمار معجزات سے سرفراز فرمایا جو ہر طبقہ، ہر گروہ، ہر قوم، اور تمام اہل مذاہب کے مزاج عقل و فہم کے لیے ضروری تھے اسی لیے آپ کی صورت و سیرت، آپ کی سنت و شریعت، آپکے اخلاق و عادات آپکے دن رات کے معمولات غرض آپکی ذات و صفات کی ہر ہر ادا اور ایک ایک بات اپنے دامن میں معجزات کی ایک دنیا لیے ہوئے ہے۔ آپ پر جو کتاب نازل ہوئی وہ آپ کا سب سے بڑا اور قیامت تک باقی رہنے والا ایسا ابدی معجزہ ہے۔ جس کی ہر ہر آیت آیات بینات کی کتاب اور جس کی سطر سطر معجزات کا دفتر ہے۔ آپ کے معجزات، عالم اعلیٰ اور عالم اسفل کی کائنات میں اس طرح جلوہ فگن ہوئے کہ فرش سے عرش تک آپ کے معجزات کی عظمت کا

ڈنکا بج رہا ہے۔ روئے زمین پر جمادات نباتات، حیوانات کے تمام عالموں میں آپ کے طرح طرح کے معجزات کی ایسی ہمہ گیر حکمرانی وسلطنت کا پرچم لہرایا کہ بڑے بڑے منکروں کو بھی آپ کی صداقت ونبوت کے آگے سرنگوں ہونا پڑا۔ اور معاندین کے سوا ہر انسان خواہ وہ کسی قوم ومذہب سے تعلق رکھتا ہو اور اپنی افتاد طبع اور میزان عقل کے لحاظ سے کتنی ہی منزل بلند پر فائز کیوں نہ ہو مگر آپ کے معجزات کی کثرت اور ان کی وسعت وعظمت کو دیکھ کر اسکو اس بات پر ایمان لانا ہی پڑا کہ بلاشبہ آپ نبی برحق اور خدا کے سچے رسول ہیں۔ خود آپ کے جسمانی وروحانی خداداد طاقتوں پر اگر نظر ڈالی جائے تو پتا چلتا ہے کہ آپکی حیات مقدسہ کے مختلف دور کے غیر معمولی کارنامے جو عظیم سے عظیم تر معجزات ہی معجزات ہیں۔ کبھی عرب کے ناقابل تسخیر پہلوانوں سے کشتی لڑکر ان کو پچھاڑ دینا، کبھی دم زدن میں فرش زمین سے سدرۃ المنتہی پر گزرتے ہوئے عرش معلی کی سیر، کبھی انگلیوں کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دینا، کبھی ڈوبے ہوئے سورج کو واپس لوٹا دینا، کبھی خندق کی چٹان پر پھاوڑہ مار کر روم وفارس کی سلطنتوں میں اپنی امت کو پرچم اسلام لہراتا ہوا دکھا دینا، کبھی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دینا، کبھی مٹھی بھر کھجور سے ایک بھوکے لشکر کو اس طرح راشن دینا کہ ہر سپاہی نے شکم سیر ہو کر کھا لیا۔ وغیرہ وغیرہ معجزات کا ظاہر کر دینا یقیناً بلاشبہ یہ وہ معجزانہ واقعات ہیں کہ دنیا کا کوئی بھی سلیم العقل انسان ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

معجزاتِ کثیرہ میں سے چند

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد کا ہزار دو ہزار کی گنتیوں سے شمار کرنا انتہائی دشوار ہے۔ کیونکہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ آپ کی ذات مقدسہ تمام انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے معجزات کا مجموعہ برزخ کبریٰ ہے۔ اور ان کے علاوہ خداوند قدوس نے آپ کو دوسرے ایسے بے شمار معجزات بھی عطا فرمائے ہیں جو کسی نبی ورسول کو نہیں دیے گئے اس لیے یہ کہنا آفتاب سے زیادہ تابناک حقیقت ہے کہ آپ کی مقدس زندگی کے تمام لمحات درحقیقت معجزات کی ایک دنیا اور خوارق عادات کا ایک عالم اکبر ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب بڑی بڑی عظیم و ضخیم کتابوں کے مصنفین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معجزات کو اپنی اپنی کتابوں میں جمع نہیں فرما سکے تو ہماری اس مختصر کتاب کا تنگ دامن بھلا ان معجزات کثیرہ کا کس طرح متحمل ہو سکتا ہے؟ لیکن مثل مشہور ہے کہ مَالَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ، یعنی جس چیز کو پورا پورا نہ حاصل کیا جا سکے اس کو بالکل ہی چھوڑ دینا بھی نہیں چاہیے۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی اس مختصر کتاب میں چند معجزات کا بھی ذکر کروں تاکہ اس کتاب کا دامن معجزات نبوت کے گلہائے رنگارنگ سے بالکل ہی خالی نہ رہ جائے۔ چونکہ ہم عرض کر چکے کہ ہمارے حضور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات عالم اسفل ہی تک محدود نہیں بلکہ عالم اسفل و عالم اعلیٰ دونوں جہانوں میں معجزات نبویہ کی حکمرانی ہے اس لیے ہم چند اقسام کے معجزات کی چند مثالیں مختلف عنوانوں کے تحت درج کرتے ہیں۔

آسمانی معجزات

چاند دو ٹکڑے ہو گیا

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں "شق القمر" کا معجزہ بہت ہی عظیم الشان اور فیصلہ کن معجزہ ہے۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ کفار مکہ نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ اپنی نبوت کی صداقت پر بطور دلیل کے کوئی معجزہ اور نشانی دکھائیے۔ اس وقت آپ نے ان لوگوں کو "شق القمر" کا معجزہ دکھایا کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت عبداللہ بن عباس و حضرت انس بن مالک و حضرت جبیر بن مطعم و حضرت علی بن ابی طالب، و حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حذیفہ بن یمان، وغیرہ رضی اللہ عنہم نے اس واقعہ کی روایت کی ہے۔

(زرقانی علی المواہب جلد ۵ ص ۱۲۴)

ان روایات میں سب سے زیادہ صحیح اور مستند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں مذکور ہے۔ حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ اس موقع پر موجود تھے اور انہوں نے اس معجزہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر، اور ایک ٹکڑا پہاڑ کے نیچے نظر آ رہا تھا۔ آپ نے کفار کو یہ منظر دکھا کر ان سے ارشاد فرمایا کہ گواہ ہو جاؤ گواہ ہو جاؤ۔

(بخاری جلد ۲ ص ۷۲۱، ص ۷۲۲ باب قولہ وانشق القمر)

ان احادیث مبارکہ کے علاوہ اس عظیم الشان معجزہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ‎﴿﴾‏ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ (قمر)	قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ اور یہ کفار اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ جادو تو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔

اس آیت کا صاف و صریح مطلب یہی ہے کہ قیامت قریب آگئی اور دنیا کی عمر کا قلیل حصہ باقی رہ گیا۔ کیونکہ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا جو علامات قیامت میں سے تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو چکا۔ مگر یہ واضح ترین اور فیصلہ کن معجزہ دیکھ کر بھی کفار مکہ مسلمان نہیں ہوئے۔ بلکہ ظالموں نے یہ کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم لوگوں پر جادو کر دیا اور اس قسم کی جادو کی چیزیں تو ہمیشہ ہوتی ہی رہتی ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

آیت مذکورہ بالا کے بارے میں بعض ان ملحدین کا جو معجزہ شق القمر کے منکر ہیں یہ خیال ہے کہ اس انشق القمر سے مراد خاص قیامت کے دن چاند کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا ہے جب کہ آسمان پھٹ جائے گا اور چاند ستارے جھڑ کر بکھر جائیں گے۔

مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ ان ملحدوں کی یہ بکواس سراسر لغو اور بالکل ہی بے سر و پا خرافات والی بات ہے۔ کیونکہ اولاً تو اس صورت میں بلا کسی قرینہ کے انشق (چاند پھٹ

گیا) ماضی کے صیغہ کو یَنْشَقُّ (چاند پھٹ جائے گا) مستقبل کے معنی میں لینا پڑے گا۔ جو بالکل ہی بلاضرورت ہے۔ دوسرے یہ کہ چاند شق ہونے کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرمایا گیا ہے کہ
وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۔ یعنی شق القمر کی عظیم الشان نشانی کو دیکھ کر کفار نے یہ کہا کہ یہ جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب، کفار مکہ نے شق القمر کا معجزہ دیکھا تو اس کو جادو کہا۔ ورنہ کھلی ہوئی بات ہے کہ قیامت کے دن جب آسمان پھٹ جائے گا اور چاند ستارے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر جھڑ جائیں گے اور تمام انسان مر جائیں گے تو اس وقت اس کو جادو کہنے والا بھلا کون ہو گا؟ اس لیے بلاشبہ یقیناً اس آیت کے یہی معنی متعین ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند پھٹ گیا اور اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے اس کو جادو کا کرتب بتایا۔

ایک سوال و جواب

ہاں البتہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے جو اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ شق القمر کا معجزہ جب مکہ میں ظاہر ہوا۔ تو آخر یہ معجزہ دوسرے ممالک اور دوسرے شہروں میں کیوں نہیں نظر آیا؟

اس سوال کا یہ جواب ہے کہ اولاً تو مکہ مکرمہ کے علاوہ دوسرے شہروں کے لوگوں نے بھی جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے اس معجزہ کو دیکھا چنانچہ حضرت مسروق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ معجزہ دیکھ کر کفار مکہ نے کہا کہ ابو کبشہ کے بیٹے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم لوگوں پر جادو کر دیا ہے۔ پھر ان لوگوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ باہر سے آنے والے لوگوں سے پوچھنا چاہیے کہ دیکھیں وہ لوگ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو تمام انسانوں پر نہیں چل سکتا چنانچہ باہر سے آنے والے مسافروں نے بھی یہ گواہی دی کہ ہم نے بھی شق القمر دیکھا ہے۔

(شفاء قاضی عیاض جلد ۱ ص ۱۸۳)

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دوسرے ممالک اور شہروں کے باشندوں نے اس معجزہ کو نہیں دیکھا تو کسی چیز کو نہ دیکھنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ چیز ہوئی ہی نہیں آسمان میں روزانہ قسم قسم کے آثار نمودار ہوتے رہتے ہیں مثلاً رنگ برنگ کے بادل

قوس قزح، ستاروں کا ٹوٹنا، مگر یہ سب آثار انہی لوگوں کو نظر آتے ہیں جو اتفاق سے اس وقت آسمان کی طرف دیکھ رہے ہوں۔ دوسرے لوگوں کو نظر نہیں آتے۔

اسی طرح دوسرے ممالک اور شہروں میں یہ معجزہ نظر نہ آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اختلاف مطالع کی وجہ سے بعض مقامات پر ایک وقت میں چاند کا طلوع ہوتا ہے اور اس وقت میں دوسرے شہروں کے اندر چاند کا طلوع ہی نہیں ہوتا۔ اسی لیے جب چاند میں گرہن لگتا ہے تو تمام ممالک میں گرہن نظر نہیں آتا۔ اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے ملکوں اور شہروں میں ابر یا پہاڑ وغیرہ کے حائل ہو جانے سے کسی کسی وقت چاند نظر نہیں آتا۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں وہ نقشہ بعینہٖ نقل کر دیں جو قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصورپوری نے اپنی کتاب "رحمۃ للعالمین" میں تحریر کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت مکہ مکرمہ میں "معجزہ شق القمر" واقع ہوا۔ اس وقت دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں کیا اوقات تھے؟ اس نقشہ کی ذمہ داری مصنف رحمۃ للعالمین کے اوپر ہے، ہم صرف نقل مطابق اصل ہونے کے ذمہ دار ہیں۔ ان کی عبارت اور نقشہ حسب ذیل ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

" اس سے بڑھ کر اب ہم دکھلانا چاہتے ہیں کہ اگر مکہ معظمہ میں یہ واقعہ رات کو ۹ بجے وقوع پذیر ہوا تو اس وقت دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں کیا اوقات تھے۔

نام ملک	گھنٹہ	منٹ	دن یا رات
ہندوستان	۱۲	۵۰	رات
ماریشس	۱۱	۲۰	رات
رومانیا۔ بلگیریا۔ ٹرکی۔ یونان۔ جرمن	۸	۲۰	دن
لکسمبرگ۔ ڈنمارک۔ سویڈن	۸	۲۰	دن

نام ملک	گھنٹہ	منٹ	دن یا رات
آئس لینڈ۔ مڈیریا	۵	۲۰	دن
مشرقی برازیل	۳	۲۰	بعد نیم شب
متوسط برازیل وچلی	۲	۲۰	بعد نیم شب
برٹش کولمبیا	۱۰	۲۰	قبل دوپہر
لوکون	۹	۲۴	قبل دوپہر
برہما	۱	۵۰	بعد نیم شب
سمالی لینڈ مڈغاسکر	۱۰	۲۰	رات
ریاستہائے ملایا	۲	۲۰	بعد نیم شب
جزائر سنڈوک	۷	۵۰	دن
انگلستان، آئرلینڈ۔ فرانس۔ بلجیم۔ اسپین پرتگال، جبل الطارق۔ الجیریا	۶	۲۰	دن
پیرو۔ پناما۔ جمیکا۔ بہامن۔ امریکہ	۱	۲۰	بعد نیم شب
سموآ	۶	۲۰	دن
نیوزی لینڈ	۲	۵۰	صبح
تسمانیہ۔ وکٹوریا۔ نیو ساؤتھ ویلز	۵	۲۲	صبح
جنوبی آسٹریلیا	۴	۵۰	صبح
جاپان۔ کوریا	۴	۲۰	بعد دوپہر
مغربی آسٹریلیا۔ شمالی بورنیو۔ جزائر فلپائن ہانگ، کانگ چین	۳	۲۰	بعد دوپہر

یہ نقشہ اوقات سٹنڈرڈ ٹائم کے حساب سے ہے۔

(رحمۃ للعالمین جلد سوم صفحہ ۱۹۰)

سورج پلٹ آیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمانی معجزات میں سورج پلٹ آنے کا معجزہ بھی بہت ہی عظیم الشان معجزہ اور صداقت نبوت کا ایک واضح ترین نشان ہے اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت بی بی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ "خیبر" کے قریب "منزل صہبا" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں اپنا سر اقدس رکھ کر سو گئے اور آپ پر وحی نازل ہونے لگی حضرت علی رضی اللہ عنہ سر اقدس کو اپنی آغوش میں لیے بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور آپ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر قضا ہو گئی تو آپ نے یہ دعا فرمائی کہ "یا اللہ! یقیناً علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے لہٰذا تو سورج کو واپس لوٹا دے تاکہ علی نماز عصر ادا کریں"۔

حضرت بی بی اسماء بنت عمیس کہتی ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور زمین کے اوپر ہر طرف دھوپ پھیل گئی

(زرقانی جلد ۵ ص ۱۱۳ و شفاء جلد ۱ ص ۱۸۵ و مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۲۵۲)

اس میں شک نہیں کہ بخاری کی روایتوں میں اس معجزہ کا ذکر نہیں ہے لیکن یاد رکھیے کہ کسی حدیث کا بخاری میں نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ حدیث بالکل ہی بے اصل ہے امام بخاری کو چھ لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ انہی حدیثوں میں سے چن کر انہوں نے بخاری شریف میں اگر مکررات و متابعات کو شامل کر کے شمار کی جائیں تو صرف نو ہزار بیاسی حدیثیں لکھی ہیں۔ اور اگر مکررات و متابعات کو چھوڑ کر گنتی کی جائے تو کل حدیثوں کی تعداد دو ہزار سات سو اکسٹھ ۲۷۶۱ رہ جاتی ہے۔

(مقدمہ فتح الباری)

باقی حدیثیں جو حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ کو زبانی یاد تھیں ظاہر ہے کہ وہ بے اصل اور موضوع نہ ہوں گی بلکہ وہ بھی یقیناً "صحیح یا حسن ہی ہوں گی تو آخر وہ سب کہاں ہیں؟ اور کیا ہو گئیں؟ تو اس بارے میں یہ کہنا ہی پڑے گا کہ دوسرے محدثین نے انہی حدیثوں کو اور کچھ دوسری حدیثوں کو اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہو گا۔ چنانچہ منزل صہبا میں حضرت علی رضی

اللہ عنہ کی نماز عصر کے لیے سورج پلٹ آنے کی حدیث کو بہت سے محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے جیسا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حضرت امام ابوجعفر طحاوی، احمد بن صالح، و امام طبرانی، و قاضی عیاض نے اس حدیث کو اپنی اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے اور امام طحاوی نے تو یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ امام احمد بن صالح جو امام احمد بن حنبل کے ہم پلہ ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ روایت عظیم ترین معجزہ اور علامات نبوت میں سے ہے لہٰذا اس کو یاد کرنے میں اہل علم کو نہ پیچھے رہنا چاہیے نہ غفلت برتنی چاہیے۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۲۵۴)

بہرحال جن جن محدثین نے اس حدیث کو اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے ان کی ایک مختصر فہرست یہ ہے۔

نام محدث	نام کتاب	
(۱) حضرت امام ابوجعفر طحاوی نے	مشکل الآثار	میں
(۲) حضرت امام حاکم نے	مستدرک	میں
(۳) حضرت امام طبرانی نے	معجم کبیر	میں
(۴) حضرت حافظ ابن مردویہ نے	اپنی مرویات	میں
(۵) حضرت حافظ ابوالبشر نے	الذریۃ الطاہرہ	میں
(۶) حضرت قاضی عیاض نے	شفاء شریف	میں
(۷) حضرت خطیب بغدادی نے	تلخیص المتشابہ	میں
(۸) حضرت حافظ مغلطائی نے	الزہر الباسم	میں
(۹) حضرت علامہ عینی نے	عمدۃ القاری	میں
(۱۰) حضرت علامہ جلال الدین سیوطی نے	کشف اللبس	میں
(۱۱) حضرت علامہ ابن یوسف دمشقی نے	مزیل اللبس	میں
(۱۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے	ازالۃ الخفاء	میں
(۱۳) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے	مدارج النبوۃ	میں

نام محدث	نام کتاب	
(۱۴) حضرت علامہ محمد بن عبد الباقی نے	زرقانی علی المواہب	ہیں
(۱۵) حضرت علامہ قسطلانی نے	مواہب لدنیہ	ہیں

اس حدیث پر علامہ ابن جوزی نے اپنی عادت کے موافق جو جرحیں کی ہیں اور اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ حضرت علامہ عینی نے عمدۃ القاری جلد ۷ صہ ۱۴۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ علامہ ابن جوزی کی جرحیں قابل التفات نہیں ہیں، حضرت امام ابو جعفر طحاوی نے اس حدیث کو سندیں لکھ کر فرمایا کہ ھٰذَانِ الحَدِیْثَانِ ثَابِتَانِ وَرُوَاتُہُمَا ثِقَاتٌ ...... یعنی یہ دونوں روایتیں ثابت ہیں۔ اور ان کے راوی ثقہ ہیں۔ (شفاء شریف جلد ۱ صہ ۱۸۵)

اسی طرح حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی علامہ ابن جوزی کی جرحوں کو رد کر دیا ہے اور اس حدیث کے صحیح اور حسن ہونے کی پرزور تائید فرمائی ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۲۵)

اسی طرح ازالۃ الخفاء میں علامہ محمد بن یوسف دمشقی کی کتاب "مزیل اللبس عن رد الشمس" کی یہ عبارت منقول ہے کہ۔

اعلم ان ھذا الحدیث رواہ الطحاوی فی کتابہ شرح مشکل الآثار عن اسماء بنت عمیس من طریقین وقال ھذان الحدیثان ثابتان ورواتہما ثقات ونقلہ القاضی عیاض فی الشفاء و الحافظ ابن سید الناس فی بشری اللبیب والحافظ علاء الدین	تم جان لو کہ اس حدیث کو امام طحاوی نے اپنی کتاب "شرح مشکل الآثار" میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں اور ان دونوں کے روایت کرنے والے ثقہ ہیں اور اس حدیث کو قاضی عیاض نے "شفاء" میں اور حافظ ابن سید الناس نے "بشری اللبیب" میں اور حافظ علاء الدین مغلطائی نے اپنی کتاب "الزہر

مُغلطائی فی کتابه الزهر الباسم وصححه ابو الفتح الازدی وحسّنه ابو زرعة بن العراقی وشیخنا الحافظ جلال الدین السیوطی فی الدرر المنتثرة فی الاحادیث المشتهرة وقال الحافظ احمد بن صالح وناهیك به لا ینبغی لمن سبیله العلم التخلف عن حدیث اسماء لانه من اجل علامات النبوة وقد انکر الحفاظ علی ابن الجوزی ایراده الحدیث فی کتاب الموضوعات (التقریر المعقول فی فضل الصحابة واھل بیت الرسول ص۹۸)

الباسم میں نقل کیا ہے اور ابو الفتح ازدی نے اس حدیث کو "صحیح" بتایا اور ابو زرعہ عراقی اور ہمارے شیخ جلال الدین سیوطی نے "الدرر المنتثرہ فی الاحادیث المشتہرہ" میں اس حدیث کو "حسن" بتایا اور حافظ احمد بن صالح نے فرمایا کہ تم کو یہی کافی ہے اور علماء کو اس حدیث سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے کیونکہ یہ نبوت کے بہت بڑے معجزات میں سے ہے اور حدیث کے حفاظ نے اس بات کو برا مانا ہے کہ "ابن جوزی" نے اس حدیث کو "کتاب الموضوعات" میں ذکر کر دیا ہے۔

سورج ٹھہر گیا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمانی معجزات میں سے سورج پلٹ آنے کے معجزہ کی طرح چلتے ہوئے سورج کا ٹھہر جانا بھی ایک بہت ہی عظیم معجزہ ہے۔ جو معراج کی رات گزر کر دن میں وقوع پذیر ہوا۔ چنانچہ یونس بن بکیر نے ابن اسحٰق سے روایت کی ہے کہ جب کفار قریش نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اس قافلہ کے حالات دریافت کیے جو ملک شام سے مکہ آ رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ میں نے تمہارے اس قافلہ کو بیت المقدس کے راستہ میں دیکھا ہے اور وہ بدھ کے دن مکہ آ جائے گا۔ چنانچہ قریش نے بدھ کے دن شہر سے باہر نکل کر اپنے قافلہ کی آمد کا انتظار کیا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا اور قافلہ نہیں آیا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ الٰہی میں دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو ٹھہرا دیا اور ایک گھڑی دن کو بڑھا دیا۔ یہاں تک کہ وہ قافلہ آن پہنچا۔

(زرقانی جلد ۵ ص۱۱۶ و شفاء جلد ۱ ص۱۸۵)

واضح رہے کہ "حبس الشمس" یعنی سورج کو ٹھہرا دینے کا معجزہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے لیے مخصوص نہیں بلکہ انبیاء سابقین میں سے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے بھی یہ معجزہ ظاہر ہو چکا ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن وہ بیت المقدس میں قوم جبارین سے جہاد فرما رہے تھے۔ ناگہاں سورج ڈوبنے لگا اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر سورج غروب ہو گیا تو سنیچر کا دن آ جائے گا۔ اور سنیچر کے دن موسوی شریعت کے حکم کے مطابق جہاد نہ ہو سکے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک گھڑی تک سورج کو چلنے سے روک دیا یہاں تک کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام قوم جبارین پر فتح یاب ہو کر جہاد سے فارغ ہو گئے (تفسیر جلالین سورۂ مائدہ ص ۹۹ و تفسیر جمل جلد ا ص ۴۸۰)

معراج شریف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمانی معجزات میں سے معراج کا واقعہ بھی بہت زیادہ اہمیت کا حامل، اور ہماری مادی دنیا سے بالکل ہی ماوراء اور عقل انسانی کے قیاس و گمان کی سرحدوں سے بہت زیادہ بالاتر ہے۔

معراج کا دوسرا نام "اسراء" بھی ہے۔ اسراء کے معنی رات کو چلانا یا رات کو لے جانا چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ معراج کو خداوند عالم نے قرآن مجید میں سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے اس لیے معراج کا نام "اسراء" پڑ گیا اور چونکہ حدیثوں میں معراج کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "عُرِجَ بِیْ" (مجھ کو اوپر چڑھایا گیا) کا لفظ ارشاد فرمایا۔ اس لیے اس واقعہ کا نام "معراج" پڑا۔

احادیث و سیرت کی کتابوں میں اس واقعہ کو بہت کثیر التعداد صحابہ کرام نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ علامہ زرقانی نے ۴۵ صحابیوں کو نام بنام گنایا ہے جنہوں نے حدیث معراج کو روایت کیا ہے۔ جیسا کہ ہم اپنی کتاب "نورانی تقریریں" میں اس کا کسی قدر مفصل تذکرہ تحریر کر چکے ہیں۔

معراج کب ہوئی؟ معراج کی تاریخ، دن اور مہینہ میں بہت زیادہ اختلافات ہیں۔ لیکن اتنی بات پر بلا اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ معراج نزول وحی کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جو مکہ معظمہ میں پیش آیا اور ابن قتیبہ دینوری (المتوفی ۲۶۷ھ) اور ابن عبد البر (المتوفی ۴۶۳ھ) اور امام رافعی و امام نووی نے تحریر فرمایا کہ واقعہ معراج رجب کے مہینے میں ہوا۔ اور محدث عبد الغنی مقدسی نے رجب کی ستائیسویں بھی متعین کر دی ہے اور علامہ زرقانی نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور بعض مورخین کی رائے ہے کہ یہی سب سے زیادہ قوی روایت ہے (زرقانی جلد ا ص ۳۵۵ تا ص ۳۵۸)

معراج کتنی بار اور کیسے ہوئی جمہور علماء امت کا صحیح مذہب یہی ہے کہ معراج بحالت بیداری جسم و روح کے ساتھ صرف ایک بار ہوئی۔ جمہور صحابہ و تابعین اور فقہاء محدثین نیز صوفیہ کرام کا یہی مذہب ہے۔ چنانچہ علامہ حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ (استاد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ) نے تحریر فرمایا کہ

وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ كَانَ فِى الْيَقْظَةِ بِجَسَدِهٖ مَعَ رُوْحِهٖ وَعَلَيْهِ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَمَنْ قَالَ اِنَّهٗ بِرُوْحٍ فَقَطْ اَوْ فِى النَّوْمِ فَقَطْ فَمُبْتَدِعٌ ضَالٌّ مُضِلٌّ فَاسِقٌ۔

(تفسیرات احمدیہ بنی اسرائیل ص ۴۰۴)

اور سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ معراج بحالت بیداری جسم و روح کے ساتھ ہوئی یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ کہے کہ معراج فقط روحانی ہوئی۔ یا معراج فقط خواب میں ہوئی وہ شخص بدعتی و گمراہ اور گمراہ کن و فاسق ہے۔

دیدار الٰہی کیا معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خداوند تعالیٰ کو دیکھا؟ اس مسئلہ میں سلف صالحین کا اختلاف ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ معراج میں آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ اور ان حضرات نے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى کی تفسیر میں یہ فرمایا کہ آپ نے خدا کو نہیں دیکھا بلکہ

معراج میں حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل و صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔ اور بعض سلف مثلاً حضرت سعید بن جبیر تابعی نے اس مسئلہ میں کہ دیکھا یا نہ دیکھا کچھ بھی کہنے سے توقف فرمایا۔ مگر صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی جماعت نے یہ فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ (شفاء جلد ا ص ۱۲۰ تا ص ۱۲۱)

چنانچہ عبداللہ بن الحارث نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت کعب رضی اللہ عنہم ایک مجلس میں جمع ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ کوئی کچھ بھی کہتا ہے۔ لیکن ہم بنی ہاشم کے لوگ یہی کہتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً اپنے رب کو معراج میں دو مرتبہ دیکھا۔ یہ سن کر حضرت کعب نے اس زور کے ساتھ نعرہ مارا کہ پہاڑیاں گونج اٹھیں اور فرمایا کہ بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے کلام کیا۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا۔

اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ماکذب الفوائد مارأی کی تفسیر میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ رأیت ربی یعنی میں نے اپنے رب کو دیکھا!

محدث عبدالرزاق ناقل ہیں کہ حضرت امام حسن بصری اس بات پر حلف اٹھاتے تھے کہ یقیناً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا اور بعض متکلمین نے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب تھا اور ابن اسحٰق ناقل ہیں کہ حاکم مدینہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ "جی ہاں"

اسی طرح نقاش نے حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب کا قائل ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا، دیکھا، دیکھا۔ اتنی دیر تک وہ دیکھا کہتے رہے کہ ان کی سانس ٹوٹ گئی۔ (شفاء جلد ا ص ۱۱۹ تا ص ۱۲۰)

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے شریک بن عبداللہ نے جو معراج کی روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے کہ۔

حَتّٰی جَآءَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰى وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ فَتَدَلّٰى حَتّٰى كَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۲۰ باب قولہ اللہ وکلم اللہ۔ الخ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر تشریف لائے اور عزت والا جبار (اللہ تعالیٰ) یہاں تک قریب ہوا اور نزدیک آیا کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔

بہرحال علماء اہل سنت کا یہی مسلک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کا دیدار کیا۔

اس معاملہ میں رویت کے علاوہ ایک روایت بھی خاص طور پر قابل توجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ نے انتہائی شوکت و شان اور آن بان کے ساتھ اپنا مہمان بنا کر عرش اعظم پر بلایا اور خلوت گاہ راز میں کے ناز و نیاز کے کلاموں سے سرفراز بھی فرمایا۔ مگر ان بے پناہ عنایتوں کے باوجود اپنے حبیب کو اپنا دیدار نہیں دکھایا۔ اور حجاب فرمایا یہ ایک ایسی بات ہے جو مزاج عشق و محبت کے نزدیک مشکل ہی سے قابل قبول ہو سکتی ہے کیونکہ کوئی شاندار میزبان اپنے شاندار مہمان کو اپنی ملاقات سے محروم رکھے اور اس کو اپنا دیدار نہ دکھائے یہ عشق و محبت کا ذوق رکھنے والوں کے نزدیک بہت ہی ناقابل فہم بات ہے۔ لہٰذا ہم عشقبازوں کا گروہ تو امام احمد بن حنبل کی طرح اپنی آخری سانس تک یہی کہتا رہے گا کہ ؎

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب خدا ہی نہ چھپا تم پہ کروڑوں درود (اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ)

مختصر تذکرہ معراج

معراج کی رات آپ کے گھر کی چھت کھلی۔ اور ناگہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام

چند فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے۔ اور آپ کو حرم کعبہ میں لے جا کر آپ کے سینہ مبارک کو چاک کیا۔ اور قلب انور کو نکال کر آب زمزم سے دھویا۔ پھر ایمان و حکمت سے بھرے ہوئے ایک طشت کو آپ کے سینے میں انڈیل کر شکم کا چاک برابر کر دیا۔ پھر آپ براق پر سوار ہو کر بیت المقدس تشریف لائے۔ براق کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ اس کا قدم وہاں پڑتا تھا جہاں اس کی نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی۔ بیت المقدس پہنچ کر براق کو آپ نے اس حلقہ میں باندھ دیا۔ جس میں انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے پھر آپ نے تمام انبیاء اور رسولوں کو جو وہاں حاضر تھے۔ دو رکعت نماز نفل جماعت سے پڑھائی۔ (تفسیر روح البیان جلد ۵ ص ۱۱۲)

جب یہاں سے نکلے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپ کے سامنے پیش کیے آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے فطرت کو پسند فرمایا۔ اگر آپ شراب کا پیالہ اٹھا لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو ساتھ لے کر آسمان پر چڑھے پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے۔ دوسرے آسمان میں حضرت یحییٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے ملاقاتیں ہوئیں۔ اور کچھ گفتگو بھی ہوئی۔ تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے اور ساتویں آسمان پر پہنچے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی وہ بیت المعمور سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں بوقت ملاقات ہر پیغمبر نے خوش آمدید! اے پیغمبر صالح کہہ کر آپ کا استقبال کیا۔ پھر آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی۔ اس کے بعد آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ اس درخت پر جب انوار الٰہی کا پرتو پڑا تو ایک دم اس کی صورت بدل گئی۔ اور اس میں رنگ برنگ کے انوار کی ایسی تجلی نظر آئی جن کی کیفیتوں کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے یہاں پہنچ کر حضرت جبریل علیہ السلام یہ کہہ کر ٹھہر گئے کہ اب اس سے آگے میں نہیں بڑھ سکتا۔ پھر حضرت حق جل جلالہ نے آپ کو عرش بلکہ عرش کے اوپر جہاں تک اس نے چاہا بلا کر

آپ کو باریاب فرمایا۔ اور خلوت گاہ راز میں نازونیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتی، چنانچہ قرآن مجید میں ۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ کے رمز واشارہ میں خداوند قدوس نے اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

بارگاہ الٰہی میں بے شمار عطیات کے علاوہ تین خاص انعامات مرحمت ہوئے جن کی عظمتوں کو اللہ و رسول کے سوا اور کون جان سکتا ہے۔

(۱) سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں ۔(۲) یہ خوشخبری کہ آپ کی امت کا ہر وہ شخص جس نے شرک نہ کیا ہو بخش دیا جائے گا۔ (۳) امت پر پچاس وقت کی نماز۔

جب آپ ان خداوندی عطیات کو لے کر واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کی امت سے ان پچاس نمازوں کا بار نہ اٹھ سکے گا۔ لہٰذا آپ واپس جائیے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے چند بار آپ بارگاہ الٰہی میں آتے جاتے اور عرض پرواز ہوتے رہے یہاں تک کہ صرف پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میرا قول بدل نہیں سکتا۔ اے محبوب! آپ کی امت کے لیے یہ پانچ نمازیں بھی پچاس ہوں گی، نمازیں تو پانچ ہوں گی مگر میں آپ کی امت کو ان پانچ نمازوں پر پچاس نمازوں کا اجر و ثواب عطا کروں گا۔

پھر آپ عالم ملکوت کی اچھی طرح سیر فرما کر اور آیاتِ الٰہیہ کا معاینہ و مشاہدہ فرما کر آسمان سے زمین پر تشریف لائے۔ اور بیت المقدس میں داخل ہوئے اور براق پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ نے بیت المقدس سے مکہ تک کی تمام منزلوں اور قریش کے قافلہ کو بھی دیکھا۔ ان تمام مراحل کے طے ہونے کے بعد آپ مسجد حرام میں پہنچ کر چونکہ ابھی رات کا کافی حصہ باقی تھا سو گئے اور صبح کو بیدار ہوئے اور جب رات کے واقعات کا آپ نے قریش کے سامنے تذکرہ فرمایا تو روسائے قریش کو سخت تعجب ہوا۔ یہاں تک کہ بعض کور باطنوں نے آپ کو جھوٹا کہا اور بعض نے مختلف سوالات کیے چونکہ اکثر روسائے قریش نے بار بار بیت المقدس کو دیکھا تھا اور وہ یہ بھی جانتے

تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی بیت المقدس نہیں گئے ہیں اس لیے امتحان کے طور پر ان لوگوں نے آپ سے بیت المقدس کے در و دیوار اور اس کی محرابوں وغیرہ کے بارے میں سوالوں کی بوچھار شروع کر دی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی آپ کی نگاہ نبوت کے سامنے بیت المقدس کی پوری عمارت کا نقشہ پیش فرما دیا چنانچہ کفار قریش آپ سے سوال کرتے جاتے تھے اور آپ عمارت کو دیکھ دیکھ کر ان کے سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دیتے جاتے تھے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ، کتاب الانبیاء کتاب التوحید، باب المعراج وغیرہ، مسلم باب المعراج و شفاء جلد اص ۱۸۵ و تفسیر روح المعانی جلد ۵ اص ۴ تا ص ۱۰ وغیرہ کا خلاصہ)

سفر معراج کی سواریاں

امام علائی نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ قسم کی سواریوں پر سفر فرمایا مکہ سے بیت المقدس تک براق پر۔ بیت المقدس سے آسمان اول تک۔ نور کی سیڑھیوں پر آسمان اول سے ساتویں آسمان تک۔ فرشتوں کے بازوؤں پر، ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک۔ حضرت جبریل علیہ السلام کے بازو پر، سدرۃ المنتہیٰ سے مقام قاب قوسین تک۔ رفرف پر۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۱۵ ص ۱۰)

سفر معراج کی منزلیں

بیت المقدس سے مقام قاب قوسین تک پہنچنے میں آپ نے دس منزلوں پر قیام فرمایا۔ اور ہر منزل پر کچھ گفتگو ہوئی اور بہت سی خداوندی نشانیوں کو ملاحظہ فرمایا (۱) آسمان اول (۲) دوسرا آسمان (۳) تیسرا آسمان (۴) چوتھا آسمان (۵) پانچواں آسمان (۶) چھٹا آسمان (۷) ساتواں آسمان (۸) سدرۃ المنتہیٰ (۹) مقام مستویٰ جہاں آپ نے قلم قدرت کے چلنے کی آوازیں سنیں (۱۰) عرش اعظم۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۱۵ ص ۱۰)

بادل کٹ گیا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عرب میں نہایت ہی سخت قسم کا قحط پڑا ہوا تھا۔ اس وقت جب کہ آپ خطبہ کے لیے منبر پر چڑھے تو ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر فریاد کی۔ کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ

علیہ وسلم) بارش نہ ہونے سے جانور ہلاک، اور بال بچے بھوک سے تباہ ہو رہے ہیں لہٰذا آپ دعا فرمایئے اس وقت آسمان میں کہیں بدلی کا نام و نشان نہیں تھا مگر جوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اٹھایا ہر طرف سے پہاڑوں کی طرح بادل آکر چھا گئے۔ اور ابھی آپ منبر پر سے اترے بھی نہ تھے کہ بارش کے قطرات آپ کی نورانی داڑھی پر ٹپکنے لگے اور آٹھ دن تک مسلسل موسلادھار بارش ہوتی رہی یہاں تک کہ جب دوسرے جمعہ کو آپ خطبہ کے لیے منبر پر رونق افروز ہوئے تو وہی اعرابی یا کوئی دوسرا کھڑا ہو گیا۔ اور بلند آواز سے فریاد کرنے لگا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مکانات منہدم ہو گئے اور مال مویشی غرق ہو گئے۔ لہٰذا دعا فرمایئے کہ بارش بند جائے۔ یہ سن کر آپ نے پھر اپنا مقدس ہاتھ اٹھا دیا۔ اور یہ دعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا "اے اللہ ہمارے اردگرد بارش ہو، اور ہم پر نہ بارش ہو پھر آپ نے بدلی کی طرف اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا تو مدینہ کے اردگرد سے بادل کٹ کر چھنٹ گیا اور مدینہ اور اس کے اطراف میں بارش بند ہو گی۔

(بخاری جلد ۱ ص ۱۲۷ باب الاستسقاء فی الجمعہ)

ایک ضروری تبصرہ یہ چند آسمانی معجزات جو مذکور ہوئے اس بات کی دلیل ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی عطا کی ہوئی طاقت سے آسمانی کائنات میں بھی تصرفات فرماتے ہیں اور آپ کی خداداد سلطنت کی حکمرانی زمین ہی تک محدود نہیں بلکہ آسمانی مخلوقات میں بھی آپ کی حکومت کا سکہ چلتا ہے چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لیے دو وزیر آسمان والوں میں سے، اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہوا کرتے ہیں اور میرے دونوں آسمانی وزیر "جبریل و میکائیل" ہیں اور میرے زمین کے دونوں وزیر ابوبکر و عمر ہیں۔ (مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۵۶۰ باب مناقب ابوبکر و عمر)

ظاہر ہے کہ کسی بادشاہ کے وزیر اس کی سلطنت کے حدود ہی میں رہا کرتے ہیں۔ اگر آسمانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت خداداد نہ ہوتی۔ تو حضرت جبرئیل و میکائیل

علیہما السلام آپ کے دو وزیروں کی حیثیت سے بھلا آسمانوں میں کس طرح مقیم رہے لہٰذا ثابت ہوا کہ شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بادشاہی بہ عطاء الٰہی زمین و آسمان کی تمام مخلوقات پر ہے۔ ؎

صاحبِ رجعت شمس و شق القمر
نائب دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
عرش تا فرش ہے جس کے زیر نگیں
اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

قرآن مجید

رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزاتِ نبوت میں سے قرآن مجید بھی ایک بہت ہی جلیل القدر معجزہ، اور آپ کی صداقت کا ایک فیصلہ کن نشان ہے۔ بلکہ اگر اس کو "اعظم المعجزات" کہہ دیا جائے تو یہ ایک ایسی حقیقت کا انکشاف ہوگا جس کی پردہ پوشی ناممکن ہے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے معجزات تو اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوئے اور آپ کے زمانے ہی کے لوگوں نے اس کو دیکھا، مگر قرآن مجید آپ کا وہ عظیم الشان معجزہ ہے کہ قیامت تک باقی رہے گا۔

کون نہیں جانتا کہ اللہ تعالےٰ نے فصحاءِ عرب کو قرآن کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک بار اس طرح چیلنج دیا کہ۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ (بنی اسرائیل)

(اے محبوب) فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان وجن اس کام کے لیے جمع ہو جائیں کہ قرآن کا مثل لائیں تو نہ لاسکیں گے اگرچہ ان کے بعض بعض کی مدد کریں۔

مگر کوئی بھی اس خداوندی چیلنج کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوا۔ پھر قرآن نے ایک بار اس طرح چیلنج دیا کہ۔

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ ۔ (ہود)

یعنی اگر تم لوگ پورے قرآن کا مثل نہیں لا سکتے تو

قرآن جیسی دس ہی سورتیں بنا کر لاؤ۔ مگر انتہائی جد وجہد کے باوجود یہ بھی نہ ہو سکا پھر قرآن نے اس طرح للکارا کہ۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (بقرہ)

(اے حبیب) آپ فرما دیجیے کہ اگر تم لوگوں کو اس میں کچھ شک ہو جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل فرمایا ہے تو تم اس جیسی ایک ہی سورہ لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام حمایتیوں کو بلا لو۔ اگر تم سچے ہو۔

اللہ اکبر! قرآن عظیم کی عظیم الشان و معجزانہ فصاحت و بلاغت کا بول بالا تو دیکھو کہ عرب کے تمام وہ فصحاء و بلغاء جن کی فصیحانہ شعر گوئی اور خطیبانہ بلاغت کا چار دانگ عالم میں ڈنکا بج رہا تھا مگر وہ اپنی پوری پوری کوششوں کے باوجود قرآن کی ایک سورۃ کے مثل بھی کوئی کلام نہ لا سکے۔ حد ہو گئی کہ قرآن مجید نے فصحاء عرب سے یہاں تک کہہ دیا کہ

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝ (سورہ طور)

یعنی اگر کفار عرب سچے ہیں تو قرآن جیسی کوئی ایک ہی بات لائیں۔ الغرض چار چار مرتبہ قرآن کریم نے فصحاء عرب کو للکار اچیلنج دیا۔ جھنجھوڑا کہ وہ قرآن کا مثل بنا کر لائیں مگر تاریخ عالم گواہ ہے کہ چودہ سو برس کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود آج تک کوئی شخص بھی اس خداوندی چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔ اور قرآن کے مثل ایک سورۃ بھی بنا کر نہ لا سکا یہ آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے کہ قرآن مجید حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک لاثانی معجزہ ہے جس کا مقابلہ نہ کوئی کر سکا ہے، نہ قیامت تک کر سکتا ہے۔

علم غیب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے آپ کا "علم غیب" بھی ہے اس بات پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ علم غیب ذاتی تو خدا کے سوا کسی اور کو نہیں مگر اللہ اپنے برگزیدہ بندوں یعنی اپنے نبیوں اور رسولوں وغیرہ کو علم غیب عطا فرماتا ہے۔ یہ علم غیب عطائی کہلاتا ہے قرآن مجید میں ہے کہ

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ۔ (جن)

(اللہ) عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

اسی طرح قرآن مجید میں دوسری جگہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ

مَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ۔ (آل عمران)

اللہ کی شان نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے۔ ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار غیوب کا علم عطا فرمایا۔ اور آپ نے ہزاروں غیب کی خبریں اپنی امت کو دیں جن میں سے کچھ کا تذکرہ تو قرآن مجید میں ہے باقی ہزاروں غیب کی خبروں کا ذکر احادیث کی کتابوں اور سیر و تواریخ کے دفتروں میں مذکور ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ۔ (ھود)

یہ غیب کی خبریں ہیں جن کو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں

ہم یہاں ان بے شمار غیب کی خبروں میں سے مثال کے طور پر چند کا ذکر تحریر کرتے ہیں۔ پہلے ان چند غیب کی خبروں کا تذکرہ ملاحظہ فرمایئے۔ جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

غالب مغلوب ہوگا

۶۱۴ء میں روم اور فارس کے دونوں بادشاہوں میں ایک جنگ عظیم شروع ہوئی چھبیس ہزار یہودیوں نے بادشاہ فارس کے لشکر میں شامل ہوکر ساٹھ ہزار عیسائیوں کا قتل عام کیا یہاں تک کہ ۶۱۶ء میں بادشاہ فارس کی فتح ہوگئی اور بادشاہِ روم کا لشکر بالکل ہی مغلوب ہوگیا۔ اور رومی سلطنت کے پرزے پرزے اڑ گئے۔ بادشاہ روم اہل کتاب اور مذہبًا عیسائی تھا اور بادشاہ فارس مجوسی مذہب کا پابند اور آتش پرست تھا۔ اس لیے بادشاہِ روم کی شکست سے مسلمانوں کو رنج وغم ہوا۔ اور کفار کو انتہائی شادمانی ومسرت ہوئی چنانچہ کفار نے مسلمانوں کو طعنہ دیا اور کہنے لگے کہ تم اور نصاریٰ اہل کتاب ہو اور ہم اور اہل فارس بے کتاب ہیں جس طرح ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر فتح یاب ہوکر غالب آگئے۔ اسی طرح ہم بھی ایک دن تم لوگوں پر غالب آجائیں گے۔ کفار کے ان طعنوں سے مسلمانوں کو اور زیادہ رنج وصدمہ ہوا۔

اس وقت رومیوں کی یہ افسوسناک حالت تھی کہ وہ اپنے مشرقی مقبوضات کا ایک ایک چپہ کھو چکے تھے خزانہ خالی تھا۔ فوج منتشر تھی ملک میں بغاوتوں کا طوفان اٹھ رہا تھا شہنشاہ روم بالکل نالائق تھا۔ ان حالات میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بادشاہ روم بادشاہ فارس پر غالب ہوسکتا تھا۔ مگر ایسے وقت میں نبی صادق نے قرآن کی زبان سے کفار مکہ کو یہ پیش گوئی سنائی کہ۔

الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ (روم)	رومی مغلوب ہوئے پاس کی زمین میں اور وہ اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند برسوں میں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صرف نو سال کے بعد خاص "صلح حدیبیہ" کے دن بادشاہ روم کا لشکر اہل فارس پر غالب آگیا۔ اور مخبر صادق کی یہ خبر غیب عالم وجود میں آگئی۔

ہجرت کے بعد قریش کی تباہی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بے سروسامانی کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی اور صحابہ کرام جس کسمپرسی اور بے کسی کے عالم میں کچھ حبشہ، کچھ مدینہ چلے گئے تھے

ان حالات کے پیش نظر بھلا کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ آسکتا تھا کہ یہ بے سروسامان اور غریب الدیار مسلمانوں کا قافلہ ایک دن مدینہ سے اتنا طاقتور ہو کر نکلے گا کہ وہ کفار قریش کی ناقابل تسخیر عسکری طاقت کو تہس نہس کر ڈالے گا۔ جس سے کافروں کی عظمت و شوکت کا چراغ گل ہو جائے گا اور مسلمانوں کی جان کے دشمن مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ لیکن خداوند علام الغیوب کا محبوب، دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے ایک سال پہلے ہی قرآن پڑھ پڑھ کر اس خبر غیب کا اعلان کر رہا تھا کہ۔

وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْکَ مِنْھَا وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیْلًا (بنی اسرائیل)	اگر وہ تم کو سرزمین مکہ سے گھبرا چکے تاکہ تم کو اس سے نکال دیں۔ تو وہ اہل مکہ تمہارے بعد بہت ہی کم مدت تک باقی رہیں گے۔

چنانچہ یہ پیشں گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور ایک ہی سال کے بعد غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح مبین نے کفار قریش کے سرداروں کا خاتمہ کر دیا اور کفار مکہ کی لشکری طاقت کی جڑ کٹ گئی۔ اور ان کی شان و شوکت کا جنازہ نکل گیا۔

مسلمان ایک دن شہنشاہ ہوں گے

ہجرت کے بعد کفار قریش جوش انتقام میں آپے سے باہر ہو گئے اور بدر کی شکست کے بعد تو جذبہ انتقام نے ان کو پاگل بنا ڈالا تھا۔ تمام قبائل عرب کو ان لوگوں نے جوش دلا دلا کر مسلمانوں پر یلغار کر دینے کے لیے تیار کر دیا تھا۔ چنانچہ مسلسل آٹھ برس تک خونریز لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ جس میں مسلمانوں کو تنگ دستی فاقہ مستی قتل و خونریزی قسم قسم کی حوصلہ شکن مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا مسلمانوں کو ایک لمحہ کے لیے سکون میسر نہیں تھا۔ مسلمان خوف و ہراس کے عالم میں راتوں کو جاگ جاگ کر وقت گزارتے تھے اور رات رات بھر رحمت عالم کے کاشانہ نبوت کا پہرہ دیا کرتے تھے۔ لیکن عین اس پریشانی اور بے سروسامانی کے ماحول میں دونوں جہان کے سلطان نے قرآن کا یہ اعلان نشر فرمایا کہ مسلمانوں کو "خلافت ارض" یعنی دین و دنیا کی شہنشاہی کا تاج پہنایا جائے گا چنانچہ غیب داں رسول نے اپنے دلکش اور شیریں لہجہ میں قرآن کی ان روح پرور اور ایمان

افروز آیتوں کو علی الاعلان تلاوت فرمانا شروع کر دیا کہ۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط (سورہ نور)	تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا۔ خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین کا خلیفہ بنائے گا۔ جیسا کہ اس نے ان کے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔ اور جو دین ان کے لیے پسند کیا ہے اس کو مستحکم کر دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا

مسلمان جن نامساعد حالات اور پریشان کن ماحول کی کشمکش میں مبتلا تھے ان حالات میں خلافت ارض اور دین و دنیا کی شہنشاہی کی یہ عظیم بشارت انتہائی حیرت ناک خبر تھی بھلا کون تھا جو یہ سوچ سکتا تھا کہ مسلمانوں کا ایک مظلوم و بے کس گروہ جس کو کفار مکہ نے طرح طرح کی اذیتیں دے کر کچل ڈالا تھا اور اس نے اپنا سب کچھ چھوڑ کر مدینہ آ کر چند نیک بندوں کے زیر سایہ پناہ لی تھی اور اس کو یہاں آ کر بھی سکون و اطمینان کی نیند نصیب نہیں ہوئی تھی بھلا ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ اس گروہ کو ایسی شہنشاہی مل جائے گی کہ خدا کے آسمان کے نیچے اور خدا کی زمین پر خدا کے سوا ان کو کسی اور کا ڈر نہ ہو گا۔ بلکہ ساری دنیا ان کے جاہ و جلال سے ڈر کر لرزہ بر اندام رہے گی مگر ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ بشارت پوری ہوئی اور ان مسلمانوں نے شہنشاہ بن کر دنیا پر اس طرح کامیاب حکومت کی کہ اس کے سامنے دنیا کی تمام متمدن حکومتوں کا شیرازہ بکھر گیا اور تمام سلاطین عالم کی سلطانی کے پرچم عظمت اسلام کی شہنشاہی کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ کیا اب بھی کسی کو اس پیشین گوئی کی صداقت میں بال کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی شک و شبہ ہو سکتا ہے۔

فتح مکہ کی پیشگوئی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے اس طرح ہجرت فرمائی تھی کہ رات کی تاریکی میں اپنے یار غار کے ساتھ نکل کر غار ثور میں رونق افروز رہے۔ آپ کی جان کے دشمنوں نے آپ کی تلاش میں

سرزمین مکہ کے چپے چپے کو چھان مارا۔ اور آپ ان دشمنوں کی نگاہوں سے چھپتے اور بچتے ہوئے غیر معروف راستوں سے مدینہ منورہ پہنچے۔ ان حالات میں بھلا کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ آسکتا تھا؟ کہ رات کی تاریکی میں چھپ کر روتے ہوئے اپنے پیارے وطن مکہ کو خیرباد کہنے والا رسول برحق ایک دن فاتح مکہ بن کر فاتحانہ جاہ وجلال کے ساتھ شہر مکہ میں اپنی فتح مبین کا پرچم لہرائے گا اور اس کے دشمنوں کی قاہر فوج اس کے سامنے قیدی بن کر دست بستہ سر جھکائے لرزہ براندام کھڑی ہوگی۔ مگر نبی غیب داں نے قرآن کی زبان سے اس پیشین گوئی کا اعلان فرمایا کہ۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔ (سورہ نصر)	جب اللہ کی مدد اور فتح (مکہ) آجائے اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو۔ اور اس سے بخشش چاہو بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

چنانچہ یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی کہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوگیا اور آپ فاتح مکہ ہونے کی حیثیت سے افواج الٰہی کے جاہ وجلال کے ساتھ مکہ مکرمہ کے اندر داخل ہوئے اور کعبہ معظمہ میں داخل ہو کر آپ نے دوگانہ ادا فرمایا۔ اور اہل عرب فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے۔ حالانکہ اس سے قبل اکا دُکا لوگ اسلام قبول کیا کرتے تھے۔

جنگ بدر میں فتح کا اعلان

جنگ بدر میں جب کہ کل تین سو تیرہ مسلمان تھے جو بالکل ہی نہتے، کمزور اور بے سروسامان تھے بھلا کسی کے خیال میں بھی آسکتا تھا کہ ان کے مقابلہ میں ایک ہزار کا لشکر جرار جس کے پاس ہتھیار اور عسکری طاقت کے تمام سامان وافر ارموجود تھے۔ شکست کھا کر بھاگ جائے گا اور ستر مقتول اور ستر گرفتار ہو جائیں گے مگر جنگ بدر سے برسوں پہلے مکہ مکرمہ میں آیتیں نازل ہوئیں اور رسول برحق نے اقوام عالم کو کئی برس پہلے جنگ بدر میں اس طرح اسلامی

فتح مبین کی بشارت سنائی کہ۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۞ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۞

(فتح)

کیا وہ کفار کہتے ہیں کہ ہم سب متحد، اور ایک دوسرے کے مددگار رہیں۔ یہ لشکر عنقریب شکست کھا جائے گا اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور اگر کفار تم (مسلمانوں) سے لڑیں گے تو یقیناً وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر وہ کوئی حامی و مددگار نہ پائیں گے۔

یہودی مغلوب ہوں گے

مدینہ منورہ اور اس کے اطراف کے یہودی قبائل بہت ہی مالدار، انتہائی جنگجو اور بہت بڑے جنگ باز تھے اور ان کو اپنی لشکری طاقت پر بڑا گھمنڈ اور ناز تھا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح مبین کا حال سن کر ان یہودیوں نے مسلمانوں کو یہ طعنہ دیا کہ قبائل قریش فنون جنگ سے ناواقف، اور بیڈھنگے تھے۔ اس لیے وہ جنگ ہار گیے۔ اگر مسلمانوں کو ہم جنگ بازوں اور بہادروں سے پالا پڑا تو مسلمانوں کو ان کی چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا، اور واقعی صورت حال ایسی ہی تھی کہ سمجھ میں نہیں آسکتا تھا کہ مٹھی بھر کمزور اور بے سروسامان مسلمانوں سے قبائل یہود کا یہ مسلح و منظم لشکر کبھی شکست کھا جائے گا۔ مگر اس حال و ماحول میں غیب داں رسول نے قرآن کی زبان سے اس غیب کی خبر کا اعلان فرمایا کہ۔

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۞ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ۔

(آل عمران)

اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے یہ بہتر ہوتا۔ ان میں کچھ ایماندار، اور اکثر فاسق ہیں اور وہ تم (مسلمانوں) کو، بجز تھوڑی تکلیف دینے کے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو یقیناً پشت پھیر دیں گے، پھر ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہود کے قبائل میں سے بنو قریظہ قتل کر دیے گئے، اور بنو نضیر جلا وطن کر دیے گئے، اور خیبر کو مسلمانوں نے فتح کر لیا اور باقی یہود ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرنے پر مجبور ہو گئے۔

عہد نبوی کے بعد کی لڑائیاں

قرآن مجید کی پیشگوئیاں اور غیب کی خبریں صرف انہیں جنگوں کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں تھیں جو عہد نبوی میں ہوئیں بلکہ اس کے بعد خلفاء کے دور خلافت میں عرب و عجم میں جو عظیم و خوں ریز لڑائیاں ہوئیں ان کے متعلق بھی قرآن مجید نے پہلے ہی سے پیشگوئی کر دی تھی۔ جو حرف بحرف پوری ہوئی مسلمانوں کو روم و ایران کی زبردست حکومتوں سے جو لڑائیاں لڑنی پڑیں وہ تاریخ اسلام کے بہت ہی زریں اوراق اور نمایاں واقعات ہیں مگر قرآن مجید نے برسوں پہلے ان جنگوں کے نتائج کا اعلان ان لفظوں میں کر دیا تھا۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ۔ (فتح)

جہاد میں پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دو کہ عنقریب تم کو ایک سخت جنگجو قوم سے جنگ کرنے کے لیے بلایا جائیگا تم لوگ ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے

اس پیشگوئی کا ظہور اس طرح ہوا کہ روم و ایران کی جنگجو اقوام سے مسلمانوں کو جنگ کرنی پڑی جس میں بعض جگہ خونریز معرکے ہوئے اور بعض جگہ کے کفار نے اسلام قبول کر لیا الغرض اس قسم کی بہت سی غیب کی خبریں قرآن مجید میں مذکور ہیں جن کو غیب داں رسول نے واقعات کے واقع ہونے سے بہت پہلے اقوام عالم کے سامنے بیان فرما دیا اور یہ تمام غیب کی خبریں آفتاب کی طرح ظاہر ہو کر اہل عالم کے سامنے زبان حال سے اعلان کر رہی ہیں اور قیامت تک اعلان کرتی رہیں گی کہ ؎

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ دیکھے

احادیث میں غیب کی خبریں

اسلامی فتوحات کی پیشگوئیاں

ابتداءِ اسلام میں مسلمان جن آلام و مصائب میں گرفتار، اور جس بے سروسامانی کے عالم میں تھے اس وقت کوئی اس کو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چند نہتے، فاقہ کش، اور بے سروسامان مسلمان قیصر و کسریٰ کی جابر حکومتوں کا تختہ الٹ دیں گے لیکن غیب جاننے والے پیغمبر صادق نے اس حالت میں پورے عزم و یقین کے ساتھ اپنی امت کو یہ بشارتیں دیں کہ اے مسلمانو! تم عنقریب قسطنطنیہ کو فتح کرو گے، اور قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں تمہارے دست تصرف میں ہوں گی۔ مصر پر تمہاری حکومت کا پرچم لہرائے گا تم سے اور ترکوں سے جنگ ہوگی جن کی آنکھیں چھوٹی اور چہرے چوڑے ہوں گے اور ان جنگوں میں تم کو فتح مبین حاصل ہوگی۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۰۹ تا ص ۵۱۳ باب علامات النبوة)

تاریخ گواہ ہے کہ غیب داں نبی کی دی ہوئی یہ سب غیب کی خبریں عالم ظہور میں آئیں۔

قیصر و کسریٰ کی بربادی

عین اس وقت جب کہ قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے پرچم انتہائی جاہ و جلال کے ساتھ دنیا پر لہرا رہے تھے اور بظاہر ان کی بربادی کا کوئی سامان نظر نہیں آرہا تھا۔ مگر غیب داں نبی نے اپنی امت کو یہ غیب کی خبر سنائی کہ۔

اِذَا هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ وَاِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ وَلَتُنْفَقَنَّ كُنُوْزُهُمَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۱۱ باب علامات النبوة)

جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور ضرور ان دونوں کے خزانے اللہ تعالیٰ کی راہ میں (مسلمانوں کے ہاتھ سے) خرچ کیے جائیں گے۔

دنیا کا ہر مورخ اس حقیقت کا گواہ ہے کہ حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کسریٰ اور قیصر کی تباہی کے بعد نہ پھر کسی نے سلطنت فارس کا تاج خسروی دیکھا، نہ رومی سلطنت کا روئے زمین پر کہیں وجود نظر آیا۔ کیوں نہ ہو کہ یہ غیب داں نبی صادق کی وہ غیب کی خبریں ہیں جو خداوند علام الغیوب کی وحی سے آپ نے دی ہیں۔ بھلا کیونکر ممکن ہے کہ غیب داں نبی کی دی ہوئی غیب کی خبریں بال کے کروڑ ویں حصّہ کے برابر بھی خلاف واقع ہو سکیں گی ؟

یمن، شام، عراق فتح ہوں گے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن و شام و عراق کے فتح ہونے سے برسوں پہلے یہ غیب کی خبر دی تھی کہ۔

یمن فتح کیا جائے گا تو لوگ اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اور اپنے اہل وعیال اور متبعین کو لے کر (مدینہ سے) یمن چلے آئیں گے حالانکہ مدینہ ہی کا قیام ان کے لیے بہتر تھا۔ کاش وہ لوگ اس بات کو جان لیتے۔

پھر شام فتح کیا جائے گا تو ایک قوم اپنے گھر والوں اور اپنے پیروی کرنے والوں کو لے کر سواریوں کو ہنکاتے ہوئے (مدینہ سے) شام چلے آئیں گے حالانکہ مدینہ ہی ان کے لیے بہتر تھا۔ کاش وہ لوگ اس کو جان لیتے پھر عراق فتح ہو گا تو کچھ لوگ اپنے گھر والوں، اور جو ان کا کہنا مانیں گے ان سب کو لے کر سواریوں کو ہنکاتے ہوئے (مدینہ سے) عراق آ جائیں گے حالانکہ مدینہ ہی کی سکونت ان کے لیے بہتر تھی۔ کاش وہ ان کو جان لیتے

(مسلم جلد ۱ ص ۴۴۵ باب ترغیب الناس فی سکنی المدینہ)

یمن ۸ھ میں فتح ہوا۔ اور شام و عراق اس کے بعد فتح ہوئے۔ لیکن غیب جاننے والے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں پہلے یہ غیب کی خبریں دے دی تھیں، جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔

فتح مصر کی بشارت!

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

تم لوگ عنقریب مصر کو فتح کرو گے اور وہ ایسی زمین ہے جہاں کا سکہ "قیراط" کہلاتا ہے۔ جب تم لوگ اس کو فتح کرو تو اس کے باشندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ کیونکہ تمہارے اور ان کے درمیان ایک تعلق اور رشتہ ہے (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہ مصر کی تھیں جن کی اولاد میں سارا عرب ہے۔)

اور جب تم دیکھنا کہ وہاں ایک اینٹ بھر جگہ کے لیے دو آدمی جھگڑا کرتے ہوں۔ تو تم مصر سے نکل جانا۔ چنانچہ حضرت ابوذر نے خود اپنی آنکھ سے مصر میں یہ دیکھا کہ عبدالرحمٰن بن شرحبیل اور ان کے بھائی ربیعہ ایک اینٹ بھر جگہ کے لیے لڑ رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق مصر چھوڑ کر چلے آئے۔

(مسلم جلد ۲ ص ۳۱۱ باب وصیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

بیت المقدس کی فتح

بیت المقدس کی فتح ہونے سے برسوں پہلے حضور اقدس مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی خبر دیتے ہوئے اپنی امت سے ارشاد فرمایا کہ۔

قیامت سے پہلے چھ چیزیں گن رکھو۔ (۱) میری وفات (۲) بیت المقدس کی فتح (۳) پھر طاعون کی وبا جو بکریوں کی گلٹیوں کی طرح تمہارے اندر شروع ہو جائے گی (۴) اس قدر مال کی کثرت ہو جائے گی کہ کسی آدمی کو سو دینار دینے پر بھی وہ خوش نہیں ہوگا (۵) ایک ایسا فتنہ اٹھے گا کہ عرب کا کوئی گھر باقی نہیں رہے گا جس میں فتنہ داخل نہ ہوا ہو (۶) تمہارے اور رومیوں کے درمیان ایک صلح ہوگی اور رومی عہد شکنی کریں گے وہ اسی جھنڈے لے کر تمہارے اوپر حملہ آور ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار

توجہ ہو گی۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۲۵۰ باب ما یحذر من الغدر)

خوفناک راستے پُرامن ہو جائیں گے!

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر تھا تو ایک شخص نے آکر فاقہ کی شکایت کی پھر ایک دوسرا شخص آیا۔ اس نے راستوں میں ڈاکہ زنی کا شکوہ کیا۔ یہ سن کر شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عدی!! اگر تمہاری عمر لمبی ہو گی تو تم یقیناً دیکھو گے کہ ایک پردہ نشین عورت اکیلی حیرہ سے چلے گی اور مکہ آکر کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا کوئی ڈر نہیں ہو گا۔

حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ بھلا قبیلہ "طی" کے وہ ڈاکو جنھوں نے شہروں میں آگ لگا رکھی ہے کہاں چلے جائیں گے پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے لمبی عمر پائی تو یقیناً تم دیکھو گے کہ کسریٰ کے خزانوں کو مسلمان اپنے ہاتھوں سے کھولیں گے اور اے عدی! اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم ضرور ضرور دیکھو گے کہ ایک آدمی مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر تلاش کرتا پھرے گا کہ کوئی اس کے صدقہ کو قبول کرے مگر کوئی شخص ایسا نہیں آئے گا جو اس کے صدقہ کو قبول کرے (کیونکہ ہر شخص کے پاس بکثرت مال ہو گا اور کوئی فقیر نہ ہو گا) حضرت عدی بن حاتم کا بیان ہے کہ اے لوگو! یہ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ واقعی حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت اکیلی طواف کعبہ کے لیے چلی آئی ہے اور وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی اور میں خود ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو کھول کر نکالا۔ یہ دو چیزیں تو میں نے دیکھ لیں اے لوگو! اگر تم لوگوں کی عمریں دراز ہوئیں تو یقیناً تم لوگ تیسری چیز کو بھی دیکھ لو گے کہ کوئی فقیر نہیں ملے گا۔ جو صدقہ قبول کرے)

(بخاری جلد ا صفحہ ۵۰۷ تا صفحہ ۵۰۸ باب علامات النبوۃ)

فاتح خیبر کون ہوگا

جنگ خیبر کے دوران ایک دن غیب داں نبی نے یہ فرمایا کہ کل میں اس شخص کے ہاتھ میں جھنڈا دوں گا جو اللہ و رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول اس سے محبت کرتے ہیں اور اسی کے ہاتھ سے خیبر فتح ہوگا۔ اس خوشخبری کو سن کر لشکر کے تمام مجاہدین نے اس انتظار میں نہایت ہی بے قراری کے ساتھ رات گزاری کہ دیکھیں کون وہ خوش نصیب ہے جس کے سر اس بشارت کا سہرا بندھتا ہے۔ صبح کو ہر مجاہد اس امید پر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا کہ شاید وہی اس خوش نصیبی کا تاجدار بن جائے ہر شخص گوش بر آواز تھا کہ ناگہاں شہنشاہ مدینہ نے ارشاد فرمایا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آنکھوں میں آشوب ہے۔ ارشاد فرمایا کہ قاصد بھیج کر انہیں بلاؤ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا کر دعا فرمادی جس سے فی الفور وہ اس طرح شفایاب ہوگئے کہ گویا انہیں کبھی آشوب چشم ہوا ہی نہیں تھا۔ پھر آپ نے ان کے ہاتھ میں جھنڈا عطا فرمایا۔ اور خیبر کا میدان انہی دن ان کے ہاتھوں سے سر ہوگیا۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۰۵ باب غزوہ خیبر)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دن قبل ہی یہ بتادیا کہ کل حضرت علی رضی اللہ عنہ خیبر کو فتح کریں گے۔ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا۔

یعنی "کل کون کیا کرے گا" کا علم غیب ہے جو اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمایا

تیس برس خلافت پھر بادشاہی

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد تیس برس تک خلافت رہے گی۔ اس کے بعد بادشاہی ہو جائے گی اس حدیث کو سنا کر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگ گن لو۔ حضرت ابوبکر کی خلافت دو برس، اور حضرت عمر کی خلافت دس برس اور حضرت عثمان کی خلافت بارہ برس اور حضرت علی کی خلافت چھ برس یہ کل تیس برس ہوگئے (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۴۶۲ کتاب الفتن)

نشہ اور لڑکوں کی حکومت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ۶۰ھ کے شروع اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگو
(مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۳۲۳)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی تباہی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں پر ہوگی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو سنا کر فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو ان لڑکوں کے نام بتا سکتا ہوں وہ فلاں کے بیٹے اور فلاں کے بیٹے ہیں۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۰۹ باب علامات النبوۃ)

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ ۶۰ھ میں بنو امیہ کے کم عمر حاکموں نے جو فتنے برپا کیے واقعی یہ ایسے فتنے تھے کہ جن سے ہر مسلمان کو خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ ان واقعات کی برسوں پہلے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی جو یقیناً غیب کی خبر ہے۔

ترکوں سے جنگ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک تم لوگ ایسی قوم سے نہ لڑو گے جن کے جوتے بال کے ہوں گے اور جب تک تم لوگ قوم ترک سے نہ لڑو گے جو چھوٹی آنکھوں والے، سرخ چہروں والے، چپٹی ناکوں والے ہوں گے ان کے چہرے گویا ہتھوڑوں سے پٹی ہوئی ڈھالوں کے مانند (چوڑے چپٹے) ہوں گے اور ان کے جوتے بال کے ہوں گے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ تم لوگ "خوز و کرمان" کے عجمیوں سے جنگ کرو گے جن کے چہرے سرخ، ناکیں چپٹی، آنکھیں چھوٹی ہوں گی۔

اور تیسری روایت میں یہ ہے کہ قیامت سے پہلے تم لوگ ایسی قوم سے جنگ کرو گے جن کے جوتے بال کے ہوں گے وہ اہل "بارز" ہیں (یعنی صحراؤں اور میدانوں میں رہنے والے ہیں۔) (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۰۷ باب علامات النبوۃ)

غیب داں نبی نے یہ خبریں اس وقت دی تھیں جب اسلام ابھی پورے طور پر زمین حجاز میں بھی نہیں پھیلا تھا۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمام پیشگوئیاں پہلی ہی صدی کے آخر تک پوری ہو گئیں کہ مجاہدین اسلام کے لشکروں نے ترکوں اور

صحراؤں میں رہنے والے بربریوں سے جہاد کیا۔ اور اسلام کی فتح مبین ہوئی اور ترک و بربری اقوام دامن اسلام میں آگئیں۔

ہندوستان میں مجاہدین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان میں اسلام کے داخل اور غالب ہونے کی خوشخبری سناتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ۔

میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جہنم سے آزاد فرما دیا ہے۔ ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور ایک وہ گروہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ساتھ ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم (مسلمانوں) سے ہندوستان میں جہاد کرنے کا وعدہ فرمایا تھا تو اگر میں نے وہ زمانہ پالیا جب تو میں اس کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کردوں گا اور اگر میں اس جہاد میں شہید ہوگیا تو میں بہترین شہید ٹھہروں گا اور اگر میں زندہ لوٹا تو میں دوزخ سے آزاد ہونے والا ابوہریرہ ہوں گا

(نسائی جلد ۲ ص ۶۳ باب غزوۃ الہند)

امام نسائی نے ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔ اور انہوں نے اپنی کتاب سلطان محمود غزنوی کے حملہ ہندوستان ۳۹۲ھ سے تقریباً سو برس پہلے تحریر فرمائی۔

تمام دنیا کے مورخین گواہ ہیں کہ غیب داں نبی نے اپنی زبان قدسی بیان سے ہندوستان کے بارے میں سیکڑوں برس پہلے جس غیب کی خبر کا اعلان فرمایا تھا وہ حرف بحرف پوری ہوکر رہی کہ محمد بن قاسم نے سرزمین سندھ و مکران پر جہاد فرمایا اور محمود غزنوی و شہاب الدین غوری نے ہندوستان کے سومنات و اجمیر وغیرہ پر جہاد کرکے اس ملک میں اسلام کا پرچم لہرایا۔ یہاں تک کہ سرزمین ہند میں ناگالینڈ کی پہاڑیوں سے کوہ ہندوکش تک اور راس کماری سے ہمالیہ کی چوٹیوں تک اسلام کا پرچم لہراچکا۔ حالانکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی اس وقت دی تھی جب اسلام سرزمین حجاز سے بھی آگے نہیں پہنچ پایا تھا۔ ان غیب کی خبروں کو لفظ بلفظ پورا ہوتے

ہوئے دیکھ کر کون ہے جو غیب داں نبی کے دربار میں اس طرح نذرانۂ عقیدت نہ پیش کرے گا کرے

سرِ عرش پر ہے تری گزر، دلِ فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں (اعلیٰ حضرت بریلوی)

کون کہاں مرے گا

جنگ بدر میں لڑائی سے پہلے ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو لے کر میدان جنگ میں تشریف لے گئے۔ اور اپنی چھڑی سے لکیر کھینچ کھینچ کر بتا یا کہ یہ فلاں کافر کی قتل گاہ ہے۔ یہ ابوجہل کا مقتل ہے۔ اس جگہ قریش کا فلاں سردار مارا جائے گا۔ صحابہ کرام کا بیان ہے کہ ہر سردار قریش کے قتل ہونے کے لیے آپ نے جو جو جگہیں مقرر فرما دی تھیں۔ اسی جگہ اس کافر کی لاش خاک و خون میں لتھڑی ہوئی پائی گئی۔ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ باب غزوہ بدر)

حضرت فاطمہ کی وفات کب ہوگی

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلا کر ان کے کان میں کوئی بات فرمائی تو وہ رونے لگیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ان کے کان میں ایک اور بات کہی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس رونے اور ہنسنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ظاہر نہیں کر سکتی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دوبارہ دریافت کرنے پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ میرے کان میں یہ فرمایا تھا کہ میں اپنی اسی بیماری میں وفات پا جاؤں گا۔ یہ سن کر میں فرطِ غم سے رو پڑی پھر فرمایا کہ اے فاطمہ! میرے گھر والوں میں سب سے پہلے تم وفات پاکر مجھ سے ملوگی۔ یہ سن کر میں ہنس پڑی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میری جدائی کا زمانہ بہت ہی کم ہوگا۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۵۱۲)

اہل علم جانتے ہیں کہ یہ دونوں غیب کی خبریں حرف بحرف پوری ہوئیں کہ آپ نے

اپنی اسی بیماری میں وفات پائی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی صرف چھ مہینے کے بعد وفات پاکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جا ملیں۔

خود اپنی وفات کی اطلاع

جس سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی پہلے ہی سے آپ نے اپنی وفات کا اعلان فرمانا شروع کر دیا۔ چنانچہ حجۃ الوداع سے پہلے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر روانہ فرمایا تو ان کے رخصت کرتے وقت آپ نے ان سے فرمایا کہ اے معاذ! اب اس کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو گے جب تم واپس آؤ گے تو میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۳۵)

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر جب کہ عرفات میں ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زائد مسلمانوں کا اجتماع عظیم تھا۔ آپ نے وہاں دوران خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ شاید آئندہ سال تم لوگ مجھ کو نہ پاؤ گے۔

اسی طرح مرض وفات سے کچھ دنوں پہلے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے ایک بندے کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ چاہے تو دنیا کی زندگی کو اختیار کر لے اور چاہے تو آخرت کی زندگی قبول کر لے۔ تو اس بندے نے آخرت کو قبول کر لیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ آپ تو ایک بندے کے بارے میں یہ خبر دے رہے ہیں تو اس پر حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے رونے کا کیا موقع ہے؟ مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے چند ہی دنوں کے بعد وفات پائی تو ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ اختیار دیا ہوا بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور حضرت ابوبکر صدیق ہم لوگوں میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔ (کیونکہ انہوں نے ہم سب لوگوں سے پہلے یہ جان لیا تھا کہ وہ اختیار دیا ہوا بندہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں)

(بخاری جلد ۱ ص ۵۱۹ باب فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم سدوا الابواب الخ)

حضرت عمر و حضرت عثمان شہید ہوں گے

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر اُحد پہاڑ پر چڑھے۔ اس وقت پہاڑ ہلنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ اے اُحد! ٹھہر جا، اور یقین رکھ کہ تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو (عمر و عثمان) شہید ہیں۔

(بخاری جلد ا ص ۵۱۹ باب فضل ابی بکر)

نبی اور صدیق کو تو سب جانتے تھے لیکن حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد سب کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ دو شہید کون تھے۔

حضرت عمار کو شہادت ملے گی

حضرت ابوسعید خدری و حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ خندق کھود رہے تھے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنا دست شفقت پھیر کر ارشاد فرمایا کہ افسوس! تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا

(مسلم جلد ۲ ص ۳۹۵ کتاب الفتن)

یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے!

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ یقیناً حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ یقیناً خطا کا مرتکب تھا۔ لیکن چونکہ ان لوگوں کی خطا اجتہادی تھی۔ لہٰذا یہ لوگ گنہگار نہ ہوں گے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی مجتہد اگر اپنے اجتہاد میں صحیح اور درست مسئلہ تک پہنچ گیا تو اس کو دوگنا ثواب ملے گا۔ اور اگر مجتہد نے اپنے اجتہاد میں خطا کی جب بھی اس کو ایک ثواب ملے گا۔

(حاشیہ بخاری بحوالہ کرمانی جلد ا ص ۵۰۹ باب علامات النبوۃ)

اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں لعن طعن ہرگز ہرگز جائز نہیں کیونکہ

بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس جنگ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

پھر یہ بات بھی یہاں ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ مصری باغیوں کا گروہ جنہوں نے حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر کے ان کو شہید کر دیا تھا۔ یہ لوگ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑ رہے تھے تو ممکن ہے کہ گھمسان کی جنگ میں انہی باغیوں کے ہاتھ سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہوں۔ اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہوگا کہ "افسوس اے عمار! تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا" اور اس قتل کی ذمہ داری سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن پاک رہے گا۔ واللہ اعلم۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں لعن طعن کرنا رافضیوں کا مذہب ہے حضرات اہل سنت کو اس سے پرہیز کرنا لازم و ضروری ہے۔

حضرت عثمان کا امتحان

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے ایک باغ میں ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دروازہ کھلوا کر اندر آئے تو آپ نے ان کو جنت کی بشارت دی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے ان کو بھی جنت کی خوشخبری سنائی۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے ان کو جنت کی بشارت کے ساتھ ساتھ ایک امتحان اور آزمائش میں مبتلا ہونے کی بھی اطلاع دی۔ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صبر کی دعا مانگی اور یہ کہا کہ خدا مددگار رہے۔

(مسلم جلد ۲ ص ۲۷۷ باب فضائل عثمان)

حضرت علی کی شہادت

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں بتا دوں کہ سب سے بڑھ کر دو بدبخت انسان کون ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) بتائیے آپ نے

ارشاد فرمایا کہ ایک قوم ثمود کا سرخ رنگ والا وہ بدبخت جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کیا اور دوسرا وہ بدبخت انسان جو اے علی تمہارے یہاں پر (گردن کی طرف اشارہ کیا) تلوار مارے گا۔

(مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ تا صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ حیدرآباد)

یہ غیب کی خبر اس طرح ظہور پذیر ہوئی کہ ۱۷ رمضان سنہ ۴۰ھ کو عبدالرحمٰن ابن ملجم خارجی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تلوار سے قاتلانہ حملہ کیا جس سے زخمی ہو کر دو دن بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت سعد کے لیے خوشخبری

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ جا کر اس قدر شدید بیمار ہو گئے کہ ان کو اپنی زندگی کی امید نہ رہی۔ ان کو اس بات کی بہت زیادہ بے چینی تھی کہ اگر میں مر گیا تو میری ہجرت نامکمل رہ جائے گی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے ان کی بے قراری دیکھ کر تسلی دی۔ اور ان کے لیے دعا بھی فرمائی۔ اور یہ بشارت دی کہ امید ہے کہ تم ابھی نہیں مرو گے۔ بلکہ تمہاری زندگی لمبی ہو گی۔ اور بہت سے لوگوں کو تم سے نفع اور بہت سے لوگوں کو تم سے نقصان پہنچے گا۔

(بخاری جلد ۱ ص ۳۸۲ کتاب الوصایا)

یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے فتوحات عجم کی بشارت تھی۔ کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کا سپہ سالار بن کر ایران پر فوج کشی کی اور چند سال میں بڑے بڑے معرکوں کے بعد بادشاہ ایران کسریٰ کے تخت و تاج کو چھین لیا۔ اس طرح مسلمانوں کو ان کی ذات سے بڑا فائدہ اور کفار مجوس کو ان کی ذات سے نقصان عظیم پہنچا۔ ایران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتح ہوا اور اس لڑائی کا نقشہ جنگ خود امیر المومنین نے ماہرین جنگ کے مشوروں سے تیار فرمایا تھا۔

حجاز کی آگ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک حجاز کی زمین سے ایک ایسی آگ نہ نکلے جس کی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں نظر آئیں گی۔

(مسلم جلد ۲ ص ۳۹۳ کتاب الفتن)

اس غیب کی خبر کا ظہور ۶۵۴ھ میں ہوا چنانچہ حضرت امام نووی نے اس حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا کہ یہ آگ ہمارے زمانے میں ۶۵۴ھ میں مدینہ کے اندر ظاہر ہوئی یہ آگ اس قدر بڑی تھی کہ مدینہ کے مشرقی جانب سے لے کر "حرہ" کی پہاڑیوں تک پھیلی ہوئی تھی اس آگ کا حال ملک شام اور تمام شہروں میں تواتر کے طریقے پر معلوم ہوا ہے اور ہم سے اس شخص نے بیان کیا جو اس وقت مدینہ میں موجود تھا۔

(شرح مسلم نووی جلد ۲ ص ۳۹۳ کتاب الفتن)

اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ ۳۔ جمادی الآخرہ ۶۵۴ھ کو مدینہ منورہ میں ناگہاں ایک گھڑگھڑاہٹ کی آواز سنائی دینے لگی پھر نہایت ہی زوردار زلزلہ آیا جس کے جھٹکے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دو دن تک محسوس کیے جاتے رہے۔ پھر بالکل اچانک قبیلہ قریظہ کے قریب پہاڑوں میں ایک ایسی خوفناک آگ نمودار ہوئی جس کے بلند شعلے مدینہ سے ایسے نظر آ رہے تھے کہ گویا یہ آگ مدینہ منورہ کے گھروں میں لگی ہوئی ہے۔ پھر یہ آگ بہتے ہوئے نالوں کی طرح سیلاب کے مانند پھیلنے لگی اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ پہاڑیاں آگ بن کر بہتی چلی جا رہی ہیں اور پھر اس کے شعلے اس قدر بلند ہو گئے کہ آگ کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا اور آگ کے شرارے ہر چہار طرف فضاؤں میں اڑنے لگے۔ یہاں تک کہ اس آگ کی روشنی مکہ مکرمہ سے نظر آنے لگی۔ اور بہت سے لوگوں نے شہر بصریٰ میں رات کو اسی آگ کی روشنی میں اونٹوں کی گردنوں کو دیکھ لیا۔ اہل مدینہ آگ کے اس ہولناک منظر سے لرزہ براندام ہو کر دہشت اور گھبراہٹ کے عالم میں توبہ اور استغفار کرتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کے پاس پناہ لینے کے لیے مجتمع ہو گئے۔ ایک ماہ سے زائد عرصہ تک یہ آگ جلتی رہی۔ اور پھر خود بخود رفتہ رفتہ اس طرح بجھ گئی کہ اس کا کوئی نشان بھی باقی نہیں رہا

(تاریخ الخلفاء صد ۳۲۲)

فتنوں کے علمبردار

حضرت حذیفہ بن یمان صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی بھول گئے ہیں یا جانتے ہوئے انجان بن رہے ہیں۔ واللہ دنیا کے خاتمہ تک جتنے فتنوں کے ایسے قائدین ہیں جن کے متبعین کی تعداد تین سو یا اس سے زائد ہوں ان سب فتنوں کے علمبرداروں کا نام، ان کے باپوں کا نام، ان کے قبیلوں کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو بتا دیا ہے۔

(ابوداود، جلد ۲ صد ۲۳۱ کتاب الفتن)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے گمراہوں اور فتنوں کے ہزاروں لاکھوں سرداروں اور علمبرداروں کے نام مع ولدیت، وکونت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو بتا دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ علم غیب ہے۔ جو اللہ تعالے نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔

قیامت تک کے واقعات

مسلم شریف کی حدیث ہے حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو نماز فجر پڑھا کر منبر پر تشریف لے گئے اور ہم لوگوں کو خطبہ سناتے رہے۔ یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت آگیا۔ پھر آپ نے منبر سے اتر کر نماز ظہر ادا فرمائی۔ پھر خطبہ دینے میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا اس وقت آپ نے منبر سے اتر کر نماز عصر پڑھائی۔ پھر منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو اس دن بھر کے خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو تمام ان واقعات کی خبر دے دی جو قیامت تک ہونے والے تھے تو جس شخص نے جس قدر زیادہ اس خطبہ کو یاد رکھا وہ ہم صحابہ میں سب سے زیادہ علم والا ہے۔

(مشکوٰۃ جلد ۲ صد ۵۴۳)

ضروری انتباہ

مذکورہ بالا واقعات ان ہزاروں واقعات میں سے صرف چند ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی خبریں دی ہیں

بلاشبہ ہزاروں واقعات جو صحاح ستہ اور احادیث کی دوسری کتابوں میں ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں امت کو جھنجھوڑ کر متنبہ کر رہے ہیں کہ اول سے ابد تک کے تمام علوم غیبیہ کے خزانوں کو علام الغیوب جل جلالہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ نبوت میں ودیعت فرما دیا ہے۔ لہٰذا ہر امتی کو یہ عقیدہ رکھنا لازمی اور ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا ہے یہ عقیدہ قرآن مجید کی مقدس تعلیم کا وہ عطر ہے جس سے اہل سنت کی دنیا ئے ایمان معطر ہے۔ جیسا کہ خود خداوند عالم جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ (۴:۱۳)	اللہ نے آپ کو ہر اس چیز کا علم عطا فرما دیا جس کو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت ہی بڑا فضل ہے۔

(اس موضوع پر سیر حاصل بحث ہماری کتاب "قرآنی تقریریں" میں پڑھیے)

عالمِ جمادات کے معجزات

ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ حضور شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی حکمرانی کا پرچم عالم کائنات کی تمام مخلوقات پر لہرا چکا ہے۔ چنانچہ چند آسمانی معجزات کا تذکرہ تو ہم تحریر کر چکے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین پر ظاہر ہونے والے بے شمار معجزات کی چند مثالیں بھی تحریر کر دی جائیں تاکہ ناظرین کے ذہنوں میں اس حقیقت کی تجلی آفتاب کی طرح روشن ہو جائے کہ خدا کی مخلوقات میں کوئی ایسا عالم نہیں جہاں رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات و تصرفات کی سلطنت کا سکہ نہ چلتا ہو۔

چٹان کا بکھر جانا غزوہ خندق کے بیان میں ہم تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ صحابہ کرام مدینہ کے چاروں طرف کفار کے حملوں سے بچنے کے لیے خندق کھود رہے تھے اتفاق سے ایک بہت ہی سخت چٹان نکل آئی۔ صحابہ کرام

نے اپنی اجتماعی طاقت سے ہر چند اس کو توڑنا چاہا مگر وہ کسی طرح نہ ٹوٹ سکی۔ پھاوڑے اس پر پڑ پڑ کر اچٹ جاتے تھے جب لوگوں نے مجبور ہو کر خدمت اقدس میں یہ ماجرا عرض کیا تو آپ خود اٹھ کر تشریف لائے۔ اور پھاوڑا ہاتھ میں لے کر ایک ضرب لگائی تو وہ چٹان ریت کے بھر بھرے ٹیلوں کی طرح چور چور ہو کر بکھر گئی۔

(بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸ خندق)

اشارہ سے بتوں کا گر جانا

ہر شخص جانتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ فتح مکہ کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں تشریف لے گئے۔ اس وقت دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ اور آپ زبان اقدس سے یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے کہ۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (۱۷:۸۱)

حق آگیا اور باطل مٹ گیا یقیناً باطل مٹنے ہی کے قابل تھا۔

آپ اپنی چھڑی سے جس بت کی طرف اشارہ فرماتے تھے وہ بغیر چھوئے ہوئے فقط اشارہ کرتے ہی دھم سے زمین پر گر پڑتا تھا۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۲۹۰ و بخاری جلد ۲ ص ۶۱۴)

پہاڑوں کا سلام کرنا

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ایک طرف کو نکلا تو میں نے دیکھا کہ جو درخت اور پہاڑ بھی سامنے آتا ہے اس سے " اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ " کی آواز آتی ہے اور میں خود اس آواز کو اپنے کانوں سے سن رہا تھا۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۳ باب ما جاء فی آیات نبوۃ النبی)

اسی طرح حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ میں ایک پتھر ہے جو مجھ کو سلام کیا کرتا تھا میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں

(ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۳)

پہاڑ کا ہلنا

بخاری شریف کی یہ روایت چند اوراق پہلے ہم تحریر کر چکے ہیں کہ ایک

دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو لے کر احد پہاڑ پر چڑھے۔ پہاڑ (جوش مسرت میں) جھوم کر ہلنے لگا اس وقت آپ نے پہاڑ کو ٹھوکر مار کر یہ فرمایا کہ "ٹھہر جا" اس وقت تیری پشت پر ایک پیغمبر ہے اور ایک صدیق ہے اور دو (حضرت عمر و حضرت عثمان) شہید ہیں۔

(بخاری جلد ا صہ ۵۱۹ باب فضل ابی بکر)

مٹھی بھر خاک کا شاہکار

مسلم شریف کی حدیث میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ حنین میں جب کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو آپ اپنی سواری سے اتر پڑے اور زمین سے ایک مٹھی مٹی لے کر کفار کے چہروں پر پھینکا۔ اور "شاھت الوجوہ" فرمایا تو کافروں کے لشکر میں کوئی ایک انسان بھی باقی نہیں رہا جس کی دونوں آنکھیں اسی مٹی سے نہ بھر گئی ہوں۔ چنانچہ وہ سب اپنی اپنی آنکھیں ملتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے اور شکست کھا گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اموال غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ (مشکوٰۃ جلد ۲ صہ ۵۳۲ باب المعجزات)

اسی طرح ہجرت کی رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کاشانہ نبوت کا محاصرہ کرنے والے کافروں پر جب ایک مٹھی خاک پھینکی۔ تو یہ مٹھی بھر مٹی تمام کافروں کے سروں پر پڑ گئی۔ (مدارج جلد ۲ صہ ۵۷)

تبصرہ

مذکورہ بالا پانچوں مستند واقعات گواہی دے رہے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات و تصرفات کی حکمرانی عالم جمادات پر بھی ہے اور عالم جمادات کی ہر ہر چیز جانتی پہچانتی اور مانتی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں اور آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کو عالم جمادات کا ہر ہر فرد اپنے لیے لازم الایمان اور واجب العمل جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا اشارہ پا کر کنکریوں نے کلمہ پڑھا آپ کے دست مبارک میں سنگریزوں نے خدا کی تسبیح پڑھی۔ آپ کی دعا پر دیواروں نے "آمین" کہا۔ (دلائل النبوت و شفاء جلد ا صہ ۲۰۱ تا صہ ۲۰۲)

عالم نباتات کے معجزات

خوشہ درخت سے اُتر پڑا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک اعرابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے یہ کیونکر یقین ہو کہ آپ خدا کے پیغمبر ہیں آپ نے فرمایا کہ اس کھجور کے درخت پر جو خوشہ لٹک رہا ہے اگر میں اس کو اپنے پاس بلاؤں اور وہ میرے پاس آجائے تو کیا تم میری نبوت پر ایمان لاؤ گے؟ اس نے کہا کہ ہاں بے شک میں آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر ضرور آپ کو خدا کا رسول مان لوں گا آپ نے کھجور کے اس خوشہ کو بلایا۔ تو وہ فوراً ہی چل کر درخت سے اترا اور آپ کے پاس آگیا پھر آپ نے حکم دیا تو وہ واپس جا کر درخت میں اپنی جگہ پر پیوست ہو گیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر وہ اعرابی فوراً ہی دامن اسلام میں آگیا۔

(ترمذی جلد ۲ صـ۲۰۳ باب ما جاء فی آیات نبوۃ النبی الخ)

درخت چل کر آیا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے ایک اعرابی آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس اعرابی نے سوال کیا کہ کیا آپ کی نبوت پر کوئی گواہ بھی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں یہ درخت جو میدان کے کنارے پر ہے میری نبوت کی گواہی دے گا چنانچہ آپ نے اس درخت کو بلایا اور وہ فوراً ہی زمین چیرتا ہوا اپنی جگہ سے چل کر بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو گیا۔ اور اس نے بہ آواز بلند تین مرتبہ آپ کی نبوت کی گواہی دی۔ پھر آپ نے اس کو اشارہ فرمایا تو وہ درخت زمین میں چلتا ہوا اپنی جگہ پر چلا گیا۔

محدث بزار و امام بیہقی و امام بغوی نے اس حدیث میں یہ روایت بھی تحریر فرمائی ہے کہ اس درخت نے بارگاہ اقدس میں آکر ”السلام علیک یا رسول اللہ“ کہا اعرابی

یہ معجزہ دیکھتے ہی مسلمان ہو گیا اور جوش عقیدت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں خدا کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ یہ فرما کر آپ نے اس کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ پھر اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے دست مبارک اور مقدس پاؤں کو بوسہ دوں آپ نے اس کو اس کی اجازت دے دی چنانچہ اس نے آپ کے مقدس ہاتھ، اور مبارک پاؤں کو والہانہ عقیدت کے ساتھ چوم لیا۔

(زرقانی جلد ۵ ص ۱۲۸ تا ص ۱۳۱)

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سفر میں ایک منزل پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء فرمانے کے لیے میدان میں تشریف لے گئے۔ مگر کہیں کوئی آڑ کی جگہ نظر نہیں آئی ہاں البتہ اس میدان میں دو درخت نظر آئے جو ایک دوسرے سے کافی دوری پر تھے۔ آپ نے ایک درخت کی شاخ پکڑ کر چلنے کا حکم دیا تو وہ درخت اس طرح آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا جس طرح مہار والا اونٹ مہار پکڑنے والے کے ساتھ چلنے لگتا ہے۔ پھر آپ نے دوسرے درخت کی ٹہنی تھام کر اس کو بھی چلنے کا اشارہ فرمایا تو وہ بھی چل پڑا۔ اور دونوں درخت ایک دوسرے سے مل گئے اور آپ نے اس کی آڑ میں اپنی حاجت رفع فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا تو وہ دونوں درخت زمین چیرتے ہوئے چل پڑے اور اپنی اپنی جگہ پر پہنچ کر جا کھڑے ہوئے

(زرقانی جلد ۵ ص ۱۳۱ تا ص ۱۳۲)

انتباہ یہی وہ معجزہ ہے جس کو حضرت علامہ بوصیری علیہ الرحمۃ نے اپنے قصیدہ بردہ میں تحریر فرمایا کہ ؎

جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْأَشْجَارُ سَاجِدَةً

تَمْشِي إِلَيْهِ عَلَىٰ سَاقٍ بِلَا قَدَمٖ

یعنی آپ کے بلانے پر درخت سجدہ کرتے ہوئے، اور بلا قدم کے اپنی پنڈلی سے چلتے ہوئے آپ کے پاس حاضر ہوتے نیز پہلی حدیث سے ثابت ہوا کہ دیندار بزرگوں، مثلاً

علماء و مشائخ کی تعظیم کے لیے ان کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینا جائز ہے چنانچہ حضرت امام نووی نے اپنی کتاب "اذکار" میں۔ اور ہم نے اپنی کتاب "نوادر الحدیث" میں اس مسئلہ کو مفصل تحریر کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چھڑی روشن ہوگئی

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دو صحابی حضرت اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما اندھیری رات میں بہت دیر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتے رہے۔ جب یہ دونوں بارگاہ رسالت سے اپنے گھروں کے لیے روانہ ہوئے تو ایک کی چھڑی ناگہاں خود بخود روشن ہوگئی اور وہ دونوں اسی چھڑی کی روشنی میں چلتے رہے۔ جب کچھ دور چل کر دونوں کے گھروں کا راستہ الگ الگ ہوگیا تو دوسرے کی چھڑی بھی روشن ہوگئی۔ اور دونوں اپنی اپنی چھڑیوں کی روشنی کے سہارے سخت اندھیری رات میں اپنے اپنے گھروں تک پہنچ گئے۔

(مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۵۴۴ و بخاری جلد ا ص ۵۳۷)

اسی طرح امام احمد نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی رات سخت اندھیری تھی۔ اور آسمان پر گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ بوقت روانگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے انہیں درخت کی ایک شاخ عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم بلا خوف و خطر اپنے گھر جاؤ۔ یہ شاخ تمہارے ہاتھ میں ایسی روشن ہو جائے گی کہ دس آدمی تمہارے آگے اور دس آدمی تمہارے پیچھے اس کی روشنی میں چل سکیں اور جب تم گھر پہنچو گے تو ایک کالی چیز کو دیکھو گے اس کو مار کر گھر سے نکال دینا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جوں ہی حضرت قتادہ کاشانہ نبوت سے نکلے وہ شاخ روشن ہوگئی اور وہ اسی کی روشنی میں چل کر اپنے گھر پہنچ گئے اور دیکھا کہ وہاں ایک کالی چیز موجود ہے آپ نے فرمان نبوت کے مطابق اس کو مار کر گھر سے باہر نکال دیا۔

(الکلام المبین فی آیات رحمۃ للعالمین ص ۱۱۶)

لکڑی کی تلوار جنگ بدر کے دن حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک درخت کی ٹہنی دے کر فرمایا کہ "تم اس سے جنگ کرو" وہ ٹہنی ان کے ہاتھ میں آتے ہی ایک نہایت نفیس اور بہترین تلوار بن گئی جس سے وہ عمر بھر تمام لڑائیوں میں جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وہ شہادت سے سرفراز ہو گئے

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار جنگ احد کے دن ٹوٹ گئی تھی۔ تو ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور کی شاخ دے کر ارشاد فرمایا کہ "تم اس سے لڑو" وہ حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آتے ہی ایک براق تلوار بن گئی۔ حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی اس تلوار کا نام "عرجون" تھا۔ یہ خلفاء بنو العباس کے دور حکومت تک باقی رہی۔ یہاں تک کہ خلیفہ معتصم باللہ کے ایک امیر نے اس تلوار کو بائیس دینار میں خریدا۔ اور حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کا نام "عون" تھا۔ یہ دونوں تلواریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آپ کے تصرفات کی یادگار تھیں۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۱۲۲)

رونے والا ستون مسجد نبوی میں پہلے منبر نہیں تھا۔ کھجور کے تنہ کا ایک ستون تھا۔ اسی سے ٹیک لگا کر آپ خطبہ پڑھا کرتے تھے جب ایک انصاری عورت نے ایک منبر بنوا کر مسجد نبوی میں رکھا تو آپ نے اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا شروع کر دیا۔ ناگہاں اس ستون سے بچوں کی طرح رونے کی آواز آنے لگی اور بعض روایات میں آیا ہے کہ اونٹنیوں کی طرح بلبلانے کی آواز آئی۔ یہ راویان حدیث کے مختلف ذوق کی بنا پر رونے کی مختلف تشبیہیں ہیں۔ راویوں کا مقصود یہ ہے کہ درد فراق سے بلبلا کر اور بے قرار ہو کر ستون زار زار رونے لگا۔ اور بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ستون اس قدر زور زور سے رونے لگا کہ قریب تھا کہ جوش گریہ سے پھٹ جائے اور اس رونے کی آواز کو مسجد نبوی کے تمام مصلیوں نے اپنے کانوں سے سنا ستون کی گریہ وزاری کو سن کر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر کر آئے اور ستون پر تسکین

دینے کے لیے اپنا مقدس ہاتھ رکھ دیا اور اس کو اپنے سینہ سے لگا لیا تو وہ ستون اس طرح ہچکیاں لے لے کر رونے لگا جس طرح رونے والے بچے کو جب چپ کرایا جاتا ہے تو وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگتا ہے۔ بالآخر جب آپ نے ستون کو اپنے سینہ سے چمٹا لیا تو وہ سکون پاکر خاموش ہو گیا۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ ستون کا یہ رونا اس بنا پر تھا کہ یہ پہلے خدا کا ذکر سنتا تھا۔ اب جو نہ سنا تو رونے لگا۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۸۱ باب النجار و صفحہ ۵۰۶ باب علامات النبوۃ)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ستون کو اپنے سینہ سے لگا کر یہ فرمایا کہ اے ستون! اگر تو چاہے تو میں تجھ کو پھر اسی جگہ پر پہنچا دوں جہاں تو پہلے تھا تاکہ تو پہلے کی طرح ہرا بھرا درخت ہو جائے اور ہمیشہ پھلتا پھولتا رہے اور اگر تیری خواہش ہو تو میں تجھ کو باغ بہشت کا ایک درخت بنا دینے کے لیے خدا سے دعا کر دوں۔ تاکہ جنت میں خدا کے اولیاء تیرا پھل کھاتے رہیں یہ سن کر ستون نے اتنی بلند آواز سے جواب دیا کہ آس پاس کے لوگوں نے بھی سن لیا ستون کا جواب یہ تھا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری یہی تمنا ہے کہ میں جنت کا ایک درخت بنا دیا جاؤں تاکہ خدا کے اولیاء میرا پھل کھاتے رہیں اور مجھے حیات جاودانی مل جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ستون! میں نے تیری اس آرزو کو منظور کر لیا پھر آپ نے سامعین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے لوگو! دیکھو۔ اس ستون نے دار الفناء کی زندگی کو ٹھکرا کر دار البقاء کی حیات کو اختیار کر لیا۔ (شفاء شریف جلد ۱ صفحہ ۲۰۰)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے ستون کو اپنے سینہ سے لگا کر ارشاد فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ کہ اگر میں اس ستون کو اپنے سینہ سے نہ چمٹاتا تو یہ قیامت تک روتا ہی رہتا۔

واضح رہے کہ گریہ ستون کا یہ معجزہ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں گیارہ صحابیوں سے منقول ہے جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) جابر بن عبداللہ (۲) ابی ابن کعب (۳) انس بن مالک (۴) عبداللہ بن عمر (۵) عبداللہ بن عباس (۶) سہل بن سعد (۷) ابو سعید خدری (۸) بریدہ (۹) ام سلمہ (۱۰) مطلب بن ابی وداعہ (۱۱) عائشہ رضی اللہ عنہم پھر دور صحابہ کے بعد بھی ہر زمانے میں راویوں

کی ایک جماعت کثیرہ اس حدیث کو روایت کرتی رہی۔ یہاں تک کہ علامہ قاضی عیاض اور علامہ تاج الدین سبکی نے فرمایا کہ گریہ ستون کی حدیث "خبر متواتر" ہے۔

(شفاء شریف جلد ۱ ص ۱۹۹ والکلام المبین ص ۱۱۶)

اس ستون کے بارے میں ایک روایت ہے کہ آپ نے اس کو اپنے منبر کے نیچے دفن فرما دیا۔ اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ آپ نے اس کو مسجد نبوی کی چھت میں لگا دیا۔ ان دونوں روایتوں میں شارحین حدیث نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دفن فرما دیا پھر اس خیال سے کہ یہ لوگوں کے قدموں سے پامال ہوگا۔ لہٰذا اس کو زمین سے نکال کر چھت میں لگا دیا۔ اس طرح زمین میں دفن کرنے اور چھت میں لگانے کی دونوں روایتیں دو وقتوں میں ہونے کے لحاظ سے دونوں درست ہیں واللہ اعلم

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب تعمیر جدید کے لیے مسجد نبوی منہدم کی گئی اور یہ ستون چھت سے نکالا گیا۔ تو اس کو مشہور صحابی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک مقدس تبرک سمجھ کر اٹھا لیا۔ اور اس کو اپنے پاس رکھ لیا۔ یہاں تک کہ یہ بالکل ہی کہنہ اور پرانا ہو کر چور چور ہو گیا۔

اس ستون کو دفن کرنے کے بارے میں علامہ زرقانی نے یہ نکتہ تحریر فرمایا ہے کہ اگرچہ یہ خشک لکڑی کا ایک ستون تھا مگر یہ درجات و مراتب میں ایک مرد مومن کے مثل قرار دیا گیا۔ کیونکہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشق و محبت میں رو یا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت کا برتاؤ یہ ایمان والوں ہی کا خاصہ ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

(شفاء شریف جلد ۱ ص ۲۰۰ و زرقانی جلد ۵ ص ۱۳۵)

عالم حیوانات کے معجزات

جانوروں کا سجدہ کرنا احادیث کی اکثر کتابوں میں چند الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے کہ ایک انصاری کا اونٹ بگڑ گیا تھا اور

وہ کسی کے قابو میں نہیں آتا تھا۔ بلکہ لوگوں کو کاٹنے کے لیے حملہ کیا کرتا تھا۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا۔ آپ نے خود اس اونٹ کے پاس جانے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے آپ کو روکا۔ کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اونٹ لوگوں کو دوڑ کر کتے کی طرح کاٹ کھاتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا "مجھے اس کا کوئی خوف نہیں ہے"۔ یہ کہہ کر آپ آگے بڑھے تو اونٹ نے آپ کے سامنے آکر اپنی گردن ڈال دی اور آپ کو سجدہ کیا آپ نے اس کے سر اور گردن پر اپنا دست شفقت پھیر دیا تو وہ بالکل ہی نرم پڑ گیا۔ اور فرمانبردار ہو گیا اور آپ نے اس کو پکڑ کر اس کے مالک کے حوالہ کر دیا۔ پھر یہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی ہر مخلوق جانتی اور مانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن جنوں اور انسانوں میں سے جو کفار ہیں۔ وہ میری نبوت کا اقرار نہیں کرتے صحابہ کرام نے اونٹ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب جانور آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم انسانوں کو تو سب سے پہلے آپ کو سجدہ کرنا چاہیئے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اگر کسی انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ (زرقانی جلد ۵ صفحہ ۱۳۱ تا صفحہ ۱۳۲ و مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۵۴۰ باب المعجزات)

بارگاہ رسالت میں اونٹ کی فریاد

ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اونٹ کھڑا ہوا زور زور سے جبلا رہا تھا جب اس نے آپ کو دیکھا تو ایک دم بلبلانے لگا۔ اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے قریب جا کر اس کے سر اور کنپٹی پر اپنا دست شفقت پھیرا تو وہ تسلی پا کر بالکل خاموش ہو گیا۔ پھر آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا۔ آپ نے فوراً ان کو بلوایا اور فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے ان جانوروں کو تمہارے قبضہ میں دے کر ان کو تمہارا محکوم بنا دیا ہے۔ لہٰذا تم لوگوں پر لازم ہے کہ تم ان جانوروں پر رحم کیا کرو تمہارے اس اونٹ نے مجھ سے تمہاری شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام لے کر اس کو تکلیف دیتے ہو۔

(ابوداؤد جلد ۱ ص ۵۲ مجتبائی)

بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک نوعمر لڑکا تھا اور مکہ میں کافروں کے سردار عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا میرے پاس سے گزر ہوا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے لڑکے اگر تمہاری بکریوں کے تھنوں میں دودھ ہو تو ہمیں بھی دودھ پلاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ میں ان بکریوں کا مالک نہیں ہوں۔ بلکہ ان کا چرواہا ہونے کی حیثیت سے امین ہوں۔ میں بھلا بغیر مالک کی اجازت کے کس طرح ان بکریوں کا دودھ کسی کو پلا سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ کیا تمہاری بکریوں میں کوئی بچہ بھی ہے میں نے کہا کہ جی ہاں آپ نے فرمایا اس بچے کو میرے پاس لاؤ میں لے آیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس بچے کی ٹانگوں کو پکڑ لیا اور آپ نے اسکے تھن کو اپنا مقدس ہاتھ لگا دیا تو اسکا تھن دودھ سے بھر گیا پھر ایک گہرے پتھر میں آپ نے اس کا دودھ دوہا۔ پہلے خود پیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق کو پلایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد مجھ کو بھی پلایا پھر آپ نے اس بکری کے تھن میں ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے تھن! تو سمٹ جا چنانچہ فوراً ہی اس کا تھن سمٹ کر خشک ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اس معجزہ کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ اور میں نے عرض کیا کہ آپ پر آسمان سے جو کلام نازل ہوا ہے مجھے بھی سکھا دیجئے آپ نے فرمایا کہ تم ضرور سیکھو۔ تمہارے اندر سیکھنے کی صلاحیت ہے چنانچہ میں نے اپنی زبان مبارک سے سن کر قرآن مجید کی ستر سورتیں یاد کر لیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میرے اسلام قبول کرنے میں اس معجزہ کو بہت بڑا دخل ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۲)

تبلیغ اسلام کرنے والا بھیڑیا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بھیڑیے نے ایک بکری کو پکڑ لیا۔ لیکن بکریوں کے چرواہے نے بھیڑیے پر حملہ کر کے اس سے بکری کو چھین لیا۔ بھیڑیا بھاگ کر ایک ٹیلے پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اے چرواہے! اللہ تعالیٰ نے مجھ کو رزق دیا تھا مگر تو نے اس کو مجھ سے چھین لیا۔ چرواہے نے یہ سن کر کہا کہ خدا کی قسم! میں نے آج سے زیادہ

کبھی کوئی حیرت انگیز اور تعجب خیز منظر نہیں دیکھا کہ ایک بھیڑیا عربی زبان میں مجھ سے کلام کرتا ہے۔ بھیڑیا کہنے لگا کہ اے چرواہے! اس سے کہیں زیادہ عجیب بات تو یہ ہے کہ تم یہاں بکریاں چرا رہا ہے۔ اور تو اس نبی کو چھوڑے اور ان سے منہ موڑے ہوئے بیٹھا ہے جن سے زیادہ بزرگ اور بلند مرتبہ کوئی نبی نہیں آیا۔ اس وقت جنت کے تمام دروازے کھلے ہوئے ہیں اور تمام اہل جنت اس نبی کے ساتھیوں کی شان جہاد کا منظر دیکھ رہے ہیں۔ اور تیرے اور اس نبی کے درمیان بس ایک گھاٹی کا فاصلہ ہے کاش تو بھی اس نبی کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ کے لشکروں کا ایک سپاہی بن جاتا۔ چرواہے نے اس گفتگو سے متاثر ہو کر کہا کہ اگر میں یہاں سے چلا گیا تو میری بکریوں کی حفاظت کون کرے گا؟ بھیڑیے نے جواب دیا کہ تیرے لوٹنے تک میں خود تیری بکریوں کی نگہبانی کروں گا۔ چنانچہ چرواہے نے اپنی بکریوں کو بھیڑیے کے سپرد کر دیا۔ اور خود بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا اور واقعی بھیڑیے کے کہنے کے مطابق اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو جہاد میں مصروف پایا پھر چرواہے نے بھیڑیے کے کلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم جاؤ تم اپنی سب بکریوں کو زندہ و سلامت پاؤ گے چنانچہ چرواہا جب لوٹا تو یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بھیڑیا اس کی بکریوں کی حفاظت کر رہا ہے۔ اور اس کی کوئی بکری بھی ضائع نہیں ہوئی ہے چرواہے نے خوش ہو کر بھیڑیے کے لیے ایک بکری ذبح کر کے پیش کر دی۔ اور بھیڑیا اس کو کھا کر چل دیا۔

(زرقانی جلد ۵ ص ۱۳۵ تا ص ۱۳۶)

اعلان ایمان کرنے والی گوہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی سلیم کا ایک اعرابی ناگہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی محفل کے پاس سے گزرا آپ اپنے اصحاب کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ یہ اعرابی جنگل سے ایک گوہ پکڑ کر لا رہا تھا۔ اعرابی نے آپ کے بارے میں لوگوں سے سوال کیا کہ وہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں اعرابی یہ سن کر آپ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے لات و عزیٰ کی قسم ہے کہ میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا۔ جب تک میری یہ گوہ آپ کی نبوت پر ایمان نہ لائے۔ یہ کہہ کر اس نے گوہ کو آپ

کے سامنے ڈال دیا۔ آپ نے گوہ کو پکارا تو اس نے "لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ"
اتنی بلند آواز سے کہا کہ تمام حاضرین نے سن لیا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ تیرا معبود کون ہے؟ گوہ
نے جواب دیا کہ میرا معبود وہ ہے کہ اس کا عرش آسمان میں ہے اور اس کی بادشاہی زمین میں ہے
اور اس کی رحمت جنت میں ہے اور اس کا عذاب جہنم میں ہے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ اے گوہ!
یہ بتا کہ میں کون ہوں؟ گوہ نے بلند آواز سے کہا کہ آپ رب العالمین کے رسول ہیں اور خاتم النبیین
ہیں جس نے آپ کو سچا مانا وہ کامیاب ہو گیا۔ اور جس نے آپ کو جھٹلایا وہ نامراد ہو گیا یہ منظر
دیکھ کر اعرابی اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً ہی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ!
(صلی اللہ علیہ وسلم) میں جس وقت آپ کے پاس آیا تھا تو میری نظر میں روئے زمین پر آپ
سے زیادہ ناپسند کوئی آدمی نہیں تھا لیکن اس وقت میرا یہ حال ہے کہ آپ میرے نزدیک میری
اولاد بلکہ میری جان سے بھی زیادہ پیارے ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے لیے حمد ہے
جس نے تجھ کو ایسے دین کی ہدایت دی جو ہمیشہ غالب رہے گا۔ اور کبھی مغلوب نہیں ہو گا۔
پھر آپ نے اس کو سورۂ فاتحہ اور سورہ اخلاص کی تعلیم دی۔ اعرابی قرآن کی ان دو سورتوں
کو سن کر کہنے لگا کہ میں نے بڑے بڑے فصیح و بلیغ، طویل و مختصر ہر قسم کے کلاموں کو سنا
ہے مگر خدا کی قسم! میں نے آج تک اس سے بڑھ کر اور اس سے بہتر کلام کبھی نہیں سنا پھر آپ
نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ یہ قبیلہ بنی سلیم کا ایک مفلس انسان ہے تم لوگ اس کی مالی امداد کر دو
یہ سن کر بہت سے لوگوں نے اس کو بہت کچھ دیا۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمن ابن عوف
نے اس کو دس گابھن اونٹنیاں دیں۔ یہ اعرابی تمام مال و سامان کو ساتھ لے کر جب اپنے گھر
کی طرف چلا تو راستے میں دیکھا کہ اس کی قوم بنی سلیم کے ایک ہزار سوار نیزہ اور تلوار لیے ہوئے
چلے آرہے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے ہیں؟ اور کس ارادہ سے چلے ہو؟ سواروں
نے جواب دیا کہ ہم لوگ اس شخص سے لڑنے کے لیے جا رہے ہیں جو یہ گمان کرتا ہے۔ کہ
وہ نبی ہے اور ہمارے دیوتاؤں کو برا بھلا کہتا ہے۔ یہ سن کر اعرابی نے بلند آواز سے کلمہ
پڑھا اور اپنا سارا واقعہ ان سواروں سے بیان کیا۔ ان سواروں نے جب اعرابی کی زبان
سے اس کا ایمان افروز بیان سنا تو سب نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

پڑھا۔ پھر سب کے سب بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر تیزی کے ساتھ ان لوگوں کے استقبال کے لیے کھڑے ہوئے کہ آپ کی چادر آپ کے جسم اطہر سے گر پڑی۔ اور یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہوئے اپنی اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم آپ کے ہر حکم کی فرمانبرداری کریں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ حضرت خالد بن الولید کے جھنڈے کے نیچے جہاد کرتے رہو۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بنی سلیم کے سوا کوئی قبیلہ بھی ایسا نہیں تھا۔ جس کے ایک ہزار آدمی بیک وقت مسلمان ہوئے ہوں۔ اس حدیث کو طبرانی و بیہقی و حاکم و ابن عدی جیسے بڑے بڑے محدثین نے روایت کیا ہے۔ (زرقانی جلد ۵ ص۱۴۵ تا ص۱۴۹)

انتباہ اس قسم کے سیکڑوں معجزات ہیں سے یہ چند واقعات اس بات کی سورج سے زیادہ روشن دلیلیں ہیں کہ روئے زمین کے تمام حیوانات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے پہچانتے اور مانتے ہیں کہ آپ نبی آخر الزمان، خاتم پیغمبراں ہیں۔ اور یہ سب کے سب آپ کی مدح وثنا کے خطیب، اور آپ کی مقدس دعوت اسلام کے نقیب ہیں اور یہ سب آپ کے امر و نہی کی حکمرانی، اور آپ کے اقتدار و تصرفات کی سلطانی کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کے ہر فرمان کو اپنے لیے واجب الایمان اور لازم العمل سمجھتے ہیں اور آپ کے اعزاز و اکرام، اور آپ کی تعظیم و احترام کو اپنے لیے سرمایہ حیات تصور کرتے ہیں۔ کاش اس زمانے کے مسلم نما کلمہ پڑھنے پڑھانے والے انسان ان بے زبان جانوروں سے تعظیم و احترام رسول کا سبق سیکھتے اور دل و جان سے اس روشن حقیقت پر دھیان دیتے کہ ؎

اپنے مولیٰ کی ہے بس شانِ عظیم / جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم / پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں
ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد، ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد
اسی در پہ شتران ناشاد، گلہ رنج و عنا کرتے ہیں۔ (اعلیحضرت قدس سرہ)

عالم انسانیت کے معجزات

تھوڑی چیز زیادہ ہو گئی

تمام دنیا جانتی ہے کہ مسلمانوں کا ابتدائی زمانہ بہت ہی فقر و فاقہ میں گزرا ہے کئی کئی دن گزر جاتے تھے کہ ان لوگوں کو کوئی چیز کھانے کے لیے نہیں ملتی تھی۔ ایسی حالت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ان فاقہ زدہ مسلمانوں کی نصرت و دستگیری نہ کرتا تو بھلا ان مفلس اور فاقہ مست مسلمانوں کا کیا حال ہوتا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے آسمان سے اترنے والے دستر خوان کی سات روٹیوں اور سات مچھلیوں سے کئی سو آدمیوں کو شکم سیر کر دیا۔ یقیناً یہ ان کا بہت ہی عظیم الشان معجزہ ہے جس کا ذکر انجیل و قرآن دونوں مقدس آسمانی کتابوں میں مذکور ہے۔ لیکن حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے سیکڑوں مرتبہ اس قسم کی معجزانہ برکتوں کا ظہور ہوا کہ تھوڑا سا کھانا پانی سیکڑوں بلکہ ہزاروں انسانوں کو شکم سیر اور سیراب کرنے کے لیے کافی ہو گیا اس قسم کے سیکڑوں معجزات میں سے مندرجہ ذیل چند معجزات آپ کے معجزانہ تصرفات کی آیات بینات بن کر احادیث کی کتابوں میں اس طرح چمک رہے ہیں جس طرح آسمان پر اندھیری راتوں میں ستارے چمکتے اور جگمگاتے رہتے ہیں۔

اُمِ سُلیم کی روٹیاں

ایک دن حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں آئے اور اپنی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزور آواز سے یہ محسوس کیا کہ آپ بھوکے ہیں۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جو کی چند روٹیاں دوپٹے میں لپیٹ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیج دیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب بارگاہ نبوت میں پہنچے تو آپ مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا ابو طلحہ نے تمہارے ہاتھ کھانا بھیجا ہے؟ انہوں نے کہا کہ "جی ہاں" یہ سن کر آپ اپنے اصحاب کے ساتھ اٹھے اور حضرت ابو طلحہ کے مکان پر تشریف لائے حضرت انس رضی اللہ

عنہ نے دوڑ کر بی بی ام سلیم کو یہ خبر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جماعت کے ساتھ ہمارے گھر پر تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے مکان سے نکل کر نہایت ہی گرم جوشی کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے تشریف لا کر حضرت بی بی اُم سلیم رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو لاؤ۔ انہوں نے وہی چند روٹیاں پیش کر دیں جن کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بارگاہ رسالت میں بھیجا تھا۔ آپ کے حکم سے ان روٹیوں کا چورہ بنا یا گیا اور حضرت بی بی ام سلیم نے اس چورہ پر بطور سالن کے گھی ڈال دیا۔ ان چند روٹیوں میں آپ کے معجزانہ تصرفات سے اس قدر برکت ہوئی کہ آپ دس دس آدمیوں کو مکان کے اندر بلا بلا کر کھلاتے رہے اور وہ لوگ خوب شکم سیر ہو کر کھاتے اور جاتے رہے یہاں تک کہ ستر یا اسی آدمیوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھا لیا۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۰۵ علامات النبوۃ و بخاری جلد ۲ ص ۹۸۹)

حضرت جابر کی کھجوریں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد یہودیوں کے قرضدار تھے اور جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے والد نے اپنے اوپر قرض چھوڑ کر وفات پائی ہے۔ اور کھجوروں کے سوا میرے پاس قرض ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں ہے صرف کھجوروں کی پیداوار سے کئی برس تک یہ قرض ادا نہیں ہو سکتا۔ آپ میرے باغ میں تشریف لے چلیں تاکہ آپ کے ادب سے یہودی اپنا قرض وصول کرنے میں مجھ پر سختی نہ کریں۔ چنانچہ آپ باغ میں تشریف لائے اور کھجوروں کا جو ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اس کے گرد چکر لگا کر دعا فرمائی اور خود کھجوروں کے ڈھیر پر بیٹھ گئے۔ آپ کے معجزانہ تصرف اور دعا کی تاثیر سے ان کھجوروں میں اس قدر برکت ہوئی کہ تمام قرض ادا ہو گیا۔ اور جس قدر کھجوریں قرضداروں کی دی گئیں اتنی ہی بچ رہیں۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۰۵ علامات النبوۃ)

حضرت ابو ہریرہ کی تھیلی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر

ہوا تو آپ نے مجھے چند کھجوریں عطا فرمائیں تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کھجوروں میں برکت کی دعا فرما دیجیے۔ آپ نے ان کھجوروں کو اٹھا کر کے دعا برکت فرما دی۔ اور ارشاد فرمایا کہ تم ان کو اپنے توشہ دان میں رکھ لو اور تم جب چاہو ہاتھ ڈال کر اس میں سے نکالتے رہو۔ لیکن کبھی توشہ دان جھاڑ کر بالکل خالی نہ کر دینا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تیس برس تک ان کھجوروں کو کھاتے اور کھلاتے رہے۔ بلکہ کئی من اس میں سے خیرات بھی کر چکے، مگر وہ ختم نہ ہوئیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ اس تھیلی کو اپنی کمر سے باندھے رہتے تھے یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن وہ تھیلی ان کی کمر سے کٹ کر کہیں گر گئی۔

(مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۵۴۲ معجزات و ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۲ مناقب ابوہریرہ)

اس تھیلی کے ضائع ہونے کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو عمر بھر صدمہ اور افسوس رہا۔ چنانچہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن نہایت رقت انگیز اور درد بھرے لہجہ میں یہ شعر پڑھتے ہوئے چلتے پھرتے تھے کہ ؎

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِي هَمَّانِ بَيْنَهُمُ

هَمُّ الْجِرَابِ وَهَمُّ الشَّيْخِ عُثْمَانَا (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

لوگوں کے لیے ایک غم ہے اور میرے لیے دو غم ہیں۔ ایک تھیلی کا غم دوسرے شیخ عثمان رضی اللہ عنہ کا غم۔

ام مالک کا کپّہ حضرت ام مالک رضی اللہ عنہا کے پاس ایک کپّہ تھا جس میں وہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ میں گھی بھیجا کرتی تھیں اس کپے میں اتنی عظیم برکتوں کا ظہور رہا کہ جب بھی ام مالک رضی اللہ عنہا کے بیٹے سالن مانگتے تھے اور گھر میں کوئی سالن نہیں ہوتا تھا تو وہ اس کپے میں سے گھی نکال کر اپنے بیٹوں کو دے دیا کرتی تھیں۔ ایک مدت دراز تک وہ ہمیشہ اس کپے میں سے گھی نکال نکال کر اپنے گھر کا سالن بنایا کرتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے اس کپے کو نچوڑ کر بالکل ہی خالی کر دیا۔ جب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے اس کپے کو نچوڑ ڈالا؟ انہوں نے کہا

کہ "جی ہاں" آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس کپے کو نہ نچوڑتیں اور یوں ہی چھوڑ دیتیں تو ہمیشہ اس میں سے گھی نکلتا ہی رہتا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

(مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۵۴۲ باب المعجزات)

بابرکت پیالہ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ بھر کر کھانا تھا۔ ہم لوگ دس دس آدمی باری باری صبح سے شام تک اس پیالہ میں سے لگاتار کھاتے رہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایک ہی پیالہ تو کھانا تھا تو وہ کہاں سے بڑھتا رہتا تھا؟ (کہ لوگ اس قدر زیادہ تعداد میں دن بھر اس کو کھاتے رہے) تو انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "وہاں سے"

(ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۳ باب ماجاء فی آیات نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

تھوڑا توشہ عظیم برکت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو اشخاص کی جماعت کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ صحابہ کرام نے بھوک سے بے تاب ہو کر سواری کی اونٹنیوں کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ تمام لشکر والے اپنا اپنا توشہ ایک دستر خوان پر جمع کریں چنانچہ جس کے پاس جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا تو تمام سامان اتنی جگہ میں آگیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی۔ لیکن چودہ سو آدمیوں نے اس میں سے شکم سیر ہو کر کھا بھی لیا۔ اور اپنے اپنے توشہ دانوں کو بھی بھر لیا۔ کھانے کے بعد آپ نے پانی مانگا۔ ایک صحابی ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے۔ آپ نے اس کو پیالہ میں انڈیل دیا۔ اور اپنا دست مبارک اس میں ڈال دیا۔ تو چودہ سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔ (مسلم جلد ۲ ص ۸۱ باب استحباب خلط الازواد)

برکت والی کلیجی

ایک سفر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سو تیس صحابہ کرام ہمراہ تھے۔ آپ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تم لوگوں کے پاس کھانے کا سامان ہے؟ یہ سن کر ایک شخص ایک صاع آٹا لایا۔ اور وہ گوندھا گیا پھر ایک بہت تندرست لمبا چوڑا کافر بکریاں ہانکتا ہوا آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے ایک بکری خریدی۔ اور ذبح کرنے کے بعد اس کی کلیجی کو بھوننے کا حکم دیا۔ پھر ایک سو تیس

آدمیوں میں سے ہر ایک کا اس کلیجی میں سے ایک ایک بوٹی کاٹ کر حصہ لگایا۔ اگر وہ حاضر تھا تو اس کو عطا فرما دیا۔ اور اگر وہ غائب تھا تو اس کا حصہ چھپا کر رکھ دیا۔ جب گوشت تیار ہوا تو اس میں سے دو پیالہ بھر کر الگ رکھ دیا۔ پھر باقی گوشت اور ایک صاع آٹے کی روٹی سے ایک سو تیس آدمیوں کی جماعت شکم سیر کھا کر آسودہ ہو گئی اور دو پیالہ بھر کر گوشت فاضل بچ گیا جس کو اونٹ پر لاد لیا گیا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۸۱۱ باب من اکل حتی شبع)

حضرت ابوہریرہ اور ایک پیالہ دودھ

ایک دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھوک سے نڈھال ہو کر راستے میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سامنے سے گزرے تو ان سے انہوں نے قرآن کی ایک آیت کو دریافت کیا مقصد یہ تھا کہ شاید وہ مجھے اپنے گھر لے جا کر کچھ کھلائیں گے مگر انہوں نے راستہ چلتے ہوئے آیت بتا دی۔ اور چلے گئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس راستہ سے نکلے۔ ان سے بھی انہوں نے ایک آیت کا مطلب پوچھا۔ غرض وہی تھی کہ وہ کچھ کھلا دیں گے۔ مگر وہ بھی آیت کا مطلب بتا کر چل دئیے اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت ابوہریرہ کے چہرہ کو دیکھ کر اپنی خداداد بصیرت سے جان لیا کہ "یہ بھوکے ہیں" آپ نے انہیں پکارا انہوں نے جواب دیا اور ساتھ ہو لیے جب آپ کاشانۂ نبوت میں پہنچے۔ تو گھر میں دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ دیکھا۔ گھر والوں نے آپ کو اس شخص کا نام بتلایا جس نے دودھ کا یہ ہدیہ بھیجا تھا آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جاؤ۔ اور تمام اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے دل میں سوچنے لگے کہ ایک ہی پیالہ تو دودھ ہے اس دودھ کا سب سے زیادہ حق دار تو میں تھا اگر مجھے مل جاتا تو مجھ کو بھوک کی تکلیف سے کچھ راحت مل جاتی۔ اب دیکھیے اصحاب صفہ کے آجانے کے بعد بھلا اس میں سے کچھ مجھے ملتا ہے یا نہیں؟ ان کے دل میں یہی خیالات چکر لگا رہے تھے۔ مگر اللہ و رسول کی اطاعت سے کوئی چارہ نہ تھا لہٰذا وہ اصحاب صفہ کو بلا کر لے گئے۔ یہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ ایک قطار میں بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ "تم خود ہی ان سب لوگوں کو یہ دودھ پلاؤ"

چنانچہ انہوں نے سب کو پلانا شروع کر دیا۔ جب سب کے سب شکم سیر پی کر سیراب ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست رحمت میں یہ پیالہ لے لیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ اب صرف ہم اور تم باقی رہ گئے ہیں۔ آؤ بیٹھو اور تم پینا شروع کر دو۔ انہوں نے پیٹ بھر دودھ پی کر پیالہ رکھنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ "اور پیو" چنانچہ انہوں نے پھر پیا۔ لیکن آپ بار بار فرماتے رہے کہ "اور پیو، اور پیو" یہاں تک کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اب میرے پیٹ میں بالکل ہی گنجائش نہیں رہی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جتنا دودھ بچ گیا تھا۔ آپ بسم اللہ کر کے پی گئے۔

(بخاری جلد ۲ ص ۹۵۵ تا ص ۹۵۶ باب کیف کان عیش النبی)

یہی وہ معجزہ ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ہے

کیوں جناب بوہریرہ کیسا تھا وہ جام شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا۔

شفاء امراض

آشوب چشم سے شفاء

ہم غزوہ خیبر کے بیان میں مفصل طور پر یہ معجزہ تحریر کر چکے ہیں کہ جب آپ نے فتح کا جھنڈا عطا فرمانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا تو معلوم ہوا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے اور مسند احمد بن حنبل کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ یہ آشوب چشم اتنا سخت تھا کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ان کا ہاتھ پکڑ کر لائے تھے۔ آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ اور دعا فرما دی تو وہ فوراً ہی شفایاب ہو گئے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی آنکھوں میں کبھی درد تھا ہی نہیں۔ اور وہ اسی وقت جھنڈا لے کر روانہ ہو گئے۔ اور جوش جہاد

ئیں بھرے ہوئے انتہائی جانبازی کے ساتھ جنگ کی۔ اور خیبر کا قلعہ ان کے دست حق پرست سے اسی دن فتح ہو گیا۔ (بخاری جلد ا ص ۵۲۵ مناقب علی بن ابی طالب)

سانپ کا زہر اُتر گیا واقعہ ہجرت میں ہم تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ جب غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں سانپ نے کاٹ لیا۔ اور درد وکرب کی شدت سے بے تاب ہو کر رو پڑے تو آپ نے ان کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے فوراً ہی درد جاتا رہا اور سانپ کا زہر اتر گیا۔

(زرقانی علی المواہب جلد ا ص ۳۳۹)

ٹوٹی ہوئی ٹانگ درست ہوگئی بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ جب ابورافع یہودی کو قتل کر کے واپس آنے لگے تو اس کے کوٹھے کے زینے سے گر پڑے جس سے ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور ان کے ساتھی ان کو اٹھا کر بارگاہ نبوت میں لائے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زبان سے ابورافع کے قتل کا سارا واقعہ سنا پھر ان کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر اپنا دست مبارک پھیر دیا تو وہ فوراً ہی اچھی ہوگئی۔ اور یہ معلوم ہونے لگا کہ ان کی ٹانگ میں کبھی کوئی چوٹ لگی ہی نہ تھی۔

(بخاری جلد ۲ ص ۵۷۷ باب قتل ابی رافع)

تلوار کا زخم اچھا ہو گیا غزوۂ خیبر میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا۔ وہ فوراً ہی بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے آپ نے ان کے زخم پر تین مرتبہ دم کر دیا۔ پھر انہیں درد کی کوئی شکایت محسوس نہیں ہوئی صرف زخم کا نشان رہ گیا تھا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۰۵ غزوہ خیبر)

اندھا بینا ہو گیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک اندھا حاضر ہوا۔ اور اپنی تکالیف بیان کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو میں دعا کر دوں۔ اور اگر چاہو تو صبر کرو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اس نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری بینائی کے لیے دعا فرما دیجیے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو کہ "خداوندا! اپنے رحمت والے پیغمبر کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کر دے" ترمذی اور حاکم کی روایت میں اتنا ہی مضمون ہے مگر ابن حنبل اور حاکم کی دوسری روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ اس نابینا نے ایسا کیا تو فوراً ہی اچھا ہو گیا۔ اور اس کی آنکھوں پر بھرپور روشنی آگئی۔

(مسند ابن حنبل جلد ۴ صہ ۱۳۸ او مستدرک جلد ا صہ ۵۲۶)

گونگا بولنے لگا

حجۃ الوداع کے موقع کے پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ "خثعم" کی ایک عورت اپنے بچے کو لے کر آئی اور کہنے لگی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ میرا اکلوتا بیٹا بولتا نہیں ہے۔ آپ نے پانی طلب فرمایا اور اس میں ہاتھ دھو کر کلی فرما دی۔ اور ارشاد فرمایا کہ یہ پانی اس بچے کو پلا دو۔ اور کچھ اس کے اوپر چھڑک دو۔ دوسرے سال وہ عورت آئی تو اس نے لوگوں سے بیان کیا کہ اس کا لڑکا اچھا ہو گیا اور بولنے لگا۔ (ابن ماجہ صہ ۲۶ باب النشرہ)

حضرت قتادہ کی آنکھ

جنگ احد میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں ایک تیر لگا جس سے ان کی آنکھ ان کے رخسار پر بہہ کر آگئی۔ یہ دوڑ کر حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے آپ نے فوراً ہی اپنے دست مبارک سے ان کی بہی ہوئی آنکھ کو آنکھ کے حلقہ میں رکھ کر اپنا مقدس ہاتھ پھیر دیا تو اسی وقت ان کی آنکھ اچھی ہو گئی۔ اور یہ آنکھ ان کی دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور روشن رہی۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو تمہاری آنکھ کو تمہارے حلقہ چشم میں رکھ دوں اور وہ اچھی ہو جائے اور اگر تم چاہو تو صبر کرو اور تمہیں اس کے بدلے میں جنت ملے گی۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جنت بلاشبہ بہت ہی بڑی نعمت ہے مگر مجھے کانا ہونا بہت برا معلوم ہوتا ہے اس لیے آپ میری آنکھ اچھی کر دیجیے اور میرے لیے جنت کی دعا بھی فرما دیجیے۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس جاں نثار پر پیار آگیا

اور آپ نے ان کی آنکھ کو حلقہ چشم میں رکھ کر ہاتھ پھیر دیا تو ان کی آنکھ بھی اچھی ہو گئی اور ان کے لیے جنتی ہونے کی دعا بھی فرما دی اور یہ دونوں نعمتوں سے سرفراز ہو گئے۔

(الکلام المبین ص۶۷ بحوالہ بیہقی)

فائدہ یہ معجزہ بہت ہی مشہور رہے اور حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہمیشہ اس بات کا تفاخر رہا کہ ان کے جد اعلیٰ کی آنکھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت سے اچھی ہو گئی۔ چنانچہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ جب خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبد العزیز اموی رضی اللہ عنہ کے دربار خلافت میں پہنچے تو انہوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنا یہ قطعہ پڑھا کہ ؎

أَنَا ابْنُ الَّذِي سَالَتْ عَلَى الْخَدِّ عَيْنُهُ

فَرُدَّتْ بِكَفِّ الْمُصْطَفٰى أَيُّمَا رَدِّ!

فَعَادَتْ كَمَا كَانَتْ لِأَوَّلِ أَمْرِهَا

فَيَا حُسْنَ مَا عَيْنٍ وَّيَا حُسْنَ مَا رَدِّ

یعنی میں اس شخص کا بیٹا ہوں کہ جس کی آنکھ اس کے رخسار پر بہ آئی تھی تو حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے وہ اپنی جگہ پر کیا ہی اچھی طرح سے رکھ دی گئی تو پھر وہ جیسی پہلے تھی ویسی ہی ہو گئی تو کیا ہی اچھی وہ آنکھ تھی اور کیا ہی اچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آنکھ کو اس کی جگہ رکھنا تھا۔ (الکلام المبین ص۸۹)

قے میں کالا پلا گرا ایک عورت اپنے بیٹے کو لے کر حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے اس بچے پر صبح و شام جنون کا دورہ پڑتا ہے۔ آپ نے اس بچے کے سینے پر اپنا دست رحمت پھیرا دیا اور دعا دی تو اس بچے کو ایک زوردار قے ہوئی۔ اور ایک کالے رنگ کا (کتے کا) پلا قے میں گرا جو دوڑتا پھر رہا تھا۔ اور بچہ شفایاب ہو گیا۔ (مشکوۃ جلد ۲ ص۵۴۱ معجزات)

جنون اچھا ہو گیا

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین معجزات دیکھے پہلا معجزہ یہ کہ ایک اونٹ کو دیکھا کہ اس نے بلبلا کر اپنی گردن آپ کے سامنے ڈال دی۔ آپ نے اس اونٹ کے مالک کو بلایا اور اس سے فرمایا کہ اس اونٹ نے کام کی زیادتی، اور خوراک کی کمی کا مجھ سے شکوہ کیا ہے لہٰذا تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہو۔

دوسرا معجزہ یہ کہ ایک منزل میں آپ سو رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ایک درخت چل کر آیا اور آپ کو ڈھانپ لیا۔ پھر لوٹ کر اپنی جگہ پر چلا گیا۔ جب آپ بیدار ہوئے اور میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس درخت نے اپنے رب سے اجازت طلب کی تھی کہ وہ مجھے سلام کرے تو خدا نے اس کو اجازت دے دی اور وہ میرے سلام کے لیے آیا تھا۔

تیسرا معجزہ یہ کہ ایک عورت اپنے بچے کو لے کر آئی جو جنون کا مریض تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کے نتھنے کو پکڑ کر فرمایا کہ "نکل جا کیونکہ میں محمد رسول اللہ ہوں" پھر ہم وہاں سے چل پڑے اور جب واپسی میں ہم اس جگہ پہنچے اور آپ نے اس عورت سے اس کے بچے کے بارے میں دریافت فرمایا۔ تو اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد سے اس بچے کو کوئی تکلیف ہوتے ہوئے ہم نے نہیں دیکھا۔ (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۵۴ معجزات)

جلا ہوا بچہ اچھا ہو گیا

محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں یہ بچپن میں اپنی ماں کی گود سے آگ میں گر پڑے، اور کچھ جل گئے ان کی ماں ان کو لے کر خدمت اقدس میں آئیں تو آپ نے اپنا لعاب دہن ان پر مل کر دعا فرمادی۔ محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ کی ماں کہتی تھیں کہ میں بچے کو لے کر وہاں سے اٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ بچے کا زخم بالکل ہی اچھا ہو گیا۔

(مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۲۵۹ خصائص کبریٰ جلد ۲ ص ۶۹)

مرضِ نسیان دور ہوگیا تغیر الفاظ اور چند جملوں کی کمی بیشی کے ساتھ بخاری شریف کی متعدد روایتوں میں اس معجزہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنی چادر پھیلا دو۔ انہوں نے پھیلایا۔ آپ نے اپنا دست مبارک اس چادر پر ڈالا۔ پھر فرمایا کہ اب اس کو سمیٹ لو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد سے پھر میں کوئی بات نہیں بھولا۔ (بخاری جلد ۱ صـ۲۲ باب حفظ العلم)

(مقبولیتِ دُعاء)

یہ ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں سے بالکل ناگہاں عادت جاریہ کے خلاف کسی غیر متوقع بات کا ظاہر ہو جانا اس کا بھی معجزات ہی میں شمار ہے۔ اسی لیے اللہ تعالے حضرات انبیاء علیہم السّلام کی دعاؤں سے بڑی بڑی مشکلات کو حل فرما دیتا ہے اور قسم قسم کی بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ اور بہت سی غیر متوقع چیزیں ظہور میں آجاتی ہیں چنانچہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے آپ کی دعاؤں کی مقبولیت بھی ہے کہ آپ نے جب بھی مشکلات یا طلب حاجات کے وقت خدا کی امداد غیبی کا سہارا ڈھونڈھتے ہوئے دعائیں مانگیں تو ہر موقع پر حق تعالے نے آپ کی دعاؤں کے لیے مقبولیت کا دروازہ کھول دیا۔ اور آپ کی دعاؤں سے ایسی ایسی خلاف امید اور غیر متوقع چیزیں عالم وجود میں آگئیں کہ جن کو معجزات کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان میں سے چند معجزات کا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

قریش پر قحط کا عذاب جب کفار قریش حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پر بے پناہ مظالم ڈھانے لگے۔ جو ضبط و برداشت سے باہر تھے۔ تو آپ نے ان شریروں کی سرکشی کا علاج کرنے کے لیے ان لوگوں کے حق میں قحط کی دعاء فرمادی چنانچہ اللہ تعالے نے ان لوگوں پر قحط

کا ایسا عذاب شدید بھیجا کہ اہل مکہ سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ بھوک سے بے تاب ہو کر مردار جانوروں کی ہڈیاں اور سوکھے چمڑے ابال ابال کر کھانے لگے۔ بالآخر اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت کا دروازہ کھٹکھٹائیں۔ اور ان کے حضور میں اپنی فریاد پیش کریں۔ چنانچہ ابوسفیان بحالت کفر چند رؤسائے قریش کو ساتھ لے کر آپ کے آستانہ رحمت پر حاضر ہوئے اور گڑگڑا کر کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری قوم برباد ہو گئی۔ خدا سے دعا کرو کہ یہ قحط کا عذاب ٹل جائے۔ آپ کو ان لوگوں کی بے قراری اور گریہ وزاری پر رحم آ گیا چنانچہ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے فوراً ہی آپ کی دعا مقبول ہوئی۔ اور اس قدر زوردار بارش ہوئی کہ سارا عرب سیراب ہو گیا۔ اور اہل مکہ کو قحط کے عذاب سے نجات ملی۔

(بخاری جلد ۱ ص ۱۳۷ ابواب الاستسقاء و بخاری جلد ۲ ص ۷۱۱ تفسیر سورۂ دخان)

سرداران قریش کی ہلاکت

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ کفار قریش کے چند سرکش شریروں نے بحالت نماز آپ کی مقدس گردن پر ایک اونٹ کی اوجھڑی لا کر ڈال دی اور خوب زور زور سے ہنسنے لگے اور مارے ہنسی کے ایک دوسرے پر گرنے لگے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آ کر اس اوجھڑی کو آپ کی پشت اطہر سے ہٹایا۔ جب آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا۔ تو ان شریروں کا نام لے لے کر نام بنام یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! تو ان سبھوں کو اپنی گرفت میں پکڑ لے چنانچہ۔ یہ سب کے سب جنگ بدر میں انتہائی ذلت کے ساتھ قتل ہو کر ہلاک ہو گئے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۶۵ غزوہ بدر)

مدینہ کی آب و ہوا اچھی ہو گئی

پہلے مدینہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی۔ وہاں قسم قسم کی وباؤں کا اثر تھا۔ چنانچہ ہجرت کے بعد اکثر مہاجرین بیمار پڑ گئے۔ اور بیماری کی حالت میں اپنے وطن مکہ کو یاد کر کے پُر درد لمبے لمبے اشعار پڑھا کرتے تھے آپ نے ان لوگوں کا یہ حال دیکھ کر یہ دعا فرمائی کہ۔

الٰہی! مدینہ کو بھی ہمارے لیے ویسا ہی محبوب کر دے جیسا کہ مکہ محبوب

ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنادے۔ الٰہی! ہمارے "صاع" اور "مد" میں برکت دے اور مدینہ کو ہمارے لیے صحت بخش بنادے اور یہاں کے بخار کو "جحفہ" میں منتقل کردے۔

آپ کی دعا حرف بحرف مقبول ہوئی اور مہاجرین کو شہر مدینہ سے ایسی الفت اور والہانہ محبت ہوگئی کہ وہی حضرت ابوبکر و حضرت بلال رضی اللہ عنہما جو چند روز پہلے مدینہ کی بیماریوں سے گھبرا اٹھے تھے اور اپنے وطن مکہ کی یاد میں خون رلانے والے اشعار گایا کرتے تھے اب مدینہ کے ایسے عاشق بن گئے کہ پھر کبھی بھول کر بھی مکہ کی سکونت کا نام نہیں لیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں یہ دکھلا دیا کہ مدینہ کی وبائیں مدینہ سے دفع ہوگئیں۔ اور مدینہ کی آب و ہوا صحت بخش ہوگئی۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۵۸ باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم و بخاری جلد ۲ ص ۱۰۴۲ باب المرأۃ السوداء)

ام حرام کے لیے دعاءِ شہادت

ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی ام حرام رضی اللہ عنہ کے مکان میں کھانے کے بعد قیلولہ فرما رہے تھے کہ ناگہاں ہنستے ہوئے نیند سے بیدار ہوئے، حضرت بی بی ام حرام رضی اللہ عنہا نے ہنسی کی وجہ دریافت کی۔ تو ارشاد فرمایا۔ کہ میری امت میں مجاہدین کا ایک گروہ میرے سامنے پیش کیا گیا جو جہاد کی غرض سے دریائی کشتیوں پر اس طرح بیٹھا ہوا سفر کرے گا جس طرح تخت پر بادشاہ بیٹھے رہا کرتے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) دعا فرما دیجئے کہ میں بھی ان مجاہدین کے گروہ میں شامل رہوں۔ آپ نے دعا فرما دی۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب بحری جنگ کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت بی بی ام حرام رضی اللہ عنہا بھی مجاہدین کی اس جماعت کے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں۔ اور دریا سے نکل کر جب خشکی پر آئیں تو سواری سے گر کر شہادت کا شرف حاصل کیا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۶ باب الرؤیا بالنہار)

ستر برس کا جوان

حضرت ابو قتادہ صحابی رضی اللہ عنہ کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرما دی کر

اَفْلَحَ وَجْهُكَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهٗ فِیْ شَعْرِهٖ وَبَشَرِہٖ ۔ یعنی فلاح والا ہو جائے تیرا چہرہ یا اللہ اس کے بال اور اس کی کھال میں برکت دے۔

حضرت ابو قتادہ نے ستر برس کی عمر پا کر وفات پائی۔ مگر ان کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا۔ نہ بدن میں جھریاں پڑی تھیں۔ چہرے پر جوانی کی ایسی رونق تھی کہ گویا ابھی پندرہ برس کے جوان ہیں۔ (الکلام المبین ص۶۸ بحوالہ دلائل النبوۃ بیہقی)

برکت اولاد کی دُعا

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بڑی ہوشمند اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت ہی جان نثار تھیں ان کا بچہ بیمار ہو گیا اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر ہی تھے کہ بچے کا انتقال ہو گیا حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بچے کو الگ مکان میں لٹا دیا۔ اور جب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مکان میں داخل ہوئے اور بیوی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ اس کا سانس ٹھہر گیا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ آرام پا گیا ہے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ وہ اچھا ہے۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی ایک ہی بستر پر سوئے لیکن صبح کو جب غسل کر کے مسجد نبوی میں نماز فجر کے لیے جانے لگے تو بیوی نے بچے کی موت کا حال سنا دیا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے رات کا سارا ماجرا بارگاہ نبوت میں عرض کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ خداوند تعالیٰ تمہاری آج کی رات میں برکت عطا فرمائے گا چنانچہ اس رات کی برکت مقررہ مہینوں کے بعد ظاہر ہوئی کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبد اللہ پیدا ہوئے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں بٹھا کر اور عجوہ کھجور کو چبا کر ان کے منہ میں ڈالا۔ اور ان کے چہرے پر اپنا دست رحمت پھرا دیا اور عبد اللہ نام رکھا۔

ایک انصاری حضرت عبایہ بن رفاعہ کا بیان ہے۔ کہ دُعا نبوی کی برکت کا یہ اثر ہوا کہ میں نے ابو طلحہ کی نو اولادوں کو دیکھا جو سب کے سب قرآن مجید کے قاری تھے۔

(مسلم جلد ۲ ص ۲۹۲ باب فضائل ام سلیم و بخاری جلد ۱ ص ۱۷۴ باب من لم یظہر حزنہ عند المصیبۃ)

حضرت جریر کے حق میں دُعا

حضرت جریر بن عبداللہ صحابی گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر بیٹھ نہیں سکتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "ذوالخلصہ" کے بت خانہ کو توڑنے کے لیے بھیجنا چاہا تو انہوں نے یہی عذر پیش کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں گھوڑے پر جم کر بیٹھ نہیں سکتا آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا۔ اور یہ دعا فرمائی کہ "یا اللہ اس کو گھوڑے پر جم کر بیٹھنے کی قوت عطا فرما۔ اور اس کو ہادی و مہدی بنا"۔ اس دعا کے بعد حضرت جریر رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور قبیلہء احمس کے ایک سو پچاس سواروں کا لشکر لے کر گئے اور اس بت خانہ کو توڑ پھوڑ کر جلا ڈالا۔ اور مزاحمت کرنے والے کفار کو بھی قتل کر ڈالا جب واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اور قبیلہء احمس کے حق میں دعا فرمائی

(مسلم جلد ۲ صہ ۲۹۷ فضائل جریر)

قبیلہء دوس کا اسلام

حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) قبیلہء دوس نے اسلام کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا لہٰذا آپ اس قبیلہ کی ہلاکت کے لیے دعا فرما دیجئے۔ لوگوں نے آپس میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ اب آپ کی دعا ہلاکت سے یہ قبیلہ ہلاک ہو جائے گا لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ دوس کے لیے یہ رحمت بھری دعا فرمائی کہ۔

"الٰہی! تو قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس لا"۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول ہوئی۔ چنانچہ پورا قبیلہ مسلمان ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گیا۔ (مسلم جلد ۲ صہ ۳۰۷ باب فضائل غفار و دوس وغیرہ)

ایک متکبر کا انجام

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھانے لگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "داہنے ہاتھ سے کھاؤ" اس نے غرور سے کہا کہ "میں داہنے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا" چونکہ اس مغرور نے گھمنڈ سے ایسا کہا تھا۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ "خدا کرے ایسا ہی ہو" چنانچہ اس کے بعد

ایسا ہی ہوا کہ وہ اپنے دائیں ہاتھ کو اٹھا کر واقعی اپنے منہ تک نہیں لے جا سکتا تھا۔
(مسلم جلد ۲ صکا۱۷ باب آداب الطعام)

(مردے زندہ ہوگئے)

خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دینا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک بہت ہی مشہور معجزہ ہے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا جامع بنایا ہے اس لیے آپ کو بھی اس معجزہ کے ساتھ سرفراز فرمایا ہے چنانچہ اس قسم کے چند معجزات احادیث اور سیرت نبویہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

لڑکی قبر سے نکل آئی

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے کہا کہ میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لا سکتا جب تک کہ میری مردہ بچی زندہ نہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم مجھے اس کی قبر دکھاؤ؟ اس نے اپنی لڑکی کی قبر دکھا دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کا نام لے کر پکارا۔ تو اس لڑکی نے قبر سے نکل کر جواب دیا کہ اے حضور! میں آپ کے دربار میں حاضر ہوں۔ پھر آپ نے اس لڑکی سے فرمایا کہ "کیا تم پھر دنیا میں لوٹ کر آنا پسند کرتی ہو" لڑکی نے جواب دیا کہ "نہیں یا رسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے ماں باپ سے زیادہ مہربان اور آخرت کو دنیا سے بہتر پایا۔" (زرقانی علی المواہب جلد ۵ صک۱۸۰ و شفاء جلد ۱ صک۲۱۱)

پکی ہوئی بکری زندہ ہوگئی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت پکایا۔ اور روٹیوں کا چورہ کر کے ثرید بنایا اور اس کو بارگاہ نبوت میں لے کر حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اس کو تناول فرمایا۔ جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ہڈیوں کو ایک برتن میں جمع فرمایا اور ان ہڈیوں پر اپنا دست مبارک رکھ کر کچھ کلمات ارشاد فرما دیے۔ تو یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ وہ بکری زندہ ہو کر کھڑی ہوگئی اور دم ہلانے لگی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے جابر! تم اپنی بکری اپنے گھر لے جاؤ۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ جب

اس بکری کو لے کر مکان میں داخل ہوئے تو ان کی بیوی نے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ بکری کہاں سے آگئی؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے اپنی اس بکری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذبح کیا تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اس بکری کو زندہ فرما دیا۔ یہ سن کر ان کی بیوی نے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا۔

اس حدیث کو جلیل القدر محدث ابو نعیم نے روایت کیا ہے اور مشہور حافظ الحدیث محمد بن المنذر نے بھی "کتاب العجائب والغرائب" میں اس حدیث کو نقل فرمایا ہے۔

(زرقانی علی المواہب جلد ۵ ص ۱۸۲ وخصائص کبریٰ جلد ۲ ص ۶۷)

عالم جنات کے معجزات

جن نے اسلام کی ترغیب دلائی

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک جن میرا تابع ہو گیا تھا۔ وہ آئندہ کی خبریں مجھے دیا کرتا تھا اور میں لوگوں کو وہ خبریں بتا کر نذرانے وصول کیا کرتا تھا۔ ایک بار اس جن نے مجھے آکر جگایا اور کہا کہ اٹھ اور ہوش میں آ۔ اگر تجھ میں کچھ شعور ہے تو چل اور بنی ہاشم کے سردار کے دربار میں حاضر ہو کر ان کا دیدار کر جو لوی بن غالب کی اولاد میں پیغمبر ہو کر تشریف لائے ہیں۔ حضرت سواد بن قارب کہتے ہیں کہ مسلسل تین راتیں ایسی گزریں کہ میرا یہ جن مجھے نیند سے جگا جگا کر برابر یہی کہتا رہا۔ یہاں تک کہ میرے دل میں اسلام کی الفت و محبت پیدا ہو گئی۔ اور میں اپنے گھر سے روانہ ہو کر مکہ مکرمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر "خوش آمدید" کہا اور فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ کس سبب سے تم یہاں آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا ہے پہلے آپ اس کو سن لیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ پڑھو۔ چنانچہ میں نے اپنا قصیدہ بائیہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح میں نظم کیا تھا پڑھ کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا اس قصیدہ کا آخری شعر یہ ہے کہ:

وَكُنْ لِّيْ شَفِيْعًا يَوْمَ لَا ذُوْ شَفَاعَةٍ
سِوَاكَ بِمُغْنٍ عَنْ سَوَادِ بْنِ قَارِبٍ

یعنی آپ اس دن میرے شفیع بن جایئے جس دن آپ کے سوا سواد بن قارب کی نہ کوئی شفاعت کرنے والا ہوگا، نہ کوئی نفع پہنچانے والا ہوگا اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت فرمایا ہے۔ (الکلام المبین ص۸۰ بحوالہ بیہقی)

جنوں کا سلام و پیغام

ابن سعد نے جعد بن قیس مرادی سے روایت کی ہے کہ ہم چار آدمی حج کا ارادہ کر کے اپنے وطن سے روانہ ہوئے یمن کے ایک جنگل میں ہم لوگ چل رہے تھے کہ ناگہاں اشعار پڑھنے کی آواز آئی ہم نے ان اشعار کو غور سے سنا تو ان کا مضمون یہ تھا کہ اے سوارو! جب تم لوگ زمزم اور حطیم پر پہنچو تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہمارا سلام عرض کر دینا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور ہمارا یہ پیغام بھی پہنچا دینا کہ ہم آپ کے دین کے فرماں بردار ہیں کیونکہ حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام نے ہم لوگوں کو اس بات کی وصیت فرمائی تھی (یقیناً یہ یمن کے جنگل میں رہنے والے جنوں کی آواز تھی۔ (الکلام المبین ص۹۳ بحوالہ ابن سعد)

جن سانپ کی شکل میں آیا

خطیب حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ ایک کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے کہ بالکل ہی اچانک ایک بہت بڑے کالے سانپ نے آپ کی طرف رخ کیا لوگوں نے اس کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا لیکن آپ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس آنے دو۔ جب یہ آپ کے پاس پہنچا تو اپنا سر آپ کے کانوں کے پاس کر دیا۔ پھر آپ نے اس سانپ کے منہ کے قریب اپنا منہ کر کے چپکے چپکے کچھ ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد اسی جگہ یکبارگی وہ سانپ اس طرح غائب ہو گیا کہ گویا زمین اس کو نگل گئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے سانپ کو اپنے کانوں تک پہنچنے دیا۔ یہ منظر دیکھ کر ہم لوگ ڈر گئے کہ کہیں یہ سانپ آپ کو کاٹ نہ لے آپ نے

فرمایا کہ یہ سانپ نہیں تھا۔ بلکہ جنوں کی جماعت کا بھیجا ہوا ایک جن تھا۔ فلاں سورہ میں سے کچھ آیتیں یہ بھول گیا۔ ان آیتوں کو دریافت کرنے کے لیے جنوں نے اس کو میرے پاس بھیجا تھا۔ میں نے اس کو وہ آیتیں بتا دیں اور وہ ان کو یاد کرتا ہوا چلا گیا (الکلام المبین صفحہ ۹۲)

عناصر اربعہ کے عالم میں معجزات

انگشت مبارک کی نہریں

احادیث کی تلاش و جستجو سے پتا چلتا ہے کہ آپ کی مبارک انگلیوں سے تقریباً تیرہ مواقع پر پانی کی نہریں جاری ہوئیں۔ ان میں سے صرف ایک موقع کا ذکر یہاں تحریر کیا جاتا ہے۔

سنہ ٦ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کا ارادہ کر کے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے میدان میں اتر پڑے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے حدیبیہ کا کنواں خشک ہو گیا اور حاضرین پانی کے ایک ایک قطرہ کے لیے محتاج ہو گئے اس وقت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دریائے رحمت میں جوش آ گیا اور آپ نے ایک بڑے پیالے میں اپنا دست مبارک رکھ دیا۔ تو آپ کی مبارک انگلیوں سے اس طرح پانی کی نہریں جاری ہو گئیں کہ پندرہ سو کا لشکر سیراب ہو گیا۔ لوگوں نے وضو و غسل بھی کیا جانوروں کو بھی پلایا تمام مشکوں اور برتنوں کو بھی بھر لیا۔ پھر آپ نے پیالہ میں سے دست مبارک کو اٹھا لیا اور پانی ختم ہو گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ اس وقت تم لوگ کتنے آدمی تھے تو انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ پندرہ سو کی تعداد میں تھے مگر پانی اس قدر زیادہ تھا کہ۔ لَوْ کُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَكَفَانَا (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۵۳۲ باب المعجزات)

اگر ہم لوگ ایک لاکھ بھی ہوتے تو سب کو یہ پانی کافی ہو جاتا۔ یہ حدیث بخاری شریف میں بھی ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت انس و حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایتوں سے بھی انگلیوں سے پانی کی نہریں جاری ہونے کی حدیثیں مروی ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ (بخاری جلد اصفحہ ۵۰۵ علامات النبوۃ)

سبحان اللہ! اسی حسین منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ نے کیا خوب فرمایا ؎

انگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

زمین نے لاش کو ٹھکرا دیا

ایک نصرانی مسلمان ہوکر دربار نبوت میں رہنے لگا سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھ چکا تھا خوشخط کاتب تھا اس لیے اس کو وحی لکھنے کی خدمت سپرد کر دی گئی۔ مگر یہ بدنصیب پھر کافر و مرتد ہوکر کفار سے جاملا اور کہنے لگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا میں ان کو لکھ کر دے دیا کرتا تھا۔ قہر الٰہی نے اس گستاخ کو اپنی گرفت میں پکڑ لیا۔ اور یہ مرگیا نصرانیوں نے اس کو دفن کیا مگر زمین نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ نصرانیوں نے گہری قبر کھود کر تین مرتبہ اسکو دفن کیا مگر ہر مرتبہ زمین نے اسکی لاش کو باہر پھینک دیا چنانچہ نصرانیوں نے بھی اس بات کا یقین کر لیا کہ اس کی لاش کو زمین کے باہر نکال پھینکنا یہ کسی انسان کا کام نہیں ہے اس لیے ان لوگوں نے اس کی لاش کو زمین پر ڈال دیا۔ (بخاری جلد ا ص۵۱۱ علامات النبوۃ)

جنگ خندق کی آندھی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ (بخاری جلد ۲ ص۵۸۹ غزوہ خندق) یعنی پُروا ہوا سے میری مدد کی گئی۔ اور قوم عاد پچھوا ہوا سے ہلاک کی گئی۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ غزوہ خندق میں قبائل قریش و غطفان اور قریظہ و بنی النضیر کے یہود اور دوسرے مشرکین نے متحدہ افواج کے دل بادل لشکروں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کر دی اور مسلمانوں نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر ان افواج کے حملوں سے پناہ لی تو ان شیطانی لشکروں نے مدینہ کا ایسا سخت محاصرہ کر لیا کہ مدینہ کے اندر مدینہ کے باہر سے ایک گیہوں کا دانہ، اور ایک قطرہ پانی کا جانا محال ہوگیا تھا صحابہ کرام ان مصائب و شدائد سے گو پریشان حال تھے مگر ان کے جوش ایمانی کے استقلال میں بال

برابر فرق نہیں آیا تھا بیشک اس حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہوا کہ پورب کی طرف سے ایک ایسی زوردار آندھی ہوئی جس میں کڑاکے کا جاڑا بھی تھا اور اس میں اس شدت کے جھونکے اور جھٹکے تھے کہ گرد وغبار کا بادل چھا گیا کفار کی آنکھیں دھول اور کنکریوں سے بھر گئیں۔ ان کے چولہوں کی آگ بجھ گئی اور بڑی بڑی دیگیں چولہوں سے الٹ پلٹ کر دور تک لڑھکتی ہوئی چلی گئیں۔ خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں اور خیمے اڑ اڑ کر پھٹ گئے۔ گھوڑے ایک دوسرے سے ٹکرا کر لڑنے لگے غرض یہ آندھی کفار کے لیے ایک ایسا عذاب شدید بن کر ان پر مسلط ہو گئی کہ کفار کے قدم اکھڑ گئے۔ ان کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور وہ فرار پر مجبور ہو گئے اور بدحواسی کے عالم میں سر پر پیر رکھ کر بھاگ نکلے۔ یہی وہ آندھی ہے جس کا ذکر خداوند قدوس نے اپنی کتاب مقدس قرآن مجید میں ان لفظوں کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا	اے ایمان والو! اللہ کا احسان اپنے
نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ	اوپر یاد کرو، جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے
جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَّ	ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر
جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ط وَكَانَ اللَّهُ	نہ آئے اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھتا
بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا۔ (احزاب)	ہے

آگ جلا نہ سکی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں بہت سے ایسے واقعات ہیں کہ آگ ان چیزوں کو نہ جلا سکی جن کو آپ کی ذات سے کوئی تعلق رہا ہو۔

چنانچہ قطب الدین قسطلانی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "جمل الایجاز فی الاعجاز" میں لکھا ہے کہ وہ آگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر غیب کے مطابق ۶۵۴ھ میں مدینہ منورہ کے پاس قبیلہ قریظہ کی پہاڑیوں سے نمودار ہوئی۔ وہ پتھروں کو جلا دیتی تھی اور کچھ پتھروں کو گلا دیتی تھی۔ یہ آگ جب بڑھتے بڑھتے حرم مدینہ کے قریب ایک پتھر کے پاس پہنچی جس کا آدھا حصہ حرم مدینہ میں داخل تھا اور آدھا حصہ حرم مدینہ سے

خارج تھا تو پتھر کا جو حصہ خارج حرم تھا۔ اس کو اس آگ نے جلا دیا۔ لیکن جب اس نصف حصّہ تک پہنچی جو حرم مدینہ میں داخل تھا تو فوراً ہی وہ آگ بجھ گئی۔

اس طرح امام قرطبی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ آگ مدینہ طیبہ کے قریب سے ظاہر ہوئی اور دریا کی طرح موج مارتی ہوئی یمن کے ایک گاؤں تک پہنچ گئی اور اس کو جلا کر راکھ کر دیا مگر مدینہ طیبہ کی جانب اس آگ میں سے ٹھنڈی ٹھنڈی نسیم صبح جیسی ہوائیں آتی تھیں اس آگ کا واقعہ چند اوراق پہلے ہم مفصل طور پر لکھ چکے ہیں۔

(الکلام المبین ص۱۰۷)

اسی طرح "نسیم الریاض" میں لکھا ہے کہ "عدیم بن طاہر علوی" کے پاس چودہ ۱۴ موئے مبارک تھے انہوں نے ان کو امیر حلب کے دربار میں پیش کیا۔ امیر حلب نے خوش ہو کر اس مقدس تحفہ کو قبول کیا اور علوی صاحب کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے ان کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ لیکن اس کے بعد جب دوبارہ علوی صاحب امیر حلب کے دربار میں گئے تو امیر نے تیوری چڑھا کر بہت ہی ترش روئی کے ساتھ بات کی۔ اور ان کی طرف سے نہایت ہی بے التفاتی کے ساتھ منہ پھیر لیا۔ علوی صاحب نے اس بے توجہی اور ترش روئی کا سبب پوچھا تو امیر حلب نے کہا کہ میں نے لوگوں کی زبانی یہ سنا ہے کہ تم جو موئے مبارک میرے پاس لائے تھے ان کی کچھ اصل اور کوئی سند نہیں ہے۔ علوی صاحب نے کہا کہ آپ ان مقدس بالوں کو میرے سامنے لائیے۔ جب وہ آگئے تو انہوں نے آگ منگوائی اور موئے مبارک کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا۔ پوری آگ جل جل کر راکھ ہو گئی۔ مگر موئے مبارک پر کوئی آنچ نہیں آئی۔ بلکہ آگ کے شعلوں میں موئے مبارک کی چمک دمک اور زیادہ نکھر گئی یہ منظر دیکھ کر امیر حلب نے علوی صاحب کے قدموں کا بوسہ لیا اور پھر اس قدر انعام و اکرام سے علوی صاحب کو نوازا کہ اہل دربار ان کے اعزاز و وقار کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

(الکلام المبین ص۱۰۹)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دسترخوان کی روایت مشہور ہے کہ چونکہ اس دسترخوان سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک اور روئے اقدس کو

صاف کرلیا تھا۔ اس لیے یہ دسترخوان آگ کے جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیا جاتا تھا۔ مگر آگ اس کو جلاتی نہیں تھی بلکہ اس کو صاف ستھرا کردیتی تھی۔ (مثنوی شریف مولانا رومی)

ایک ضروری انتباہ

یہ سلطان کونین و شہنشاہ دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہزاروں معجزات میں سے صرف چند ہیں جن کے تذکروں سے احادیث و سیرت نبویہ کی کتابیں مالا مال ہیں ہم نے ان چند معجزات کو بلا کسی تصنع کے سادہ الفاظ میں نہایت ہی اختصار کے ساتھ تحریر کردیا ہے تاکہ ان نورانی معجزات کو پڑھ کر ناظرین کے سینوں میں عظمت مصطفےٰ اور محبت رسول کے ہزاروں ایمانی چراغ روشن ہو جائیں اور ہر مسلمان اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم، اور ان کے اکرام و احترام کی رفعت کو پہچان لے اور اس کے گلشن ایمان میں ہر لحظہ اور ہر آن محبت و عظمت رسول کے ہزاروں پھول کھلتے رہیں۔ اور وہ جوش عرفان و جذبہ ایمان کے ساتھ دونوں جہان میں یہ اعلان کرتا رہے کہ ؎

سر تا قدم اللہ کی شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان، وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں!
ایمان یہ کہتا ہے "مری جان ہیں یہ"

اور شاید ان لوگوں کو بھی اس سے کچھ عبرت حاصل ہو جنہوں نے سیرت نبویہ کے موضوع پر قلم گھس کر اور کاغذ سیاہ کرکے سرور انبیاء محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس پیغمبرانہ زندگی کو ایک عام انسان کے روپ میں پیش کیا ہے اور بار بار اپنے اس مکروہ نظریہ اور گندے نصب العین کا اعلان کرتے رہتے ہیں کہ پیغمبر خدا کی سیرت میں ایسے کمالات کا ذکر نہیں کرنا چاہیے جس سے لوگ پیغمبر اسلام کو عام انسانوں کی سطح سے اونچا سمجھنے لگیں۔ (والعیاذ باللہ)

بہرحال اس پر تمام اہل حق کا اجماع و اتفاق ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تمام انبیائے کرام کو جن جن معجزات سے سرفراز فرمایا ہے ان تمام معجزات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات میں جمع فرما دیا ہے۔ اور ان کے علاوہ بے شمار ایسے معجزات سے بھی حضرت حق

جلالہ نے اپنے آخری پیغمبر شفیع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کو ممتاز فرمایا جو آپ کے خصائص کہلاتے ہیں۔ یعنی یہ آپ کے وہ کمالات و معجزات ہیں جو کسی نبی و رسول کو نہیں عطا کیے گئے مثلاً۔

چند خصائص کبریٰ

(۱) آپ کا پیدائش کے اعتبار سے "اول الانبیاء" ہونا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کَانَ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت شرف نبوت سے سرفراز ہو چکے تھے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام جسم و روح کی منزلوں سے گزر رہے تھے۔

(زرقانی علی المواہب جلد ۵ ص ۲۴۲)

(۲) آپ کا خاتم النبیین ہونا!

(۳) تمام مخلوق آپ کے لیے پیدا ہوئی۔

(۴) آپ کا مقدس نام عرش اور جنت کی پیشانیوں پر تحریر کیا گیا۔

(۵) تمام آسمانی کتابوں میں آپ کی بشارت دی گئی۔

(۶) آپ کی ولادت کے وقت تمام بت اوندھے ہو کر گر پڑے۔

(۷) آپ کا شق صدر ہوا۔

(۸) آپ کو معراج کا شرف عطا کیا گیا اور آپ کی سواری کے لیے براق پیدا کیا گیا۔

(۹) آپ پر نازل ہونے والی کتاب تبدیل و تحریف سے محفوظ کر دی گئی۔ اور قیامت تک اس کی بقاء و حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لی

(۱۰) آپ کو آیۃ الکرسی عطا کی گئی۔

(۱۱) آپ کو تمام خزائن الارض کی کنجیاں عطا کر دی گئیں۔

(۱۲) آپ کو جوامع الکلم کے معجزہ سے سرفراز کیا گیا۔

(۱۳) آپ کو رسالت عامہ کے شرف سے ممتاز کیا گیا۔

(۱۴) آپ کی تصدیق کے لیے معجزہ شق القمر ظہور میں آیا۔

(۱۵) آپ کے لیے اموال غنیمت کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا۔

(۱۶) تمام روئے زمین کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مسجد اور پاک حاصل کرنے (تیمم)

کا سامان بنا دیا۔

(۱۷) آپ کے بعض معجزات (قرآن مجید) قیامت تک باقی رہیں گے۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو ان کا نام لے کر پکارا مگر آپ کو اچھے اچھے القاب سے پکارا۔

(۱۹) اللہ تعالےٰ نے آپ کو "حبیب اللہ" کے معزز لقب سے سربلند فرمایا۔

(۲۰) اللہ تعالےٰ نے آپ کی رسالت، آپ کی حیات، آپ کے شہر آپ کے زمانے کی قسم یاد فرمائی۔

(۲۱) آپ تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں۔

(۲۲) آپ اللہ تعالےٰ کے دربار میں "اکرم الخلق" ہیں۔

(۲۳) قبر میں آپ کی ذات کے بارے میں منکر و نکیر سوال کریں گے۔

(۲۴) آپ کے بعد آپ کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ نکاح کرنا حرام ٹھہرایا گیا۔

(۲۵) ہر نمازی پر واجب کر دیا گیا کہ بحالتِ نماز اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کہہ کر آپ کو سلام کرے

(۲۶) اگر کسی نمازی کو بحالتِ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم پکاریں تو وہ نماز چھوڑ کر آپ کی پکار پر دوڑ پڑے یہ اس پر واجب ہے۔ اور ایسا کرنے سے اس کی نماز فاسد بھی نہیں ہو گی۔

(۲۷) اللہ تعالےٰ نے اپنی شریعت کا آپ کو مختار بنا دیا ہے۔ آپ جس کے لیے جو چاہیں حلال فرما دیں اور جس کے لیے جو چاہیں حرام فرما دیں۔

(۲۸) آپ کے منبر اور قبرِ انور کے درمیان کی زمین جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

(۲۹) صور پھونکنے پر سب سے پہلے آپ اپنی قبرِ انور سے باہر تشریف لائیں گے۔

(۳۰) آپ کو مقامِ محمود عطا کیا گیا۔

(۳۱) آپ کو شفاعتِ کبریٰ کے اعزاز سے نوازا گیا۔

(۳۲) آپ کو قیامت کے دن "لواء الحمد" عطا کیا گیا۔

(۳۳) آپ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

(۳۴) آپ کو حوض کوثر عطا کیا گیا۔

(۳۵) قیامت کے دن ہر شخص کا نسب و تعلق منقطع ہو جائے گا مگر آپ کا نسب و تعلق منقطع نہیں ہوگا۔

(۳۶) آپ کے سوا کسی نبی کے پاس حضرت اسرافیل علیہ السلام نہیں اترے۔

(۳۷) آپ کے دربار میں بلند آواز سے بولنے والے کے اعمال صالحہ برباد کر دیے جاتے ہیں۔

(۳۸) آپ کو حجروں کے باہر سے پکارنا حرام کر دیا گیا۔

(۳۹) آپ کی ادنیٰ سی گستاخی کرنے والے کی سزا قتل ہے

(۴۰) آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ معجزات عطا کیے گئے۔

(فہرست زرقانی علی المواہب جلد ۵)

اکیسواں باب

اُمت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

اکیسواں باب

امت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی ہدایت و اصلاح اور ان کی صلاح و فلاح کے لیے جیسی جیسی تکلیفیں برداشت فرمائیں اور اس راہ میں آپ کو جو جو مشکلات در پیش ہوئیں۔ ان کا کچھ حال آپ اس کتاب میں پڑھ چکے ہیں۔ پھر آپ کو اپنی امت سے جو بے پناہ محبت، اور اس کی نجات و مغفرت کی فکر، اور ایک ایک امتی پر آپ کی شفقت و رحمت کی جو کیفیت ہے اس پر قرآن میں خداوند قدوس کا فرمان گواہ ہے کہ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

(سورہ توبہ)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر بہت ہی نہایت ہی رحم فرمانے والے ہیں۔

پوری پوری راتیں جاگ کر عبادت میں مصروف رہتے اور امت کی مغفرت کے لیے دربار باری میں انتہائی بے قراری کے ساتھ گریہ و زاری فرماتے رہتے یہاں تک کہ کھڑے کھڑے اکثر آپ کے پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔

ظاہر ہے کہ حضور سرور انبیاء محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے جو جو مشقتیں اٹھائیں ان کا تقاضا ہے کہ امت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حقوق ہیں، جن کو ادا کرنا ہر امتی پر فرض و واجب ہے۔

حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مقدس حقوق کو اپنی کتاب "شفاء شریف" میں بہت ہی مفصل طور پر بیان فرمایا۔ ہم یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ اس کا خ

تحریر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل آٹھ حقوق کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) ایمان بالرسول (۲) اتباعِ سنت رسول

(۳) اطاعتِ رسول (۴) محبتِ رسول

(۵) تعظیم رسول (۶) مدح رسول

(۷) درود شریف۔ (۸) قرآن کی زیارت

(۱) ایمانِ بالرسول

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا اور جو کچھ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، صدق دل سے اس کو سچا ماننا ہر امتی پر فرض عین ہے اور ہر مومن کا اس پر ایمان ہے کہ بغیر رسول پر ایمان لائے ہوئے ہرگز ہرگز کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا قرآن میں خداوند عالم جل جلالہٗ کا فرمان ہے کہ۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا۔ (فتح)

جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لایا تو یقیناً ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

اس آیت نے نہایت وضاحت اور صفائی کے ساتھ یہ فیصلہ کر دیا کہ جو لوگ رسول کی رسالت پر ایمان نہیں لائیں گے وہ اگرچہ خدا کی توحید کا عمر بھر ڈنکا بجاتے رہیں مگر وہ کافر اور جہنمی ہی رہیں گے۔ اس لیے اسلام کا بنیادی کلمہ یعنی کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ یعنی مسلمان ہونے کے لیے خدا کی توحید اور رسول کی رسالت دونوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

(۲) اتباعِ سنتِ رسول

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور آپ کی سنت مقدسہ کی اتباع اور پیروی ہر مسلمان پر واجب و لازم ہے۔ رب العزت جل جلالہ کا فرمان ہے کہ

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

(آل عمران)

(اے رسول) فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اسی لیے آسمان امت کے چمکتے ہوئے ستارے ہدایت کے چاند تارے اللہ و رسول کے پیارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی ہر سنت کریمہ کی اتباع اور پیروی کو اپنی زندگی کے ہر دم قدم پر اپنے لیے لازم الایمان اور واجب العمل سمجھتے تھے اور بال برابر بھی کبھی کسی معاملہ میں بھی اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سنتوں سے انحراف یا ترک گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

صدیق اکبر کی آخری تمنا

امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے صرف چند گھنٹے پہلے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن مبارک میں کتنے کپڑے تھے اور آپ کی وفات کس دن ہوئی؟ اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی یہ انتہائی تمنا تھی کہ زندگی کے ہر لمحات میں تو میں نے اپنے تمام معاملات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں کی مکمل طور پر اتباع کی ہے۔ مرنے کے بعد کفن، اور وفات کے دن میں بھی مجھے آپ کی اتباع سنت نصیب ہو جائے۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۶ باب موت الاثنین)

حضرت ابو ہریرہ اور بھنی ہوئی بکری

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا جس کے سامنے کھانے کے لیے بھنی ہوئی مسلم بکری رکھی ہوئی تھی۔ لوگوں نے آپ کو کھانے کے لیے بلایا تو آپ نے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیا۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور کبھی جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی۔ میں بھلا ان لذیذ اور پر تکلف کھانوں کو کھانا کیونکر گوارا کر سکتا ہوں؟ (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۴۴۶ باب فضل الفقراء)

حضرت عباس کا پرنالہ

منقول ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مکان مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا اور اس مکان کا پرنالہ بارش میں آنے جانے والے نمازیوں کے اوپر گرا کرتا تھا۔ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس پرنالہ کو اکھاڑ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ خدا کی قسم! اس پرنالہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گردن پر سوار ہو کر اپنے مقدس ہاتھوں سے لگایا تھا۔ یہ سن کر امیر المومنین نے فرمایا کہ اے عباس! مجھے اس کا علم نہ تھا۔ اب میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ میری گردن پر سوار ہو کر اس پرنالہ کو پھر اسی جگہ لگا دیجئے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (وفاء الوفا جلد ۱ ص ۳۴۸)

(۳) اطاعت رسول

یہ بھی ہر امتی پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے کہ ہر امتی ہر حال میں آپ کے ہر حکم کی اطاعت کرے اور آپ جس بات کا حکم دے دیں بال کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی اس کی خلاف ورزی کا تصور بھی نہ کرے کیونکہ آپ کی اطاعت اور آپ کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دینا ہر امتی پر فرض عین ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے کہ۔

(۱) اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ (نساء) — حکم مانو اللہ کا، اور حکم مانو رسول کا۔

(۲) مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء) — جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا

(۳) وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا (نساء) — اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

قرآن مجید کی یہ مقدس آیات اعلان کر رہی ہیں کہ اطاعت رسول کے بغیر اسلام کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور اطاعت رسول کرنے والوں ہی کے لیے ایسے ایسے بلند درجات

ہیں کہ وہ حضرات انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کے ساتھ رہیں گے۔

ہر امتی کے لیے اطاعتِ رسول کی کیا شان ہونی چاہیے۔ اس کا جلوہ دیکھنا ہو تو اس روایت کو بغور پڑھیے۔

سونے کی انگوٹھی پھینک دی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے ہے۔ آپ نے اس کے ہاتھ سے انگوٹھی نکال کر پھینک دی۔ اور فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ آگ کے انگارہ کو اپنے ہاتھ میں ڈالے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ تو اپنی انگوٹھی کو اٹھا لے (اور اس کو بیچ کر اس سے نفع اٹھا) تو اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انگوٹھی کو پھینک دیا۔ تو اب میں اس انگوٹھی کو کبھی بھی نہیں اٹھا سکتا۔ (اور وہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا)

(مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۳۷۸ باب الخاتم)

(۴) محبّتِ رسول

اسی طرح ہر امتی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے کہ وہ سارے جہان سے بڑھ کر آپ سے محبت رکھے اور ساری دنیا کی محبوب چیزوں کو آپ کی محبت کے قدموں پر قربان کر دے خداوند قدوس جل جلالہٗ کا فرمان ہے کہ۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا

(اے رسول) آپ فرما دیجیے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی، اور تمہاری عورتیں، اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی

حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ط وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۔ (توبہ)

راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر مسلمان پر اللہ اور اس کے رسول کی محبت فرض عین ہے کیونکہ اس آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم ایمان لائے ہو۔ اور اللہ و رسول کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو اب اس کے بعد اگر تم لوگ کسی غیر کی محبت کو اللہ و رسول کی محبت پر ترجیح دو گے تو خوب سمجھ لو کہ تمہارا ایمان اور اللہ و رسول کی محبت کا دعویٰ بالکل غلط ہو جائے گا اور تم عذاب الٰہی اور قہر خداوندی سے نہ بچ سکو گے۔

نیز آیت کے آخری ٹکڑے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس کے دل میں اللہ و رسول کی محبت نہیں یقیناً بلاشبہ اس کے ایمان میں خلل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

(بخاری جلد ا ص۷ باب حب الرسول)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی والہانہ محبت تھی اگر آپ کو اس کی تجلیوں کا نظارہ کرنا ہے۔ تو مندرجہ ذیل واقعات کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھیے اور عبرت حاصل کیجیے۔

ایک بڑھیا کا جذبہ محبت

آپ جنگ احد کے بیان میں پڑھ چکے ہیں کہ شیطان نے بے پر کی یہ خبر اڑا دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ یہ ہولناک خبر جب مدینہ منورہ میں پہنچی تو وہاں کی زمین دہل گئی یہاں تک کہ وہاں کی پردہ نشین عورتوں کے دل و دماغ میں صدمات غم کا بھونچال آگیا اور قبیلہ بنی دینار کی ایک عورت اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے گھر سے نکل پڑی اور میدان جنگ کی طرف چل پڑی راستے میں اس کو اپنے باپ اور بھائی اور شوہر کی شہادت

کی خبر ملی مگر اس نے اس کی کوئی پروا نہیں کی اور لوگوں سے یہی پوچھتی رہی کہ مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ جب اسے بتایا گیا کہ الحمدللہ! آپ ہر طرح بخیریت ہیں تو اس سے اس بڑھیا کی تسلی نہیں ہوئی اور کہنے لگی کہ تم لوگ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرا دو۔ جب لوگوں نے اس کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لے جا کر کھڑا کر دیا۔ اور اس نے جمالِ نبوت کو دیکھا تو بے اختیار اسکی زبان سے یہ جملہ نکل پڑا کہ۔

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ۔ آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے (سیرۃ ابن ہشام جلد ۳ ص ۹۹ مطبوعہ مصر)

بڑھ کر اس نے رخِ انور کو جو دیکھا تو کہا!
تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج والم
میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہِ دیں! ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

حضرت ثمامہ کا اعلانِ محبت

حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ ایمان لاکر کہنے لگے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم! پہلے میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرہ سے زیادہ مبغوض نہیں تھا۔ لیکن آج آپ کا وہی چہرہ مجھے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے خدا کی قسم! میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ مگر اب آپ کا وہی دین میرے نزدیک سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ خدا کی قسم! میرے نزدیک کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ لیکن اب آپ کا وہی شہر میرے نزدیک تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۲۷ باب وفد بنی حنیفہ)

بسترِ موت پر عشقِ رسول

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا۔ تو ان کی بیوی نے غم سے نڈھال ہو کر کہا کہ "واحزناہ" (ہائے رے غم) یہ سن کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بسترِ موت پر تڑپ کر کہا کہ۔

واہ رے! خوشی میں کل تمام دوستوں سے

وَاطَرَبَاهُ غَدًا اَلْقَى الْاَحِبَّهْ مُحَمَّدًا وَصَحْبَهْ۔ — یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے ملوں گا۔

(زرقانی علی المواہب)

حضرت علی اور محبت رسول

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مال، ہماری اولاد ہمارے باپ ہماری ماں، اور سخت پیاس کے وقت پانی سے بھی بڑھ کر ہمارے نزدیک محبوب ہیں۔

(شفاء شریف جلد ۲ صـ۱۸)

عبداللہ بن عمر کا عشق

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سن ہوگیا۔ لوگوں نے ان کو اس مرض کے علاج کے طور پر یہ عمل بتایا کہ تمام دنیا میں آپ کو سب سے زائد جس سے محبت ہو اس کو یاد کرکے پکاریے۔ یہ مرض جاتا رہے گا۔ یہ سن کر آپ نے "یا محمد" کا نعرہ مارا۔ اور آپ کا پاؤں اچھا ہوگیا۔

(شفاء شریف جلد ۲ صـ۱۸)

کدو سے محبت

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک درزی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی۔ میں بھی ساتھ میں تھا۔ جو کی روٹی اور شوربا آپ کے سامنے لایا گیا۔ جس میں خشک گوشت کی بوٹیاں اور کدو کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے اطراف سے کدو کے ٹکڑے تلاش کرکے تناول فرماتے تھے۔ اسی لیے میں اس دن سے کدو کو ہمیشہ محبوب رکھتا ہوں۔

(بخاری جلد ۲ صـ۸۱۷ باب المرق)

منقول ہے کہ حضرت امام ابو یوسف (شاگرد امام ابو حنیفہ) علیہ الرحمۃ کے سامنے اس روایت کا ذکر آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو بہت زیادہ پسند تھا۔ اس مجلس میں ایک شخص نے کہہ دیا کہ "اَنَا مَا اُحِبُّهٗ" (میں تو اس کو پسند نہیں کرتا) یہ سن کر حضرت امام ابو یوسف نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا کہ۔

جَدِّدِ الْاِیْمَانَ وَاِلَّا لَاَقْتُلَنَّكَ — اپنے ایمان کی تجدید کرو ورنہ میں ضرور تجھ کو قتل

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص۳۷)

کر ڈالوں گا۔

سوتے وقت رسول کی یاد

عبدہ بنت خالد بن معدان کا بیان ہے کہ ہر رات حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ جب اپنے بستر پہ لیٹتے تو انتہائی شوق و اشتیاق کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کبار، مہاجرین و انصار کو نام لے لے کر یاد کرتے اور یہ دعا مانگتے کہ یا اللہ میرا دل ان حضرات کی محبت میں بے قرار ہے اور میرا اشتیاق اب حد سے بڑھ چکا ہے لہٰذا تو مجھے جلد وفات دے کر ان لوگوں کے پاس پہنچا دے یہی کہتے کہتے ان کو نیند آجاتی تھی۔ اللہ اکبر۔

(شفاء شریف جلد ۲ ص۱۷)

میں سو جاؤں یا مصطفےٰ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صل علےٰ کہتے کہتے

محبتِ رسول کی نشانیاں

واضح رہے کہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرنے والے تو بہت لوگ ہیں۔ مگر یاد رکھیے کہ اس کی چند نشانیاں ہیں جن کو دیکھ کر اس بات کی پہچان ہوتی ہے کہ واقعی اس کے دل میں محبت رسول کا چراغ روشن ہے۔ ان علامتوں میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) آپ کے اقوال و افعال کی پیروی، آپ کی سنتوں پر عمل، آپ کے اوامر و نواہی کی فرمانبرداری غرض شریعت مطہرہ پر پورے طور سے عامل ہو جانا۔

(۲) آپ کا ذکر شریف بکثرت کرنا، بہت زیادہ درود شریف پڑھنا، آپ کے ذکر کی مجالس مقدسہ مثلاً میلاد شریف، اور دینی جلسوں کا شوق اور ان مجالسِ مبارکہ میں حاضری۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام ان لوگوں، اور ان چیزوں سے محبت، اور ان کا ادب و احترام جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت و تعلق حاصل ہے۔ مثلاً صحابۂ کرام، ازواج مطہرات، اہل بیت اطہار، شہر مدینہ، قبر انور، مسجد نبوی، آپ کے آثار شریفہ و مشاہد مقدسہ، قرآن مجید و احادیث مبارکہ، سب کی تعظیم و توقیر اور ان کا ادب و احترام کرنا۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں سے دوستی، اور ان کے دشمنوں یعنی بددینوں، بدمذہبوں سے دشمنی رکھنا۔

(۵) دنیا سے بے رغبتی، اور فقیری کو مالداری سے بہتر سمجھنا۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھ سے محبت کرنے والے کی طرف فقر و فاقہ اس سے بھی زیادہ جلدی پہنچتا ہے جیسے کہ پانی کا سیلاب اپنے منتہیٰ کی طرف۔

(ترمذی جلد ۲ ص ۵۸ ابواب الزہد)

(۵) تعظیمِ رسول

امت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقوق میں ایک نہایت ہی اہم اور بہت ہی بڑا حق یہ بھی ہے کہ ہر امتی پر فرض عین ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے نسبت و تعلق رکھنے والی تمام چیزوں کی تعظیم و توقیر، اور ان کا ادب و احترام کرے اور ہرگز ہرگز کبھی ان کی شان میں کوئی بے ادبی نہ کرے۔ احکم الحاکمین جل جلالہٗ کا فرمان والا شان ہے کہ۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔

(بے شک ہم نے تمہیں (اے رسول) بھیجا حاضر و ناظر، اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا۔ تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔

(فتح)

حضور کی توہین کرنے والا کافر ہے

حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس بات پر تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا، یا ان کی ذات، ان کے خاندان ان کے دین، ان کی کسی خصلت میں نقص بتانے والا یا اس کی

طرف اشارہ کنایہ کرنے والا، یا حضور کو بدگوئی کے طریقے پر کسی چیز سے تشبیہ دینے والا یا آپ کو عیب لگانے والا، یا آپ کی شان کو چھوٹی بتانے والا یا آپ کی تحقیر کرنے والا، بادشاہ اسلام کے حکم سے قتل کر دیا جائے گا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لعنت کرنے والا یا آپ کے لیے بددعا کرنے والا یا آپ کی طرف کسی ایسی بات کی نسبت کرنے والا جو آپ کے منصب کے لائق نہ ہو یا آپ کے لیے کسی مضرت کی تمنا کرنے والا، یا آپ کی مقدس جناب میں کوئی ایسا کلام بولنے والا جس سے آپ کی شان میں استخفاف ہوتا ہو یا کسی آزمائش یا امتحان کی باتوں سے آپ کو عار دلانے والا بھی سلطان اسلام کے حکم سے قتل کر دیا جائے گا اور وہ مرتد قرار دیا جائے گا۔ اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی

اور اس مسئلہ میں علماء امصار اور سلف صالحین کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایسا شخص کافر قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا۔ محمد بن سحنون علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدزبانی کرنے والا۔ اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اور توہین رسالت کرنے والے کی دنیا میں یہ سزا ہے کہ وہ قتل کر دیا جائے گا۔ (شفاء شریف جلد ۲ صفحہ ۱۸۹ و صفحہ ۱۹۰)

اسی طرح حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلقین یعنی آپ کے اصحاب، آپ کے اہل بیت، آپ کی ازواج مطہرات وغیرہ کو گالی دینے والے کے بارے میں فرمایا کہ

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت اور آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کے اصحاب کو گالی دینا، یا ان کی شان میں تنقیص کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے والا ملعون ہے۔ (شفاء شریف جلد ۲ صفحہ ۲۶۶)

یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر ادب و احترام کرتے تھے اور آپ کی مقدس بارگاہ میں اتنی تعظیم و تکریم کا مظاہرہ کرتے تھے کہ حضرت

عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ جب کہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور کفار مکہ کے نمائندہ بن کر میدان حدیبیہ میں گئے تھے تو وہاں سے واپس آ کر انہوں نے کفار کے مجمع میں علی الاعلان یہ کہا تھا کہ۔

اے میری قوم! میں نے بادشاہ روم، قیصر، اور بادشاہ فارس کسریٰ، اور بادشاہ حبشہ نجاشی، سب کا دربار دیکھا ہے مگر خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کے درباریوں کو اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے نہیں دیکھا جتنی تعظیم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کرتے ہیں۔

(بخاری جلد اصـ ۳۸۰ باب الشروط فی الجہاد وغیرہ)

چنانچہ مندرجہ ذیل مثالوں سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار اپنے آقائے نامدار کے دربار میں کس قدر تعظیم و تکریم کے جذبات سے سرشار رہتے تھے!

سر پر چڑیاں

حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حاضرین مجلس کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مقدسہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

جس وقت آپ کلام فرماتے تھے تو آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے صحابہ کرام اس طرح سر جھکا کر خاموشی اور سکون کے ساتھ بیٹھے رہا کرتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جس وقت آپ خاموش ہو جاتے تو صحابہ کرام گفتگو کرتے اور کبھی آپ کے سامنے کلام میں متنازعہ نہیں کرتے اور جو آپ کے سامنے کلام کرتا آپ توجہ کے ساتھ اس کے کلام کو سنتے رہتے یہاں تک کہ وہ خاموش ہو جاتا۔ (شمائل ترمذی صـ ۲۵ باب ما جاء فی خلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عمرو بن العاص کے تین دور

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بستر موت پر اپنے صاحبزادے سے اپنی زندگی کے تین دور کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میری پہلی حالت یہ تھی کہ میں

وہ کفر کی حالت ہیں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا اگر میں اس حالت میں مر جاتا تو یقیناً میں دوزخی ہوتا۔ دوسری حالت مسلمان ہونے کے بعد تھی۔ کہ کوئی شخص میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہ تھا اور میری آنکھوں میں آپ سے زیادہ عظمت وجلالت والا کوئی بھی نہ تھا اور میں آپ کی ہیبت کی وجہ سے آپ کی طرف نظر بھر کر دیکھ نہیں سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ دریافت کیا جائے تو میں اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا۔ اگر میں اس حال پر مر گیا تو مجھے امید ہے کہ میں اہل جنت میں سے ہوتا۔ تیسری حالت میری گورنری اور حکومت کی تھی جس میں مجھے اپنا حال معلوم نہیں۔ (مسلم جلد ۱ ص۶، باب کون الاسلام یہدم ماکان قبلہ)

کون بڑا ؟

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت قباث بن اشیم سے پوچھا کہ تم بڑے ہو، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ انہوں نے کہا کہ بڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ مگر میری پیدائش حضور سے پہلے ہوئی ہے۔

(ترمذی جلد ۲ ص۲۰۲ باب ماجاء فی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت براء کا ادب

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دریافت کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مگر کمال ادب اور آپ کی ہیبت سے برسوں دریافت نہیں کر سکتا تھا۔

(شفاء شریف جلد ۲ ص۳۶)

آثار شریفہ کی تعظیم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کے ادب واحترام کو حضرات صحابہ کرام اپنے ایمان کی جان سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ چیزیں کہ جن کو آپ کی ذات والا سے کچھ تعلق وانتساب ہو ان کی تعظیم وتوقیر کو بھی اپنے لیے لازم الایمان جانتے تھے اسی طرح تابعین اور دوسرے سلف صالحین بھی آپ کے تبرکات کا بے حد احترام اور ان کا اعزاز واکرام کرتے تھے اس کی چند مثالیں ہم ذیل میں تحریر کرتے ہیں جو اہل ایمان کے لیے نہایت ہی عبرت خیز ونصیحت آموز ہیں۔

(۱) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند مقدس

بال سلے ہوئے تھے کسی جنگ میں ان کی ٹوپی سر سے گر پڑی۔ تو آپ نے اتنا زبردست حملہ کر دیا کہ بہت سے مجاہدین شہید ہو گئے۔ آپ کے لشکر والوں نے ایک ٹوپی کے لیے اتنے شدید حملہ کو پسند نہیں کیا۔ لوگوں کا طعنہ سن کر آپ نے فرمایا کہ میں نے ٹوپی کے لیے یہ حملہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ میرے اس حملہ کی یہ وجہ تھی کہ میری اس ٹوپی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہیں مجھے یہ اندیشہ ہو گیا کہ میں ان کی برکتوں سے کہیں محروم نہ ہو جاؤں۔ اور یہ کفار کے ہاتھوں میں نہ پہنچ جائیں۔ اس لیے میں نے اپنی جان پر کھیل کر اس ٹوپی کو اٹھا کر ہی دم لیا۔

(شفاء شریف جلد ۲ صفحہ ۴۴)

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف پر جس جگہ آپ بیٹھتے تھے۔ خاص اس جگہ پر اپنا ہاتھ پھیر کر اپنے چہرے پر مسح کیا کرتے تھے۔

(شفاء شریف جلد ۲ صفحہ ۴۴)

(۳) حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ جو صحابی اور مسجد حرام کے موذن ہیں ان کے سر کے اگلے حصہ میں بالوں کا ایک جوڑا تھا۔ جب وہ زمین پر بیٹھتے اور اس جوڑے کو کھول دیتے تو بال زمین سے لگ جاتے تھے کسی نے ان سے کہا کہ آپ ان بالوں کو منڈواتے کیوں نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں ان بالوں کو منڈوا نہیں سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ان بالوں کو اپنے دست مبارک سے مسح فرمادیا ہے

(شفاء شریف جلد ۲ صفحہ ۴۴)

(۴) حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت انس بن مالک صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمائش کی کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس بال ہے میں جب مر جاؤں تو تم اس کو میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ چنانچہ میں نے ان کی وصیت کے مطابق ان کی زبان کے نیچے رکھ دیا۔ اور وہ اسی حالت میں دفن ہوئے۔

(اصابہ ترجمہ انس بن مالک)

اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیز اموی خلیفہ عادل رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا

تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند موئے مبارک اور ناخن دکھا کر لوگوں سے وصیت فرمائی کہ ان تبرکات کو آپ لوگ میرے کفن میں رکھ دیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔
(طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۳)

(۵) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ کو چند گھوڑے عنایت فرمائے تو میں نے عرض کیا کہ ایک گھوڑا آپ اپنی سواری کے لیے رکھ لیجیے تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بڑی شرم آتی ہے کہ جس شہر کی زمین میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں اس شہر کی زمین کو میں اپنی سواری کے جانور کی کھروں سے روندواؤں (چنانچہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی بھر مدینہ ہی میں رہے مگر کبھی کسی سواری پر مدینہ منورہ میں سوار نہیں ہوئے) (شفاء شریف جلد ۲ صفحہ ۴۴)

(۶) حضرت احمد بن فضلویہ جن کا لقب "زاہد" ہے۔ یہ بہت بڑے مجاہد تھے۔ اور تیر اندازی میں بہت ہی باکمال تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب سے مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے کمان بھی اٹھائی ہے اس وقت سے میں کمان کا اتنا ادب و احترام کرتا ہوں کہ بلا وضو کسی کمان کو ہاتھ نہیں لگاتا
(شفاء شریف جلد ۲ صفحہ ۴۴)

(۷) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے یہ کہہ دیا کہ "مدینہ کی مٹی خراب ہے" یہ سن کر حضرت امام موصوف نے یہ فتویٰ دیا کہ اس گستاخ کو تیس درے لگائے جائیں اور اس کو قید میں ڈال دیا جائے اور یہ بھی فرمایا کہ اس شخص کو قتل کر دینے کی ضرورت ہے جو یہ کہے کہ مدینہ کی مٹی اچھی نہیں ہے۔ (شفاء شریف جلد ۲ صفحہ ۴۴)

(۸) ایک دن سقیفہ بنی ساعدہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ رونق افروز تھے آپ نے حضرت سہل بن سعد سے فرمایا کہ ہمیں پانی پلاؤ۔ چنانچہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے ایک پیالہ میں آپ کو پانی پلایا۔ حضرت ابو حازم کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت سہل بن سعد کے یہاں مہمان ہوئے تو انہوں نے وہی پیالہ ہمارے واسطے نکالا۔ اور برکت حاصل کرنے کے لیے ہم لوگوں نے اسی پیالے میں پانی

پیا۔ اس پیالہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی خلیفہ عادل رضی اللہ عنہ نے حضرت سہل بن سعد سے مانگ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص۱۶۹ باب اباحۃ النبیذ الذی الخ)

(۹) جب بنو حنیفہ کا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ تو اس وفد میں حضرت سیار بن طلق یمامی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اپنے پیراہن شریف کا ایک ٹکڑا عنایت فرمایئے۔ میں اس سے اپنا دل بہلایا کروں گا حضور نے ان کی درخواست منظور فرما کر ان کو پیراہن شریف کا ایک ٹکڑا دے دیا ان کے پوتے محمد بن جابر کا بیان ہے کہ میرے والد کہتے تھے کہ وہ مقدس ٹکڑا برسہا برس ہمارے پاس تھا۔ اور ہم اس کو دھو کر بغرض شفاء بیماروں کو پلایا کرتے تھے۔ (اصابہ ترجمہ سیار بن طلق)

(۱۰) **مشک کا منہ کاٹ لیا** ایک صحابیہ حضرت کبشہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کے گھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور ان کی مشک کے منہ سے آپ نے اپنا منہ لگا کر پانی نوش فرمالیا۔ تو حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا نے اس مشک کا منہ کاٹ کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا۔ (ابن ماجہ ص۲۵۳ باب الشرب قائماً)

(۱۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تلوار "ذوالفقار" حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ مدینہ منورہ واپس آئے تو حضرت مسور بن مخرمہ صحابی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا مجھے یہ خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ بنو امیہ آپ سے اس تلوار کو چھین لیں گے اس لیے آپ مجھے وہ تلوار دے دیجئے۔ جب تک میرے جسم میں جان ہے کوئی اس کو مجھ سے نہیں چھین سکتا۔ (بخاری جلد ۱ ص۴۳۸ باب ما ذکر من درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

(۶) مدحِ رسول

ہر امتی پر یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے جس کو ادا کرنا امت پر لازم

ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کا ہمیشہ اعلان اور چرچا کرتے رہیں۔ اور ان کے فضائل و کمالات کو علی الاعلان بیان کرتے رہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل و محاسن کا ذکر جمیل رب العالمین جل جلالہ اور تمام انبیاء و مرسلین کا مقدس طریقہ ہے۔ حضرت حق جل مجدہ نے قرآن کریم کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء کے قسم قسم کے گلہائے رنگا رنگ کا ایک حسین گلدستہ بنا کر نازل فرمایا ہے اور پورے قرآن میں آپ کی مقدس نعت و صفات کی آیات بینات اس طرح چمک چمک کر جگمگا رہی ہیں جس طرح آسمان پر ستاروں کی برات اپنی تجلیات کا نور بکھیرتی رہتی ہے اور انبیاء سابقین کی مقدس آسمانی کتابیں بھی اعلان کر رہی ہیں کہ ہر نبی و رسول اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کا نقیب اور ان کے محامد و محاسن کا خطیب بن کر عمر بھر فضائل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و کمال اور ان کے جاہ و جلال کا ڈنکا بجاتا رہا۔ یہی وجہ ہے صحابہ اکرام کے مقدس دور میں ہزاروں اصحاب کبار ہر کوچہ و بازار اور میدان کارزار میں نعت رسول کے نغموں سے انقلاب عظیم برپا کر کے ایسے ایسے عظیم شاہکارِ عالم وجود میں لاسکے کائنات ہستی میں ہدایت کی نسیم بہار سے ہزاروں گلزار نمودار ہو گئے اور دور صحابہ سے آج تک پیارے رسول کے خوش نصیب مداحوں نے نظم و نثر میں نعت پاک کا جتنا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے کہ اگر ان کا شمار کیا جائے تو دفتروں کے اوراق تو کیا روئے زمین کی وسعت بھی ان کی تاب نہ لاسکے گی۔

حضرت حسان بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن رواحہ، کعب بن زہیر وغیرہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دربار نبوت کا شاعر ہونے کی حیثیت سے ایسی ایسی نعت پاک کی مثالیں پیش کیں کہ آج تک بڑے بڑے باکمال شعراء ان کو سن کر سر دھنتے رہتے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کا چرچا نظم و نثر میں اسی شان سے ہوتا ہی رہے گا۔ ؎

رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

(۷) درود شریف

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا رہے چنانچہ خالق کائنات جل جلالہ کا حکم ہے کہ۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (احزاب)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے مومنوں! تم بھی ان پر درود بھیجتے رہو اور ان پر سلام بھیجتے ہو۔ جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف بھیجتا ہے اللہ تعالےٰ اس پر دس مرتبہ درود شریف بھیجتا ہے۔

اللہ اکبر! شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان محبوبیت کا کیا کہنا؟ ایک حقیر و ذلیل بندہ خدا کے پیغمبر جمیل کی بارگاہ عظمت میں درود شریف کا ہدیہ بھیجتا ہے! تو خداوند جلیل اس کے بدلے میں دس رحمتیں اس بندے پر نازل فرماتا ہے۔

درود شریف کے فضائل و فوائد بہت زیادہ ہیں یہاں بہ نظر اختصار ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ خداوند کریم ہم تمام مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(۸) قبر انور کی زیارت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ کی زیارت سنت موکدہ قریب واجب ہے اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا

اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں آپ کے پاس آجاتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور رسول انکے

رَّحِيمًا۔ لیے بخشش کی دعا فرماتے تو یہ لوگ خدا کو

(نساء) بہت زیادہ بخشنے والا مہربان پاتے۔

اس آیت میں گناہگاروں کے گناہ کی بخشش کے لیے ارحم الراحمین نے تین شرطیں لگائی ہیں اول دربار رسول میں حاضری۔ دوم استغفار، سوم رسول کی دعائے مغفرت اور یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری دنیاوی حیات ہی تک محدود نہیں بلکہ روضہ اقدس میں حاضری بھی یقیناً دربار رسول ہی میں حاضری ہے اسی لیے علماء کرام نے تصریح فرمادی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار کا یہ فیض آپ کی وفات اقدس سے منقطع نہیں ہوا ہے اس لیے جو گناہگار قبر انور کے پاس حاضر ہو جائے اور وہاں خدا سے استغفار کرے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی قبر انور میں اپنی امت کے لیے استغفار فرماتے ہی رہتے ہیں لہٰذا اس گناہگار کے لیے مغفرت کی تینوں شرطیں پائی گئیں اس لیے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مغفرت ہو جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ چاروں مذاہب کے علماء کرام نے مناسک حج و زیارت کی کتابوں میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص بھی روضہ منورہ پر حاضری دے اس کے لیے مستحب ہے کہ اس آیت کو پڑھے اور پھر خدا سے اپنی مغفرت کی دعا مانگے۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ کے علاوہ بہت سی حدیثیں بھی روضہ منورہ کی زیارت کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں۔ جن کو علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "وفاء الوفا" اور دوسرے مستند سلف صالحین علماء دین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے۔ ہم یہاں مثال کے طور پر صرف تین حدیثیں بیان کرتے ہیں

(۱) مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

(دار قطنی و بیہقی وغیرہ)

(۲) مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔ (کامل ابن عدی) جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

(۳) مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَمَاتِیْ فَکَاَنَّمَا جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت

زَارَنِي فِي حَيَاتِي وَمَنْ مَاتَ بِاَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(دارقطنی وغیرہ)

کی اس نے گویا میری حیات میں میری زیارت کی اور جو حرمین شریفین میں سے ایک میں مرگیا وہ قیامت کے دن امن والوں کی جماعت میں اٹھایا جائے گا۔

اسی لیے صحابہ کرام کے مقدس زمانے سے لے کر آج تک تمام دنیا کے مسلمان قبر منور کی زیارت کرنے اور آپ کی مقدس جناب میں توسل اور استغاثہ کرتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ تعالےٰ قیامت تک یہ مبارک سلسلہ جاری رہے گا۔

چنانچہ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وفات اقدس کے تین دن بعد ایک اعرابی مسلمان آیا اور قبر انور پر گر کر لپٹ گیا۔ پھر کچھ مٹی اپنے سر پر ڈال کر یوں عرض کرنے لگا کہ۔

یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے جو کچھ فرمایا ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا۔ جس میں اس نے ارشاد فرمایا وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ الخ تو یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اپنی جان پر (گناہ) کرکے ظلم کیا ہے اس لیے میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ میرے حق میں مغفرت کی دعا فرمائیں اعرابی کی اس فریاد کے جواب میں قبر انور سے آواز آئی کہ اے اعرابی! تو بخش دیا گیا۔

(وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۴۱۲)

ضروری تنبیہ ناظرین کرام یہ سن کر حیران ہوں گے کہ میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ گنبد خضرا کے اندر مواجہہ اقدس اور اس کے قریب مسجد نبوی کی دیواروں پر قبر انور کی زیارت کے فضائل کے بارے میں جو حدیثیں کندہ کی ہوئی تھیں نجدی حکومت نے ان حدیثوں پر مسالہ لگوا کر ان کو مٹانے کی کوشش کی ہے اگرچہ اب بھی اس کے بعض حروف ظاہر ہیں۔ اسی طرح مسجد نبوی کے گنبدوں کے اندرونی حصہ میں قصیدۂ بردہ شریفہ کے جن اشعار میں توسل و استغاثہ کے مضامین تھے۔

ان سب کو مٹا دیا گیا ہے۔ باقی اشعار باقی گنبدوں پر اس وقت تک باقی تھے میں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ جولائی ۱۹۵۹ء کا واقعہ ہے اس کے بعد وہاں کیا تبدیلی ہوئی؟ اس کا حال نئے حجاج کرام سے دریافت کرنا چاہیئے۔

ابن تیمیہ کا فتویٰ

بعض لوگ انبیاء کرام اور اولیاء و شہداء کے مزاروں کی طرف سفر کرنے کو حرام و ناجائز بتاتے ہیں چنانچہ وہابیوں کے مورث اعلیٰ ابن تیمیہ نے تو کھلے الفاظ میں یہ فتویٰ دے دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ کے قصد سے سفر کرنا گناہ ہے اس لیے اس سفر میں نمازوں کے اندر قصر جائز نہیں۔ (معاذ اللہ)

ابن تیمیہ کے اس فتویٰ سے شام و مصر میں بہت بڑا فتنہ برپا ہو گیا چنانچہ شامیوں نے ابن تیمیہ کے بارے میں علماء حق سے استفتاء طلب کیا۔ اور علامہ برہان بن الفرکاح فزاری نے تقریباً چالیس سطروں میں فتویٰ لکھ کر ابن تیمیہ کو "کافر" بتایا اور علامہ شہاب بن جہبل نے اس فتویٰ پر اپنی مہر تصدیق لگائی۔ پھر مصر میں یہی فتویٰ حنفی شافعی، مالکی، حنبلی چاروں مذاہب کے قاضیوں کے سامنے پیش کیا گیا چنانچہ علامہ بدر بن جماعہ شافعی نے اس پر یہ فیصلہ تحریر فرمایا کہ ابن تیمیہ کو ایسے فتاویٰ باطلہ سے بزجر و توبیخ منع کیا جائے اگر باز نہ آئے تو اس کو قید کر دیا جائے اور محمد بن الجریری حنفی نے یہ حکم دیا کہ اسی وقت بلا کسی شرط کے اس کو قید کیا جائے اور محمد بن ابی بکر مالکی نے یہ حکم دیا کہ اس کو اس قسم کی زجر و توبیخ کی جائے کہ وہ ایسے مفاسد سے باز آ جائے۔ اور احمد بن عمر مقدسی حنبلی نے بھی ایسا ہی حکم لکھا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن تیمیہ شعبان ۷۲۶ھ میں دمشق کے قلعہ کے اندر قید کیا گیا اور جیل خانہ ہی میں ۲۰ ذوالقعدہ ۷۲۸ھ کو وہ اس دنیا سے رخصت ہوا۔ مواخذہ اخروی ابھی باقی ہے

(منقول از سیرت رسول عربی ص ۵۲۳)

⁂

حدیث لاتشد الرحال

ابن تیمیہ اور اس کی معنوی اولاد یعنی فرقۂ وہابیہ قبر انور کی زیارت سے منع کرنے کے لیے بخاری کی اس حدیث کو بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔	کجاوے نہ باندھے جائیں مگر تین ہی مسجدوں یعنی مسجد حرام و مسجد رسول و مسجد اقصی کی طرف!

(بخاری جلد۱ صفحہ۱۵۸ باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ)

اس حدیث کا سیدھا سادہ مطلب جس کو تمام شراح حدیث نے سمجھا ہے۔ یہی ہے کہ تمام دنیا میں تین ہی مسجدیں یعنی مسجد حرام، مسجد رسول، مسجد اقصیٰ ایسی مساجد ہیں جن کو تمام دنیا کی مسجدوں پر اجر و ثواب کے معاملہ میں ایک خاص فضیلت حاصل ہے۔ لہٰذا ان تین مسجدوں کی طرف کجاوے باندھ کر دور دور سے سفر کر کے جانا چاہیے لیکن ان تین مسجدوں کے سوا چونکہ دنیا بھر کی تمام مسجدیں اجر و ثواب کے معاملہ میں برابر ہیں۔ اس لیے ان تین مسجدوں کے سوا کسی دوسری مسجد کی طرف کجاوے باندھ کر دور دور سے سفر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس حدیث کو مشاہدہ مقابر کی طرف سفر کرنے یا نہ کرنے سے تو کوئی تعلق نہیں ہے!

اگر اس بات کو عالموں کی زبان میں سمجھنا ہو تو یوں سمجھیے کہ اس حدیث میں "اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ" مستثنیٰ مفرغ ہے اور "مستثنیٰ مفرغ" میں "مستثنیٰ منہ" ہمیشہ وہی مقدر مانا جائیگا جو مستثنیٰ کی نوع ہو مثلاً "ماجاء نی الا زید" میں لفظ "جسم" یا "حیوان" کو "مستثنیٰ منہ" مقدر نہیں مانا جائے گا۔ اور اس عبارت کا مطلب ماجاءنی جسم الا زید۔ یا ماجاءنی حیوان الا زید نہیں مانا جائے گا بلکہ اس کا مطلب یہی مانا جائے گا کہ ماجاءنی رجل الا زید تو اس حدیث میں بھی "مستثنیٰ منہ" بجز لفظ "مسجد" اور کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا حدیث کی اصل عبارت یہ ہوگی کہ لا تشد الرحال الی مسجد الا الی ثلثۃ مساجد یعنی تین مسجدوں کے سوا کسی دوسری مسجد کی طرف کجاوے نہ باندھے جائیں۔

چنانچہ اس حدیث کی بعض روایات میں یہ لفظ آیا بھی ہے۔ مثلاً ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ لا ینبغی للمطی ان تشد رحاله الی مسجد یبتغی فیه الصلوٰة غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصی ومسجدی هذا (قسطلانی وعمدة القاری) یعنی سواریوں پر کجاوے کسی مسجد کی طرف بقصد نماز نہ باندھے جائیں سوائے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے۔

ملاحظہ فرمایئے کہ اس حدیث میں "مستثنیٰ منہ" ذکر کر دیا گیا ہے اور وہ الی مسجد ہے

بہر حال وہابیہ خذلہم اللہ نے عداوت رسول میں اس حدیث کا مطلب بیان کرنے میں اتنی بڑی جہالت کا ثبوت دیا ہے کہ قیامت تک تمام اہل علم ان کی اس جہالت پر ماتم کرتے رہیں گے۔

بارگاہِ خداوندی میں رسول کا وسیلہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنا کر دعا مانگنا جائز بلکہ مستحب ہے اسی کو توسل واستغاثہ وتشفع وغیرہ مختلف الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے حضور علیہ الصلوٰة والسلام کو خدا کے دربار میں وسیلہ بنانا یہ حضرات انبیاء ومرسلین کی سنت اور سلف صالحین کا مقدس طریقہ ہے۔ اور یہ توسل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ سے پہلے آپ کی ظاہری حیات میں اور آپ کی وفات اقدس کے بعد تینوں حالتوں میں ثابت ہے چنانچہ ہم یہاں تینوں حالتوں میں آپ سے توسل کرنے کی چند مثالیں نہایت ہی اختصار کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔

(۱) ولادت سے قبل توسل

روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں اگر باری تعالےٰ سے یوں دعا مانگی کہ۔

یَارَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ — اے میرے پروردگار میں تجھ سے محمد صلی اللہ

اَنْ تَغْفِرَلِیْ۔ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف فرما دے۔

اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کس طرح پہچانا حالانکہ میں نے ابھی تک ان کو پیدا بھی نہیں فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھے پیدا فرما کر میرے بدن میں روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ عرش مجید کے پایوں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ اس سے میں نے سمجھ لیا کہ تو نے جس کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر عرش پر تحریر کرایا ہے وہ یقیناً تیرا سب سے بڑا محبوب ہوگا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اے آدم! (علیہ السلام) بے شک تم نے سچ کہا وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں چونکہ تم نے ان کو میرے دربار میں وسیلہ بنایا ہے اس لیے میں نے تم کو معاف کر دیا اور سن لو کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت فرمایا ہے۔

(روح البیان سورۂ احزاب ص ۲۳۰)

(۲) ظاہری حیات اقدس میں توسل

حضرات صحابہ کرام آپ کی مقدس مجالس میں حاضر ہو کر جس طرح اپنی دین و دنیا کی تمام حاجتیں طلب فرماتے تھے اسی طرح اپنی دعاؤں میں آپ کو وسیلہ بھی بنایا کرتے تھے۔ بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو یہ تعلیم دی کہ وہ اپنی دعاؤں میں رسول کی مقدس ذات کو خداوند تعالےٰ کے دربار میں وسیلہ بنائیں چنانچہ "معجزات" کے ذکر میں آپ ایک نابینا کے بارے میں یہ حدیث پڑھ چکے کہ۔

ایک نابینا بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ آپ اللہ تعالےٰ سے دعا کر دیں کہ وہ مجھے عافیت بخشے آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو میں دعا کر دیتا ہوں اور اگر تو چاہے تو صبر کر صبر تیرے حق میں اچھا ہے جب اس نے دعا کے لیے اصرار کیا تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ تم اچھی طرح وضو کر کے یوں

دعا مانگو کہ۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ	یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی، نبی رحمت کا وسیلہ پیش کرتا ہوں یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کیا ہے۔ اپنی اس ضرورت میں تاکہ وہ پوری ہو جائے یا اللہ تو میرے حق میں حضور کی شفاعت قبول فرما۔

اس حدیث کو ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے فرمایا کہ ھٰذا حدیث حسن صحیح غریب اور امام بیہقی و طبرانی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے مگر امام بیہقی نے اتنا اور کہا ہے کہ اس نابینا نے ایسا کیا اور اس کی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔

(وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۲۰)

دُعائے نبوی میں وسیلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کا جب انتقال ہوا۔ اور ان کی قبر تیار ہو گئی تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کی قبر کی لحد کھودی پھر اس قبر میں لیٹ کر آپ نے یوں دعا فرمائی کہ۔

یا اللہ! میری ماں (چچی) فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور اس پر اس کی قبر کو کشادہ فرما دے۔ بوسیلہ اپنے نبی کے اور ان نبیوں کے وسیلہ سے جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں کیونکہ تو ارحم الراحمین ہے۔ (وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۸۹)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں ابو طالب کی کفالت میں تھے تو حضور کی چچی یعنی ابو طالب کی بیوی فاطمہ بنت اسد آپ کا بڑا خاص خیال رکھتی تھیں یہ اسی احسان کا بدلہ تھا کہ آپ نے ان کو اپنی چادر مبارک کا کفن پہنایا اور خود اپنے دست رحمت سے ان کی قبر کی لحد کھودی اور ان کی قبر میں کچھ دیر لیٹ کر دعا فرمائی۔

اللہ اکبر! واللہ! اس قبر میں قیامت تک رحمت کے پھولوں کی بارش ہوتی رہے گی

جس قبر والے پر رحمۃ للعالمین کی رحمت کا اتنا بڑا کرم ہوا۔

اللہم صل وسلم و بارک علی نبیک نبی الرحمۃ و الہ وصحبہ دائماً ابداً۔

(۳) وفات اقدس کے بعد توسل

وفات اقدس کے بعد بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی حاجتوں اور مصیبتوں کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دعاؤں میں وسیلہ بنایا کرتے تھے بلکہ آپ کو پکار کر آپ سے استغاثہ کیا کرتے تھے۔

بارش کے لیے استغاثہ

حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیے۔ وہ ہلاک ہو رہی ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان سے ارشاد فرمایا کہ تم حضرت عمر کے پاس جا کر میرا سلام کہو اور بشارت دے دو کہ بارش ہوگی اور یہ بھی کہہ دو کہ وہ نرمی اختیار کریں۔ اس شخص نے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر خبر کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے پھر کہا اے رب میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اسی چیز میں کہ جس سے میں عاجز ہوں۔ (وفاء الوفاء)

فتح کے لیے آپ کا وسیلہ

امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اپنا خط امیر لشکر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے نام مقام "یرموک" میں بھیجا اور سلامتی کی دعا مانگی حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ جب مسجد نبوی سے باہر آئے تو ان کو خیال آیا کہ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ میں نے روضہ اقدس پر سلام نہیں عرض کیا چنانچہ واپس جا کر جب قبر انور کے پاس حاضر ہوئے تو وہاں حضرت عائشہ، حضرت عباس و حضرت علی و حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم حاضر تھے۔ حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ نے ان حضرات سے جنگ یرموک میں اسلام کی فتح کے لیے دعا کی درخواست

کی۔ تو حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگی کہ۔

"یا اللہ! ہم اس نبی مصطفیٰ اور رسول مجتبیٰ کہ جن کے وسیلہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی دعا قبول ہوگئی۔ اور خدا نے ان کو معاف فرما دیا۔ ان ہی کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں کہ تو حضرت عبداللہ بن قرط پر اس کا راستہ آسان کردے۔ اور دور کو نزدیک کردے۔ اور اپنے نبی کے اصحاب کی مدد فرما کر ان کو فتح عطا فرما دے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اب آپ جائیے۔ اللہ تعالےٰ حضرت عمر و عباس و علی و حسن و حسین و ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کی دعا کو رد نہیں فرمائے گا۔ جب کہ ان لوگوں نے اس کی بارگاہ میں اس نبی کا وسیلہ پکڑا ہے جو اکرم الخلق ہیں۔

(فتوح الشام جلد اول صـ ۱۰۵)

حضرت عمر کی دعا میں وسیلہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ان کے دور خلافت میں قحط پڑ جاتا تھا تو وہ بارش کے لیے اس طرح دعا مانگا کرتے تھے کہ۔

یا اللہ! ہم تیرے نبی کو وسیلہ بنا کر دعا مانگا کرتے تھے تو اس وقت تو ہم کو بارش دیا کرتا تھا۔ اب ہم تیرے دربار میں تیرے نبی کے چچا (حضرت عباس) کو وسیلہ بنا کر دعا کرتے ہیں۔ لہٰذا تو ہم کو بارش عطا فرما۔

(بخاری جلد ا صـ ۱۳۷ باب سوال الناس الامام الاستسقاء)

الغرض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد تابعین و تبع تابعین اور دوسرے سلف صالحین نے ہمیشہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے توسل و استغاثہ کا سلسلہ جاری رکھا اور بحمدہٖ تعالےٰ اہل سنت و جماعت میں آج تک اس کا سلسلہ جاری ہے اور ان شاء اللہ تعالےٰ قیامت تک جاری رہے گا اس سلسلہ میں سیکڑوں ایمان افروز واقعات پیش نظر ہیں۔ لیکن کتاب کے طویل ہو جانے کا خطرہ

قلم پر کرفیو لگائے ہوئے ہے پھر بھی چند واقعات تحریر کرتا ہوں۔

حضور نے اسی دینار عطا فرمائے

مشہور حافظ الحدیث حضرت محمد بن منکدر (متوفی ۲۰۵ھ) کا بیان ہے کہ ایک شخص نے میرے والد کے پاس اسی دینار بطور امانت رکھے۔ اور یہ کہہ کر جہاد میں چلا گیا کہ میری واپسی تک اگر تمہیں اس کی ضرورت پڑے تو خود خرچ کر لینا۔ والد نے قحط سالی میں یہ رقم خرچ کر ڈالی۔ اس شخص نے جہاد سے واپس آ کر اپنی رقم کا مطالبہ کیا۔ والد نے اس سے وعدہ کر لیا کہ کل آنا اور رات مسجد نبوی میں گذاری کبھی قبر انور سے لپٹتے کبھی منبر اطہر سے چمٹتے اسی حال میں صبح کر دی۔ ابھی کچھ اندھیرا ہی تھا کہ ناگہاں ایک شخص نمودار ہوا وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اے ابو محمد! یہ لو۔ والد نے ہاتھ بڑھایا۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک تھیلی ہے جس میں اسی دینار ہیں۔ صبح کو والد نے وہی دینار اس شخص کو دے دیے۔

قبر انور سے روٹی ملی

مشہور بزرگ اور صوفی حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ اور فاقہ سے تھا میں نے قبر انور پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کا مہمان ہوں اتنا عرض کر کے میں سو گیا۔ خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی آدھی میں نے کھا لی۔ جب آنکھ کھلی تو آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

امام طبرانی کو کیسے کھانا ملا؟

امام ابو بکر مقری کہتے ہیں کہ میں اور امام طبرانی اور ابو الشیخ تینوں حرم نبوی میں فاقہ سے تھے جب عشاء کا وقت آیا تو میں نے قبر شریف کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم لوگ بھوکے ہیں یہ عرض کر کے میں لوٹ آیا۔ امام ابو القاسم طبرانی نے مجھ سے کہا کہ بیٹھو رزق آئے گا۔ یا موت۔ ابو بکر مقری کا بیان ہے کہ میں اور ابو الشیخ تو سو گئے مگر طبرانی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک علوی نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہم نے کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ دو غلام ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ٹوکری ہے جو قسم قسم کے کھانوں سے بھری ہوئی ہے۔ ہم لوگوں نے بیٹھ کر کھایا اور خیال کیا کہ

بچے ہوئے کھانے کو غلام لے گا مگر وہ باقی کھانا بھی ہمارے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو علوی نے ہم سے کہا کہ کیا تم نے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں مجھے حکم دیا کہ میں تمہارے پاس کچھ کھانا لے جاؤں۔

ایک ظالم پر فالج گرا ایک شخص نے روضہ اقدس کے پاس نماز فجر کے لیے اذان دی اور جونہی اس نے "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہا۔ خدام مسجد میں سے ایک شخص نے اُٹھ کر اس کو ایک تھپڑ مارا۔ اس شخص نے رو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) "آپ کے حضور میں میرے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے؟" اسی وقت اس خادم پر فالج گرا۔ اسے وہاں سے اٹھا کر لے گئے اور وہ تین دن کے بعد مر گیا۔

(تذکرۃ الحفاظ، مصباح الظلام وکتاب الوفا وغیرہ)

الغرض حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رضی اللہ عنہم سے توسل اور استغاثہ جائز بلکہ مستحسن ہے یہی وجہ ہے کہ لاکھوں علماء ربانیین، واولیاء کاملین ہر دور میں۔ بزرگان دین سے نظم ونثر میں توسل واستغاثہ کرتے رہے اور یہی اہل سنت وجماعت کا مقدس مذہب ہے۔

حضرت امام اعظم کا استغاثہ اگر ہم اس کی مثالیں تحریر کریں تو کتاب بہت طویل ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر ہم صرف امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصیدہ میں سے تین اشعار تبرکاً نقل کرتے ہیں جن میں حضرت امام موصوف نے کس طرح دربار رسالت میں اپنا استغاثہ پیش کیا ہے اس کو بہ نگاہ عبرت دیکھیے۔ اور انہی اشعار پر ہم اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

یَا سَیِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُکَ قَاصِدًا!
اَرْجُوْا رِضَاکَ وَاَحْتَمِیْ بِحِمَاکَ

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاکَ مَاخُلِقَ امْرُؤٌ

کَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاکَ

اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْکَ وَلَمْ یَکُنْ

لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْاَنَامِ سِوَاکَ

(قصیدۂ نعمانیہ)

ترجمہ! اے سید السادات! میں آپ کے پاس قصد کرکے آیا ہوں. میں آپ کی خوشنودی کا امیدوار ہوں. اور آپ کی پناہ گاہ میں پناہ گزین ہوں. آپ کی وہ ذات ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو کوئی آدمی پیدا نہ کیا جاتا اور نہ کوئی مخلوق عالم وجود میں آتی ہیں. آپ کے جود وکرم کا امیدوار ہوں. آپ کے سوا تمام مخلوق میں ابوحنیفہ کا کوئی سہارا نہیں!

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین واکرم الصلوٰۃ وافضل السلام علیٰ سید المرسلین والہ الطیبین واصحابہ المکرمین وعلیٰ اھل طاعتہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الراحمین

اٰمین یا رب العالمین

ھدیۂ سلام

بحضور علیہ الصلاۃ والسلام

سلام اے مصطفےٰ محبوب رحمٰں، یا رسول اللہ
سلام اے مجتبیٰ محبوب یزداں، یا رسول اللہ
سلام اے مطلع انوار سبحاں، یا رسول اللہ
سلام اے منبع انہار احسان، یا رسول اللہ
سلام اے تاجدار بزم امکاں، یا رسول اللہ
سلام اے شہر یارِ ملکِ عرفان، یا رسول اللہ
سلام اے یاورِ محتاج و سلطاں، یا رسول اللہ
سلام اے گوہرِ تاج سلیمان۔ یا رسول اللہ
سلام اے کارسازِ دردمنداں۔ یا رسول اللہ
سلام اے سرفراز عرش یزداں، یا رسول اللہ
سلام اے قبلۂ دل، کعبۂ جاں، یا رسول اللہ
سلام اے روح ملت، جان ایماں یا رسول اللہ
سلام اے خاتم دور رسولاں، یا رسول اللہ
سلام اے کاشف اسرار پنہاں یا رسول اللہ

قطعۂ تاریخ تصنیف

از مولوی فضل رسول بن حضرت مصنف مدظلہ العالی

خدا کی شان! لکھی اعظمی نے جب سیرت
تو خوب خوب ہوئی ملحدوں کی بیخکنی!
نشان حق سے مٹایا طلسم باطل کو!
حریم کعبہ میں جیسی ہوئی تھی بت شکنی
ہے تاجدار دو عالم کی سیرت اقدس
ہے اس کے حرفوں پہ قربان گوہر یمنی
لکھی کتاب بہت مختصر مگر جامع
کہ سب خرید سکیں ہوں غریب یا کہ وغنی
قبول کرے الٰہی اسے دو عالم میں
بحق آل محمد، پیمبر مدنی!
کہا یہ ہاتف غیبی نے فضل سے ہنس کر
کہ اس کتاب کی تاریخ کتنی اچھی بنی
ملا کے چار سروں کو نکالیے تاریخ!
سر ولی سر صوفی سر شریف و غنی

ولی کا سر "واو"، صوفی کا سر "ص" شریف کا سر "ش" غنی کا سر "غ"

ان چار حرفوں کو بحساب ابجد جوڑ دینے سے ۱۳۹۶ھ ہو جاتے ہیں، اس طرح سے۔

	و	ص	ش	غ
۱۳۹۶ھ	۶	۹۰	۳۰۰	۱۰۰۰

قطعۂ سالِ طباعت

خدا کی قسم مجھ پہ فضل خدا ہے
کہ سر پر میرے دامن مصطفےٰ ہے
میرے دل میں ہے الفت شاہ طیبہ
میرے سر میں سودائے خیر الوریٰ ہے
میں قربان ہوں ان کے نقش قدم پر
مرا دین و ایمان ان کی ادا ہے
نہیں میرے اعمال بخشش کے قابل
مجھے آسرا اُن کا روز جزا ہے
ضعیفی میں اک دن خیال آیا مجھ کو
کہ اب جلد ہی موت کا سامنا ہے
خداوند کو منہ دکھانا پڑے گا!
عمل ہی وہاں پر مدار جزا ہے
مگر میرے اعمال اچھے نہیں ہیں!
جرائم سے آلودہ دامن مرا ہے
میں کس طرح جاؤں گا دربار رب میں
گناہوں کا سر پر مرے ٹوکرا ہے
اچانک مرے دل سے آواز آئی
نہ گھبرا کہ تیرا وسیلہ بڑا ہے
شفیع دو عالم کا تو مدح خواں ہے
تجھے ان کی رحمت سے حصہ ملا ہے۔

ترا حشر اس شان و شوکت سے ہوگا
کہ تیرے لیے ہر طرف مرحبا ہے۔
خدا پیار رحمت سے دیکھے گا تجھ کو
ترے ہاتھ میں "سیرۃ المصطفےٰ" ہے
ہزاروں درود اس میں لکھے ہیں تو نے
نبی کی اداؤں کا یہ تذکرہ ہے
خدا کو نہ کیوں پیار آئے گا تجھ پر
کہ تو مدح خوان حبیب خدا ہے
ہوئی اس طرح دل کو میرے تسلّی
کہ محشر میں اب پار بیڑا میرا ہے
ہوئی مجھ کو جب فکر سال طباعت
کہا مجھ سے ہاتف نے کیا سوچتا ہے
لکھ اے اعظمیؔ اس کا سال طباعت
شمیم نبی سیرتِ المصطفےٰ ہے
۱۳۹۷ھ

دُعاء

اے خداوندِ جہاں، اے کردگار
تیری رحمت کا ہوں میں امیدوار
گوکہ میں اک بندۂ ناکارہ ہوں
بے کس و مجبور ہوں، بے چارہ ہوں
تیری رحمت سے مگر دل شاد ہوں
نعمتوں کے باغ کا شمشاد ہوں
تو نے ایسا فضل مجھ پر کر دیا!
رحمتوں سے میرا دامن بھر دیا!
میری قسمت اس طرح نوری ہوئی
سیرت ختم الرسل پوری ہوئی
کس زبان سے شکر تیرا ہو ادا
میں ترا بندہ ہوں، تو میرا خدا
اے خدا جب تک رہیں لیل و نہار
دو جہاں میں ہو یہ میری یادگار
غنچہ امید کھل کر پھول ہو!
نور کی سرکار میں مقبول ہو
آنکھ روشن، پڑھ کے ہر دل سیر ہو
اور میرا" خاتمہ بالخیر ہو
ہوں مرے ماں باپ یارب جنتی
از طفیلِ رَبِّ هَبْ لِیْ اُمَّتِیْ

میرے سب استاد بھی، احباب بھی
جنۃ الفردوس پا جائیں سبھی
کر دعائے اعظمی یا رب قبول
بہرِ اصحابِ نبی، آلِ رسول

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی (کرنا) چاہتا ہے اسے دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے

سُنّی بہشتی زیور (کامل)

جلد اوّل

(حصہ اوّل تا پنجم)

خلیلِ ملّت حضرت علّامہ مفتی محمد خلیل خان برکاتی قدس سرہٗ

الناشر

فرید بک سٹال

۳۸ - اُردو بازار، لاہور ۲ فون نمبر ۳۱۲۱۷۳

تصانیف
شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی قدس سرہٗ

جنتی زیور

ایمانی تقریریں

قرآنی تقریریں

حقانی تقریریں

نورانی تقریریں

عرفانی تقریریں

عجائب القرآن

منتخب حدیثیں مجلد

غرائب القرآن

جواہر الحدیث

مسائل القرآن

کراماتِ صحابہ

روحانی حکایات

جہنم کے خطرات

قیامت کب آئے گی

تقسیم کار

فرید بُک سٹال ۳۸- اردو بازار، لاہور

فون: ۲۱۲۱۷۳-۷۲۲۳۸۹۹